Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب الصفة الصلاة، کتاب الآذان، کتاب مواقیت الصلاۃ

جلد چہارم

الفیض الجاری فی دروس البخاری

افادات درسِ صحیح بخاری

محدّث عصر حضرت اقدس مولانا محمّد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ضبط و ترتیب

مولانا محمد ایوب سورتی
خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات

MAKTABA-E-REHMANIA

Maktaba Tul Ishaat

تمام فنون کے کتب ہمارے ویب سائٹ اور پلے سٹور سے فری ڈاون لوڈ کریں۔ ہم روزانہ کی بنیاد پر اس میں مزید نئے کتب شامل کر رہے ہیں نئے شامل شدہ کتب لیے روزانہ ہمارے پلے سٹور اور ویب سائٹ کو باقاعدگی سے چیک کیا کریں۔

اپنی کتاب کو ہمارے ویب سائٹ پر شائع کرنے کے لیے رابطہ کریں

تفاسیر	خطبات	منطق
احادیث	سیرت	معانی
فقہ	تاریخ	تصوف
سوانح حیات	صرف	تقابل ادیان
درس نظامی	نحو	تجوید
لغت	فلسفہ	نعت
فتاوی	حکمت	تراجم
اصلاحی	بلاغت	تبلیغ و دعوت
آڈیو دروس	مناظرے	تمام فنون

maktaba.tul.ishaatofficial@gmail.com

Maktaba Tul Ishaat.com

الفیض الجاری

فی

دُروسِ البُخاری

جلد چہارم

ابواب الصفۃ الصلاۃ، کتاب الآذان، کتاب مُواقیت الصلاۃ

افادات درسِ صحیح بُخاری

مُحدّث عصر حضرت اقدس مولانا محمّد یُونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علُوم سہارنپور

ضبط و ترتیب

مولانا محمّد ایُّوب سُورتی

خادم حدیث نبویؐ دارالعُلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37224228-37355743

MAKTABA-E-REHMANIA

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

الفیض الجاری فی دروس البخاری

جلد چہارم

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

ہمارے ادارے کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فهرس الموضوعات

صفحہ بخاری	فہرست ابواب	صفحہ کتاب
	عرض مرتب (محمد ایوب سورتی)	۱۱
۷۵	کتاب مواقیت الصلاة	۱۵
۷۵	بَاب مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ وَفَضْلِهَا	۱۹
۷۵	بَاب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى ﴿مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾	۲۵
۷۵	بَاب الْبَيْعَةِ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ	۲۹
۷۵	بَاب الصَّلَاةُ كَفَّارَةٌ	۳۰
۷۵	بَاب فَضْلِ الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا	۳۶
۷۶	بَاب الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا	۳۹
۷۶	بَاب تَضْيِيعِ الصَّلَاةِ عَنْ وَقْتِهَا	۴۴
۷۶	بَاب الْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ	۴۶
۷۶	بَاب الْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ	۴۸
۷۷	بَاب الْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ	۵۷
۷۷	بَاب وَقْتِ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ	۵۹
۷۷	بَاب تَأْخِيرِ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ	۶۳
۷۷	بَاب وَقْتِ الْعَصْرِ	۶۸
۷۸	بَاب إِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ	۷۶
۷۸	بَاب إِثْمِ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ	۷۸

Maktaba Tul Ishaat.com

۷۸	بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعَصْرِ	۸۲
۷۹	بَابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوبِ	۸۷
۷۹	بَابُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ	۹۸
۷۹	بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ الْعِشَاءُ	۱۰۲
۸۰	بَابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ وَمَنْ رَآهُ وَاسِعًا	۱۰۴
۸۰	بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ أَوْ تَأَخَّرُوا	۱۰۹
۸۰	بَابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ	۱۰۹
۸۰	بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ	۱۱۲
۸۰	بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ	۱۱۳
۸۱	بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ	۱۱۷
۸۱	بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَالْحَدِيثِ	۱۱۹
۸۱	بَابُ وَقْتِ الْفَجْرِ	۱۲۳
۸۲	بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً	۱۳۲
۸۲	بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً	۱۳۳
۸۲	بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ	۱۳۵
۸۲	بَابُ لَا تُتَحَرَّى الصَّلَاةُ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ	۱۳۷
۸۳	بَابُ مَنْ لَمْ يَكْرَهِ الصَّلَاةَ إِلَّا بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ	۱۴۰
۸۳	بَابُ مَا يُصَلَّى بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَنَحْوِهَا	۱۴۳
۸۳	بَابُ التَّبْكِيرِ بِالصَّلَاةِ فِي يَوْمِ غَيْمٍ	۱۴۹
۸۳	بَابُ الْأَذَانِ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ	۱۵۱
۸۳	بَابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ	۱۵۵
۸۴	بَابُ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ	۱۶۱

Maktaba Tul Ishaat.com

۸۴	بَاب قَضَاءِ الصَّلَاةِ الْأُولَى فَالْأُولَى	۱۶۵
۸۴	بَاب مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ	۱۶۶
۸۴	بَاب السَّمَرِ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ	۱۶۸
۸۴	بَاب السَّمَرِ مَعَ الضَّيْفِ وَالْأَهْلِ	۱۷۳
۸۵	**كتاب الأذان**	۱۸۰
۸۵	بَاب بَدْءِ الْأَذَانِ	۱۸۲
۸۵	بَاب الْأَذَانُ مَثْنَى مَثْنَى	۱۸۹
۸۵	بَاب الْإِقَامَةُ وَاحِدَةٌ إِلَّا قَوْلَهُ قَدْ قَامَتْ الصَّلَاةُ	۱۹۵
۸۵	باب فَضْلِ التَّأْذِينِ	۱۹۹
۸۵	باب رَفْعِ الصَّوْتِ بِالنِّدَاءِ	۲۰۱
۸۶	باب مَا يُحْقَنُ بِالْأَذَانِ مِنَ الدِّمَاءِ	۲۰۴
۸۶	باب مَا يَقُولُ إِذَا سَمِعَ الْمُنَادِي	۲۰۵
۸۶	باب الدُّعَاءِ عِنْدَ النِّدَاءِ	۲۰۸
۸۶	باب الِاسْتِهَامِ فِي الْأَذَانِ	۲۱۲
۸۶	باب الْكَلَامِ فِي الْأَذَانِ	۲۱۵
۸۶	باب أَذَانِ الْأَعْمَى إِذَا كَانَ لَهُ مَنْ يُخْبِرُهُ	۲۱۸
۸۶	بَاب الْأَذَانِ بَعْدَ الْفَجْرِ	۲۲۲
۸۷	بَاب الْأَذَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ	۲۲۵
۸۷	بَاب كَمْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ	۲۳۱
۸۷	باب مَنِ انْتَظَرَ الْإِقَامَةَ	۲۳۵
۸۷	باب بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ لِمَنْ شَاءَ	۲۳۶
۸۷	باب مَنْ قَالَ لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ	۲۳۶

Maktaba Tul Ishaat.com

۸۷	باب الْأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً وَالْإِقَامَةِ	۲۳۸
۸۸	باب هَلْ يَتَتَبَّعُ الْمُؤَذِّنُ فَاهُ هَهُنَا وَهَهُنَا	۲۴۴
۸۸	باب قَوْلِ الرَّجُلِ فَاتَتْنَا الصَّلَاةُ	۲۴۹
۸۸	باب مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا	۲۵۰
۸۸	باب مَتَى يَقُومُ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْإِمَامَ عِنْدَ الْإِقَامَةِ	۲۵۴
۸۸	باب لَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ مُسْتَعْجِلًا وَلْيَقُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ	۲۵۵
۸۹	باب هَلْ يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِعِلَّةٍ	۲۵۶
۸۹	باب إِذَا قَالَ الْإِمَامُ مَكَانَكُمْ حَتَّى رَجَعَ انْتَظَرُوهُ	۲۶۱
۸۹	باب قَوْلِ الرَّجُلِ مَا صَلَّيْنَا	۲۶۲
۸۹	باب الْإِمَامِ تَعْرِضُ لَهُ الْحَاجَةُ بَعْدَ الْإِقَامَةِ	۲۶۵
۸۹	باب الْكَلَامِ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ	۲۶۷
۹۰	أبواب صلاة الجماعة والإمامة	۲۶۸
۹۰	باب وُجُوبِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ	۲۶۸
۸۹	باب فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ	۲۷۲
۹۰	باب فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي جَمَاعَةٍ	۲۷۷
۹۰	باب فَضْلِ التَّهْجِيرِ إِلَى الظُّهْرِ	۲۷۹
۹۰	باب احْتِسَابِ الْآثَارِ	۲۸۲
۹۰	باب فَضْلِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ	۲۸۶
۹۰	باب اثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ	۲۸۷
۹۰	باب مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ	۲۸۹
۹۱	باب فَضْلِ مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ	۲۹۵
۹۱	باب إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ	۲۹۷

Maktaba Tul Ishaat.com

۹۱	باب حَدِّ الْمَرِيضِ أَنْ يَشْهَدَ الْجَمَاعَةَ	۳۰۴
۹۲	باب الرُّخْصَةِ فِي الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ أَنْ يُصَلِّيَ فِي رَحْلِهِ	۳۱۲
۹۲	باب هَلْ يُصَلِّي الْإِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ	۳۱۵
۹۲	باب إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتْ الصَّلَاةُ	۳۱۹
۹۳	باب إِذَا دُعِيَ الْإِمَامُ إِلَى الصَّلَاةِ وَبِيَدِهِ مَا يَأْكُلُ	۳۲۳
۹۳	باب مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَهْلِهِ فَأُقِيمَتْ الصَّلَاةُ فَخَرَجَ	۳۲۴
۹۳	باب مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ وَهُوَ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يُعَلِّمَهُمْ	۳۲۵
۹۳	باب أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ	۳۲۷
۹۴	باب مَنْ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْإِمَامِ لِعِلَّةٍ	۳۳۷
۹۴	باب مَنْ دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ فَجَاءَ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ	۳۳۹
۹۴	باب إِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ	۳۴۳
۹۵	باب إِذَا زَارَ الْإِمَامُ قَوْمًا فَأَمَّهُمْ	۳۴۴
۹۵	باب إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ	۳۴۷
۹۶	باب مَتَى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ	۳۵۹
۹۶	باب إِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ	۳۶۲
۹۶	باب إِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلَى	۳۶۵
۹۶	باب إِذَا لَمْ يُتِمَّ الْإِمَامُ وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ	۳۷۰
۹۶	باب إِمَامَةِ الْمَفْتُونِ وَالْمُبْتَدِعِ	۳۷۳
۹۷	باب يَقُومُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ بِحِذَائِهِ سَوَاءً إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ	۳۷۹
۹۷	باب إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْإِمَامِ فَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ	۳۸۱
۹۷	باب إِذَا لَمْ يَنْوِ الْإِمَامُ أَنْ يَؤُمَّ ثُمَّ جَاءَ قَوْمٌ فَأَمَّهُمْ	۳۸۴
۹۷	باب إِذَا طَوَّلَ الْإِمَامُ وَكَانَ لِلرَّجُلِ حَاجَةٌ فَخَرَجَ فَصَلَّى	۳۸۶

Maktaba Tul Ishaat.com

۹۷	باب تَخْفِيفِ الْإِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ	۳۹۶
۹۷	باب إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ	۴۰۰
۹۷	باب مَنْ شَكَا إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ	۴۰۱
۹۸	باب الْإِيجَازِ فِي الصَّلَاةِ وَإِكْمَالِهَا	۴۰۴
۹۸	باب مَنْ أَخَفَّ الصَّلَاةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ	۴۰۵
۹۸	باب إِذَا صَلَّى ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا	۴۰۹
۹۸	باب مَنْ أَسْمَعَ النَّاسَ تَكْبِيرَ الْإِمَامِ	۴۱۰
۹۹	باب الرَّجُلِ يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ وَيَأْتَمُّ النَّاسُ بِالْمَأْمُومِ	۴۱۱
۹۹	باب هَلْ يَأْخُذُ الْإِمَامُ إِذَا شَكَّ بِقَوْلِ النَّاسِ	۴۱۳
۹۹	باب إِذَا بَكَى الْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ	۴۱۶
۱۰۰	بَاب تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ عِنْدَ الْإِقَامَةِ وَبَعْدَهَا	۴۱۸
۱۰۰	بَاب إِقْبَالِ الْإِمَامِ عَلَى النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ	۴۲۱
۱۰۰	بَاب الصَّفِّ الْأَوَّلِ	۴۲۱
۱۰۰	بَاب إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ	۴۲۳
۱۰۰	بَاب إِثْمِ مَنْ لَمْ يُتِمَّ الصُّفُوفَ	۴۲۴
۱۰۰	بَاب إِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِي الصَّفِّ	۴۲۷
۱۰۰	بَاب إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْإِمَامِ	۴۲۸
۱۰۰	بَاب الْمَرْأَةُ وَحْدَهَا تَكُونُ صَفًّا	۴۳۳
۱۰۱	بَاب مَيْمَنَةِ الْمَسْجِدِ وَالْإِمَامِ	۴۳۵
۱۰۱	بَاب إِذَا كَانَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَبَيْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ أَوْ سُتْرَةٌ	۴۳۸
۱۰۱	بَاب صَلَاةِ اللَّيْلِ	۴۴۲
۱۰۱	[أَبْوَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ]	۴۴۵

Maktaba Tul Ishaat.com

۱۰۱	بَاب إِيجَابِ التَّكْبِيرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلَاةِ	۴۴۵
۱۰۲	بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مَعَ الِافْتِتَاحِ سَوَاءً	۴۵۲
۱۰۲	بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ	۴۵۹
۱۰۲	بَاب إِلَى أَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ	۵۱۰
۱۰۲	بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ	۵۱۲
۱۰۲	بَاب وَضْعِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ	۵۱۵
۱۰۲	بَاب الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ	۵۱۷
۱۰۲	بَاب مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ	۵۲۰
۱۰۳	بَاب	۵۳۱
۱۰۳	بَاب رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى الْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ	۵۳۴
۱۰۳	بَاب رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ	۵۳۷
۱۰۴	بَاب الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ	۵۳۸
۱۰۴	بَاب هَلْ يَلْتَفِتُ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ أَوْ يَرَى شَيْئًا أَوْ بُصَاقًا فِي الْقِبْلَةِ	۵۴۱
۱۰۴	بَاب وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ	۵۴۴
۱۰۵	بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ	۶۰۰
۱۰۵	بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ	۶۰۲
۱۰۵	بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ	۶۰۲
۱۰۵	بَاب الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ	۶۰۵
۱۰۵	بَاب الْجَهْرِ فِي الْعِشَاءِ	۶۰۶
۱۰۵	بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ بِالسَّجْدَةِ	۶۰۷
۱۰۶	بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ	۶۰۸
۱۰۶	بَاب يُطَوِّلُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَيَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ	۶۰۸

Maktaba Tul Ishaat.com

۱۰۶	بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ	۶۰۹
۱۰۶	بَاب الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلَاةِ الْفَجْرِ	۶۱۱
۱۰۶	بَاب الْجَمْعِ بَيْنَ السُّورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ	۶۱۶
۱۰۷	بَاب يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ	۶۲۳
۱۰۷	بَاب مَنْ خَافَتَ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ	۶۲۵
۱۰۷	بَاب إِذَا أَسْمَعَ الْإِمَامُ الْآيَةَ	۶۲۵
۱۰۷	بَاب يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى	۶۲۶
۱۰۷	بَاب جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ	۶۲۷
۱۰۸	بَاب فَضْلِ التَّأْمِينِ	۶۳۷
۱۰۸	بَاب جَهْرِ الْمَأْمُومِ بِالتَّأْمِينِ	۶۳۸

Maktaba Tul Ishaat.com

عرض مرتب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العلمين، الرحمن الرحيم، وصلى الله وسلم على سيدنا محمد، خاتم النبيين، أشرف الأنبياء والمرسلين، قائد الغر المحجلين، و على آله و أصحابه أجمعين، و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

امابعد:

اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ بتوفیق اللہ وفضلہ ہمارے استاد مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری نوراللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ سابق شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے افادات علمیہ بصورت الفیض الجاری (جلد چہارم) تکمیل پذیر ہے، یہ اسی مالک کا کرم اور احسان ہے جس کے قبضہ میں ہمارے نواصی واقدام ہیں کہ اس نے اس کام کو ہمارے لئے آسان کیا جبکہ درمیان میں بہت سے عوائق وموانع بھی پیش آتے رہے بلکہ گزشتہ جلد میں اپنے ضعف وعوارض کا اظہار بھی کیا اور دعاؤں کی درخواست کی۔

یہ چوتھی جلد (جو درحقیقت آخری جلد کو ملا کر پانچویں جلد ہے) نہایت قیمتی مباحث اور ان اختلافی مسائل پر مشتمل ہے جن میں بڑے زور وشور سے مسلکی اختلافات بیان کئے جاتے ہیں اور دلائل کے انبار لگائے جاتے ہیں۔

ان مباحث کو آپ اس انداز سے پڑھئے کہ جانبین میں احادیث رسول اللہ ﷺ کا کس قدر عظیم ذخیرہ جمع کیا گیا ہے اور اس کے طرق اور تخریجات اور اس کے صحت وضعف اور جرح وتعدیل پر کتنا مضبوط محاکمہ کیا گیا ہے اور کیسی کیسی تحقیقاتِ نادرہ پیش کی گئی ہیں، باقی اگر کسی کو اس سلسلہ میں یہ محسوس ہو کہ اپنے مسلک کی تائید نہیں ہو رہی ہے یا اس کو کماحقہ مؤید نہیں کیا گیا تو الحمد للہ اس معاصر دور میں بخاری شریف کی ایسی متعدد شروح وجود میں آچکی ہیں جن کے مطالعہ سے یہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ الفیض الجاری جلد ثالث کے عرض مرتب میں عرض کیا گیا کہ ان پہلی تین جلدوں میں حضرۃ الاستاذ کی

Maktaba Tul Ishaat.com

۱۹۷۲ء کی وہ تقریر شائع کی گئی جو حضرت کے پاس چار جلدوں میں لال کاپیوں کی صورت میں موجود تھیں اور حضرت نے اس پر حذف واضافہ اور اصلاح وتعدیل فرمارکھی تھی۔

اب الفیض الجاری کی چوتھی جلد سے ۱۹۸۲ء کی وہ تقریر شامل ہے جو ایک افریقی طالب علم (مولوی عزیز الحق ڈوکرات مرحوم) نے پورے سال کیسیٹوں میں محفوظ کی تھی، انہیں کاغذ پر منتقل کرواکر مرتب کیا گیا۔

نیز یہاں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ حضرۃ الاستاذ مختلف سالوں میں جس باب یا عنوان پر مبسوط اور مرتب کلام کرتے اس کو اُس سال کے طلبہ سے نقل کروالیتے، وہ نقل شدہ اوراق حضرت کے پاس محفوظ رہتے اور حضرت اس کو ملاحظہ فرماکر حسب ضرورت اصلاح بھی فرماتے اور بعد میں اپنے ہاتھ سے ان اوراق پر (دیدہ شد) تحریر فرمادیتے جس سے انداز ہوتا کہ حضرت کی نظر سے پورا مضمون گزر چکا ہے، وہ تمام اوراق بھی بفضل اللہ ہمارے پاس موجود ہیں، اُن ابواب میں کیسٹ سے نقل شدہ تقریر کے بجائے اسی کو نقل کیا جاتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ کسی سال کے بھی ہوں، چنانچہ رفع یدین، قرأۃ خلف الامام، آمین کے مباحث ۱۹۸۴ء کی تقاریر ہیں جن پر حضرت کی تحقیقی نظر ہو چکی ہے۔

حادثۂ وفات: نیز اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ دوران سال ان مرتب کردہ حضرت کے افادات کے ایک انتہائی قدر دان اللہ تعالی کی رحمت میں پہونچ گئے، میری مراد اس سے ہمارے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ہیں جو ہر نئی جلد کے پہنچنے پر انتہائی مسرور ہوتے اور اس کا مطالعہ کرتے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ جب ہم مولانا کے پاس پڑھتے تھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا اب شرح دیکھ کر سمجھ میں آرہا ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمیں دوبارہ بخاری پڑھنی چاہیے، ایک مرتبہ خوش ہو کر کہنے لگے کہ اللہ کی شان ہم دونوں بھائیوں میں سے ایک کام اللہ نے ہم سے لیا اور وہ ترمذی شریف کا حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کے دروس کی اشاعت (بنام دروس مظفری) اور دوسرا کام آپ سے لیا کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب کے درس بخاری کو آپ نے شائع کیا جبکہ دونوں حضرات کے ہزاروں شاگرد ہیں، بہر حال ان کے جانے سے ہمارے گھر کا ایک فرد بلکہ بڑا شخص چلا گیا، اللہ غریق رحمت فرمائے۔

ان کے علاوہ بیشمار علماء اور مشائخ ان وبائی امراض کے دوران وفات پا گئے، جس کی وجہ سے اس سال کو عام الحزن یا عام الوفیات کہنا بجا ہے، ان سب ہی کا جانا علمی عملی، دینی وعرفانی نقصان ہے مگر خاص طور سے انگلینڈ میں حضرت علامہ خالد محمود صاحب اور ہندوستان میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری کا علمی خسارہ مدتوں محسوس کیا جائے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اب تک اللہ کا فضل رہا اس کی دی ہوئی ہمت سے کام کرنے کی امنگ باقی رہی تو الیواقیت کی چار جلدیں اور نبراس الساری فی ریاض البخاری کی پانچ جلدیں اور الفیض الجاری کی پانچ جلدیں شائع ہو گئیں۔

نیز پہلی جلد کی طرح یہاں بھی عرض ہے کہ الحمد للہ حضرت سے تعلق رکھنے والے بہت سے تلامذہ اور احباب ان کاموں کی بار بار ہمت افزائی فرما رہے ہیں، بالخصوص حضرت کے خادمِ خاص مکرم مولانا یونس رندیرا صاحب، محترم مفتی شبیر احمد صاحب، محترم مولانا یوسف ٹنکاروی صاحب، مولانا عبد الرشید متالا صاحب، مولانا ایوب پانولی، مولانا جابر پالنپوری بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

اس موقع پر ایک شکریہ ہمارے عزیز دوست محبی فی اللہ الحاج منصور الحسن غوری کا ہے جو باوجودیکہ نہ کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل نہ فیض یافتہ ہیں، نہ کوئی علمی سلسلہ و مشغلہ، بس دینی ذوق رکھتے اور اردو لکھ بول لیتے ہیں محض دینی تعلق کی وجہ سے اپنا انتہائی قیمتی وقت دے رکھا ہے اور شانہ بشانہ کمپیوٹر پر بیٹھ کر کتاب کی تحریر و تہذیب میں تعاون کرتے رہتے ہیں جبکہ اچھے اچھے جوان فضلاء اس مشقت سے جی کتراتے ہیں، اللہ تعالی اپنے شایانِ شان ان کو اور ان کے گھر والوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں اپنی محبت اور رضا نصیب فرمائیں، اللہ تعالی ان کی اور ہماری اولاد کو بھی صلاح و فلاح سے نواز کر دینی خدمات کے لئے قبول فرمائے۔

آخر میں اپنے تمام محسنین و متعلقین، دوست و احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کسی بھی طرح اس میں ہمارا تعاون فرمایا، اللہ تعالی محض اپنے کرم سے اس علمی سلسلہ کو قبول فرمائیں اور ہمت و توفیق عطا فرمائیں، تمام قارئین سے درخواست ہے کہ حضرۃ الاستاذ کی مغفرت تامہ اور درجات عالیہ میں ترقی کی دعاء فرمائیں اور مرتب کے حق میں خیر و عافیت اور بالخصوص اس سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے اور اللہ تعالی کی مدد شامل حال ہونے کی ضرور دعاء کریں۔

والسلام احقر محمد ایوب سورتی عفا اللہ عنہ

خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات

وخادم مجلس دعوۃ الحق یوکے، ودعوۃ الحق سورت

۲۳ ذو القعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۵ جولائی ۲۰۲۰ء پنج شنبہ

Maktaba Tul Ishaat.com

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ص ۷۵) کتاب مواقیت الصلاۃ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس مقام پر اولاً چار عنوان صحیح بخاری کے نسخوں سے نقل کئے ہیں۔

(۱) پہلا عنوان ہے باب مواقیت الصلوۃ، بسم اللہ الرحمن الرحیم، حافظ ابن حجر نے یہ عنوان مستملی کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۲) دوسرا عنوان ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم، باب مواقیت الصلوۃ وفضلھا، حافظ نے یہ عنوان کشمیہنی اور حموی کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۳) تیسرا عنوان ہے مثل الثانی لیکن بحذف البسملۃ یعنی باب مواقیت الصلوۃ وفضلھا، حافظ کہتے ہیں کہ یہ کریمہ بنت احمد مروزیہ کے نسخہ میں واقع ہوا ہے۔

(۴) اور چوتھا ہے مثل الثالث لیکن لفظ باب کے حذف کے ساتھ مواقیت الصلوۃ وفضلھا، حافظ صاحب نے یہ عنوان ابو محمد اصیلی کی روایت کی طرف منسوب کیا ہے۔

علامہ عینی نے اخیر کے تینوں عنوانوں میں حافظ کی موافقت کی ہے لیکن عنوان اول میں باب کے بجائے کتاب کا لفظ ذکر کیا ہے۔

علامہ قسطلانی نے وہی چاروں عنوان ذکر کئے ہیں جو عینی نے ذکر کئے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے ذکرہ العینی وابن حجر، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عنوان اوّل میں حافظ کے یہاں بجائے باب کے کتاب کا لفظ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے تراجم میں جو عنوان اختیار کیا ہے وہ کتاب مواقیت الصلوۃ، باب مواقیت الصلوۃ ہے، اب اس پر اشکال ہوا کہ یہ تکرار ہے، شاہ صاحب نے اس کا جو جواب دیا اس کو میں اگلے باب میں بیان کروں گا، اتنی بات تو یہاں یہ سمجھو کہ یہ تکرار صرف ہندی نسخوں میں اور شاہ ولی اللہ صاحب کے

Maktaba Tul Ishaat.com

نسخہ میں ہے، شارحین کے نسخوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں تکرار نہیں ہے۔

بہر حال امام بخاری نے کتاب الصلوۃ کا جو ترجمہ منعقد کیا تھا تو اس میں اولاً نماز کی فرضیت بیان کی تھی اور اس کے بعد نماز کے شرائط ستر عورت اور استقبال قبلہ کا ذکر کیا اور اب مواقیت کا تذکرہ فرمایا۔

اس ترتیب کو اختیار کرنے کی وجہ میں بیان کر چکا ہوں، اور حاصل اس کا یہ ہے کہ ستر عورت عام ہے نماز اور غیر نماز کے لئے اس لئے اس کو مقدم فرمایا، اور استقبالِ قبلہ نماز کے ساتھ خاص ہے اس لئے اس کے بعد اس کو ذکر فرمایا، مگر اس میں اس لحاظ سے عموم ہے کہ استقبالِ قبلہ فرض اور نافلہ دونوں کو شامل ہے، پھر مواقیت کا تذکرہ کیا اس لئے کہ اس کا تعلق صرف فرائض سے ہے۔

مواقیت جمع ہے میقات کی، میقات کہتے ہیں وقت محدّد اور مکان محدّد کو، اوّل کو میقات زمانی کہا جاسکتا ہے اور ثانی کو میقات مکانی، لیکن میقات مکانی حج کے اندر زیادہ متعارف ہے اور میقات زمانی نماز میں۔

بہر حال نمازیں چونکہ خدائے پاک کی سب سے بڑی عبادت ہیں جیسا کہ جمہور علماء کی رائے ہے (سوائے ابن عبد البر کے اور کسی نے مخالفت نہیں کی ہے وہ تنہا صوم کو سب سے افضل مانتے ہیں، لیکن ان کا قول مرجوح ہے اور احمد بن صالح کی جس روایت سے انہوں نے استدلال کیا ہے فإنه لا مثل له وہ ان کے مدعا پر صریح دال نہیں، اس لئے کہ لامثل له کا مطلب أی لامثل له فی قصم الشهوات ہے)، اس لئے مناسب یہ ہوا کہ اس عبادت عظیمہ کے لئے مخصوص وقت ہو، اس لئے کہ جو چیز جتنی اہم ہوتی ہے اتنا اس کا اہتمام ظاہر کیا جاتا ہے اور شیئ مہتم بالشان کا ایک مخصوص وقت بھی مقرر کیا جاتا ہے لہذا نمازوں کے لئے مخصوص اوقات مقرر کئے گئے، مگر ان اوقات کی توقیت میں جہاں نماز کی اہمیت ملحوظ ہے وہیں بندوں کی بھی رعایت ملحوظ ہے، اس لئے کہ اگر کیف ما اتفق نماز کا حکم دے دیا جاتا تو بعض تو کوتاہی کرتے، نماز نہ پڑھتے، اور بعض ضیق میں مبتلا ہو جاتے، وہ بیچارے اسی کوشش میں لگ جاتے کہ اب فارغ ہوں تب فارغ ہوں، اور برابر کی کوشش کرتے، اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پاک ﷺ کی زبان پر اور آپ کے فعل سے اوقات صلوات کو متعین کر دیا، اور نماز کے ان اوقات کی ترتیب بڑی عجیب وغریب رکھی گئی ہے۔

علماء نے احکام شرعیہ کی کچھ حکمتیں بھی بیان کی ہیں جیسے امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت تھانوی نے المصالح العقلیۃ للاحکام النقلیۃ میں اور دوسرے

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرات نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں ان کے حِکَم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب یہ احکام خدائے برتر کے ہیں تو خدا کی حقیقی مراد تک رسائی ہونا بہت مشکل ہے الا یہ کہ اللہ بیان فرمادے یا اللہ کا رسول بیان کردے، بہر حال علماء نے اپنے اپنے فہم ودانش اور اپنی اپنی قوتِ ادراک کے اعتبار سے ان حکمتوں کو اخذ کیا ہے اور بیان فرمایا ہے۔

یہاں ان اوقاتِ نماز کے مقرر کرنے میں کیا حکمت ملحوظ ہے؟

اس سلسلہ میں ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر دیکھا جائے تو ان اوقات میں بڑی بے ترتیبی ہے، دن کا نصف اوّل بالکل خالی اور پھر مسلسل نمازیں ہیں، اور رات کا نصف آخر خالی اور نصف اوّل میں نماز مغرب اور عشاء ہے، لیکن اگر واقعۃً غور کیا جائے تو حق تعالیٰ شانہ کی بڑی غامض حکمتیں نظر آتی ہیں۔

اصل میں جس مخلوق کو یہ حکم دیا جارہا ہے وہ مخلوق طرح طرح کے تقاضوں میں جکڑی ہوئی ہے، کہیں کھانے اور پینے کا تقاضہ ہے تو کہیں سونے اور آرام کرنے کا تقاضہ ہے تو کہیں بیوی اور بچوں کے مطالبات پورے کرنے کا تقاضہ ہے اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے اگرچہ اس ضعیف وناتواں مخلوق کو اصلاً وبالذات عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے اور قرآن میں صاف اعلان کردیا ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾، لیکن سارے اوقات میں نماز کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ دن کا ابتدائی حصہ خالی کردیا تاکہ بندے اپنی ضرورتوں سے اس وقت میں فارغ ہوجائیں، کیوں کہ عام طور سے انسان کو ضرورت صبح کے وقت میں پڑا کرتی ہے، بازار والا اسی وقت اپنی دوکان کھولنا چاہتا ہے، کاشتکار اسی وقت میں اپنی کھیتی کرنا چاہتا ہے لہذا وہ وقت فارغ کردیا گیا، اس کے بعد پھر زوال کے بعد سے طاعات کا مطالبہ ہوا، چنانچہ اولاً ظہر کی نماز پھر چند گھنٹوں کے بعد عصر کی نماز رکھی گئی، رات میں یہ رکھا گیا کہ سونے سے پہلے پہلے عبادتیں رکھی گئیں اس لئے اولاً مغرب پھر تھوڑے فاصلہ سے عشاء رکھی گئی، اگر آخر شب میں مطالبہ رکھا جاتا تو سونے کے بعد اٹھنا بڑا شاق اور انتہائی گراں گزرتا لہذا بندوں کی رعایت کی گئی۔

اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ نہیں کیا گیا کہ ان اوقات میں مکمل عبادت ہو بلکہ چند محدود رکعات کا مطالبہ رکھا گیا حالانکہ قاعدہ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اللہ نے جب آدھا وقت بندوں کے لئے فارغ کردیا، رات کا آخری آدھا

Maktaba Tul Ishaat.com

اور دن کا پہلا آدھا دے دیا تو اب رات کے پہلے آخر میں اور دن کے آخری آدھے میں حق تعالیٰ شانہ کا یہ مطالبہ ہو تا کہ پورا وقت عبادت سے معمور ہونا چاہئے لیکن حق تعالیٰ شانہ نے بندوں پر رحم پر رحم فرمایا کہ چند رکعات کا مطالبہ کر لیا اور اس میں بھی مطالبہ کی ترتیب عجیب و غریب رکھ دی گئی کہ ظہر میں تو تعجیل رکھی گئی اور عصر میں تاخیر، تاکہ صحیفۂ حسنات ابتداء اور انتہاء میں پُر ہو جائے اور اوّل و آخر اچھا ہو لہذا بیچ میں جو لغزشیں ہوتی ہیں وہ اس کے ضمن میں ختم ہو جائیں اور پھر ان لغزشوں کا اعتبار نہ ہو، اور اسی طرح سے مغرب میں تعجیل اور عشاء میں تاخیر رکھی گئی تاکہ وہاں بھی یہی بات ہو کہ رات کے اوّل و آخر عبادت میں درمیانی غلطیاں معاف ہو جائیں کما قال شیخنا، حضرت نے اس سلسلہ میں بہت تفصیل سے لامع کے حاشیہ میں کلام کیا ہے اصل کی لذت تو اس کے دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

معلوم نہیں میں نے حاشیہ پر کہاں سے لکھا تھا، رات کو تلاش کیا کہ کہیں اصل مأخذ مل جائے وہ تو مجھے ملا نہیں، سوچتے سوچتے یہ سمجھ میں آیا کہ یہ میرا ہی اپنا سفوف خانہ ساز ہے جو یادداشت کے طور پر لکھ لیا گیا تھا اس لئے میں ان مواقیت کی اپنے طور پر ایک حکمت بیان کرتا ہوں، اگر واقعۃً وہ صواب ہے تو اللہ کریم کی طرف سے ہے اور اگر وہ خطاء ہے تو حق تعالیٰ سے معافی کی درخواست ہے۔

اس کو اس طرح سمجھو کہ بندہ ہر وقت اس کا مکلف ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں حاضر باش رہے اور اس کی عبادت کرے، مگر چونکہ انسان طرح طرح کے عوائق و مشکلات اور مشاغل میں مبتلا بھی رہتا ہے اس لئے اس کے لئے حاضری کے مخصوص اوقات مقرر کر دئے گئے ہیں، اور چونکہ ہر شاہی دربار کی حاضری کے کچھ خاص ضابطے ہیں اور نماز بھی بارگاہِ خداوندی اور بڑے شہنشاہ کی حاضری کا شاہی دربار ہے اس لئے اس کی حاضری کے کچھ خاص ضابطے اور مخصوص اوقات رکھے گئے ہیں۔

نماز فجر کو صبح صادق کے بعد اس لئے رکھا گیا کہ گویا صبح ہوتے ہی مجلس کی ابتداء ہو گی، اب شاہانہ مجلس کا ادب اور اس کی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ بیدار ہوتے ہی فوری حاضری ہو اور وہاں آداب اور تعظیمات پیش کئے جائیں اور اس کے عوض میں اللہ کی طرف سے اس پر انعامات و انوار و برکات روحانی فیوض کی شکل میں عطا ہو، پھر باقی اوقات کو بندوں کے لئے فارغ کر دیا گیا تاکہ وہ اپنے معاش کا انتظام کر سکیں۔

پھر زوال کے وقت دوبارہ حاضری کا مطالبہ کیا گیا کہ یہ وسطِ مجلس کا وقت ہے، جیسے ابتداء میں حاضری کا

Maktaba Tul Ishaat.com

مطالبہ تھا وسط میں بھی مطالبہ ہوا کہ بادشاہ کی مجلس میں آکر شاہی آداب پیش کرو، اب چاہئے تو یہ تھا کہ عین استواء شمس کے وقت مطالبہ ہوتا کیوں کہ عین وسط تو وہی ہے مگر اس وقت کو اس لئے نکال دیا گیا کہ وہ عبادتِ شمس کا وقت ہے، لہذا عبادۃ الخالق ایسے وقت میں نہ ہونی چاہئے جب عبادۃ الشمس ہو رہی ہو تا کہ کسی جاہل کو غیر کی عبادت کا اشتباہ نہ لگ جائے اور کسی بدعقیدگی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

پھر عصر کے وقت تیسری حاضری کا مطالبہ کیا گیا اس لئے کہ اب گویا شاہی دربار کی حاضری کا وقت ختم ہو رہا ہے تو ایک حاضری پھر ہو جانی چاہئے، اس کے بعد مغرب کے وقت چونکہ دن ختم ہوتا ہے لہذا اس وقت پھر دن کے گویا اختتامی شکریہ کی حاضری ہوتی ہے کہ یہ دن بخیر وخوبی پورا ہو گیا ہے لہذا بادشاہ کی مجلس میں حاضر ہو کر اس کی تعظیمات ادا کی جائیں، اور اس کے بعد عشاء کے وقت چونکہ رفع مجلس کا گویا آخری وقت ہوتا ہے اس لئے پانچویں حاضری اختتامِ مجلس پر رکھی گئی، یہ اپنا خیال ہے اور میں یہ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ کسی درجہ میں یہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔

(ص ۷۵) بَاب مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ وَفَضْلِهَا

وقوله تعالى ﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا﴾ موقتا وقته عليهم

۵۲۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا وَهُوَ بِالْعِرَاقِ فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: مَا هَذَا يَا مُغِيرَةُ؟ أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ جِبْرَئِيلَ عليه السلام نَزَلَ فَصَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ قَالَ: بِهَذَا أُمِرْتُ، فَقَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ: اعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ بِهِ أَوَإِنَّ جِبْرَئِيلَ هُوَ أَقَامَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَقْتَ الصَّلَاةِ، قَالَ عُرْوَةُ: كَذَلِكَ كَانَ بَشِيرُ بْنُ أَبِي

Maktaba Tul Ishaat.com

مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ.

۵۲۲. قَالَ عُرْوَةُ: وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.

ترجمہ: باب، نماز کے اوقات اور ان کی فضیلت کا بیان۔

اور باری تعالیٰ کا ارشاد کہ بیشک نماز اہل ایمان کے ذمہ ایسا فریضہ ہے کہ جو پابندی وقت کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اس کا وقت مقرر فرمادیا ہے۔

حضرت ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے نماز میں ایک دن تاخیر کردی تو حضرت عروہ ابن الزبیر ان کی خدمت میں پہنچے اور ان سے یہ فرمایا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عراق میں قیام کے دوران ایک دن نماز میں دیر کردی تو حضرت ابو مسعود انصاری ان کی خدمت میں پہنچے، ان سے کہا کہ مغیرہ! یہ کیا صورت حال ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جبرئیل علیہ السلام (آسمان) سے نازل ہوئے اور انہوں نے نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر (دوسری) نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر (تیسری) نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر (چوتھی) نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر (پانچویں) نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ایسا ہی حکم ہوا ہے، اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے عروہ سے کہا کہ جس چیز کو تم بیان کر رہے ہو اس کو تحقیق کے بعد اور سوچ سمجھ کر بیان کیا کرو، کیا حضرت جبرئیل ہی وہ ذات ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے نماز کا وقت مقرر کیا تھا؟ عروہ نے جواب دیا کہ بشیر بن ابی مسعود تو اپنے والد حضرت ابو مسعود انصاری سے اسی طرح بیان کرتے تھے۔

عروہ نے بیان کیا کہ مجھ سے حضرت عائشہؓ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ دھوپ ان کے حجرہ میں ہوتی اور پر نہ چڑھتی تھی۔

تشریح: شاہ ولی اللہ صاحب کے نسخہ میں جیسا کہ میں نے بتلایا کتاب مواقیت الصلوۃ اور باب مواقیت الصلوۃ وارد ہوا ہے، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ تو تکرار ہی ہے اس واسطے کہ حضرت امام نے پہلے تو کتاب مواقیت الصلوۃ فرمایا اور بعد میں باب مواقیت الصلوۃ فرمادیا، ایک ہی بات رہی۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے تراجم میں اس کا جواب دیا کہ امام بخاری نے کتاب مواقیت الصلوۃ سے مطلقاً مواقیت کی مشروعیت کا ذکر کیا اور باب مواقیت الصلوۃ سے مصنف کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ آیا مواقیت کی

Maktaba Tul Ishaat.com

مشروعیت وحی خداوندی سے ہوئی ہے یا اجتہاد سے۔

لیکن ہمارا ہندی نسخہ عجیب وغریب ہے وہ کسی نسخہ پر منطبق نہیں ہے، نہ شارحین کے نسخ اربعہ مذکورہ کے ساتھ جوڑ کھاتا ہے اور نہ شاہ ولی اللہ صاحب کے نسخہ کے مطابق ہے، اللہ جانے یہ نسخہ کہاں سے آیا ہے، اس لئے کہ شاہ صاحب کے نسخہ میں وفضلها نہیں ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس کی ابتداء تو کسی ایک نسخہ سے لی گئی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا نسخہ ہے، اور اس کا بعد والا حصہ ہو سکتا ہے کہ حموی اور کشمیہنی کے نسخہ سے لیا گیا ہو۔

بہر حال امام بخاری نے جہاں مواقیت کو بیان کیا ہے وہیں اس کی فضیلت بھی بیان کر دی ہے، حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے دو چیزیں بیان کیں، ایک مواقیت کی ابتداء اور دوسرے اس کی فضیلت، اور فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے اصل مقصود فضیلت بیان کرنی ہو اور فضل کا عطف مواقیت پر عطف تفسیری ہو، لیکن حضرت کے نزدیک احتمال اوّل ہی ارجح ہے۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ امام بخاری کی یہ عادت شریفہ ہے کہ ابتداء میں ترغیب دینے کے لئے فضائل ذکر فرماتے ہیں لہٰذا جہاں امام بخاری نے مواقیت کا تذکرہ کیا وہیں اس کی فضیلت بھی ترغیب کے واسطے ذکر فرمادی اور اسی ترغیب ہی کے تحت امام بخاری نے آگے چل کر نماز کے فضائل پر متعدد تراجم منعقد کئے ہیں۔

وَقَوْلِهِ ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ مُوَقَّتًا وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ:

موقوتاً کی تفسیر میں دو قول مشہور ہیں ایک موقوتاً أی مفروضاً، دوسرے موقوتاً أی محدوداً، مصنف نے موقوتاً کی تفسیر مُوَقَّتًا سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں موقوتاً محدوداً کے معنیٰ میں ہے، وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ أي حَدَّدَهُ عَلَيْهِمْ، اور مصنف نے اس آیت شریفہ کو یہاں ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اصل وقت کا ثبوت قرآن پاک سے ہے۔

قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ: یہ حدیث مؤطا شریف کی پہلی حدیث ہے انہیں کی اتباع میں امام محمد نے بھی اپنی مؤطا میں یہ حدیث سب سے پہلے ذکر کی ہے۔

أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا: عمر بن عبد العزیز نے ایک دن عصر کی نماز مؤخر کر دی، انھوں نے جس نماز کو مؤخر کیا تھا وہ عصر کی تھی جیسا کہ بخاری شریف کی بدء الخلق اور مغازی میں اس کی تصریح آرہی ہے، حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ يَوْمًا سے مراد يَوْمًا مَّا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کی

Maktaba Tul Ishaat.com

عادت تھی کہ وہ تاخیر سے عصر کی نماز پڑھتے ہوں، اگرچہ ان کے اہل بیت یعنی بنوامیہ تاخیر کے بارے میں مشہور و معروف تھے۔

اس تاخیر سے کیا مراد ہے؟ ظاہر یہی ہے کہ اس سے تاخیر عن الوقت المستحب مراد ہے۔

فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فَأَخْبَرَهُ: عروہ بن زبیر عمر بن عبدالعزیز کے ہم نشینوں میں سے تھے، وہ آئے اور انہوں نے یہ بتلایا کہ مغیرہ بن شعبہؓ کو اسی طرح کی صورت پیش آئی تو اس پر ابو مسعود انصاریؓ نے نکیر کی تھی، مطلب یہ ہے کہ آپ کا اس طرح نماز مؤخر کرنا مناسب نہیں ہے۔

وَهُوَ بِالْعِرَاقِ: کتاب المغازی اور مؤطا میں ہے وھو بالکوفة، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کوفہ عراق ہی میں ہے اور مغیرہ بن شعبہؓ معاویہ بن ابی سفیانؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر اور والی تھے۔

فَقَالَ مَا هٰذَا يَا مُغِيرَةُ: اے مغیرہ! یہ کیا ہے؟ یعنی تو نے نماز کیوں مؤخر کر دی؟

أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَلَ: کیا تم کو معلوم نہیں کہ تعلیم مواقیت کے لئے حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے، تو جب مواقیت صلوۃ اتنے اہم ہیں تو تم اس سلسلہ میں کوتاہی کیوں کرتے ہو؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ کو مواقیت کا علم تھا لیکن غالب گمان یہ ہے کہ مغیرہ یہ سمجھتے تھے کہ اوقات کے اجزاء میں کوئی تفصیل نہیں ہے، جس وقت چاہے ادا کیا جا سکتا ہے اس لئے انہوں نے تاخیر کر دی تھی۔

نَزَلَ فَصَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام لیلۃ الاسراء کی صبح کو اترے تھے جیسا کہ ابن اسحاق نے بیان فرمایا ہے۔

ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس روایت میں صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پانچ وقت اتر کر نماز پڑھائی اور رسول پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔

سوال یہ ہے کہ اس میں مواقیت کا بیان تو ہوا نہیں پھر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر ابو مسعود انصاریؓ کی نکیر کیسے صحیح ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابو مسعود انصاریؓ نے روایت بالا جمال ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ان نمازوں کے الگ الگ مستقل اوقات ہیں جن کے لئے جبرئیل علیہ السلام براہ راست تشریف لائے تھے لہٰذا تم کو ان اوقات کی رعایت کرنی چاہئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حافظ ابن عبد البر کی رائے یہ ہے کہ اس روایتِ بخاری میں جو اصلاً مؤطا کی روایت ہے اختصار واقع ہو گیا ہے، روایت کے ایک دوسرے طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو مسعودؓ نے مواقیت کا تفصیلی بیان کیا تھا، ابو داؤد شریف میں بھی اس کی تفصیل وارد ہوئی ہے مگر اس کی سند میں اسامہ بن زید لیثی ہے جس پر محدثین نے کلام کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اسامہ اس درجہ کا آدمی نہیں ہے کہ تنہا اس کے تفرد پر اعتماد کر لیا جائے۔

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ باغندی نے مسند عمر بن عبد العزیز میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں بطریق یحیٰ بن سعید عن ابی بکر بن حزم نقل کیا ہے أنه بلغه عن أبی مسعود، اس کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ امام طبرانی نے یہی حدیث ایک اور سند سے نقل کی ہے عن أبی بکر بن حزم عن عروة عن أبی مسعود، تو حدیث عروہ کی طرف لوٹ گئی، معلوم ہو گیا کہ مواقیت کا تذکرہ اسامہ کی روایت میں شاذ نہیں ہے اور یہ تفصیل معتبر ہے۔

لیکن حافظ بھی عجیب وغریب آدمی ہیں اگر کوئی دوسرا اعتبار کرتا تو حافظ فوراً اعتراض کر دیتے حالانکہ جس روایت کو حافظ نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں رواہ الطبرانی اس کی سند میں یحیٰ بن سعید سے نقل کرنے والا ایوب بن عتبة الیمامی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں تصریح کی ہے کہ وہ ضعیف ہے، کبھی کبھی حافظ صاحب اس طرح کی بات کر دیتے ہیں تسامح کے طور پر۔

ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس سے بعض علماء نے اقتداء المفترض خلف المتنفل پر استدلال کیا ہے اس لئے کہ نماز تو اس پر فرض ہے جو مکلف ہو اور فرشتے مکلف نہیں، لہٰذا ان پر فرض بھی نہیں ہے۔

اس کا ایک جواب قاضی عیاض نے یہ دیا ہے کہ ممکن ہے اس وقت نماز فرض ہی نہ ہوئی ہو، لیکن پھر خود ہی اس پر یہ اشکال کیا کہ یہ توصبیحۂ لیلۃ الاسراء کا واقعہ ہے اور نماز لیلۃ الاسراء میں فرض ہو چکی تھی۔

پھر دوسرا جواب یہ دیا کہ ممکن ہے فرضیت بیانِ اوقات پر موقوف ہو اور اب تک جو فرضیت تھی وہ اجمالی تھی۔

تیسرا جواب قاضی ابن عربی اور قاضی عیاض نے یہ دیا کہ حضرت جبرئیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور بالبیان ہو کر آئے تھے تو ان پر اس ماموریت کی وجہ سے نماز کی فرضیت عائد ہو گئی تھی، یہی جواب اقویٰ وارجح

Maktaba Tul Ishaat.com

معلوم ہوتا ہے۔

بعض مالکیہ اور اسی طرح ملا علی قاری نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام حقیقۃً نماز نہ پڑھ رہے ہوں بلکہ حضور اکرم ﷺ کو ایماء اور اشارہ سے نماز کا طریقہ تعلیم فرمارہے ہوں، لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، یہی روایت بدء الخلق میں آئے گی اس میں ہے نزل جبرئیل فأمّنی جبرئیل اترے اور انہوں نے میری امامت کی۔

ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے پہلے جبرئیل فارغ ہوگئے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل نے جب نماز شروع کی تو آپ نے بھی ان کے ساتھ نماز شروع کردی اور جب وہ کوئی رکن ادا کرتے آپ بھی ان کی اقتداء میں ادا فرماتے اور پھر اخیر میں فرمایا بِهٰذَا أُمِرْتُ یا بِهٰذَا أُمِرْتَ دونوں طرح مروی ہے اور دونوں کی توجیہ ظاہر ہے۔

اِعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ: یہ امر کا صیغہ ہے جیسا کہ تمام شراح بخاری نے ضبط کیا ہے، علامہ سندی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ علم سے ماخوذ ہو اور مطلب یہ ہو کن حافظا ضابطا ولا تقل عن غفلة یعنی پورے علم وضبط کے ساتھ بیان کرو، کہیں ایسا تو نہیں کہ تم کو غفلت ہورہی ہو اور مواقیت کی تعلیم کے لئے جبرئیل کا نزول بیان کررہے ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اِعلام سے ہو اور مطلب یہ ہو کہ تم جو مرسلاً روایت نقل کرتے ہو اس کی سند بیان کرو، ان احتمالات میں سے پہلا ہی احتمال ارجح ہے یعنی یہ اِعْلَمْ ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیز کو بظاہر یہ بات بعید معلوم ہوئی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اوقات صلوات کی تعیین کے واسطے دن میں پانچ مرتبہ اترے ہوں، اس پر عروہ نے اس روایت کو موصول کرکے بیان کردیا اور کہا كَذٰلِكَ كَانَ بَشِيْرُ بْنُ أَبِي مَسْعُوْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مرسل حدیث حجت نہیں ہے بلکہ متصل حجت ہے، اسی لئے تو جب عروہ نے حدیث کو مرسلاً نقل کیا تو عمر بن عبد العزیز نے اس پر اعتماد ظاہر نہیں کیا پھر عروہ نے اس کو موصولاً نقل کیا، امام خطیب بغدادی نے کتاب الکفایہ میں کچھ اسی نوع کا کلام کیا ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ عروہ کا طرز عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حدیث مرسل حجت ہے جب ہی تو انہوں نے بغیر سند کے روایت نقل کردی، اگر حجت نہ ہوتی تو کیا ضرورت تھی بلا سند نقل کرنے کی بلکہ مع السند نقل فرماتے، البتہ

Maktaba Tul Ishaat.com

عمر بن عبد العزیز کا انہوں نے استعجاب دیکھا تو پھر اس کی سند نقل کر دی۔

قَالَ عُرْوَةُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ: یہ حدیث موصول ہے، عروہ نے اولاً ابو مسعودؓ کی روایت نقل کی اور پھر خاص طور سے حضرت عائشہؓ سے صلاۃ عصر کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول نقل کیا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ عمر بن عبد العزیز نے اسی نماز میں تاخیر کی تھی، اس کے بعد پھر عمر بن عبد العزیز نے تاخیر نہیں کی، حافظ ابن عبد البر نے کتاب الاستذکار میں لکھا ہے کہ اوزاعی نے نقل کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز اس کے بعد نماز کا اہتمام کرنے لگے اور ظہر کی نماز (عربی وقت کے اعتبار سے) چھ بجے پڑھتے تھے اور عصر کی نماز آٹھ بجے۔

وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ: قبل أن تظهر أى قبل أن تعلو، یہ حدیث بظاہر اسی بات کی تائید کرتی ہے کہ عصر کی نماز ایک مثل کے بعد ہو جایا کرتی تھی اس واسطے کہ حجرہ کی دیوار چھوٹی اور صحن کی مسافت تقریباً اتنی ہی تھی جتنی دیوار تھی، قدرے زیادہ تھی۔

(ص ۷۵) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى ﴿مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

۵۲۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: نَا عَبَّادٌ وَهُوَ ابْنُ عَبَّادٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوا: إِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَأْخُذْهُ عَنْكَ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا، فَقَالَ: آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: الْإِيمَانِ بِاللّٰهِ، ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوا إِلَيَّ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُقَيَّرِ وَالنَّقِيرِ.

ترجمہ: باب، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان (جو مسلمانوں کے لئے ہے) کہ اسی اللہ کی طرف رجوع ہو اور

Maktaba Tul Ishaat.com

اس سے ڈرتے رہو اور نماز کی پابندی رکھو اور مشرکین میں سے مت بنو۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلۂ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ قبیلۂ ربیعہ کی شاخ ہیں اور ہم آپ کی خدمت میں صرف حرمت والے مہینوں میں پہنچ سکتے ہیں، اس لئے آپ ہمیں کوئی ایسی اہم بات بتلادیں جس کو ہم بھی اپنا معمول بنالیں اور جو لوگ ہمارے پیچھے (وطن) میں رہ گئے ہیں، ان کو بھی اس کی دعوت دیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں۔ جن باتوں کا حکم دیتا ہوں وہ اللہ پر ایمان لانے سے متعلق ہیں، پھر آپ ﷺ نے ان لوگوں کے سامنے ان کی وضاحت کی کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور نمازوں کو قائم رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حاصل کردہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ میرے پاس داخل کرنا۔ اور میں تم کو منع کرتا ہوں کدّو کے تونبے سے، لاکھ کے سبز مرتبان سے، روغنی برتن سے اور لکڑی کے کرید کر بنائے ہوئے برتن سے (کہ ان برتنوں میں شراب بنانے کا رواج تھا)۔

تشریح: علامہ سندی فرماتے ہیں کہ غالباً امام بخاری نے یہ آیت ذکر کرکے اس پر تنبیہ کی ہے کہ آیت شریفہ یہ بتلاتی ہے کہ ترک صلوۃ افعال مشرکین میں سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا ﴿أقیموا الصلاۃ﴾، اور اس کے بعد فرمایا ﴿ولاتکونوا من المشرکین﴾ أی بترک الصلاۃ، اور حدیث پاک میں بھی یہی مضمون مذکور ہے اس لئے کہ اقامۃ الصلوۃ کو ایمان میں شمار کیا گیا۔

حضرت مولانا وحید الزماں صاحب حیدرآبادی ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد اس آیت کے یہاں پر ذکر کرنے سے یہ ہے کہ انسان ترک صلاۃ کی وجہ سے ناقص الایمان ہوجاتا ہے اور مشرکین میں شمار ہونے لگتا ہے اگرچہ حقیقی کافر اور مشرک نہیں ہوتا، اور حدیث سے بھی یہی بات نکلتی ہے کہ نماز کو ایمان میں شمار کیا گیا، اور بعض ان حضرات نے جو تارک صلاۃ کے کافر ہونے کے قائل ہیں اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے تارک صلوۃ کے کفر کی طرف اشارہ کیا اس لئے کہ یہ آیت تارک صلوۃ کی تکفیر کے قائلین کا مستدل ہے۔

امام بخاری نے اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے یا نہیں؟ یہ چیز تو محل غور ہے اور طبیعت کو اس میں کچھ انشراح نہیں ہورہا ہے، اگر مصنف کو تکفیر ہی بیان کرنی ہوتی تو کوئی اور روایت جیسے أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَیُقِیْمُوْا الصَّلَاۃَ کو ذکر فرماتے، بہرحال حضرت دامت برکاتہم کے نزدیک ترجمہ کی یہی

Maktaba Tul Ishaat.com

غرض ہے اور اس غرض کی توجیہ یہاں ممکن بھی ہے اور حاصل یہ ہے کہ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی ترک صلاۃ سے مشرک ہو جاتا ہے اور حدیث پاک میں صلوۃ کو ایمان میں شمار کیا گیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب جزء منتفی ہو جاتا ہے تو کل بھی منتفی ہو جاتا ہے لہذا ترک صلوۃ کی وجہ سے ایمان منتفی ہو جائے گا۔

مگر اس تقریر پر تھوڑا سا اشکال ہے کہ علامہ ابن تیمیہ وغیرہ جو امام احمد کے مقلدین میں شمار کئے جاتے ہیں انہوں نے کتاب الایمان میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ ایمان اگرچہ ایک حقیقت مرکبہ ہے لیکن اس کی یہ نوعیت نہیں ہے کہ اس کے بعض اجزاء کے فوت ہو جانے سے پوری حقیقت فوت ہو جائے جیسے درخت کی اگر ایک شاخ کٹ جائے تو سارا درخت فوت نہیں ہو جاتا، آدمی کا اگر ایک ہاتھ کٹ جائے، پاؤں کٹ جائے تو پورا آدمی ختم نہیں ہو جاتا، ہاں ناقص ہو جاتا ہے، ایسے ہی اگر اعمال ایمانیہ میں کمی آتی ہے تو ایمان میں نقص آتا ہے۔

بہر حال اب مسئلہ سنئے! تارک صلاۃ کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل، ابن خزیمہ، منصور فقیہ اور بہت سے علماء کی رائے ہے کہ کافر ہو جاتا ہے، حضرت امام ابن شہاب زہری، ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور مزنی وغیرہ فرماتے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا ہے۔

پھر اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ جو اس کو کافر کہتے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ جو مرتد کی حد ہے یعنی گردن مار دینا وہ اس پر جاری کی جائے گی إِلَّا أَنْ يَتُوْبَ، اور جو حضرات اس کو کافر نہیں مانتے ہیں ان میں اختلاف ہے کہ اس کی سزا کیا ہوگی؟ امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی حد یہ ہے کہ اس کی گردن ماردی جائے إِلَّا أَنْ يَتُوْبَ، زہری، ابو حنیفہ اور مزنی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے گا یا تو توبہ کرلے یا پڑا پڑا سڑ جائے، اس کو وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔

علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ تارک صلاۃ کو اوقات صلاۃ میں مارا جائے، مثلاً ان کے یہاں آدھی رات کے بعد سے لیکر تا طلوع فجر کسی نماز کا وقت نہیں اس وقت مارنا موقوف کر دیا جائے گا، اسی طرح سے طلوع شمس کے بعد سے لیکر زوال سے پہلے پہلے تک کسی نماز کا وقت نہیں اس وقت مارنا موقوف کر دیا جائیگا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تارک صلوۃ کافر ہو جاتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿أَقِيمُوا

Maktaba Tul Ishaat.com

الصلاۃ و لاتکونوا من المشرکین﴾ نماز قائم کرو اور ترک نماز کر کے مشرکین میں داخل نہ ہو جاؤ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے بین الرجل وبین الکفر والشرک ترک الصلاۃ، رواہ مسلم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو ایمان میں داخل مانا ہے، معلوم ہوا کہ نماز کو ترک کر دینا بے ایمانی ہے۔

لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تارکِ صلوۃ ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی اعمال کے باب میں کوتاہی کرے گا وہ مستحق عقاب ہو گا اور اپنے گناہوں کی سزا بھگت لینے کے بعد پھر اس کو جہنم سے نکال دیا جائے گا، اس طرح کی نصوص اپنے عموم کی وجہ سے صلوۃ اور غیر صلوۃ سبھی کو شامل ہیں، مزید یہ ہے کہ سنن کی روایت میں یہ وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا پانچ نمازیں ہیں جو آدمی ان کو ادا کرے گا وہ تو حق تعالیٰ کے یہاں اس کی طرف سے انعام کا مستحق ہو گا اور جو ادا نہ کرے اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عقاب فرمائے اور چاہے تو اس سے درگزر کا معاملہ فرمائے ونحو ھذا۔

اور جن نصوص سے تارکِ صلوۃ کے کافر ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے ان کی توجیہ یہ ہے کہ یہ فعل کفار ومشرکین کا ہے لہٰذا جو آدمی نماز چھوڑ دیتا ہے تو اب وہ کافروں اور مشرکوں جیسا عمل کرنے لگتا ہے گویا عملی طور پر کفار ومشرکین میں شامل ہو جاتا ہے تو یہ کفر عملی ہوا، کفر اعتقادی نہیں ہوا۔

امام ابو الحسن بن المفضل المقدسی نے تارکِ صلوۃ کے غیر کافر ہونے پر ایک اور دلیل پیش کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا لایحل دم امرء مسلم إلا باحدی ثلاث، النفس بالنفس والثیب الزانی والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ اگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو اس کے بدلہ میں اس کا قتل مباح ہو جائے گا اور اگر کوئی محصن زنا کرلے تو اس کو رجم کیا جائے گا اور اگر کوئی دین وایمان سے نکل جائے اور مرتد ہو جائے تو اس کو بھی قتل کیا جائے گا، اور تارک صلوۃ میں ان جرائم میں سے کوئی ایک جرم بھی نہیں پایا گیا لہٰذا یہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو گا، امام ابو الحسن بن المفضل المقدسی فرماتے ہیں۔

والرأی عندی أن یعزرہ الإما م بکل تعزیر یراہ صوابا
فالأصل عصمتہ إلی أن یمتطی إحدی الثلاث إلی الھلاک رکابا

Maktaba Tul Ishaat.com

حدثنا قتيبة بن سعيد: یہ حدیث وفد عبدالقیس کے متعلق ہے جو کتاب العلم میں گزر چکی ہے اور میں وہاں پر اور اسی طرح سے اس سے پہلے بھی کتاب الایمان میں کلام کر چکا ہوں۔

(ص ۷۵) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ

٥٢٤. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا اسماعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

ترجمہ: باب، نمازوں کے قائم رکھنے پر بیعت لینے کا بیان۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نمازوں کے قائم رکھنے، زکوۃ کے ادا کرنے اور ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

تشریح: اقامۃ الصلاۃ کے معنیٰ ما قبل میں بیان کر آیا ہوں، بعض کہتے ہیں أداءها فی مواقيتها، اور بعض کہتے ہیں المحافظة عليها، اور بعضوں نے کہا ہے کہ نماز کے تمام ارکان و شرائط اور آداب و مستحبات کے ساتھ ادا کرنا۔

امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے نماز کی اہمیت بتلانا چاہتے ہیں کہ جناب رسول پاک ﷺ نے اقامۃ الصلاۃ پر بیعت لی ہے اس سے نماز کی فضیلت نکلتی ہے، حضرت شیخ دامت برکاتہم اور اسی طرح دوسرے حضرات کا خیال یہ ہے کہ اس باب کو کتاب مواقیت الصلاۃ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اقامۃ الصلاۃ کہتے ہیں أداءها فی مواقيتها کو، مزید یہ ہے کہ اس سے نماز کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری کی عادت مبارکہ یہ ہے کہ وہ کتاب کی ابتداء میں فضائل بھی بیان کیا کرتے ہیں، کتاب الصلاۃ کی ابتداء میں مصنف کو اس کی فضیلت بیان کرنی تھی لیکن بالکل ابتداء کتاب میں تو نماز کا حکم یعنی اس کی فرضیت اور وجوب بیان کرنے کے بعد مصنف اس کے شرائط بیان کرنے میں مصروف ہو گئے، ستر عورت، استقبال قبلہ اور اس کے متعلقات و لواحق بیان کئے، اور جب اس سے فارغ ہو گئے تو تیسری

Maktaba Tul Ishaat.com

شرط مواقیت کو بیان کیا اسی شرط کے ضمن میں مصنف نے نماز کے فضائل اور اس کی اہمیت کے متعلق تراجم منعقد فرمائے اس لئے کہ نماز کو مواقیت کے ساتھ جو مناسبت ہے وہ ظاہر اور کھلی ہوئی ہے۔

یہ جو تراجم آرہے ہیں ان تمام تراجم کا حاصل ایک ہی نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ نماز بڑی اہم اور بڑی ذو الفضائل عبادت ہے، اس کی اہمیت اور فضیلت کو مصنف نے مختلف طرز اور مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى مُنِيبِينَ إِلَيْهِ میں بھی اسی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس باب میں بھی اسی بات کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

یہ حدیث باب الدین النصیحة میں ص ۱۳ پر گزر چکی ہے۔

(ص ۷۵) بَابُ الصَّلَاةُ كَفَّارَةٌ

٥٢٥. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ: سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ؟ قُلْتُ: أَنَا كَمَا قَالَهُ، قَالَ: إِنَّكَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيءٌ، قُلْتُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ، قَالَ: لَيْسَ هَذَا أُرِيدُ وَلَكِنَّ الْفِتْنَةَ الَّتِي تَمُوجُ كَمَا يَمُوجُ الْبَحْرُ، قَالَ: لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا لَبَابًا مُغْلَقًا، قَالَ: أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ: يُكْسَرُ، قَالَ: إِذًا لَا يُغْلَقَ أَبَدًا، قُلْنَا: أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ؟ قَالَ: نَعَمْ كَمَا أَنَّ دُونَ الْغَدِ اللَّيْلَةَ إِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيثٍ لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ، فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ فَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: الْبَابُ عُمَرُ.

٥٢٦. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عز وجل: ﴿أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ طَرَفَيِ ٱلنَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ ٱلَّيْلِ إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ﴾ فَقَالَ

Maktaba Tul Ishaat.com

الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَلِي هٰذَا؟ قَالَ: لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ.

ترجمہ: باب، نماز گناہوں کا کفارہ ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کس کو فتنہ کے بارے میں فرمایا ہوا رسول اللہ ﷺ کا قول یاد ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ مجھے اسی طرح یاد ہے جس طرح کہ آپ نے فرمایا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیشک تم حضور ﷺ (کی بات بیان کرنے) پر یا اس روایت کے بیان کرنے پر جری ہو، حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ انسان جو اپنے اہل وعیال، مال، اولاد اور پڑوسی کے بارے میں مبتلائے فتنہ ہوتا ہے، تو نماز، روزہ، صدقہ، اور امر بامعروف ونہی عن المنکر اس کا کفارہ بن جاتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا مقصد اس فتنہ کے بارے میں معلوم کرنا نہیں ہے، میں اس فتنہ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح اُمڈ آئے گا، حذیفہؓ نے کہا امیر المؤمنین! آپ کو اس فتنہ سے کوئی خطرہ نہیں ہے، بیشک آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بتلاؤ، وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا، حضرت حذیفہ نے کہا توڑا جائے گا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر کبھی بند نہیں کیا جاسکے گا، (شقیق راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ اس دروازے کے (مصداق) کو جانتے تھے، حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ ہاں اسی طرح جانتے تھے جیسا کہ کل کے آنے سے پہلے رات کا یقین ہے، میں نے خود ان سے یہ روایت بیان کی تھی جو کوئی پہیلی نہیں ہے، شقیق کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت حذیفہؓ سے دروازے (کے مصداق) کو معلوم کرنے میں ڈر لگا، تو ہم نے مسروق سے پوچھنے کو کہا، مسروق نے حضرت حذیفہؓ سے معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے گناہ سے باخبر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: دن کے دونوں کناروں (صبح وشام) میں نمازوں کو قائم رکھو، اور رات کے کچھ حصوں میں بھی، بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ حکم خاص میرے لئے ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا میری تمام امت کے لئے یہی حکم ہے۔

تشریح: کفّارہ، کفر سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ہیں ڈھانپ لینے کے، اسی لئے کھیتی کرنے والے کو کافر کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ دانہ کو زمین میں دباتا اور ڈھانپتا ہے، نماز کفارہ ہے یعنی سیئات کو ڈھانک لینے والی ہے، خطایا کو محو کرنے والی ہے، اس ترجمۃ الباب سے نماز کی بہت بڑی اہمیت معلوم ہوئی کہ وہ سیئات کے لئے کفارہ اور اس کے اثر کے لئے ماحی اور مزیل ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدثنا مسدد: حضرت حذیفہؓ صاحبِ سرّ رسول اللہ ﷺ (حضور کے رازدار) کہلاتے ہیں، سن ۳۶ ہجری میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تھوڑے دن بعد ان کی وفات ہوئی ہے، ان کی یہ روایت امام بخاری نے بخاری شریف میں پانچ جگہ ذکر فرمائی ہے۔

أَيُّكُمْ يَحفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ: کس کو حضور ﷺ کا ارشاد فتنہ کے سلسلہ میں یاد ہے؟ فتنہ لغت میں کہتے ہیں اختبار اور امتحان کو، اور اصل میں فتنہ کہتے ہیں سونے کو آگ پر تپانے کو تاکہ اس سے کھرا اور کھوٹا سونا ظاہر ہو جائے، اور چونکہ امتحان سے بھی کھرا اور کھوٹا ہونا معلوم ہوتا ہے اس لئے فتنہ کا اطلاق امتحان کے معنٰی میں ہونے لگا، اور پھر امتحان پر جو اثر مرتب ہوتا ہے یعنی اس میں تکلیف وغیرہ بعض وقت اس پر بھی لفظ فتنہ کا اطلاق کیا جانے لگا۔

قُلْتُ أَنَا كَمَا قَالَهُ: حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ مجھے جوں کا توں یاد ہے، جیسا ارشاد فرمایا تھا۔

إِنَّکَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيءٌ: اگر عَلَيْهِ ہے تو حضور اکرم ﷺ کی طرف بھی ضمیر لوٹ سکتی ہے اور آپ کے قول کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور اگر عَلَيْهَا ہے تو اس سے مراد مقالۃ رسول اللہ ﷺ ہو گا۔

فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ: بظاہر یہ سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سارا مضمون موقوف ہے اور حضرت حذیفہؓ کا ارشاد ہے، لیکن اس روایت کے دوسرے طرق جو بخاری شریف میں وارد ہوئے ہیں کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم اور علامات نبوت میں، وہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ بھی مرفوع ہے اور حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے اور خود سیاق حدیث یعنی یہاں کا سیاق بھی اسی بات پر دال ہے اس لئے کہ سیدنا عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد پوچھا تھا، حضرت حذیفہؓ کی اپنی رائے نہیں پوچھی تھی۔

تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ: ان چیزوں کے لئے صلاۃ وصوم، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مکفّر ہیں، اس مکفّر ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ صلاۃ وصوم وصدقہ کا مجموعہ مل کر فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ کے مجموعہ کے لئے مکفّر ہو، یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ہر عبادت مستقلاً تمام مجموعہ کے لئے مکفّر ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ من بابِ لف ونشر ہو مثلاً صلاۃ فتنہ فی الاہل کے لئے مکفّر ہو، اور صوم فتنہ فی المال کے لئے وھکذا، یا یوں کہئے کہ صلاۃ فتنہ فی الاہل کے لئے اور صدقہ فتنہ فی المال کے لئے اور صوم فتنہ فی الولد کے لئے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فتنہ فی الجار کے لئے مکفّر ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پھر تکفیر میں دو احتمال ہیں، یا تو یہ صورت ہو کہ حسنات کا کرنا رافع سیئات بن جاتا ہو، یا یہ کہ حسنات کا سیئات سے موازنہ ہوگا اور اس کے بعد جب حسنات کو سیئات پر رجحان حاصل ہو جائے گا تو سیئات کا اثر باطل ہو جائے گا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے احتمال اوّل کو ارجح قرار دیا ہے۔

قَالَ لَيْسَ هَذَا أُرِيدُ: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری مراد فتنہ سے یہ نہیں۔

وَلٰكِنِ الْفِتْنَةُ الَّتِي تَمُوجُ كَمَا يَمُوجُ الْبَحْرُ: میں تو وہ فتنہ مراد لیتا ہوں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھے مار رہا ہوگا۔

قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ: امیر المؤمنین! آپ کو اس کا کچھ خطرہ نہیں ہے۔

إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا: آپ کے اور اس کے درمیان تو ایک مقفل دروازہ ہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ؟ حذیفہ! دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا يُكْسَرُ توڑا جائے گا، بہت ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے فتح باب بول کر موتِ طبعی مراد لی ہو اور کسر باب بول کر قتل مراد لیا ہو، حضرت عمرؓ کے سوال کے جواب میں حضرت حذیفہؓ نے کہہ دیا يُكْسَرُ توڑ دیا جائے گا یعنی موت از خود نہیں آئے گی بلکہ قتل واقع ہوگا، حضرت عمرؓ نے فرمایا إِذًا لَا يُغْلَقَ أَبَدًا اگر ایسا ہوا تو پھر یہ فتنہ کا دروازہ کبھی بھی بند نہیں ہو سکتا ہے۔

ابن بطال کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عادت یہ ہے کہ غلق؛ صحیح دروازہ پر ہوتا ہے اور جب ٹوٹ گیا تو پھر اس کا غلق متصور ہو ہی نہیں سکتا الا یہ کہ اس کا تدارک اور اس کی اصلاح کر دی جائے، اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہاں کسر سے مراد قتل ہے تو قتل کے بعد تدارک ناممکن ہوگا، لامحالہ اب کبھی بھی فتنہ کا دروازہ بند نہیں ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

قُلْنَا أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ: یہ شقیق کا مقولہ ہے انہوں نے حضرت حذیفہؓ سے یہ پوچھا کہ کیا عمرؓ کو معلوم تھا کہ دروازہ کون ہے۔

قَالَ نَعَمْ: کہا کہ ہاں، ہاں، اب یہ سوال ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ کیسے معلوم تھا کہ اس دروازہ کا مصداق میں ہوں، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ان کو یوں معلوم ہوا ہو کہ ایک مرتبہ جب حضور اکرم ﷺ اور ابو بکرؓ اور اسی طرح سے عمرؓ اور عثمانؓ کوہ حراء پر تشریف فرما تھے ایک دم پہاڑ میں حرکت ہوئی تو آپ

Maktaba Tul Ishaat.com

نے ارشاد فرمایا اسکن حراء! فإنما علیک نبی و صدیق و شهیدان، حراء قرار پکڑ، ساکن ہو جا، تیرے اوپر اس وقت اللہ کا ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید تشریف رکھتے ہیں، علامہ فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس کا اندازہ یُکسَرُ سے ہوا ہو، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ کو اس سلسلہ میں کوئی علم خاص حاصل تھا۔

إِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيثٍ لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ: میں نے ان سے جو بات بیان کی ہے وہ اغلوطہ کی قسم سے نہیں، اغالیط جمع ہے اغلوطہ کی اور اغلوطہ وہ بات کہلاتی ہے جس کے ذریعہ دوسرے کو مغالطہ دیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ میں نے سچی وصاف اور محقق بات پیش کی ہے، حضور اکرم ﷺ کی احادیث میں سے ہے میں نے اپنے اجتہاد اور رائے سے کام نہیں لیا ہے۔

فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ فَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا: شقیق کہتے ہیں کہ ہمیں ڈر لگا کہ ہم حذیفہؓ سے پوچھیں آیا باب کا مصداق کون ہے تو ہم نے مسروق سے کہا۔

فَسَأَلَهُ: مسروق نے پوچھا، فَقَالَ: الْبَابُ عُمَرُ، اس سے معلوم ہوا کہ اگر رفقاء میں سے کسی کو استاذ سے پوچھنے کی ہمت نہ ہو تو جو استاذ سے ذرا مانوس ہو اس سے بات معلوم کروالی جائے۔

اَلْبَابُ عُمَرُ: علامہ بدرالدین زرکشی کہتے ہیں کہ باب کا مصداق عمرؓ نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ ہیں اس لئے کہ قتلِ عثمانؓ کے بعد ہی فتن کا دروازہ کھلا ہے، علامہ بدرالدین دمامینی فرماتے ہیں کہ واہ صاحب! صاحبِ سرّ رسول اللہ ﷺ پر آپ تنقید کرنے لگے وہ تو کہتے ہیں کہ باب کا مصداق عمرؓ ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ہیں، مزید یہ ہے کہ صرف اسی ایک روایت میں یہ مضمون وارد نہیں ہوا ہے بلکہ قدامہ بن مظعونؓ سے مسند بزار میں اور حضرت جریرؓ سے طبرانی کی روایت میں اسی طرح سے وارد ہوا ہے۔

اب یہاں پر ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے تو حضرت عمرؓ سے یوں کہا تھا إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا آپ کے اور فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے تو پھر باب کا مصداق حضرت عمرؓ کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس لئے کہ وہ باب حضرت عمرؓ اور فتنہ کے درمیان میں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا کا مطلب إِنَّ بَيْنَ حَيَاتِكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا ہے یعنی آپ کی حیات کا ہی حصہ باب مغلق ہے۔

أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةً: ایک آدمی نے ایک عورت کی تقبیل کر لی، خطیب بغدادی

Maktaba Tul Ishaat.com

نے کتاب المبہمات میں لکھا ہے کہ اس کا مصداق ابوالیسر کعب بن عمرو انصاریؓ صحابی ہیں اور ترمذی میں ان کا قصہ مذکور ہے، دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عورت ان کے پاس کھجور خریدنے کے لئے آئی، انہوں نے کہا کہ مکان کے اندر اچھی کھجوریں ہیں، وہ اندر چلی گئی تو انہوں نے پکڑ کر تقبیل کی، اس کے بعد ابوالیسرؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! سب کچھ کرلیا، صرف جماع نہیں کیا، مجھ پر حد قائم کیجئے، اتنے میں عصر کی نماز کا وقت ہوگیا، عصر کی نماز پڑھی، جب انہوں نے پھر اپنے آپ کو پیش کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾، یہی ابن اثیر اور ابن کثیر وغیرہ کی رائے ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام نبہان تمار ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ ابن معتّب ہیں، بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن غزیہ ہیں، بعض نے کہا کہ عباد نام ہے، بعض کہتے ہیں کہ عامر نام ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ جو دوسرے بعض صحابہ کے نام ہیں ان کے الگ الگ وقائع ہوں۔

أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ: نماز قائم کرو صبح وشام کے اطراف میں، یعنی فجر کی نماز اور اسی طرح سے ظہر اور عصر کی نماز، وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ اور رات کے کسی حصہ میں، اس سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہوسکتی ہے تو بالاجمال اس آیت شریفہ سے پانچوں نمازوں کو مراد لیا جاسکتا ہے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ: بیشک حسنات سیئات کو زائل کردیتی ہیں۔

مرجیہ نے اس آیت شریفہ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ طاعات ماحیِ سیئات ہیں اور جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے اور اس کے بعد اگر کوئی طاعت کرلیتا ہے تو گناہ زائل ہوجاتا ہے چاہے کبیرہ ہو، لیکن جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق صغائر سے ہے، کبائر کے لئے تو ضابطہ توبہ ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ مسلم وغیرہ میں وارد ہوا ہے الصلوات الخمس مکفّرات لما بینهن إذا اجتنبت الکبائر، اسی طرح سے قرآن میں ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ فرمایا گیا ہے۔

آیا اجتناب کبائر کی صورت ہی میں سیئات کی تکفیر ہوگی یا اور کوئی مطلب ہے؟

بعض علماء تو فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب تک آدمی کبائر سے بچتا رہے گا تب تک حسنات سیئات کے

Maktaba Tul Ishaat.com

لئے مذہب ہوتے رہیں گے اور جب اجتناب نہیں کرے گا تو حسنات سے سیئات کا ازالہ نہیں ہو گا، اور بعضوں نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کبائر سے اجتناب نہیں کرے گا تو اس صورت میں حسنات صرف سیئاتِ صغائر کے لئے کفارہ ہوں گے اور کبائر کے لئے کفارہ نہیں ہوں گے، اور بعض معتزلہ یوں کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حسنات کی وجہ سے آدمی سیئات سے بچ جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾۔

حافظ ابن عبد البر نے اپنے بعض معاصرین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت شریفہ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ طاعات سے مطلقاً معاصی معاف ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس پر تنقید کی ہے کہ اگر فعلِ طاعت مطلقاً مزیل معصیت ہوتا تو پھر توبہ کی ضرورت کیوں پیش آتی حالانکہ دوسرے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ معاصی کے ارتکاب پر توبہ ضروری ہے، غالباً حافظ ابن عبد البر نے بعض عصریین سے حافظ ابو محمد اصیلی کو مراد لیا ہے جن کی وفات سن ۳۹۲ھ میں ہوئی ہے۔

فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُولَ اللهِ أَلِي هٰذَا قَالَ لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کرنے والا یہ آدمی خود صاحب الواقعہ تھا، اور مسند احمد، بغوی اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے سوال کیا تھا، مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے سوال کیا تھا، ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے ممکن ہے متعدد اشخاص نے بیک وقت سوال کیا ہو، آپ نے فرمایا لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ میری ساری امت کے لئے یہی قانون ہے۔

(ص ۷۵) بَاب فَضْلِ الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا

۵۲۷. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: الْوَلِيدُ بْنُ الْعَيْزَارِ أَخْبَرَنِي قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ يَقُولُ: حَدَّثَنَا صَاحِبُ هَذِهِ الدَّارِ وَأَشَارَ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي بِهِنَّ

Maktaba Tul Ishaat.com

وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي.

ترجمہ: باب، نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابو عمرو سعید بن ایاس شیبانی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سے اس گھر کے مالک نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو انہوں فرمایا، نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا، پھر معلوم کیا، پھر اس کے بعد؟ ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، پھر پوچھا کہ پھر اس کے بعد؟ ارشاد ہوا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ تین باتیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتلائیں اور اگر میں اس سے زیادہ پوچھتا تو آپ مزید ارشاد فرماتے۔

تشریح: حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وقت کے اندر نماز پڑھنا بڑا فضیلت کا عمل ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ امام بخاری نے اس سے پہلے باب الصلاۃ کفارۃ کا ترجمہ منعقد کیا تھا اور اس کے بعد فضل الصلاۃ لوقتھا کا ترجمہ منعقد کیا ہے غالباً بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صلاۃ اسی وقت کفارہ ہے جب اسے وقت میں ادا کیا جائے، لیکن اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری کا مقصد یہ نہیں بلکہ باب الصلاۃ کفارۃ سے تو صرف یہ بتلایا ہے کہ نماز کفارۂ سیئات ہے اور اس بات سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وقت میں نماز کا ادا کرنا بڑا ذوالفضیلۃ عمل ہے اور رہا یہ کہ وقت میں نماز ادا کرنا کفارۂ سیئات ہے اس کو مصنف نے ایک مستقل ترجمہ میں جو اگلے صفحہ پر آرہا ہے بیان فرمایا ہے۔

دوسری بات یہ سمجھئے کہ حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں ارشاد فرمایا ہے لوقتھا، لیکن روایت جو ذکر کی ہے اس میں ہے الصلاۃ علی وقتھا تو روایت اور ترجمہ میں بظاہر مطابقت نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہی روایت کتاب التوحید میں آرہی ہے اور اس میں الصلاۃ لوقتھا کا لفظ وارد ہوا ہے گویا حضرت امام بخاری نے الصلاۃ علی وقتھا کے لفظ پر الصلاۃ لوقتھا کا ترجمہ منعقد کر کے اس کی تفسیر اور تشریح بھی فرمادی کہ علی لام کے معنیٰ میں ہے۔

ویسے لام کا لفظ کس معنیٰ میں مستعمل ہوا ہے؟ اس میں تین احتمال ہیں، ممکن ہے کہ یہ لام استقبال کے لئے استعمال کیا گیا ہو جیسے ﴿فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں، اور ممکن ہے کہ ابتداء کے معنیٰ میں ہو جیسے ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ

Maktaba Tul Ishaat.com

لِدُلُوکِ الشَّمْسِ﴾ میں، اور ممکن ہے کہ یہاں لام فی کے معنٰی میں ہو۔

اور علیٰ بھی اگر لام کے معنٰی میں ہو تو یہی تینوں احتمال رکھتا ہے، اور اگر علیٰ لام کے معنٰی میں نہیں ہے تو اس صورت میں ممکن ہے کہ الصلاۃ علیٰ وقتھا کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہو کہ نماز کو ان کے اوقات کے ساتھ ادا کیا جائے یعنی نماز اوقات پر منطبق ہو، نہ اِدھر نکل رہی ہو اور نہ اُدھر نکل رہی ہو۔

حَدَّثَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ وَأَشَارَ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللهِ: یعنی ابو عمرو شیبانی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مکان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا حَدَّثَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ، صاحب ھذہ الدار نے کیا بیان کیا؟ آگے ہے قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ الخ، اللہ کے یہاں کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا الصلاۃ علیٰ وقتھا نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کرنے پر مبادرت کرنی چاہئے، علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ حدیث کے کسی لفظ سے اوّل و آخر کا پتہ نہیں چلتا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ نماز کو قضاء سے بچانا چاہئے، وقت کے اندر ادا کرنا چاہئے۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ وقت کے اندر نماز ادا کرنا افضل قرار دیا گیا ہے تو اگر اس کا مقصود یہ ہو کہ نماز کو وقت میں ادا کرنا؛ وقت کے بعد ادا کرنے سے افضل ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اداء اور قضا دونوں ذوالفضیلۃ ہیں مگر اداء بہ نسبت قضا کے زیادہ افضل ہے حالانکہ نماز کا قضا کرنا بلا عذر کے جائز ہی نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مقصود یہ ہے کہ نماز کو وقت میں ادا کر لینا دیگر اعمال سے افضل ہے، مثلاً نماز ایک عمل ہے اس کو وقت میں ادا کرو اور دوسرا عمل زکاۃ ہے اس کو دو، تو ان دونوں میں جب موازنہ کیا جائے گا تو نماز کو زکاۃ دینے پر فوقیت حاصل ہوگی۔

اور ممکن ہے اس سے مراد معذور و مریض سے احتراز کرنا ہو اور حاصل یہ ہے کہ اگر معذور و مریض اپنے عذر اور مرض کی وجہ سے نماز وقت میں نہیں پڑھ سکتا ہے تو اس مرض اور عذر کی وجہ سے کوئی حرج نہیں اور اس کی یہ نماز فضیلت والی ہے، لیکن وہ صحت مند آدمی جو نماز کو اس کے وقت میں ادا کر لے تو اس کی یہ نماز اس مریض اور معذور کی نماز پر فوقیت اور فضیلت رکھتی ہے۔

قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ: والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا، اس جہاد سے مراد وہ جہاد ہے جو فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے اس لئے کہ اس میں والدین کا حق جہاد پر مقدم ہوتا ہے، بغیر ان کے اذن کے جہاد میں جانے کی اجازت نہیں، اور اگر جہاد فرض عین بن جائے تو پھر اس کا درجہ بر الوالدین سے بڑھ جائے گا۔

قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي: سرور عالم ﷺ نے یہ تینوں چیزیں مجھ سے بیان کیں اور میں اس پر اگر مزید پوچھتا تو آپ مزید بھی بیان فرمادیتے۔

اس کے بعد غور سے سنو! اس حدیث پاک میں صلاۃ علیٰ وقتھا کو افضل اعمال اور اَحب الاعمال شمار کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں روایات میں اختلاف ہے کہ افضل الاعمال کیا ہے؟ میں اس پر پہلے بھی کلام کر چکا ہوں، حضور ﷺ کے جوابات کے اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ کبھی تو آپ حاضرین کی رغبت کی رعایت کرتے تھے، کبھی ان کی حاجت کی رعایت کرتے تھے اور کبھی جو انسب واولیٰ ہوتا اس کی رعایت فرمایا کرتے تھے۔

پھر سب سے افضل عمل تو ایمان ہے اور اس کے بعد باقی اعمال حسب ترتیب فضیلت رکھتے ہیں ان اعمال میں سب سے افضل نماز ہے اور ممکن ہے یہ کہا جائے کہ جہاں افضل بولا گیا ہے اس سے مراد من افضل الاعمال مراد لیا گیا ہے۔

(ص ۷۶) بَابُ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا إِذَا صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ فِي الْجَمَاعَةِ وَغَيْرِهَا

۵۲۸. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُولُ ذٰلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ؟ قَالُوا: لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا، قَالَ: فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهَا الْخَطَايَا.

ترجمہ: باب، پانچوں نمازوں کو اگر اپنے وقت پر جماعت کے ساتھ یا بغیر جماعت کے (یعنی عذر شرعی کے

Maktaba Tul Ishaat.com

موقع پر) پڑھا جائے تو وہ گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم لوگ کیا کہتے ہو اگر کسی دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، کیا یہ غسل اس کے جسم کے میل کو باقی رہنے دے گا؟ صحابہ نے عرض کیا! جی نہیں، یہ غسل اس کے میل کو بالکل باقی نہیں رہنے دے گا، آپ نے فرمایا کہ بس یہی پانچوں نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

تشریح: حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ ترجمۂ گزشتہ الصلاۃ کفارۃ سے اخص ہے اس لئے کہ وہاں تو مطلقاً الصلاۃ فرمایا گیا ہے چاہے صلوات خمسہ ہوں یا اس کے علاوہ، اور یہاں صلوات خمسہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

یہ ترجمہ الصلوات الخمس کفارۃ تک بعض نسخوں میں واقع ہوا ہے، اور بعض نسخوں میں اس کے بعد للخطایا إذا صلاهن لوقتهن فی الجماعة وغیرها واقع ہوا ہے، یہ زیادتی اسی طرح کریمہ کی روایت میں واقع ہوئی ہے، اور بعض نسخوں میں مطلقاً یہ ترجمہ ہی ساقط ہے۔

علامہ ابن بطال اور ان کے اتباع میں علامہ عینی اور قسطلانی نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس صورت میں روایت الباب کا تعلق باب گزشتہ سے ہو جائے گا اور روایۃ الباب سے نماز کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہی مصنف کا ترجمہ تھا لہٰذا کسی اور تقریر کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے جو ترجمہ یہاں (ہمارے ہندی نسخوں میں) مذکور ہے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کے بعد پھر حضرت دامت برکاتہم نے اس ترجمہ میں اور باب الصلاۃ کفارۃ میں یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ ترجمۂ گزشتہ عام ہے اور وہاں مطلقاً نماز کا کفارہ ہونا بتلایا گیا ہے چاہے وہ جماعت سے پڑھی جائے یا بلا جماعت کے اور اس ترجمہ کا تعلق صلاۃ جماعت سے ہے۔

لیکن اس میں تھوڑا سا اشکال یہ ہے کہ یہاں تو ہے فی الجماعة وغیرها، لہٰذا اگر یہ ترجمہ تسلیم کیا جائے تو وہی فرق ماننا پڑتا ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے کلام کے ذیل میں میں بیان کر آیا ہوں یعنی باب الصلاۃ کفارۃ میں تو مطلقاً صلاۃ کو کفارہ ہونا بتایا گیا ہے چاہے وہ صلوات خمسہ ہوں یا اور کوئی نوافل وغیرہ اور اس ترجمۃ الباب میں خاص طور سے بتلایا گیا ہے کہ صلوات خمسہ کفارۂ خطایا ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدثنی إبراهیم بن حمزة: حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجا تھا اور جس قوم کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے اس قوم کو اللہ نے بڑی ذہانت عطا فرمائی تھی اس لئے آنحضور ﷺ بعض وقت مسائل شرعیہ کو مثالوں کے ذریعہ ایسے ذہن نشین کرتے تھے کہ ہر عام وخاص آدمی سمجھ جائے، آنحضور ﷺ نے صلوات خمسہ کے مکفر سیئات ہونے کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا کہ دیکھو اگر کسی کے دروازہ پر ایک نہر ہو اور ہر دن وہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس پر میل کچیل باقی رہے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں رہے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچوں نمازوں کی یہی مثال ہے کہ جو شخص نمازیں پڑھتا ہے اس کے ذریعہ سے معاصی کا میل کچیل ڈھل جاتا ہے۔

مَاتَقُولُ: یہاں قول ظن کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یعنی تیرا کیا گمان ہے۔

ذٰلِکَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ: کیا یہ اس کے میل کچیل کو چھوڑے گا؟ درن وسخ یعنی میل کچیل کو کہتے ہیں اور ابن بطال کی رائے ہے کہ درن سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے دانے ہیں جو بعض وقت بدن پر نمودار ہو جاتے ہیں غالباً ان دانوں سے مراد وہی ہے جس کو سہارنپور میں گرمی دانہ کہا جاتا ہے۔

لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا: اس کے بدن پر کسی بھی چیز کو باقی نہ رکھے گا۔

مرجیہ نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا کہ طاعات مطلقاً مکفر سیئات ہیں لیکن حضرات جمہور اس کو صغائر پر محمول کرتے ہیں لدلائل أخر التی أشرت إلیها سابقا۔

فَذٰلِکَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ: یہی پانچوں نمازوں کی مثال ہے۔

يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا: اللہ ان کے ذریعہ سے خطایا کو محو فرمادیتے ہیں۔

یہاں تین اشکال ہیں۔

(۱) علامہ ابن بزیزہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک بڑا سنگین اشکال ہے کہ اس سے نکلنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ اگر تم کبائر سے اجتناب کروگے تو ہم تمہاری سیئات کو زائل کر دیں گے، جب اجتناب کبائر کفارۂ سیئات بن گیا تو اب یہ صلوات خمسہ کس چیز کے لئے مکفر بنیں گی؟

اس کا جواب علامہ سراج الدین بلقینی نے یہ دیا ہے کہ اصل میں آیت وروایت کا تعلق اور دونوں کا محمل

Maktaba Tul Ishaat.com

بالکل الگ الگ ہے، روایت کا تعلق تو روزانہ کے جرائم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی سے کوئی جرم صادر ہو گیا تو صلوات خمسہ نمازوں کے درمیانی اوقات کے جرائم کے لئے مکفر ہو جائیں گی، اور آیت کا تعلق ساری عمر سے ہے، اور حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی تمام زندگی کبائر سے بچتا رہا اور اسی حال میں اس کی وفات ہو گئی تو زندگی میں جو کچھ اس سے خطایا وغیرہ صادر ہوئی ہیں وہ ساری کی ساری محو کر دی جائیں گی۔

دوسرا جواب حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ صلوات خمسہ کا کفارہ ہونا بالکل کھلی ہوئی بات ہے اس لئے کہ جو آدمی نمازوں کو نہیں پڑھے گا تو اس نے کبائر سے اجتناب کیا ہی نہیں لہذا ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ کا تحقق ہوا ہی نہیں، معلوم ہوا کہ اجتناب کبائر جو تکفیر سیئات کے لئے شرط ہے اس کا تحقق اسی وقت ہو گا جب کوئی آدمی صلوات خمسہ کو ادا کرے لہذا صلوات خمسہ کو سیئات کی تکفیر میں دخل ہے وھذا ھو المذکور فی الحدیث۔

(۲) دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ تشبیہ کا تقاضہ تو یہ ہے کہ نمازیں کبائر کے لئے مکفر ہوں اور اگر کچھ بچ جائے تو صغائر باقی رہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن بطال پہلے ہی اس اشکال کو تاڑ گئے، کہنے لگے کہ دَرَنْ سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے دانے ہیں جو بدن پر نمودار ہو جاتے ہیں، غسل کرنے کی وجہ سے تمام بدن کے دانے دور ہو جاتے ہیں نہ کہ بڑے بڑے قروح وخراجات (زخم) اور بڑے بڑے پھوڑے، وہ دور نہیں ہوتے ہیں، تو جب نماز مشابہ ہوئی نہر کے، اور نماز پڑھنا نہر میں غسل کرنے کے مشابہ ہوا، اور غسل کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے دانے زائل ہوتے ہیں نہ کہ بڑے بڑے پھوڑے، تو معلوم ہوا کہ نماز سے بھی چھوٹے چھوٹے جرائم معاف ہوتے ہیں، بڑے بڑے جرائم معاف نہیں ہوتے ہیں۔

مگر یہ ساری تقریر اس پر مبنی ہے کہ دَرَنْ سے مراد گرمی دانہ ہو، صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد میل کچیل ہے جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے، اب اس صورت میں جو اصل اشکال تھا وہ باقی رہ جاتا ہے کہ نماز کو نہر سے تشبیہ دی گئی ہے تو اس تشبیہ کا مقتضی یہ ہے کہ نماز پڑھنے کی وجہ سے کبائر دھل جائیں، اگر باقی رہ جائیں تو چھوٹے چھوٹے جرائم، جیسے اگر کوئی آدمی نہر میں پانچ وقت غسل کرتا ہے تو اس کے بدن پر جو میل کچیل زیادہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتا ہے وہ تو دھل جاتا ہے اگر رہ جاتا ہے تو مختصر سا تھوڑا تھوڑا باقی رہ جاتا ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اصل میں صغیرہ اور کبیرہ دونوں انسان میں مؤثر ہوتے ہیں لیکن صغیرہ کی تاثیر ہلکی اور کبیرہ کی تاثیر قوی ہوتی ہے، نماز صغائر کے لئے تو مزیل ہے مگر کبائر کے ازالہ کے لئے توبہ کی ضرورت ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ نماز مکفر سیئات ہے اور دوسری ایک حدیث میں وارد ہوا ہے إن العبد إذا أذنب ذنبا نكتت في قلبه نكتة سوداء فإن تاب واستغفر صقل قلبه وإن عاد نكتت نكتة أخرى حتى تعلو قلبه فذالک الران الذي قال الله تعالىٰ ﴿كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون﴾ یعنی بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ واستغفار کرلے تو قلب صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر توبہ واستغفار نہیں کیا اور پھر دوبارہ جرم کا ارتکاب کرلیا تو دوسرا نکتہ لگ جاتا ہے اسی طرح دھبہ لگتے لگتے سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے، یہاں جرم کی دوا توبہ واستغفار کو بتلایا گیا۔

لہذا ان نصوص میں جمع کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اصل میں صغائر کی تاثیر تو ہلکی ہوتی ہے وہاں نماز کا پانی کافی ہے اور کبائر کی تاثیر نہایت قوی ہوتی ہے وہاں نماز کا پانی کافی نہیں بلکہ توبہ کی گرمی اور اس کے پٹرول کی ضرورت ہوگی، تم دیکھو اگر بدن پر مٹی لگ جائے تو پانی سے دھولینے سے دور ہو جاتی ہے اور اگر تارکول لگ جائے تو اس کے ازالہ کے لئے مٹی کا تیل استعمال کرنا پڑتا ہے پٹرول لگانا پڑتا ہے اور کوئی مزیل چیز استعمال کرنی پڑتی ہے۔

(۳) تیسرا اشکال یہ ہے کہ احادیث میں مختلف اعمال کو مکفرات سیئات بتلایا گیا ہے، وضو کو کفارۂ سیئات بتلایا گیا ہے، صلوات خمسہ کو مکفر قرار دیا گیا ہے، مسلم کی ایک حدیث میں ہے الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات ما بينهن إذا اجتنب الكبائر تو جب ایک چیز سیئات کے لئے مکفر بن گئی تو بقیہ اعمال کیا کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی عمل سے تمام سیئات معاف ہو گئے تو باقی اعمال رفع درجات کا سبب بنیں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ٧٦) بَابُ تَضْيِيعِ الصَّلَاةِ عَنْ وَقْتِهَا

٥٢٩. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اسمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ غَيْلَانَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، قِيلَ: الصَّلَاةُ، قَالَ: أَلَيْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِيهَا.

٥٣٠. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ وَاصِلٍ أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ أَخِي عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ: دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بِدِمَشْقَ وَهُوَ يَبْكِي، فَقُلْتُ: مَا يُبْكِيكَ؟ فَقَالَ: لَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا أَدْرَكْتُ إِلَّا هَذِهِ الصَّلَاةَ وَهَذِهِ الصَّلَاةُ قَدْ ضُيِّعَتْ.

وَقَالَ بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ نَحْوَهُ.

ترجمہ: باب، نماز کو بے وقت کر کے ضائع کر دینے کا بیان۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن چیزوں کو پایا تھا ان میں سے کوئی چیز محفوظ نہیں، ان سے عرض کیا گیا کہ نماز (تو محفوظ ہے) فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ نماز کے اندر بھی تم نے وہ چیزیں کر رکھی ہیں جو کر رکھی ہیں؟

حضرت عمر بن زرارہ سے روایت ہے کہ ہم سے عبدالواحد بن واصل ابو عبیدہ حداد نے حدیث بیان کی اور ان سے عثمان بن ابی رواد نے جو عبدالعزیز بن رواد کے بھائی ہیں بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے زہری سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں دمشق میں حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ رو رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن چیزوں کو دیکھا تھا ان میں سے کوئی چیز محفوظ نہیں، بس ایک نماز ہے اور یہ نماز بھی برباد کر دی گئی ہے، بکر بن خلف کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن بکر برسانی نے بیان کیا کہ ہم سے عثمان بن ابی رواد نے اسی طرح روایت بیان کی تھی۔

تشریح: حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر پڑھنے کی ناپسندیدگی اور شریعت میں اس کے مذموم ہونے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، اور ممکن ہے کہ مصنف نے یہ ترجمہ منعقد کر کے آیت کریمہ ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ کی طرف تلمیح کی ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جو چیزیں تھیں ان میں سے میں اب کوئی بھی نہیں دیکھ رہا ہوں، عرض کیا گیا کہ نماز بھی نہیں؟ فرمایا کہ کیا تم نے نماز میں بہت کچھ تغیر نہیں کر ڈالا؟

یہ سوال کرنے والے ابورافع ہیں جیسا کہ مسند احمد میں وارد ہوا ہے، طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ سے ایک آدمی نے پوچھا فالصلاة یاأباحمزة؟ تو فرمایا أليس قد جعلتم الظهر عند المغرب أفتلك كانت صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ تم نے ظہر مغرب کے وقت میں پڑھنی شروع کر دی کیا یہی حضور ﷺ کی نماز تھی؟

حضرت انسؓ نے اس تضییع سے جس کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ آیا تضییع کنایہ ہے اخراج عن الوقت سے یا اخراج عن الوقت المستحب سے؟ یعنی بالکل قضا ہی کر دی یا وقت مستحب پر ادا نہیں کی، دونوں قول ہیں، عام شراح حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور قسطلانی وغیرہ نے تو قول اوّل کو اختیار کیا ہے اور مہلب نے قول ثانی کو، لیکن ابن سعد کی روایت قول اوّل ہی کی تائید کرتی ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ اس حدیث پاک میں تو یہ ہے کہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا نماز بھی اپنے حال پر نہیں ہے؟ تو فرمایا أَلَيْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِيهَا، لیکن ص ۱۰۰ پر ایک حدیث آئے گی اس میں ہے کہ حضرت انسؓ نے ارشاد فرمایا مَا أَنْكَرْتُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّكُمْ لَا تُقِيمُونَ الصُّفُوفَ اور تو میں کوئی چیز بدلی ہوئی دیکھتا نہیں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم تسویۃ الصفوف میں کوتاہی کرتے ہو، اب حضرت انسؓ کے دونوں بیانوں میں تعارض ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انسؓ کا یہ بیان اہل شام سے متعلق ہے اور یہ اس وقت فرمایا تھا جب وہ بصرہ سے حجاج کی شکایت کرنے کے لئے ولید بن عبدالملک کے پاس شام گئے ہوئے تھے، اور جو ارشاد ص ۱۰۰ پر آرہا ہے وہ انہوں نے اہل مدینہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ اور اہل شام میں کتنا فرق ہے، اہل شام کے بارے میں تو حضرت انسؓ فرماتے ہیں مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حتی کہ نماز بھی اپنی حالت پر باقی نہیں اور اہل مدینہ سے کہہ رہے ہیں مَا أَنْكَرْتُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّكُمْ لَا تُقِيمُونَ الصُّفُوفَ یعنی اور تو کوئی چیز کھوکھلی دیکھتا نہیں بس اتنی سی بات ہی نظر آرہی ہے کہ تم اقامة

Maktaba Tul Ishaat.com

الصفوف میں کوتاہی کرتے ہو۔

قَدْ ضُيِّعَتْ: ضائع کردی گئی۔

وَقَالَ بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ: بکر بن خلف کی بخاری شریف میں صرف یہی معلق حدیث ہے جس کو امام اسماعیلی نے موصولاً تخریج فرمایا ہے، اور یہ گویا ابتداءِ سند ہے اور اس کے بعد موٹے خط میں لکھا ہوا حدثنا کاتب کی غلطی ہے، یہ تو وسطِ سند ہے۔

(ص ۷۶) بَابُ الْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

۵۳۱. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِي رَبَّهُ فَلَا يَتْفِلَنَّ عَنْ يَمِينِهِ وَلَكِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى.

۵۳۲. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَبْسُطْ ذِرَاعَيْهِ كَالْكَلْبِ، وَإِذَا بَزَقَ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ؛ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ.

وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ: لَا يَتْفِلُ قُدَّامَهُ أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ.

وَقَالَ شُعْبَةُ: لَا يَبْزُقُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ.

وَقَالَ حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: لَا يَبْزُقُ فِي الْقِبْلَةِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ.

ترجمہ: باب، اس حقیقت کا بیان کہ نمازی، نماز میں اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی انسان جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، اس لئے اس کو اپنی داہنی طرف نہیں تھوکنا چاہئے، لیکن بائیں پیر کے نیچے تھوکنے میں مضائقہ نہیں۔

حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سجدہ کی حالت میں اعتدال اختیار کرو اور تم میں سے کوئی سجدہ میں اپنی کلائیوں کو زمین پر کتے کی طرح نہ پھیلائے اور جب تھوکنے کی مجبوری ہو تو اپنے سامنے کی جانب یا داہنی

Maktaba Tul Ishaat.com

جانب ہر گزنہ تھوکے: اس لئے کہ وہ اس وقت اپنے پروردگار سے سرگوشی کر رہا ہے، اسی روایت میں سعید بن ابی عروبہ نے حضرت قتادہؓ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ نمازی کو اپنے آگے یا سامنے نہیں تھوکنا چاہئے، لیکن بائیں جانب یا پیروں کے نیچے تھوکنا چاہئے، نیز اسی روایت میں شعبہ نے حضرت قتادہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ نمازی اپنے سامنے یا داہنی طرف نہ تھوکے لیکن بائیں طرف یا پیروں کے نیچے تھوکنا چاہئے، نیز اسی روایت میں حمید نے حضرت انسؓ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ جانب قبلہ یا داہنی طرف نہ تھوکنا چاہئے، بلکہ بائیں طرف یا پیروں کے نیچے تھوکنا چاہئے۔

تشریح: نمازی اپنے رب تعالیٰ شانہ سے سرگوشی کرتا ہے۔

اس ترجمۃ الباب سے حضرت امام بخاری نماز کی بہت بڑی اہمیت کی طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کی وجہ سے یہ بندۂ خاکی اپنے پاک رب تعالیٰ شانہ سے ہم کلامی کے شرف سے مشرف ہوتا ہے اور سرگوشی کا مقام اس کو عطا ہو جاتا ہے، اور سرگوشی اس شخص کے ساتھ کی جاتی ہے جس سے کوئی خاص تعلق ہو تو گویا اس سے یہ بات نکلی کہ جس وقت نمازی نماز پڑھتا ہے اس وقت حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایت بندہ کی طرف مبذول ہوتی ہے۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ اس باب کو مواقیت کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اوقاتِ صلوات ہی اللہ سے مناجات کے اوقات ہیں یعنی آدمی کو یہ چاہئے کہ نماز کو اس کے اوقات میں ادا کرے اور ان کا لحاظ واہتمام کرے۔

إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِي رَبَّهُ: جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اپنے اللہ سے سرگوشی کرتا ہے یعنی حق تعالیٰ سے اسے شرفِ ہم کلامی حاصل ہوتا ہے اور اللہ کی خاص عنایت اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

فَلَا يَتْفِلَنَّ عَنْ يَمِينِهِ: دائیں طرف نہ تھوکے، اس حدیث پاک میں دائیں طرف نہ تھوکنے کی علت اللہ کی مناجات بتلائی گئی ہے لیکن یہی حدیث ابواب مساجد میں گزری ہے اس میں دائیں طرف نہ تھوکنے کی علت یہ بتلائی گئی ہے کہ دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے، اب ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی علتیں ہوں، دائیں طرف تھوکنے سے جو منع کیا گیا ہے وہ دو وجہ سے، ایک اس لئے کہ دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ بندہ اس وقت اللہ سے مناجات کرتا ہے۔

مگر ان دونوں علتوں پر اشکال ہے، اگر یہ کہا جائے کہ دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے اس لئے دائیں طرف

Maktaba Tul Ishaat.com

تھوکنے سے منع کیا گیا ہے تو بائیں طرف بھی تو آخر فرشتہ ہوتا ہے، دائیں طرف کاتب الحسنات ہوتا ہے اور بائیں طرف کاتب السیئات ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ کاتب الحسنات کو کاتب السیئات پر فضیلت حاصل ہے اس لئے کاتب السیئات کی رعایت نہیں کی گئی۔

لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ حدیث میں تو ہے فإن عن یمینه ملکا اس سے معلوم ہوا کہ اصل علت فرشتہ ہونے کی صفت ہے اور یہ کاتب الحسنات والسیئات دونوں میں مشترک ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اصل میں یہ نماز کی حالت کا بیان ہے اور نماز کے وقت بھلا کاتب السیئات کی کیا ضرورت ہے؟ ممکن ہے کہ وہ بجائے بائیں کے دائیں طرف آجاتا ہو، اور بعض احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ بائیں طرف انسان کا قرین کھڑا ہو جاتا ہے تو ممکن ہے یہ تھوک اس قرین پر پڑتا ہو۔

اور اگر مناجاتِ رب کو علت بتلایا جائے تو اشکال یہ ہے کہ اس میں داہنی طرف کی کیا تخصیص ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور سے سرگوشی کرنے کا قاعدہ ہی یہی ہے کہ سرگوشی کرنے والا ہر ایک دوسرے کے یمین کی طرف متوجہ ہوتا ہے لہذا دائیں طرف نہ تھوکنا چاہئے۔

اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ: سجود میں اعتدال کیا کرو یعنی سارے اعضاء کو درست رکھو، کلائیوں کو زمین پر نہ بچھاؤ اور اسی طرح سے بازوؤں اور کہنیوں کو پہلو سے نہ ملاؤ۔

وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ: یہ موصول بالاسناد السابق ہے۔

وَقَالَ شُعْبَةُ: یہ شعبہ کی روایت بھی موصول بالاسناد السابق ہے۔

(ص ٧٦) بَابُ الْإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ

٥٣٣ و ٥٣٤ - حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: حَدَّثَنَا الْأَعْرَجُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَنَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ؛ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

Maktaba Tul Ishaat.com

۵۳۵. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: أَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ ﷺ الظُّهْرَ فَقَالَ: أَبْرِدْ أَبْرِدْ، أَوْ قَالَ: انْتَظِرِ انْتَظِرْ، وَقَالَ: شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ، حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ.

۵۳۶. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمَدِينِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ؛ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

۵۳۷. وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ: يَا رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ وَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ.

۵۳۸. حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ؛ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ. تَابَعَهُ سُفْيَانُ وَيَحْيَى وَأَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ.

ترجمہ: باب، گرمی کی شدت میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کی گرمی کے بہت زیادہ انتشار کے سبب ہوتی ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے ظہر کی نماز کے لئے اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا أبرد أبرد یعنی وقت کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرو، یا فرمایا انتظر انتظر یعنی انتظار کرو اور یہ فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے، اس لئے جب گرمی زیادہ ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت کے انتظار میں مؤخر کر دیا کرو، (اور اس دن آپ نے اتنا انتظار کیا کہ) یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ ٹیلوں کا سایہ زمین پر پڑنے لگا۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے، اور یہ کہ جہنم نے اپنے پروردگار سے

Maktaba Tul Ishaat.com

شکایت کی اور کہا، اے پروردگار! میرے بعض حصے نے بعض حصے کو کھالیا تو اللہ نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت عطا کی، ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں، یہی وہ سانس ہے جسے تم سخت سے سخت گرمی یا سخت سے سخت سردی کی صورت میں محسوس کرتے ہو۔

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کے انتشار کے سبب ہوتی ہے، اس روایت کو اعمش سے بیان کرنے میں سفیان ثوری، یحیٰ بن سعید القطان اور ابو عوانہ نے حفص بن غیاث کی متابعت کی ہے۔

تشریح: امام بخاری نے مواقیت میں سب سے پہلے ظہر کا وقت بیان کیا ہے اس واسطے کہ حضرت جبرئیلؑ نے سب سے پہلے اسی نماز کا وقت عملی طور پر بیان کیا ہے، اسی لئے اس کو صلاۃ اُولیٰ کہا جاتا ہے۔

نیز امام بخاری نے ابراد بالظہر کا ترجمہ منعقد کیا ہے، ابراد کہتے ہیں ٹھنڈا کر کے پڑھنے کو، تو مطلب یہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا جائے جب گرمی کی تیزی اور تپش کم ہو جائے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری کو پہلے ظہر کا اصلی وقت بتلانا چاہئے تھا جو وقتِ اجازت و اباحت ہے اور پھر اس کا وقتِ مستحب بتلاتے، مصنف نے پہلے ہی ابراد کا ترجمہ کیوں منعقد کیا؟ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابراد کے لئے زوال ہونا لازم ہے تو گویا مصنف نے اسی باب سے ظہر کے اوّل وقت کی طرف اشارہ فرمادیا۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ ظہر کے وقتِ اوّل کے لئے تو مصنف نے ص ۷۷ پر ایک مستقل ترجمہ باب وقت الظھر عند الزوال منعقد کیا ہے، اب اگر اس باب سے ظہر کے اوّل وقت کی طرف بھی اشارہ ہو تو ترجمہ میں تکرار ہو جائے گا، الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے نصًّا ظہر کا وقتِ افضل بیان کیا ہے اور اشارۃً ظہر کا وقتِ اوّل بتلایا ہے لیکن آگے چل کر ظہر کے وقتِ اوّل کو صراحۃً بھی بیان کر دیا۔

اب گفتگو صرف یہ رہ جاتی ہے کہ مصنف نے ظہر کے وقتِ اوّل پر اس کے وقتِ افضل کو کیوں مقدم کیا؟ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مصنف نے اس کی اہمیت اور افضلیت کی وجہ سے مقدم کر دیا ہے چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ابراد کا ترجمہ اہتمام کی وجہ سے مقدم فرمایا ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں حضرت امام بخاری نے اس سے پہلے

Maktaba Tul Ishaat.com

ارشاد فرمایا تھا اَلْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے لہذا اب مصنف نے اس باب کو یہاں منعقد کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مناجات کا جو مناسب وقت ہے اس کا اہتمام والتزام کرنا چاہئے اور وہ گرمی کے زمانہ میں ابراد کا وقت ہے اس وقت مناجات مناسب ہے، ایسے وقت میں مصلی کی طبیعت میں نشاط بھی ہوگا اور پوری طرح توجہ سے نماز ادا ہوگی۔

گرمی میں ظہر میں ابراد یا تعجیل: اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ گرمی کے زمانہ میں ظہر میں ابراد کرنا چاہئے یا تعجیل؟ جبکہ اس پر تو اتفاق ہے کہ شتاء کے زمانہ میں تعجیل مطلوب ہے۔

جمہور علماء امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ابراد افضل ہے، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ تعجیل افضل ہے البتہ وہ ابراد چند شرطوں کے ساتھ مستحب قرار دیتے ہیں، اوّل یہ کہ زمان حار ہو، دوسرے یہ کہ مکان حار ہو اور تیسرے یہ کہ مسجدِ جماعت میں آدمی دور سے نماز پڑھنے کے لئے آتا ہو اور راستہ میں سایہ نہ ہو، اور اگر کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو اس صورت میں تعجیل ہی اولیٰ واجب ہے۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی دیر تک ابراد ہونا چاہئے، ہمارے یہاں تو کوئی تحدید ہو؛ یاد نہیں، باقی مالکیہ کے یہاں کئی قول ملتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ جب زوال سے سایہ ایک ذراع اور بڑھ جائے، بعض کہتے ہیں کہ جب رُبعِ قامت بڑھ جائے، بعض کہتے ہیں کہ جب ثُلثِ قامت ہو جائے اور بعض کہتے ہیں کہ جب نصفِ قامت ہو جائے۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور کی تائید کی ہے اور امام شافعی اور ان کے متبعین پر رد کیا ہے، حدیث ظاہر کے اعتبار سے جمہور ہی کی مؤید ہے، باقی حضرت امام شافعی نے جو شروط لگائی ہیں حدیث سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ: جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کہا جاتا ہے أَبْلَدَ إِذَا دَخَلَ فِي الْبَلَدِ، اور أَتْهَمَ إِذَا دَخَلَ فِي تِهَامَةَ، اور أَنْجَدَ إِذَا دَخَلَ فِي نَجْدٍ، اور أَصْبَحَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّبَاحِ، اسی طرح أبرد بالصلاۃ معنٰی یہ ہے کہ شدت کے زمانہ میں نماز کو مؤخر کر کے ایسے وقت میں پڑھا جائے جب تھوڑی ٹھنڈک ہو جائے اور تپش ٹوٹ جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ابراد کا امر ایجابی یا استحبابی: ابراد کا یہ امر کیسا ہے؟ اس میں تین قول ہیں، ا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ استحبابی ہے، ۲۔ قاضی عیاض نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ ایجابی ہے، علامہ کرمانی کو اس قول کی واقفیت نہیں ہو سکی اور انہوں نے ایجابی نہ ہونے پر اجماع نقل کر دیا، ۳۔ بہت سے شافعیہ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ ابراد کا حکم رخصت اور امر ارشادی ہے یعنی امت کی رعایت میں رخصت کے طور پر یہ حکم دے دیا گیا ہے کہ تم ٹھنڈے وقت میں اگر نماز پڑھنا چاہو تو پڑھ سکتے ہو۔

شافعیہ کی حدیثِ ابراد کی عجیب توجیہ: تعجیل کے بعض قائلین نے حدیثِ أبرِدُوا کی ایک عجیب وغریب توجیہ کر دی کہ مطلب یہ ہے أبردوا أی صلوا فی بَرَد الوقت، وبرد الوقت أول الوقت لیکن یہ معنٰی صحیح نہیں اس لئے کہ آگے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيحِ جَهَنَّمَ بالکل بے معنٰی سا ہو جائے گا کیوں کہ مقصود تو یہ بتلانا ہے کہ گرمی کی سختی جہنم کی گرمی کا اثر ہے لہذا اس وقت عبادت میں مشغول ہونے کے بجائے تاخیر کی جائے اور جب سکون کا وقت ہو تب نماز میں مشغولی ہو۔

اور اگر کوئی آدمی یہ کہنے لگے کہ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے تا کہ جہنم کی گرمی سے آدمی محفوظ رہے گویا یہ بتلانا مقصود ہے کہ گرمی کی شدت فیح جہنم کا اثر ہے لہذا جب حر کی شدت ہو تو اس وقت فوری طور پر اللہ کے راضی کرنے کے لئے طاعت وعبادت میں مشغول ہو جانا چاہئے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر اس میں شدت حر ہی کی کیا تخصیص ہے سردی میں تو سبھی لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ نماز تعجیل سے پڑھنی چاہئے۔

مزید یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت آگے آرہی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ مؤذن نے اذان کا ارادہ کیا اور اذان دینی چاہی تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا أَبرِد، پھر ارادہ کیا تو فرمایا أبرِد، پھر ارادہ کیا تو فرمایا أَبرِد، معلوم ہوا کہ ابراد سے مراد دخول فی وقت البرد ہے، نہ کہ اوّل وقت میں نماز پڑھنا، لامحالہ أبرِدُوا کے معنٰی یہ ہوں گے کہ ٹھنڈا کر کے نماز پڑھو۔

اور حضور اکرم ﷺ نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ شدتِ حر جہنم کی تپش کا اثر ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ حکم استحبابی ہو۔

اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ حضرت خبابؓ کی ایک حدیث میں وارد ہے شکونا إلیٰ رسول الله ﷺ حرّ

Maktaba Tul Ishaat.com

الرمضاء فلم یُشکِنا، رواہ مسلم، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابراد کی اجازت نہیں، جمہور علماء نے حدیثِ خبابؓ کے مختلف انداز میں مختلف جواب دیئے ہیں۔

(۱) امام طحاوی اور اثرم تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہوچکی ہے، یہ ابتداء امر کا واقعہ ہے، امام طحاوی نے اس کی دلیل میں ایک حدیث پیش کی ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کنا نصلّی بالھاجرة ثم قال لنا أبردوا ہم دوپہر کے وقت میں یعنی عین زوال کے وقت ظہر کی نماز ادا کرتے تھے ہم کو حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تم ابراد کرکے نماز پڑھا کرو، امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ ابراد آخر الامرین ہے۔

(۲) اصل میں ان لوگوں نے تاخیرِ زائد کا مطالبہ کیا تھا آنحضور ﷺ نے اس کو منظور نہیں فرمایا۔

(۳) ثعلب کہتے ہیں کہ فَلَمْ یُشْکِنَا کے معنٰی ہیں فَلَمْ یُحْوِجْنَا إِلَی الشَّکْوٰی ہم کو حضور ﷺ نے دوبارہ شکایت کا موقع نہیں دیا یعنی ہماری درخواست منظور فرمالی، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس معنٰی پر ساری روایتیں جمع ہوجائیں گی اور ان میں کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا۔

لیکن اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ جب حدیث خبابؓ پڑھی جاتی ہے تو علی التبادر اس کے یہ معنٰی نہیں نکلتے ہیں، اور حدیث و قرآن کے حقیقی معنٰی وہی ہیں جو ماہر فن کو علی التبادر سمجھ میں آجائے، مزید اشکال یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض دیگر طرق میں ابن منذر اور بیہقی کی روایت میں وارد ہوا ہے وقال إذا زالت الشمس فصلوا، اس سے معلوم ہوگیا کہ ثعلب نے جو معنٰی بیان کئے ہیں وہ صحیح نہیں، اور بھی خبابؓ کی حدیث کے بعض معانی بیان کئے گئے ہیں۔

فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ: اس واسطے کہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ کا اثر ہے۔

اس میں اشکال یہ ہے کہ گرمی جب اللہ کے غضب کا اثر ہے تو ایسے وقت میں بجائے اس کے کہ عبادت کو چھوڑا جائے اور زیادہ مشغول ہونا چاہئے تاکہ مولیٰ کا غضب ختم ہوجائے۔

اس کا جواب (۱) یہ ہے کہ جب اللہ اور اللہ کے رسول کا کوئی فرمان آئے تو اپنی عقلی تعلیلات کو بالائے طاق رکھ دینا چاہئے کذا قالہ ابن سید الناس وغیرہ۔

(۲) بعض دیگر علماء علامہ ابن منیر وغیرہ نے ایک عجیب و غریب حکمت بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں عند ظهور الغضب لا ينجح الطلب، اصل بات یہ ہے کہ یہ نماز سراسر قولی و عملی دعاء ہے اور دعاء ایسے وقت میں

Maktaba Tul Ishaat.com

کی جاتی ہے جبکہ اُدھر سے توجہ وعنایت ہو اور غضب کا وقت وقتِ توجہ وعنایت نہیں ہے لہذا ایسے وقت میں نہ مانگنا ہی بہتر ہے۔

(۳) اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ کلمۂ مجازیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ گرمی جہنم کی گرمی کے مشابہ ہے اور جہنم کی گرمی اور اس کی تپش انسان کو بے قرار کر دینے والی ہے اور یہ گرمی جو اس کے مشابہ ہے اس سے بھی بے قراری اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے جبکہ نماز میں سکون واطمینان اور خشوع وخضوع مطلوب ہے لہذا ایسے وقت میں نماز پڑھنی چاہئے جب انسان کو انتہائی سکون وقرار حاصل ہو تا کہ نماز کی طرف پورے طور سے متوجہ رہے۔

اس تقریر پر اشکال تو کچھ نہیں ہو تا بس اتنی بات رہ جاتی ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر باقی نہیں رہتی ہے بلکہ مؤول ہو جاتی ہے، اور یہ مسئلہ اپنی جگہ پر مختلف فیہا ہے کہ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ آیا حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر؟ اکثر علماء تو اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں اور قاضی بیضاوی اس کو مجاز پر محمول کرتے ہیں، اس موضوع پر اگلی حدیث کے بعد جو حدیث آرہی ہے ہم اس کے ذیل میں مزید کلام کریں گے۔

گرمی کا اثرِ جہنم ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے: یہاں اتنی بات سن لو کہ اگر اس حدیث پاک کو اپنے ظاہر اور حقیقت پر محمول کیا جائے تو ایک کھلا ہوا اشکال ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ گرمی سورج کی تپش کی وجہ سے گھٹتی اور بڑھتی ہے تو حدیث پاک ہمارے مشاہدہ کے بالکل خلاف ہے، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بعض وقت بعض اشیاء کے جیسے بعض اسبابِ ظاہرہ ہوتے ہیں ایسے ہی بعض اسبابِ خفیہ اور باطنہ بھی ہوا کرتے ہیں، ہم تو ظاہری اسباب کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے بعض جگہوں میں اسبابِ خفیہ کو بیان فرمایا ہے، اور یہاں پر اسبابِ ظاہرہ اور خفیہ میں کوئی تعارض ہی نہیں اس لئے اس میں کیا استبعاب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے نَفَسِ جہنم کو شمس سے مربوط کر دیا ہو اور پھر گرمی شمس کے واسطہ سے سارے عالم میں پھیلتی ہو۔

کہیں سردی کم کہیں زیادہ اس کی کیا وجہ ہے: اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سردی کا تعلق نَفَسِ جہنم سے ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ گرمی اور سردی میں مختلف علاقوں میں فرق

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتا ہے کہیں گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کہیں کم، اسی طرح کہیں سردی زیادہ ہوتی ہے اور کہیں کم؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی مؤثر کا اثر ظاہر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ متاثر میں پوری صلاحیت ہو اور وہاں موانع بھی مرتفع ہوں، اگر کہیں متاثر میں صلاحیت کم ہوئی یا صلاحیت تو پوری ہو لیکن وہاں کوئی خارجی مانع موجود ہے تو مؤثر کا پورا اثر وہاں ظاہر نہیں ہوگا۔

مثال کے طور پر تم یہ سمجھو کہ ایک نہر ہے جو میلوں میل جا رہی ہے بہت سی جگہ آپ کو ایسی ملے گی کہ نہر کا کنارہ دور تک تر نظر آئے گا اور بہت سی جگہیں ایسی ملیں گی کہ جہاں نہر کا کنارہ بالکل خشک معلوم ہوگا اس کی کیا وجہ؟ وجہ صرف یہ ہے کہ بعض جگہوں کی زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی کو پوری طرح اپنے اندر جذب نہیں کرتی ہے اور بعض جگہ کی زمین نہایت نرم ہوتی ہے پانی دور تک جذب ہوتا ہوا چلا جاتا ہے، اور بعض جگہ کی زمین ہوتی تو نرم ہے لیکن نہر کے کنارہ بعض وقت پشتہ بنا دیا جاتا ہے اور اس پشتہ کی وجہ سے اس کا اثر نہیں پہنچ پاتا ہے، یہی حال بعینہ اس زمین کا ہے، جہنم میں سے اس کے سانس لینے سے حر و برد تو برابر پہنچتے ہیں لیکن زمین کے بعض علاقے اور اس کے متعلقات ایسے ہیں کہ وہ اس کے اثر کو پوری طرح قبول کر لیتے ہیں اور بعض جگہیں ایسی ہیں جو پوری طرح سے قبول نہیں کرتی ہیں۔

ایک ہی وقت میں سردی بھی اور گرمی: اب ایک اشکال اور رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کیا وجہ ہے کہ پھر بعض ملکوں میں ایک ہی وقت میں گرمی ہوتی ہے اور اسی وقت میں دوسرے ملک میں سردی ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اب چونکہ سردی اور گرمی کا تعلق ظاہری طور پر شمس سے ہو گیا اور شمس کے مطالع و مغارب میں اختلاف ہوتا رہتا ہے تو ہو سکتا ہے اس اختلاف کی وجہ سے گرمی اور سردی پر اثر پڑتا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نفسِ شتاء وصیف اقالیم اور ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے بدلتے رہتے ہوں۔

إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ: یہاں عن الصلاۃ ہے اور پہلی روایت میں فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ ہے، یہ باء اپنے ظاہر پر ہے اور عن کا صلہ اس لئے لایا گیا ہے کہ أَبْرِدُوا میں متجاوزین کے معنٰی کی تضمین کی گئی ہے یعنی فأبردوا متجاوزین عن الصلاۃ۔

حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ: یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے سایوں کو دیکھ لیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تلول جمع ہے تل کی اور تل کہتے ہیں ٹیلہ کو، وہ ٹیلے جو زمین پر پھیلے ہوتے ہیں اور بہت زیادہ اٹھے ہوئے نہیں ہوتے، اور فَیْ وہ سایہ کہلاتا ہے جو زوال کے بعد نمودار ہوتا ہے، زوال سے پہلے کے سایہ کو ظِل کہا جاتا ہے اسی لئے کہتے ہیں اَلظِّلُّ مَانَسَخَتْهُ الشَّمْسُ وَ الفَيئُ مَانَسَخَ الشَّمْسَ، یہی حدیث آئندہ بخاری شریف میں دوسری جگہ آئے گی اس میں ہے حتی ساوی الظلُّ التلولَ یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔

اس لفظ سے احناف نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک باقی رہتا ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے جب ظہر کی نماز سایہ کے مثل التلّ ہو جانے کے بعد ادا فرمائی تو یقیناً وہ نماز مثل واحد کے بعد ہوئی اور مثل ثانی میں واقع ہوئی، معلوم ہوا کہ جیسے ظہر کا وقت مثل اوّل ہے اسی طرح اس کا وقت مثل ثانی بھی ہے، لیکن جو حضرات اس قول کو نہیں مانتے وہ یہ کہتے ہیں کہ مساوات کے معنیٰ ہیں ٹیلہ پر سایہ کا ظاہر ہو جانا اور اس ظہور کے لئے یہ لازم نہیں کہ سایہ ٹیلہ کے برابر ہی ہو گیا ہو، اور واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ اس حدیث سے بہت سے حضرات نے امام ابوحنیفہ کے قول مثلین کے لئے دلیل پکڑی ہے لیکن یہ روایت اپنے مدعا پر واضح نہیں ہے، ایسی مجمل اور محتمل روایت سے کیسے مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے اور مثلین کا قول ایسا ہے کہ اس میں حضرت امام اعظم منفرد نظر آتے ہیں وقد صرح بذلک الأئمة، وسيأتي الكلام إن شاء الله مختصرًا۔

وَ اشْتَكَتْ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا: آگ نے اپنے رب سے شکایت کی، عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے بعض نے بعض کو کھالیا، حق تعالیٰ نے اس کو دو سانسوں کی اجازت دی ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں، گرمی کے سانس کا اثر یہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں جو سب سے سخت وقت ہوتا ہے وہ اسی سانس کے سبب سے ہے، اور زمہریر اور سرما کی سختی بھی نَفَسِ شتاء کا اثر ہے۔

شکایت بلسان القال یا بلسان الحال؟ اس میں دونوں احتمال ہیں، ۱۔ حافظ ابن عبدالبر، قاضی عیاض، قرطبی، تورپشتی اور علامہ ابن منیر وغیرہ نے تو اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے اور ان کی رائے یہ ہے کہ یہ شکایت بلسان القال تھی، حق تعالیٰ نے جہنم کو گویائی عطا فرمائی اور اس نے اللہ کی جناب میں یہ شکایت کی أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا بعض نے بعض کو کھالیا، ۲۔ علامہ ناصر الدین بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ شکایت بلسان الحال تھی اور اشتکاء کنایہ ہے اس کے غلیان اور جوش مارنے سے اور اکل کنایہ ہے ازدحام بعض أجزاءها على بعض سے اور

Maktaba Tul Ishaat.com

نَفَسِ شتاء اور نَفَسِ صیف سے مراد وہ چیز ہے جو اس سے نکلتی اور ظاہر ہوتی ہے۔

أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ: ظہر کا ابراد کرو، اور دوسرے الفاظ میں ہے أبردوا بالصلاۃ، یہ اپنے عموم کی وجہ سے ظہر اور جمعہ دونوں کو شامل ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ صلاۃ بول کر ظہر ہی مراد ہے۔

جمعہ میں ابراد کا مسئلہ: جمعہ میں ابراد ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے اندر ابراد نہیں ہے، یہی حضرت امام مالک اور امام احمد کا مسلک ہے اور علامہ عینی نے امام ابو حنیفہ سے بھی یہی نقل کیا ہے، اشباہ میں ابن نجیم نے عدم الابراد کو اختیار کیا ہے۔

صاحب بحر الرائق نے اسبیجابی سے نقل کیا ہے والجمعة كالظهر فی الزمانین أصلاً واستحباباً، امام بخاری اس مسئلہ میں ابراد کے قائل ہیں جیسا کہ ابواب جمعہ میں آرہا ہے۔

(ص ۷۷) بَاب الْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ

۵۳۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُهَاجِرٌ أَبُو الْحَسَنِ مَوْلًى لِبَنِي تَيْمِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ، حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تَتَفَيَّأُ تَتَمَيَّلُ.

ترجمہ: باب، سفر میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ موذن نے اذان کا ارادہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ٹھنڈے وقت کا انتظار کرو، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ زمین پر دیکھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے، اس لئے جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "یَتَفَیَّأُ" کا ترجمہ "یَتَمَیَّلُ" ہے یعنی ان کے سائے جھک جاتے ہیں۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کی غرض حافظ ابن حجر کی رائے پر تو یہ ہے کہ جیسے حضر میں ابراد مطلوب

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے ایسے ہی سفر میں بھی ابراد مطلوب ہے یعنی ابراد حضر کے ساتھ خاص نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سے حضرت امام شافعی پر رد کیا ہو اس واسطے کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ابراد اس وقت مستحب ہے جب انتیاب من بعید ہو یعنی مصلی کو نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کے لئے دور سے آنا پڑتا ہو، حضرت امام بخاری نے بتلادیا کہ سفر میں ابراد کرنا سرور عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے ثابت ہے، اور وہاں دور سے کہاں آنا ہوتا ہے رفقاء سارے آس پاس ہوتے ہیں، معلوم ہوا کہ ابراد مطلقاً مندوب ہے انتیاب من بعید کی قید صحیح نہیں ہے، چنانچہ امام ترمذی نے امام شافعی پر صراحۃً رد کیا ہے اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس حدیث کو جو مصنف نے اس باب میں ذکر کی ہے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سفر میں کہاں انتیاب من بعید ہوتا ہے۔

علامہ کرمانی نے بالکل برعکس یہ بات فرمائی کہ سفر میں رفقاء کہاں ایک جگہ جمع ہوتے ہیں؟ بھیڑ سے بچنے کے لئے اور پیاس کی طلب میں ادھر ادھر منتشر اور منتقل ہوجایا کرتے ہیں، حافظ ابن حجر نے اس کی مزید یہ تائید پیش کی کہ اُس زمانہ میں یہ بھی کوئی عادت نہیں تھی کہ کوئی خیمہ وغیرہ نصب کرتے تاکہ اس میں سارے لوگ آرام کریں اس لئے ظاہر یہی ہے کہ سارے لوگ ادھر ادھر منتشر ہوجاتے تھے۔

مگر علامہ عینی نے کرمانی اور حافظ ابن حجر کے قول کو رد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ سفر میں تو دشمن کے خوف کی وجہ سے عادت یہ ہوتی ہے کہ لوگ ایک طرف کو مجتمع ہوجایا کرتے ہیں تاکہ کہیں اگر دشمن آجائے تو مسلمانوں کی قوت منتشر نہ ہو، علامہ عینی کے اس جواب کی تائید ابوداؤد کی ایک روایت سے ہوتی ہے حضرت ابوثعلبۃ الخشنیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا إنّ تفرّقكم في هذه الشعاب والأودية إنما ذلكم من الشيطان تمہارا ان شعاب واودیہ میں ادھر ادھر منتشر اور متفرق ہوجانا شیطان کی وجہ سے ہے، شیطان اس بات پر آمادہ کرتا ہے، صحابی کہتے ہیں فلم ينزلوا بعد ذلك منزلاً إلا انضمّ بعضهم إلى بعض حتى يقال لو بُسِط عليهم ثوب لَعَمَّهُم، اس کے بعد جب کہیں دشمن کا نزول ہوتا تو سب ایک ساتھ جمع ہوجاتے اور مل کرکے قیام کرتے حتی کہ یہ کہا جاتا تھا کہ اگر ایک کپڑا بھی ان پر ڈال دیا جائے تو کافی ہوجائے گا۔

لیکن بہرحال ان دونوں غرضوں میں سے پہلی ہی غرض اقرب معلوم ہوتی ہے یعنی حضر کی طرح سفر میں بھی ابراد مطلوب ہے، ممکن ہے بخاری نے کچھ لطیف انداز میں شافعیہ کی تردید کی ہو، کچھ قطعی طور پر نہیں کہا

Maktaba Tul Ishaat.com

جاسکتا ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ حضرت امام ترمذی نے پوری جامع میں امام شافعی پر صرف ایک جگہ نام لیکر رد کیا ہے اور وہ یہی مسلہ ہے، اور نام لیکر امام ابو حنیفہ پر کتاب الحج میں مسئلۂ اشعار میں رد کیا ہے، ویسے مشہور یہ ہے کہ حضرت امام ترمذی شافعی المسلک ہیں لیکن اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجتہد منتسب ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَفَيَّأُ يَتَمَيَّلُ: چونکہ روایت میں فیء کا لفظ آیا تھا اور یہی مادہ يَتَفَيَّأُ کا ہے جو قرآن کا لفظ ہے لہٰذا مصنف نے اس کی تفسیر ابن عباسؓ سے نقل کردی أي يَتَمَيَّلُ، فيء: فاء يفيئ فيئا سے ہے، اسکوفی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ مائل ہوتا ہے جھکا ہوا ہوتا ہے، بڑھتا چلا جاتا ہے جھکتا چلا جاتا ہے۔

(ص ۷۷) بَابُ وَقْتِ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ

وقال جابر كان النبي ﷺ يصلي بالهاجرة.

٥٤٠. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ فَذَكَرَ أَنَّ فِيهَا أُمُورًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ فَلَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا، فَأَكْثَرَ النَّاسُ فِي الْبُكَاءِ وَأَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ: سَلُونِي، فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ فَقَالَ: مَنْ أَبِي؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ، ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ: سَلُونِي، فَبَرَكَ عُمَرُ رضي الله عنه عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ: رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هَذَا الْحَائِطِ فَلَمْ أَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ.

٥٤١. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَأَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ فِيهَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ، وَيُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ وَأَحَدُنَا يَذْهَبُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ،

Maktaba Tul Ishaat.com

وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ ثُمَّ قَالَ: إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ. وَقَالَ مُعَاذٌ: قَالَ شُعْبَةُ: ثُمَّ لَقِيتُهُ مَرَّةً فَقَالَ: أَوْ ثُلُثِ اللَّيْلِ.

٥٤٢. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنِي غَالِبٌ الْقَطَّانُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ.

ترجمہ: باب، ظہر کا وقت زوال کے بعد شروع ہونے کا بیان۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کی گرمی میں پڑھتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ آفتاب ڈھلنے کے وقت باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی پھر آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ اس میں بہت بڑی اور اہم چیزیں پیش آئیں گی، پھر فرمایا کہ جسے کسی بھی چیز کے بارے میں پوچھنا ہو پوچھ لے، اس لئے کہ تم مجھ سے کسی چیز کے بارے میں نہیں پوچھو گے مگر یہ کہ میں جب تک اس جگہ ہوں اس وقت تک ہر بات کی اطلاع دوں گا، چنانچہ (آپ کے فرمانے کے بعد) لوگوں پر بہت زیادہ گریہ طاری ہوگیا اور آپ بار بار یہ فرماتے رہے کہ تم مجھ سے (جو چاہے) سوال کرو، چنانچہ عبد اللہ بن حذافہؓ کھڑے ہوئے اور پوچھا میرے باپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے باپ حذافہ ہیں، پھر آپ نے بار بار فرمایا کہ پوچھو پوچھو تو حضرت عمرؓ نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے سے اور اسلام کے دین ہونے سے اور محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے سے راضی ہیں، اس پر آپ خاموش ہوئے، پھر فرمایا کہ اس دیوار کے کونے میں ابھی جنت اور جہنم میرے سامنے پیش کی گئی، تو میں نے (جنت کی طرح) بہتر اور (جہنم کی طرح) بدتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے انسان کو پہچان لیتا تھا اور آپ فجر میں ساٹھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے تھے اور ظہر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے جب آفتاب زوال کی طرف مائل ہو جاتا تھا اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی مدینہ کے آخری کنارے تک چلا جاتا تھا یعنی گھر لوٹ جاتا تھا اور آفتاب میں اس وقت تک کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا، راوی (ابو منہال) نے کہا کہ مغرب کے بارے میں میں بھول گیا کہ حضرت ابو برزہؓ نے کیا کہا تھا اور آپ عشاء کی نماز کو ایک تہائی رات تک مؤخر کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے، پھر ابو منہال نے کہا کہ نصف رات تک مؤخر کرنے میں پرواہ نہیں کرتے تھے، معاذ بن معاذ بصری نے کہا کہ شعبہ نے کہا کہ پھر ابو منہال سے ملا تو انہوں نے کہا تہائی رات تک مؤخر کرنے میں پرواہ نہ کرتے تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے دوپہر میں نماز پڑھا کرتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔

تشریح: مصنف نے اولاً مسئلۂ ابراد کو بیان کیا تھا اس لئے کہ وہ اَحب و پسندیدہ وقت ہے، اب وقتِ جواز کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ظہر کا وقت زوال کے وقت ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں کسی زمانہ میں صحابۂ کرام میں کچھ اختلاف تھا، ابن عباسؓ وغیرہ قبل الزوال جواز کے قائل تھے لیکن جمہور صحابۂ کرام زوال ہی کے قائل تھے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ابن عباسؓ کے قول کی تردید کی ہے، البتہ صرف جمعہ میں تھوڑا سا اختلاف رہ گیا ہے کہ آیا قبل الزوال جائز ہے یا نہیں؟

جمہور کہتے ہیں کہ جیسے ظہر قبل الزوال جائز نہیں ایسے ہی جمعہ کی نماز بھی قبل الزوال جائز نہیں، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔

اور بہت ممکن ہے حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ان بعض کوفیین کا رد کیا ہو جو یہ کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز اگر اوّل وقت میں پڑھ لی گئی تو وہ نفل واقع ہوگی، یہ قول کرخی نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے، علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ تمام فقہاء اس نقل کے خلاف پر متفق ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے یہاں معروف اس قول کی تضعیف ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ حضرت امام محمد نے کتاب الأصل میں یہ لکھا ہے کہ ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور یہی ہماری متون مشہورہ قدوری، کنز، ہدایہ اور مجمع میں مذکور ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کرخی سے جو قول نقل کیا گیا ہے وہ کوئی شاذ سی روایت ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری نے ان بعض احناف پر رد کیا ہو جو یہ کہتے ہیں کہ ظہر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سایہ قدر الشراک یعنی جوتے کے تسمہ کے برابر ہو جائے، عبد ضعیف کہتا ہے کہ جن فقہاء نے قدر الشراک کا لفظ ذکر کیا ہے ان کا مقصود یہ نہیں ہے کہ ظہر کا وقت اس سے پہلے شروع نہیں ہو سکتا بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ زوال کا تحقق جب ہو جائے تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اس کا تحقق ہر شخص کے واسطے اسی وقت ہوگا جب سایہ کچھ نہ کچھ نمودار ہو جائے، اس کا ادنیٰ درجہ انہوں نے قدر الشراک سے متعین کیا ہے،

بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمہ سے ابن عباسؓ پر بھی رد کیا ہے اور کرخی کے اس قول

Maktaba Tul Ishaat.com

منقول پر بھی رد کیا ہے۔

وَقَالَ جَابِرٌ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالْهَاجِرَةِ: حضرت جابرؓ کی یہ روایت ایک ورق کے بعد موصولاً آرہی ہے، ھاجرہ نصف النہار کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس وقت لوگ نکلنا اور چلنا پھرنا چھوڑ دیا کرتے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ عین زوال کے وقت آپ نماز پڑھتے تھے۔

فِي عُرْضِ هَذَا الْحَائِطِ: عُرض بمعنی جانب، ناحیہ۔

فَلَمْ أَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ: یعنی عجیب بات تھی کہ جنت و جہنم جو خیر و شر ہیں ایک ہی ساتھ جمع ہو کر نظر آرہی تھیں۔

وَأَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيسَهُ: حضور ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تھے اس وقت جبکہ ہم میں سے ایک آدمی اپنے جلیس کو پہچانتا تھا، مسلم میں ہے **فینظر إلی وجه جلیسه الذی یعرف فیعرفه،** جو پاس بیٹھا ہوا ہو اگر وہ متعارف ہو تو اس کو پہچان لیتا تھا، ابوداؤد شریف کے بعض نسخوں میں **تویَعْرِفُ جَلِيسَهُ** واقع ہوا ہے اور بعض نسخوں میں **وَمَا يَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِيسَهُ** واقع ہوا ہے **مَا** نافیہ کی زیادتی کے ساتھ، یہ کسی کاتب کی غلطی ہے صحیح **وَيَعْرِفُ** ہے۔

وَيَقْرَأُ فِيهَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ: یعنی ساٹھ سے لیکر سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔

وَيُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ: یہ ہے مقصود بالترجمہ۔

وَالْعَصْرَ وَأَحَدُنَا يَذْهَبُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ: اور عصر اس وقت پڑھتے جب ہم میں سے ایک آدمی منتہاءِ مدینہ کی طرف جاتا تھا دراں حالیکہ وہ اپنے گھر لوٹ جاتا اور شمس میں حیات ہوتی، مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ عصر سے اس وقت فارغ ہو جاتے تھے جبکہ نماز پڑھ کر لوٹنے والا اقصائے مدینہ کی طرف لوٹ جاتا تھا اور وہاں پہونچنے پر شمس میں حیات باقی ہوتی تھی۔

رجع قد کی تقدیر کے ساتھ حال واقع ہے، اور حاشیہ کا نسخہ ہے ویرجع، اس پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ ایک آدمی نماز پڑھ کر اقصائے مدینہ جاتا تھا اور پھر لوٹ کر مسجد نبوی آتا تھا اور اب تک شمس میں حیات ہوتی تھی، حالانکہ یہ مراد نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یرجع، یذھب کا بیان ہے۔

وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ: امام ابوداؤد نے خیثمہ تابعی سے نقل کیا ہے **وحیاتها أن تجد حرّها** حیاتِ شمس یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کہ اس کی حرارت محسوس ہو۔

بِالظَّهَائِرِ: ظہائر جمع ہے ظہیرۃ کی اور ظہیرہ کہتے ہیں نصف النہار کو، مراد اس سے زوال کا وقت ہے۔

فَسَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ: اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے، باب السجود علی الثوب میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے، جمہور علماء تو مطلقاً جوازِ نماز کے قائل ہیں چاہے ثوب متصل ہو یا ثوبِ منفصل اور چاہے مصلی کی حرکت سے کپڑے میں حرکت ہو یا نہ ہو، اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ ثوبِ منفصل پر جائز ہے اور اسی طرح اس ثوب پر جو متصل تو ہو لیکن حرکتِ مصلی سے اس میں حرکت نہ ہوتی ہو، اور اگر ایسا کپڑا ہے جس میں حرکتِ مصلی سے حرکت ہوتی ہے تو اس پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(ص ۷۷) بَابُ تَأْخِيرِ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ

۵۴۳. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَثَمَانِيًا؛ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، فَقَالَ أَيُّوبُ: لَعَلَّهُ فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ قَالَ: عَسَى.

ترجمہ: باب، ظہر کی نماز کو عصر تک مؤخر کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں رہتے ہوئے نماز کی سات رکعتیں اور آٹھ رکعتیں پڑھیں یعنی ظہر اور عصر کو ملا کر آٹھ رکعت اور مغرب اور عشاء کو ملا کر سات رکعت، ایوب سختیانی نے جابر بن زید سے پوچھا کہ شاید بارش کی رات میں ایسا کیا ہو گا؟ تو انہوں نے فرمایا ہو سکتا ہے۔

تشریح: باب کی غرض بیان کرنے سے پہلے مسئلہ سنو پھر اس کے بعد ترجمہ کے متعلق کلام کریں گے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ظہر کا آخری وقت اور عصر کا ابتدائی وقت کیا ہے؟

حضرات ائمہ ثلاثہ اور صاحبین تو فرماتے ہیں کہ ظہر کا آخری وقت مثل واحد ہے، جب ایک مثل سایہ ہو گیا اور اس کے بعد دوسرا مثل شروع ہو گیا تو عصر کا وقت شروع ہو گیا، حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ظہر کا وقت مثلین تک باقی رہتا ہے اور جب سایہ دو قامت یعنی دو مثل ہو جائے تو پھر اس کے بعد عصر کا وقت شروع

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتا ہے، امام ابو حنیفہ سے ظاہر الروایہ یہی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے قول کے لئے ابوذر غفاریؓ کی روایت حتی ساوی الظل التلول دلیل میں پیش کی جاتی ہے لیکن یہ دلیل کچھ واضح نہیں ہے حتی کہ ہمارے بعض محققین احناف نے بھی اس کو قبول نہیں کیا ہے، بہت سے ائمہ امام ابن منذر، حافظ ابن عبد البر، قاضی ابو الطیب طبری وغیرہ حضرات نے یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ عصر کے مسئلہ میں مثلین کے قول میں منفرد ہیں، ابن عبد البر اور قرطبی وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی دوسرے علماء اور خود ان کے اصحاب نے مخالفت کی ہے مگر ان کے اصحاب سے مراد قدماء اصحاب ہیں، متاخرین احناف میں بہت سوں نے امام کے قول کو اختیار کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ جو امام صاحب کا تفرد کہا گیا ہے اس میں تھوڑا سا تأمل ہے، امام ابو بشر دَولابی نے کتاب الکنیٰ میں سفیان ثوری سے نقل کیا ہے أول وقت العصر إذا صار ظل کل شیئ مثلیه اسی طرح مثلیه کا لفظ ابو بشر دولابی کی کتاب الکنیٰ میں موجود ہے، اب اگر یہ محرف نہیں اور اس میں کچھ گڑبڑ نہیں ہوئی ہے تو ثوری صراحۃً امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔

حضرت گنگوہی نے اپنے مکاتیب میں ایک جگہ یہ تصریح کی ہے کہ مثلین کی کوئی صریح حدیث نہیں ہے اور مثل واحد کی صریح دلیلیں موجود ہیں، صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے ووقت الظهر إذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله مالم يحضر العصر۔

بلکہ بہت سے علماء نے یہ نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے مثل واحد کے قول کی طرف رجوع کیا ہے، صاحب خزانۃ الروایات نے ملتقی البحار میں اسی طرح سے نقل کیا ہے، سید احمد دحلان نے اس سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جیسا کہ مولانا عبد الحی صاحب نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے، اس میں انہوں نے متعدد کتابوں کا حوالہ دیا ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت امام نے مثلین کے قول سے مثل واحد کے قول کی طرف رجوع کیا ہے، لکھا ہے کہ صاحب فتاویٰ شامی، صاحب الجوہر المنیر، صاحب کتاب الانیس اور اسی طرح سے صاحب القویم نے رجوع کی تصریح کی ہے۔

اور یہ مسئلہ زیادات ہندوانی علی متدرک الشیبانی میں باب ما یحل أکله وما لا یحل أکله میں مصرح ہے کہ امام صاحب نے ظہر کے وقتِ آخر اور اکل لحوم خیل کے مسئلہ میں اپنے قول سے رجوع فرمایا ہے، یعنی لحوم

Maktaba Tul Ishaat.com

خیل کے جواز کا قول اختیار کیا ہے اور ظہر کے مسئلہ میں مثل واحد کا قول اختیار فرمایا ہے اور خود امام صاحب سے مثل واحد کی ایک روایت نقل کی گئی ہے۔

مگر ہمارے یہاں جو فقہ حنفی آیا ہے میرا اپنا خیال ہے کہ چونکہ ماوراء النہر کے طریق سے آیا اور ماوراء النہر میں عام طور سے یہی مثلین کا قول جاری ہوا اس لئے شہرت ہوتے ہوتے یہاں مثلین ہی کی شہرت ہوگئی۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان کوئی ایسا وقت بھی ہے جس میں دونوں کا وقت مشترک ہو، اگر ظہر پڑھیں تو اداء ہو اور عصر پڑھیں تو بھی اداء ہو، اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان کوئی مہمل وقت ہے یا نہیں؟ ۱۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ظہر و عصر کے درمیان نہ تو وقت مشترک ہے اور نہ وقت مہمل ہے، یہی حضرت امام ابو حنیفہ کا مشہور مذہب، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

۲۔ امام مالک اشتراک کے قائل ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ چار رکعات کے بقدر ظہر کا وقت بھی ہے اور عصر کا بھی وقت ہے، اور دلیل میں امامت جبرئیل کی حدیث پیش کرتے ہیں اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے پہلے دن عصر کی نماز پڑھی جبکہ سایہ ایک مثل ہوگیا اور دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھی جب سایہ ایک مثل ہوگیا، لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ پہلے دن سایہ ایک مثل ہو جانے کے بعد عصر کی نماز شروع ہوئی اور دوسرے دن سایہ ایک مثل ہونے پر ظہر کی نماز ختم ہوگئی، قول اشتراک جیسے امام مالک سے منقول ہے ایسے ہی اسحاق بن راہویہ، مزنی اور ابن جریر طبری سے نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ بین الوقتین فاصلہ یعنی وقت مہمل ہے اور حافظ ابن عبد البر نے فاصلہ کا قول ابو ثور سے بھی نقل کیا ہے نیز حافظ ابن عبد البر اور ابن بطال نے یہ قول امام شافعی کی طرف منسوب کیا ہے لیکن نہ امام شافعی کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ ان کے اصحاب نے اس کا تذکرہ کیا ہے، امام ابو حنیفہ سے بھی فاصلہ کی روایت نقل کی گئی ہے رواہ المعلّی عن أبی یوسف عن أبی حنیفة۔

یہ تو ہوا مسئلہ کا اختلاف، اب یہ سمجھو کہ حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟

(۱) علامہ زین ابن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے دونوں وقت کے مشترک ہونے کا قول ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ امور محتملہ میں تصریح نہیں کرتے لہذا یہاں انہوں نے کوئی تصریح نہیں فرمائی ہے اس لئے کہ حدیث کا لفظ محتمل ہے جیسے اس سے اشتراک نکل سکتا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

غیر اشتراک بھی نکل سکتا ہے۔

(۲) اسی طرح سے زین بن منیر فرماتے ہیں کہ بخاری کے ترجمہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بین الوقتین فاصلہ یعنی وقت مہمل نہیں ہے، یہ ترجمہ کی دوسری غرض بن گئی۔

(۳) حضرت علامہ سندی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کا یہ ترجمہ شارحہ ہے، حضرت امام بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی تشریح کی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ اس میں جمع سے مراد جمع صوری ہے، ظہر کو اس کے وقت آخر میں اور عصر کو اس کے وقت اوّل میں پڑھا گیا۔

(۴) عبد ضعیف کا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری کا ترجمہ شارحہ ہی سہی لیکن امام کا مقصود شرح نہیں بلکہ امام یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ ظہر کا وقتِ آخر اور عصر کا وقتِ اوّل متصل ہے، اِدھر وقت ظہر ختم ہوتا ہے اور اُدھر فوراً عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے گویا بین الوقتین فاصلہ نہیں، اسی لئے بخاری نے یہ فرمایا تاخیر الظهر إلى العصر ظہر کو مؤخر کرنا عصر کی طرف، معلوم ہوا کہ عصر کے ابتداء تک ظہر کا وقت پہنچا ہوا ہے، چونکہ مصنف نے وقتِ الظهر عند الزوال میں یہ بتلایا تھا کہ ظہر کے وقت کی ابتداء کب ہوتی ہے تو اب ضرورت تھی یہ بتلانے کی کہ اس کے وقت کی انتہاء کب ہوتی ہے؟ مگر اس سلسلہ میں کوئی صریح روایت ان کے پاس نہیں تھی لہٰذا انہوں نے یہ بتلا دیا کہ جب عصر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے تو اسی وقت ظہر کے وقت کی انتہاء ہو جاتی ہے۔

صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَثَمَانِيًا: سبعًا سے مراد مغرب وعشاء اور ثمانیًا سے مراد ظہر وعصر ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں جو ظہرین اور عشائین کے درمیان جمع فرمایا اس کی وجہ کیا ہوئی؟ کیوں جمع فرمایا؟ اس کی مختلف توجیہ کی گئی ہے۔

(۱) امام ترمذی کتاب العلل میں لکھتے ہیں کہ جتنی حدیثیں میں نے اس کتاب میں جمع کی ہیں وہ سب معمول بہا ہیں صرف دو حدیثیں ایسی ہیں جن کے متروک العمل ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، ان کے بعد ایک تو ابن عباسؓ کی یہ حدیث ذکر کی ہے اور دوسرے قتلِ شارب خمر کی روایت ذکر کی ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دونوں روایتیں بالاجماع متروک نہیں، چوتھی بار قتلِ شارب خمر کی روایت اس لحاظ سے تو واقعی متروک العمل ہے کہ علماء قتلِ شاربِ خمر کے قائل نہیں نہ اس کو شاربِ خمر کی حد بتلاتے ہیں، البتہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ امام کی رائے پر ہے اگر امام تعزیراً قتل کرنا چاہے تو اس کو قتل کر سکتا ہے، حافظ

Maktaba Tul Ishaat.com

ابن قیم نے یہی لکھا ہے اور فرمایا کہ احناف کی بھی یہی رائے ہے، اور یہ حدیث بالا جماع متروک العمل نہیں ہے بلکہ بہت سے علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور اس کی تین صور تیں ہیں۔

(۲) محمد بن سیرین، ربیعۃ الرائے، ابن منذر، اشہب اور قفال کبیر جو اکابر شافعیہ میں سے ہیں ان سارے حضرات کی رائے یہی ہے کہ اگر کوئی آدمی عادت نہ بنائے تو حضر میں گاہے جمع بین الصلاتین اس حدیث کی بناء پر کر سکتا ہے۔

(۳) امام مالک فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بارش کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کیا تھا، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ دوسری روایت میں من غیر خوف ولا مطر وارد ہوا ہے، جمع بین الصلاتین بعذر المطر ائمہ ثلاثہ کے یہاں جائز ہے اور حنفیہ کے یہاں جائز نہیں۔

(۴) حضرت امام احمد بن حنبل، خطابی، ابوالمحاسن رویانی، طبری، اور اسی طرح سے شافعیہ کی ایک بہت بڑی جماعت؛ یہ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے مرض کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کیا تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ اگر یہ جمع مرض کی وجہ سے ہوتا تو وہی لوگ آپ کے ساتھ جمع بین الصلاتین کرتے جن کو وہ مرض ہوتا جس کی وجہ سے آپ نے جمع کیا ہے حالانکہ روایت سے عموم معلوم ہوتا ہے۔

جمع بالمرض بھی مختلف فیہا ہے، حنابلہ اور مالکیہ کے یہاں تو جائز ہے، حنفیہ اور شافعیہ منع کرتے ہیں، اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اصل میں صورت یہ ہوئی کہ بادل تھا آپ نے ظہر کی نماز پڑھی بادل ہٹا تو معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ہو چکا ہے لہذا ساتھ ساتھ عصر کی نماز بھی پڑھ لی، مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ توجیہ اگر ظہر اور عصر میں چل سکتی ہے تو مغرب وعشاء میں نہیں چل سکتی ہے۔

(۵) علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ جمع حقیقی نہیں تھا بلکہ جمع صوری تھا، ظہر کو اس کے وقت آخر میں اور عصر کو اس کے وقت اوّل میں پڑھا گیا، اسی طرح سے مغرب کو اس کے وقت آخر میں اور عشاء کو اس کے وقت اوّل میں پڑھا گیا، امام نووی نے اس توجیہ کو باطل قرار دیا ہے۔

لیکن اس قدر صاف صاف باطل کہہ دینا صحیح نہیں ہے بلکہ بہت سے اکابر ائمہ سے یہ توجیہ نقل کی گئی ہے، قدماء میں سے ابن ماجشون، امام طحاوی، ابو محمد بن حزم ظاہری، امام الحرمین اور ابو العباس قرطبی نے یہی توجیہ اختیار کی ہے اور راوئ حدیث ابو الشعثاء اور ان کے تلمیذ عمرو بن دینار کی بھی یہی رائے ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

امام مسلم نے یہ حدیث نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ عمرو بن دینار نے ابو الشعثاء جابر بن زید سے یہ کہا لعله أخر الظهر وعجّل العصر وأخر المغرب وعجّل العشاء، قال: أنا وأظنه، میرا بھی یہی گمان ہے اور بظاہر حضرت امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے اسی لئے انہوں نے تاخیر الظهر إلى العصر کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے بلکہ علامہ سندی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی تصریح کی ہے کہ امام بخاری کی رائے میں اس حدیث میں جمع صوری ہوا ہے اور ترجمۃ الباب سے بخاری یہی بتلانا چاہتے ہیں۔

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک جواب یہ نقل کیا ہے کہ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ بالمدينة کا لفظ وہم ہے، یہ واقعہ تو غزوۂ تبوک میں پیش آیا تھا جیسا کہ مسلم وغیرہ میں تصریح وارد ہوئی ہے کہ یہ جمع فی السفر تھا مگر اس طرح کی توجیہ صحیح نہیں جس سے احادیث کو بلاوجہ رد کرنا پڑے۔

فَقَالَ أَيُّوبُ: لَعَلَّهُ فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ قَالَ: عَسَى: یہ امام مالک کی توجیہ کی بنیاد ہے۔

(ص ۷۷) بَابُ وَقْتِ الْعَصْرِ

٥٤٤. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: ثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا.

٥٤٥. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا.

٥٤٦. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِي حُجْرَتِي لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ مَالِكٌ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَشُعَيْبٌ وَابْنُ أَبِي حَفْصَةَ: وَالشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.

٥٤٧. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ أَبِي: كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي

Maktaba Tul Ishaat.com

الْمَكْتُوبَةَ؟ فَقَالَ: كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ - وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ - وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِئَةِ.

٥٤٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اسحاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَنَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ.

٥٤٩. حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ: صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الظُّهْرَ ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَقُلْتُ: يَا عَمِّ مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّيْتَ؟ قَالَ: الْعَصْرُ وَهَذِهِ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ الَّتِي كُنَّا نُصَلِّي مَعَهُ.

٥٥١. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ.

٥٥٠. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، وَبَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهِ.

ترجمہ: باب، عصر کے وقت کا بیان۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ سورج ابھی ان کے حجرہ سے نہ نکلتا تھا، یعنی ابھی دھوپ حجرے میں ہوتی تھی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھی کہ دھوپ ابھی ان کی چہار دیواری یا حجرے میں تھی، حجرے کا سایہ صحن کی دیوار پر نہیں چڑھا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ دھوپ میرے حجرے (مسقف کمرے یا چہار دیواری) میں ہوتی تھی اور سایہ ابھی تک نہ چڑھا تھا۔ امام بخاری نے کہا کہ امام مالک اور یحیٰ بن سعید اور شعیب بن ابی حمزہ اور ابن ابی حفصہ نے اپنی روایات میں یہ کہا کہ دھوپ ابھی تک اوپر نہ چڑھی ہوئی تھی۔

حضرت سیار بن سلامہ راوی ہیں کہ میں اور میرے والد، حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے والد نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نمازیں کن وقتوں میں پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ آپ دوپہر کی نماز جسے تم پہلی نماز کہتے ہو اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا، اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی مدینہ طیبہ کے کنارے پر اپنے گھر واپس ہوتا اور آفتاب ابھی زندہ ہوتا، سیار کہتے ہیں کہ مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ حضرت ابو برزہؓ نے مغرب کے بارے میں کیا کہا تھا؟ اور حضرت ابو برزہؓ نے کہا کہ حضور ﷺ عشاء کی نماز میں جسے تم عتمہ کہتے ہو تاخیر کرنا پسند کرتے تھے، اور اس سے پہلے سو جانے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے، اور فجر کی نماز سے ایسے وقت میں فارغ ہوتے تھے کہ انسان اپنے برابر والے کو پہچان لیتا تھا اور ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر انسان بنی عمرو بن عوف میں جاتا تو انہیں عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پاتا۔

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ظہر کی نماز حضرت عمر بن عبد العزیز کے ساتھ پڑھی، پھر ہم نکل کر حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں تو میں نے عرض کیا چچا! یہ کونسی نماز ہے جو آپ نے پڑھی؟ فرمایا کہ عصر کی، اور حضور ﷺ کی یہی نماز تھی جسے ہم آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے تھے، پھر جانے والا ہم میں سے قباء جاتا، تو وہ ایسے وقت میں وہاں پہنچ جاتا کہ آفتاب ابھی بلند ہوتا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ آفتاب اونچا اور زندہ ہوتا، پھر جانے والا عوالی جاتا تو وہ ایسے وقت میں پہنچ جاتا کہ آفتاب ابھی اونچا ہوتا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا اس کے قریب دوری پر واقع ہیں۔

تشریح: یہ میں بتلا چکا کہ عصر کا وقت کب شروع ہوتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک مثل واحد پر اور حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مثلین کے بعد شروع ہوتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت امام بخاری نے مجمل مجمل باب وقت العصر کا ترجمہ منعقد کیا ہے مگر یہ کچھ نہیں بتلایا کہ عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ اس لئے کہ جن روایات میں وقتِ عصر کے ابتداء کی تصریح وارد ہوئی ہے وہ روایتیں امام کی شرط کے مطابق نہیں ہیں اور جو روایتیں امام کی شرط کے موافق ہیں ان میں کوئی تصریح وارد نہیں ہوئی لہذا امام نے ترجمہ میں اجمال سے کام لیا مگر ایسا اجمال بھی نہیں ہے کہ کوئی بات کسی درجہ میں حتی کہ اشارہ کے درجہ میں بھی سمجھ میں نہ آئے بلکہ بخاری نے اس باب میں جو روایتیں ذکر کی ہیں اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت امام جمہور علماء کے ہم خیال ہیں۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ کی جو پہلی روایت نقل کی ہے اس میں ہے کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ یُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا حضور ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے اس وقت جبکہ سورج ابھی تک ان کے حجرہ میں ہوتا تھا یعنی دھوپ حجرہ میں ہوتی تھی حجرہ سے نکلی نہیں ہوتی تھی دیوار پر نہیں چڑھی ہوتی تھی، اور یہ بات تاریخی حیثیت سے ثابت ہے کہ دیوار کا طول صحن کے طول سے کچھ ہی کم تھا تو اب اگر عصر کی نماز ایسے وقت میں ہوتی تھی کہ اب تک دھوپ کا اثر صحن میں ہوتا تھا تو ظاہر ہے کہ مثل واحد کے بعد ہوا کرتی تھی، یعنی مثل ختم ہوجانے کے بعد جب مثل ثانی شروع ہوتا تھا تو مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھی جاتی تھی۔

حدثنا إبراهيم بن المنذر: یہ حدیث اسی سند سے امام بخاری نے کتاب الخمس میں تخریج فرمائی ہے۔

وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا: شمس کا اطلاق قُرص اور ضوء (سورج اور روشنی) دونوں پر ہوتا ہے یہاں معنیٰ ثانی مراد ہے، شاعر کہتا ہے۔

قَامَتْ تُظَلِّلُنِي وَمِنْ عَجَبٍ شَمْسٌ تُظَلِّلُنِيْ مِنَ الشَّمْسِ

پہلے شمس سے محبوبہ اور دوسرے سے دھوپ مراد ہے۔

وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا: سورج اب تک حجرہ میں ہوتا، سایہ نہیں چڑھا ہوتا ان کے حجرہ کی دیوار پر۔

حجرہ کہتے ہیں صحن کو اس واسطے کہ وہ دیواروں سے محتجب ہوتا ہے گھرا ہوا ہوتا ہے، لم یظهر الفیئ ظهور یہاں عُلُو کے معنیٰ میں ہے جیسے آیت کریمہ ﴿وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ﴾ میں، اس حدیث پاک سے تعجیل عصر پر استدلال کیا گیا ہے اس لئے کہ حجرہ کی دیوار چھوٹی تھی جیسا کہ آئندہ ص ۱۰۱ پر وجدار الحجرة قصیر آرہا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے اور صحن مختصر سا تھا، غالب یہ ہے کہ عصر کی نماز مثل واحد کے بعد پڑھی گئی ہے۔

امام طحاوی نے اس استدلال پر اشکال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تعجیل پر دلالت نہیں کرتی ہے اس لئے کہ ممکن ہے حجرہ کی دیوار قصیر ہو لہذا دھوپ وہاں سے غائب ہی نہ ہوتی ہو الا یہ کہ غروب قریب ہو جائے تو یہ حدیث بجائے تعجیل کے تاخیر پر دلالت کرتی ہے، لیکن امام نووی وغیرہ حضرات نے اس پر رد کیا ہے اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ تو مشاہدہ اور استفاضہ سے معلوم ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرات قصیر تھے اور حجرہ میں دھوپ اسی وقت باقی رہ سکتی ہے جب سورج کافی بلند ہو اسلئے کہ جب دیوار کا طول تقریباً اتنا ہی تھا جتنا صحن کا تھا بس تھوڑا سا کم تھا ایک ذراع یا اس سے کچھ زائد، اور دھوپ ابھی صحن کی زمین پر باقی ہی ہوتی تھی کہ عصر کی نماز ہو جاتی تھی، ظاہر ہے کہ اس وقت عصر کی نماز پڑھی جاتی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث پاک تاخیر پر دلالت نہیں کرتی ہے تعجیل ہی پر دلالت کرتی ہے، لیکن جو حضرات تاخیر عصر کے قائل ہیں وہ بعض دیگر روایات سے استدلال کرتے ہیں جیسے حضرت ام سلمہؓ کی یہ حدیث ہے كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَشَدَّ تَعْجِيلاً لِلظُّهْرِ مِنكُمْ وَأَنْتُمْ أَشَدُّ تَعْجِيلاً لِلْعَصْرِ مِنْهُ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ عصر میں تعجیل کرتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اوّل وقت ہی میں پڑھتے تھے۔

تو بہر حال جب صحابہ کی نماز معجل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز مؤخر ہوئی اور ان کی نماز کم از کم اوّل وقت میں ہوتی تھی تو آپ کی نماز اوّل وقت کے بعد ہوتی تھی لہذا فی الجملہ آپ کی نماز میں تاخیر پائی گئی، مگر صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث ام سلمہؓ سے صراحۃً وہ تاخیر نہیں نکلتی ہے جس کے احناف قائل ہیں۔

احناف نے تاخیر پر بعض اور بھی دلیلیں پیش کی ہیں مثلاً حضرت رافع بن خدیجؓ کی روایت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بتأخير العصر، رواه أحمد والطبراني والدار قطني والبيهقي، مگر یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں عبد الواحد بن نافع ہے جس کے بارے میں ابن حبان کا بیان مختلف ہے، کتاب الثقات اور کتاب المجروحین دونوں میں ذکر کر دیا ہے اور عبد اللہ بن رافع ہے وہ بھی متکلم فیہ ہے اور اس کے علاوہ بعض اور بھی دوسرے دلائل ہیں جن سے تاخیر پر استدلال کیا گیا ہے۔

لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ: یعنی لم یعل الفیئ بعد، أی علی الجدار۔

وَالشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ: يعني والشمس قبل أن تعلو على الجدار دھوپ ابھی تک زمین پر

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتی تھی دیوار پر نہیں چڑھی ہوتی تھی اس سے پہلے پہلے ہی عصر ہو جایا کرتی تھی۔

كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ: ھجیر دوپہر کی نماز کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ ایسے وقت میں ادا ہوتی ہے جب لوگ نکلنا بند کر دیتے ہیں اور اصل میں دوپہر کے وقت کو ہجیر کہا جاتا ہے۔

تَدْعُونَهَا الْأُولَى: صلاۃ ظہر کو الاولیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دن کی پہلی نماز ہوتی ہے یا اس لئے اُولیٰ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سب سے پہلے یہی نماز حضور ﷺ کو پڑھائی تھی۔

حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ: جبکہ آدمی اپنے جلیس کے چہرہ کو پہچانتا تھا، امام طحاوی نے اس حدیث کو دلائل اسفار میں پیش کیا ہے اور امام ترمذی نے بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علامہ زین بن منیر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث؛ حضرت عائشہؓ کی حدیث لا یعرفن من الغلس کے معارض ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث میں یہی تو ہے کہ حضور ﷺ صلاۃ الفجر سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب آدمی اپنے جلیس کے چہرہ کو دیکھ کر اس کو پہچان لیتا تھا تو معلوم ہوا کہ نماز غلس میں شروع ہو گئی تھی البتہ فراغ کے بعد یہ کیفیت ہو جاتی تھی کہ آدمی اپنے پاس کے آدمی کو پہچان لے اور لا یعرفن من الغلس والی روایت عورتوں کے متعلق ہے، عورتیں مستور ہوتی ہیں لہذا اگر وہاں معرفت نہ ہو تو اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ مردوں میں بھی معرفت نہ ہو، مرد قریب ہوتے تھے اور غیر مستور ہوتے تھے، بہر حال اگر یہ حدیث دلیل اسفار ہے تو اسفار سے مراد وہ نہیں ہے جو آج کل ہمارے علاقوں اور امصار میں شائع ہو گیا ہے۔

كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ: حضرت امام بخاری کا اس حدیث کو یہاں پر ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مصنف کے نزدیک صحابہ کا قول کنا نفعل کذا حدیث مرفوع کا درجہ رکھتا ہے اگرچہ حضور ﷺ کے زمانہ کی طرف صراحۃً اضافت نہ کی گئی ہو، یہی ابو عبد اللہ الحاکم صاحب المستدرک کی رائے ہے، دار قطنی اور خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ یہ موقوف ہے، اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا فیصلہ یہ ہے کہ لفظاً تو موقوف ہے اور معنیً مرفوع ہے اس لئے کہ حضرات صحابۂ کرام اس طرح کی عبارتیں مقام استدلال واحتجاج میں پیش کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس فعل سے استدلال واحتجاج کریں گے جو عہد نبوت میں انہوں نے کیا ہے گویا کہ یہ فرمایا کہ عہد نبوت میں ہم اس طرح کے افعال کرتے تھے اور ہم پر کوئی روک ٹوک نہیں کی جاتی تھی، معلوم ہوا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشاء ہوتا تھا تو یہ حدیث مرفوع بن گئی۔

حدثنا ابن مقاتل: اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز ظہر سے فارغ ہوئے اس کے فوراً بعد ہی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اداءِ ظہر میں تاخیر کی تھی، یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ خلیفہ مروان بن عبد الملک کی طرف سے مدینہ منورہ کے والی اور گورنر تھے لیکن جب حق تعالیٰ شانہ نے ان کو مسند خلافت عطا فرمائی تو اس کے بعد انہوں نے نماز کا اہتمام شروع کیا بلکہ اس سے پہلے ہی شروع کر دیا تھا جب عروہ نے ان پر نکیر کی تھی، میں ماقبل میں بیان کر چکا ہوں کہ اوزاعی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ظہر کی نماز (عربی وقت کے) چھ بجے اور عصر کی نماز آٹھ بجے ادا فرمایا کرتے تھے۔

ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ: لفظ قباء اسی طرح امام مالک کی اس روایت میں واقع ہوا ہے، لیکن ابن شہاب کے بعض تلامذہ بجائے قباء کے عوالی کا لفظ نقل کرتے ہیں، امام نسائی، دار قطنی، بزار اور حافظ ابن عبد البر وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ امام مالک کو وہم ہو گیا ہے، لیکن قاضی ابو الولید باجی نے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا ہے اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ امام مالک پر وہم کا الزام تو اس وقت ہوتا جب وہ اس لفظ کے نقل کرنے میں منفرد ہوتے حالانکہ ان کی اس لفظ میں ابن ابی ذئب نے متابعت کی ہے اور ابن ابی ذئب کی روایت امام دار قطنی نے تخریج کی ہے۔

نیز امام مالک سے جیسے قباء کا لفظ منقول ہے ایسے ہی ان کے ایک تلمیذ خالد بن مخلد نے عوالی کا لفظ ابن شہاب کے عام تلامذہ کی طرح سے نقل کیا ہے، بہر حال روایتی حیثیت سے قباء کے بجائے عوالی کا لفظ راجح ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کو وہم نہ ہوا ہو گا بلکہ خود ابن شہاب زہری نے ظاہر روایت بالمعنیٰ کے طور پر قباء کا لفظ کہہ دیا ہو اس لئے کہ قباء کا بھی شمار عوالی میں کیا گیا ہے۔

عوالی جمع ہے عالیۃ کی اور عالیہ اور عوالی وہ بستیاں کہلاتی ہیں جو مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب نجد میں واقع ہیں اور جو بستیاں جانبِ مغرب میں واقع ہیں اس کو سافلہ کہا جاتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ نجد کی طرف کا حصہ بلند ہے اور تہامہ کی طرف کا حصہ جدھر سافلہ واقع ہے پست ہے، عوالی کا ادنیٰ فاصلہ تو دو میل تھا اور جو بہت دور عوالی واقع تھیں مدینہ منورہ اور ان میں آٹھ میل کا فاصلہ تھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بہر حال اگر اقربِ عوالی کو بھی مراد لیا جائے تو اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ عصر میں کافی عجلت فرماتے تھے حتی کہ نماز پڑھ کر آدمی مسجد نبوی سے دو میل چلا جاتا اور سورج مرتفع اور بلند ہوا کرتا تھا اور اس میں حیات ہوتی تھی، حیات کی تفسیر ماقبل میں گزر چکی ہے کہ اس میں حرارت باقی ہو اس لئے جمہور علماء تعجیل عصر کے قائل ہیں۔

لیکن حضرت امام ابو حنیفہ علماء کوفیین کی طرح سے تاخیر عصر کے قائل ہیں، اصل میں حضرت امام ابو حنیفہ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا عمل ہے، طبرانی نے ان سے نقل کیا ہے أنه كان يؤخر العصر اور بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے علی بن شیبان سے نقل کیا ہے قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِينَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً اور بھی بعض دیگر روایات اس مضمون کی ملتی ہیں، بہر حال جو کچھ میں نے غور و خوض کر کے سمجھا ہے وہ یہی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے سامنے اس معاملہ میں اور عام طور سے مسائل فقہیہ میں اصلاً و بالذات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اقوال و افعال ہیں، اور دوسرے ائمہ کے سامنے اہل مدینہ کے افعال و اقوال جیسے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور اسی طرح دوسرے صحابہ کے ہیں اس لئے ائمہ پر تو کوئی کلام ہے نہیں مگر اس کے بعد یہ چیز غور طلب رہ جاتی ہے کہ روایات مرفوعہ عام طور سے کس کی تائید کرتی ہیں؟

بہر حال دلائل دونوں طرف ہیں لیکن تاخیر کا کچھ معیار بھی ہونا چاہئے، روایات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معیارِ تاخیر یہ ہے کہ شمس میں حرارت موجود ہو یعنی نماز سے فراغت اور کچھ تاخیر کے بعد بھی سورج میں حرارت اور گرمی موجود ہو، اب اس کے بعد دیکھ لیا جائے کہ آیا آج کل ہمارے یہاں جو عمل ہوتا ہے وہ حدیث کے مطابق ہے یا نہیں؟ حنابلہ کے یہاں تو عصر کے بعد ربع نہار ہونا چاہئے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ ثلث نہار باقی رہے، شامی میں حنفیہ کا مسلک لکھا ہے کہ سدس نہار باقی رہے، گویا دن اگر چھ گھنٹہ کا ہے تو ایک گھنٹہ باقی رہنا چاہئے اور آج کل دن کم از کم آٹھ گھنٹہ کا تو ہوتا ہی ہوگا بلکہ آٹھ سے زیادہ نو گھنٹہ کا ہوتا ہے لہذا مسلک حنفی کی رو سے جو شامی وغیرہ نے تحقیق کی ہے کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۷۸) بَابُ إِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ

۵۵۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَالُهُ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: يَتِرَكُمْ وَتَرْتُ الرَّجُلَ إِذَا قَتَلْتَ لَهُ قَتِيلًا أَوْ أَخَذْتَ مَالَهُ.

ترجمہ: باب، اس شخص کے گناہ کا بیان جس کی عصر کی نماز فوت ہو جائے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی عصر کی نماز فوت (قضا) ہوگئی تو گویا اس کا گھر بار، مال ومتاع سب لٹ گیا، امام بخاری نے فرمایا کہ قرآن کریم میں جو "یترکم" آیا ہے، وہ "وترت الرجل" سے ہے، جب کسی کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے یا اس کا مال چھین لیا جائے۔

تشریح: چونکہ عصر کی نماز بہت اہم ہے حتی کہ احادیث میں صراحۃً یہ وارد ہے کہ یہ صلاۃ وسطیٰ ہے اس لئے اس کے فوات کے سلسلہ میں بعض شدید حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔

حضرت امام بخاری نے عصر کا وقت بیان کرنے کے بعد ان روایتوں کو بھی ذکر کیا جس سے عصر کی تفویت پر وعید اور شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی ناراضگی کا اندازہ ہوتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ، مصنف نے ترجمہ میں لفظ اثم ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نماز عصر کو مؤخر کرنا موجب گناہ ہے، لیکن اگر عذر کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو آدمی مستحق ملامت نہیں ہوتا ہے، ملامت اسی وقت آتی ہے جب بلا عذر کے تاخیر کر دے تو اب ترجمہ کا مطلب یہ نکلے گا کہ اگر کوئی آدمی بلا عذر کے وقتِ جواز سے مؤخر کر دے تو وہ شخص گنہگار ہوگا۔

الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ: جس شخص کی نماز عصر فوت ہو جاتی ہے گویا کہ اس سے اس کے اہل ومال کو چھین لیا گیا، اس حدیث پاک میں پہلی بحث تو یہ ہے کہ فوات سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے چار قول ہیں۔

۱۔ عبد الرزاق نے نافع سے نقل کیا ہے کہ فوات کے معنیٰ یہ ہیں کہ شمس غروب ہو جائے، امام مالک سے بھی یہی تفسیر نقل کی گئی ہے، ۲۔ امام ابو داؤد نے اوزاعی سے نقل کیا ہے أن تدخل الشمس صفرة سورج میں زردی

Maktaba Tul Ishaat.com

داخل ہو جائے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر اوزاعی کے مسلک پر مبنی ہے کیوں کہ ان کے نزدیک اصفرار کے وقت عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، ۳۔ فوات سے مراد وقت مستحب کا نکل جانا ہے، ۴۔ اس سے مراد جماعت کا چھوٹ جانا ہے۔

حدیث پاک کا یہ حکم صلاۃ عصر کے ساتھ خاص ہے یا اور صلوات بھی اس حکم میں داخل ہیں؟

امام ابو القاسم رافعی، امام نووی وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ خاص ہے صلاۃ عصر کے ساتھ اور حافظ ابن عبد البر کی رائے یہ ہے کہ یہ عام ہے، اور بظاہر حضور اکرم ﷺ نے صلاۃ العصر کی تخصیص اس لئے فرمائی ہے کہ آپ سے عصر کے متعلق استفسار کیا گیا تھا، اور بعض روایات میں بغیر عصر کی تعیین ہی کے مطلقاً نماز کا تذکرہ وارد ہوا ہے لیکن ان کے طرق دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلاۃ العصر ہی مراد ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں مفصل طور پر اس پر کلام کیا ہے اور متعدد طرق روایات کے نقل کئے ہیں۔

لہٰذا اگر بعض جگہوں میں اطلاق ہے تو دوسرے طریق میں اسی روایت میں تقیید وارد ہوئی ہے سوائے ایک روایت کے مگر اس کا بھی سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صلاۃ سے مراد صلاۃ العصر ہے، بخاری شریف میں آئندہ وہ روایت آئے گی من الصلوات صلاۃ من فاتته إلى آخره، اب من الصلوات صلاۃ کا کہنا اس بات پر دال ہے کہ ایک مخصوص نماز کے متعلق یہ حکم ہے عام نمازوں کا نہیں، ابو بکر بن عبد الرحمٰن جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس صلاۃ سے مراد صلاۃ عصر ہی ہے اس لئے حافظ ابن حجر بھی تخصیص ہی کی طرف مائل ہیں اور اس تخصیص کی وجہ ظاہر ہے کہ صلاۃ العصر صلاۃ الوسطیٰ ہے اجتماع ملائکہ اس میں ہوتا ہے۔

كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ: گویا کہ اس سے اس کے اہل ومال کو چھین لیا گیا، یہ دو طرح سے مروی ہے، أَهْلَهُ وَمَالَهُ نصب کے ساتھ اور أَهْلُهُ وَمَالُهُ رفع کے ساتھ، اوّل زیادہ مشہور ہے اس صورت میں وُتِرَ سُلِبَ کے معنیٰ میں ہوگا كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ أي سُلِبَ هُوَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ اس کی حالت ایسی ہوگئی گویا کہ اس سے اس کے اہل ومال کو چھین لیا گیا ہو اور وہ یکتا و تنہا رہ جائے کہ ادھر تو اہل ومال کے جانے کا غم ہو اور ادھر بدلہ لینے کا جذبہ موجزن ہو اس کا غم ہو، ایسے ہی جس شخص کی نماز عصر فوت ہوگئی اس پر دو غم جمع ہو جائیں گے ایک تو فوات صلاۃ کا غم اور دوسرے اثم کا غم۔

داؤدی وغیرہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز عصر فوت ہو جائے تو اس کو إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ

Maktaba Tul Ishaat.com

رَاجِعُون پڑھنا چاہئے جیسے کسی کا مال اگر چھین لیا جائے تو اس کو اس مصیبت پر إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون پڑھنا چاہئے اور وہ پڑھتا ہے۔

اور اگر أَهْلُهُ وَمَالُهُ رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو وُتِرَ نُقِصَ کے معنٰی میں ہے یا أُخِذَ کے معنٰی میں، گویا کہ اس کے اہل ومال کو کم کر دیا گیا اور اس کے اہل ومال کو لے لیا گیا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: يَتِرَكُمْ وَتَرْتُ الرَّجُلَ إِذَا قَتَلْتَ لَهُ قَتِيلًا أَوْ أَخَذْتَ لَهُ مَالًا: چونکہ حدیث میں وُتِرَ آیا ہے لہٰذا مصنف کا ذہن آیت کریمہ ﴿وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ﴾ کی طرف منتقل ہو گیا اور مصنف نے بتلا دیا کہ وُتْر کے معنٰی کیا ہے؟ وُتْر یہ کہلاتا ہے کہ کسی کا قتیل قتل کر دیا جائے یا اس کا مال چھین لیا جائے اور وہ ثار اور انتقام لینا چاہتا ہو، مصنف کا اس آیت کو یہاں پر ذکر کرنا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ ان کے نزدیک أَهلَه ومالَه نصب کے ساتھ ہے۔

(ص ۷۸) بَابُ إِثْمِ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ

۵۵۳. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ قَالَ: كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي غَزْوَةٍ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ فَقَالَ: بَكِّرُوا بِصَلَاةِ الْعَصْرِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ.

ترجمہ: باب، اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے عصر کی نماز کو ترک کر دیا ہو۔

حضرت ابو الملیح کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں حضرت بریدہ کے ساتھ تھے، دن ابر آلود تھا، تو حضرت بریدہ نے فرمایا کہ عصر کی نماز کو جلدی پڑھ لو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے عصر کی نماز کو چھوڑ دیا اس کا عمل اکارت ہو گیا۔

تشریح: إثم کا لفظ ہمارے ہندی نسخوں میں ہے، فتح الباری وغیرہ کے نسخوں میں لفظ إثم نہیں ہے بلکہ باب من ترک العصر ہے، علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے بہت اچھا کیا کہ حدیث کے ابتداء پر اکتفاء کر لیا اور اگلا جزء ذکر نہیں فرمایا تاکہ تاویل کا موقع باقی رہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کے بعد یہ سمجھو کہ امام بخاری پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ امام کے اس ترجمہ میں اور ترجمۂ گزشتہ میں کوئی فرق نہیں ہے صرف لفظی ہیر پھیر ہے، وہاں فاتته العصر ہے اور یہاں ترک العصر کہہ دیا لہذا تکرار ہو گیا، حضرات شراح کرام حافظ ابن حجر، علامہ عینی، شیخ الاسلام زکریا انصاری وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ترجمہ صراحۃً عمد کے متعلق ہے اور پہلے ترجمہ میں صراحۃً عمد کا کوئی ذکر نہیں ہے گویا یہ ترجمہ خاص ہے عامد کے متعلق اور پہلے ترجمہ میں احتمال ہے کہ عامد کے ساتھ غیر عامد بھی شامل ہو۔

علامہ سندی اور حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ اس ترجمہ کا تعلق عامد سے ہے اور ترجمۂ گزشتہ کا تعلق غیر عامد سے ہے گویا نماز چھوڑنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو عمداً چھوڑ دینا اور دوسرے بھول کر سہواً چھوڑ دینا، اگر کوئی آدمی عمداً چھوڑ دے تو اس کے بارے میں حدیث میں وارد ہے فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ، اور اگر بھول کر کوئی سہواً چھوڑ دیتا ہے تو اس کے بارے میں ہے کَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهٗ وَمَالَهٗ۔

واقعہ یہ ہے کہ کَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهٗ وَمَالَهٗ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس کا تعلق ساہی سے ہے یا عامد سے؟ سالم بن عبد اللہ بن عمر کی رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق ناسی سے ہے، امام ترمذی نے اس پر سہو کا ترجمہ منعقد کیا ہے لیکن داؤدی اور نووی کی رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق عامد سے ہے۔

مگر یہاں امام بخاری کے ترجمہ کے سلسلہ میں یہ وضاحت کچھ قابل اشکال بن جاتی ہے، اس واسطے کہ اگر ترجمۂ گزشتہ کا تعلق ناسی سے ہوتا تو مصنف ترجمہ میں لفظِ اثم کی تصریح نہ فرماتے اس لئے کہ ناسی اور ساہی گنہگار نہیں ہوتا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن اللہ تعالی رفع عن أمتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیه، رواه ابن ماجه۔

الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ إثم کلی مشکک ہے جیسے اثم کا اطلاق گناہ پر ہوتا ہے ایسے ہی بعض وقت خلاف اولیٰ کو بھی اثم سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

یا اس لحاظ سے إثم کہہ دیا گیا کہ اگرچہ نماز ناسیاً چھوٹی ہے لیکن بعض وقت وہ اسباب جس کی وجہ سے نماز چھوڑی گئی ہے ناسیاً نہیں ہوتے بلکہ قصداً اختیار کئے جاتے ہیں تو ان اسباب کے اختیار کرنے کی وجہ سے جس پر ترک صلاۃ مرتب ہوا ہے فوات صلاۃ مرتب ہوا ہے، ہو سکتا ہے کہ آدمی گنہگار ہو جائے اگرچہ نماز بھول کر ہی چھوڑی ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مَنْ تَرَکَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ: اس حدیث پاک سے خوارج نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جو شخص اعمال میں کوتاہی کرتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اہل سنت والجماعت اس طرح کی احادیث کو اپنے ظاہر پر تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ اس کی کچھ مناسب توجیہ و تاویل کرتے ہیں، غالباً حضرت امام بخاری نے یہاں اسی بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ میں صرف باب من ترک العصر فرمایا اور آگے کچھ نہیں فرمایا تاکہ آئندہ اہل سنت والجماعت کو تاویل کا موقع باقی رہے۔

اب اس کی تاویل کیا ہے؟ اس میں علماء کی تین مختلف رائیں ہیں، بعضوں نے ترک میں تاویل کی ہے اور بعض نے حبط کی تاویل کی ہے اور بعضوں نے عمل کی تاویل کی ہے۔

(۱) ترک میں مختلف تاویل کی جاسکتی ہے، مثلاً یہ کہ اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے جو جاحداً ترک کرتا ہے یعنی فرضیت کا انکار کر کے ترک کر دیتا ہے، یا یہ کہ استہزاء کی وجہ سے ترک کرتا ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ شخص کافر ہو گیا لہذا اس کے عمل کے حبط ہو جانے میں کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا ہے، تیسری شکل یہ ہے کہ آدمی صرف تکاسل کی وجہ سے چھوڑتا ہے اس صورت میں یہ حدیث زجر پر محمول ہو گی۔

(۲) اور حبط میں کئی طرح سے تاویل ہو سکتی ہے، ایک تو یہ کہ یہ کہا جائے کہ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ أی كَادَ أَنْ يَحْبَطَ عَمَلُهُ، قریب ہے کہ اس کا عمل برباد نہ ہو جائے اس لئے کہ عصر اپنی فضیلت اور اہمیت کی وجہ سے بہت اونچا مقام رکھتی ہے تو اس بڑی عبادت میں کوتاہی؛ ہو سکتا ہے آئندہ سبب بن جائے دوسرے اعمال میں کوتاہی کا جو حابطِ عمل بنا کرتی ہیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ حَبِطَ کے معنیٰ أَشْبَهَ مَنْ حَبِطَ عَمَلُهُ ہو، اس کے مشابہ ہو گیا جس کا عمل حبط اور برباد ہو گیا۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ احباط کی دو قسمیں ہیں، ایک احباطِ ابطال جیسے ایمان کفر کو اور کفر ایمان کو باطل کر دیتا ہے اور دوسرے احباطِ نقصان جیسے آخرت میں ہو گا کہ جب حسنات وسیئات تولے جائیں گے اگر حسنات کا پلڑا بھاری ہوا تو آدمی ناجی اور کامیاب ہو گا اور اگر سیئات کا پلڑا بھاری ہو گیا تو اس صورت میں تحت المشیت ہے، اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے، اور پھر عقاب دینے کی صورت میں جتنی مدت تک عقاب مقدر ہے اس آدمی کا یہ عمل صالح اس کے حق میں غیر نفع بخش ثابت ہوا تو یہ بھی ایک گنا احباط ہی ہے، لہذا

Maktaba Tul Ishaat.com

یہاں حدیث پاک میں احباط سے مراد احباطِ ابطال نہیں ہے بلکہ احباطِ نقصان ہے یعنی اس کا بہت بڑا نقصان اور خسارہ ہو گیا۔

(۳) اور بعضوں نے عمل میں توجیہ کی ہے کہ اصل میں جس کام میں مشغولی کی وجہ سے نماز عصر فوت ہو گئی ہے وہ عمل اکارت وبیکار ہو گیا، رائیگاں گیا اس کا انسان کو نفع نہیں پہنچے گا اور یہ واقعہ ہے کہ اگر قصداً کسی کام میں مشغول ہو کر کے آدمی نماز کو فوت کر دیتا ہے تو اس کام کی برکت جاتی رہتی ہے۔

ہمارے یہاں ایک صاحب تھے اور اب بھی ہیں، آٹھ یا نو سال کے تھے تب سے نماز پڑھتے تھے، اذان ہوتے ہی اگر سر پر ان کے بوجھ بھی ہو تو پھینک کر کے مسجد کو چلے جاتے، مسجد سے تعلق تھا، اس میں جھاڑو بھی دیتے تو ان کے والد صاحب ان سے کہتے کہ مسجد میں جھاڑو دیتے ہو گھر میں نہیں دی جاتی تجھ سے، لیکن خدا کی قدرت کہ ان کی رسائی ان کی ذہانت کی وجہ سے بڑی بڑی جگہوں پر ہوئی، حضرت تھانوی کو اپنے بچپن میں خط لکھا کہ حضرت مجھے اپنے دامن میں لے لیں، حضرت سمجھے کہ کوئی بڑا عالم ہو گا حضرت نے جواب میں لکھا کہ جناب مولوی محمد حنیف صاحب! انہوں نے لکھا کہ حضرت! میں تو بالکل بارہ سال کا لڑکا ہوں اور پڑھا لکھا نہیں ہوں، تب حضرت نے ایک پرچہ چھپا ہوا بھیجا کہ میرے خلفاء کی یہ فہرست ہے ان میں سے جن کے یہاں چاہو چلے جاؤ، حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کے یہاں چلے گئے، وہاں جا کر حضرت کی بکری چراتے تھے، حضرت نے مولانا نور الدین صاحب سے کہا کہ مولوی نور الدین! تم حنیف کو کچھ آداب معاشرت وغیرہ پڑھا دو، خود مجھ سے مولوی حنیف نے سنایا کہ اس کے بعد میں نے آداب معاشرت پڑھی پھر فارسی پڑھنا شروع کی اور تین دن میں اسے ختم کر لیا اور ایک مہینہ میں گلستاں وبوستاں ختم کیں اور اس کے بعد دے دمادم، دے دمادم، جلدی جلدی عبور کرتے ہوئے سب کچھ پڑھ ڈالا، چار سال میں مشکوۃ تک پہنچ گئے اور اتنی کتابیں پڑھی ہیں کہ تم لوگوں نے نام بھی نہیں سنے ہوں گے، تو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ نماز کا وقت آیا تو سب کچھ پھینکا اور مسجد میں چلے گئے اور اسکی برکت دیکھئے کہ عالم بنے، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ مسجد کے امام ہوتے ہیں لیکن وہ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے ہیں اور جب دو منٹ باقی ہوتی ہے تو مسجد میں پہنچتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۷۸) بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعَصْرِ

٥٥٤. حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا اسمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا ثُمَّ قَرَأَ ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ ٱلشَّمْسِ وَقَبْلَ ٱلْغُرُوبِ ﴾. قَالَ اسمَاعِيلُ: افْعَلُوا لَا تَفُوتَنَّكُمْ.

٥٥٥. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ.

ترجمہ: باب، نماز عصر کی فضیلت کا بیان۔

حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے ایک رات چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا کہ بیشک! تم لوگ اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں کسی بھیڑ یا مزاحمت کی نوبت نہ آئے گی، پس اگر یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے کی نمازوں سے مغلوب نہ ہو جاؤ (یعنی پابندی سے ان کو ادا کر سکو) تو کرنا، پھر یہ آیت پڑھی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح بیان کرو یعنی نماز پڑھا کرو، اسماعیل بن خالد نے کہا کہ "افعلوا" کا مطلب یہ ہے کہ یہ نمازیں تم سے فوت نہ ہو جائیں، ان کو ضرور پڑھا کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ تمہارے درمیان رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے نوبت بہ نوبت آیا کرتے ہیں، اور فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں اکٹھے ہو جاتے ہیں، پھر وہ فرشتے جو رات کے وقت تمہارے ساتھ رہے تھے وہ عالم بالا کی طرف عروج کرتے ہیں، تو ان سے ان کا پروردگار سوال کرتا ہے، حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے، کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ کر آئے ہیں اور جب ہم وہاں پہنچے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز میں مشغول تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح: اس باب کی غرض میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ اس میں دو احتمال ہیں، ۱؎ یا تو امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ صلاۃ عصر کو باقی تمام صلاۃ پر فضیلت حاصل ہے تب تو اس صورت میں فجر کا استثناء کرنا پڑے گا، اس لئے کہ حدیث باب میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے اس میں عصر کے ساتھ فجر بھی شامل ہے، ۲؎ یا مطلقاً عصر کا ذوالفضل ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) میرا خیال یہ ہے کہ یہی احتمالِ ثانی ارجح اور امام بخاری کے طرز کے مطابق ہے کہ خاصۃً صلاۃ عصر کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں، امام بخاری کی عادت ہے کہ جہاں کسی عمل کی کوئی خاص فضیلت مذکور ہوتی ہے وہاں ترجمہ کے ذریعہ اس پر متنبہ کرتے ہیں اور روایت میں عصر و فجر کے مذکور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ دونوں کو ذکر کیا جائے، چنانچہ یہاں فضل عصر کا ترجمہ منعقد کیا ہے اور آئندہ چل کر فضل فجر کا ترجمہ منعقد کریں گے اور جب ابواب صفۃ الصلاۃ شروع ہوں گے تو وہاں خاص طور سے صرف باب فضل السجود کا ترجمہ منعقد کیا ہے کیوں کہ مصنف کے پاس صرف وہی روایت ہے جس میں سجود کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

(۳) علامہ عینی کی رائے یہ ہے کہ اصل میں امام بخاری ترجمہ سے عصر اور فجر دونوں کی فضیلت بتلانا چاہتے ہیں لیکن حضرت امام نے صرف عصر کے ذکر پر اکتفاء کر لیا ہے جیسے سَرَابِیلَ تَقِیکُمُ الْحَرَّ میں حر و برد دونوں مراد ہیں لیکن صرف حر کے ذکر پر اکتفاء کر لیا گیا ہے، مگر میرے نزدیک علامہ موصوف کی یہ توجیہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ میں بتلا چکا کہ حضرت امام بخاری نے فضل صلاۃ الفجر کا مستقل ترجمہ منعقد کیا ہے جو ص ۸۱ پر ایک ورق کے بعد آرہا ہے۔

(۴) ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حدیث اَلَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ صلاۃ العصر کے ساتھ خاص ہے یا دیگر صلوات بھی اس میں شامل ہیں، مصنف نے فضل صلاۃ العصر کا ترجمہ منعقد کر کے ان لوگوں کے قول کی تائید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم صلاۃ عصر کے ساتھ خاص ہے۔

إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ: تم اپنے رب حق تعالیٰ شانہ کو ایسے دیکھو گے جیسے

Maktaba Tul Ishaat.com

اس چاند کو تم دیکھ رہے ہو۔

لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ: اگر تشدید میم کے ساتھ ہے تو یہ ضَمٌّ سے ماخوذ ہے اور اگر تخفیف میم کے ساتھ ہے تو ضَیْمٌ سے ماخوذ ہے، پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کی رؤیت میں تم ازدحام نہیں کرتے، ایک دوسرے کے اوپر چڑھتے نہیں ہو، اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ ظلم میں مبتلا نہیں کئے جاتے چاند کو آرام سے دیکھ سکتے ہو، ہر شخص اپنی جگہ سے قمر لیلۃ البدر میں دیکھ لیا کرتا ہے۔

مسئلۂ رؤیت باری تعالیٰ: اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ شانہ کی رؤیت نصیب ہوگی، اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے، معتزلہ اور بعض دیگر فرقِ ضالہ نے انکار کیا ہے۔

معتزلہ کے دلائل: ان کے پاس کوئی واضح اور صاف دلیل نہیں ہے، بس آیت کریمہ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ کو دلیل بناتے ہیں، لیکن اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں ادراک سے مراد احاطہ کی نفی ہے رؤیت کی نفی نہیں۔

اسی طرح بعضوں نے اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال پر ﴿لَنْ تَرَانِي﴾ سے استدلال کیا ہے کہ جب اللہ نے لن ترانی فرمایا ہے اور لَنْ نفیٔ مستقبل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممکن نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس نفی کا تعلق عالم دنیا سے ہے۔

اور بعضوں نے ایک عقلی استدلال پیش کیا ہے کہ رائی اور مرئی میں تقابل شرط ہے اور تقابل انسان میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ جسم اور جسمانیت سے منزہ ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اصل میں غائب کو حاضر پر اور خالق کو مخلوق پر قیاس کر لیا اس لئے یہ سارا اشکال پیش آیا ہے، یہ کیا ضروری ہے کہ اللہ کی رؤیت جہت میں ہو، بغیر جہت کے حق تعالیٰ شانہ کی رؤیت نصیب ہوگی۔

اہل سنت والجماعت کے دلائل: رؤیت باری کے سلسلہ میں جہاں قرآن پاک کی کئی آیات مشیر ہیں ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ﴾ اور ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ وغیرہ وغیرہ وہیں احادیث نبویہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں بکثرت روایات وارد ہوئی ہیں اور علماء نے مستقلاً یہ مضمون مستقل ابواب میں ذکر فرمایا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

امام دار قطنی نے یحیٰ بن معین سے نقل کیا ہے عندی فی الرؤیة سبعة عشر حدیثا صحاح، امام نووی فرماتے ہیں کہ بیس سے زائد حدیثیں اس باب میں وارد ہیں، حکیم ترمذی نے اکیس روایتیں نقل کی ہیں، اور ابن جریر طبری نے تیئیس حدیثیں ذکر کی ہیں، امام ابن قیم نے حادی الأرواح إلی بلاد الأفراح میں ستائیس صحابہ سے روایتیں نقل کی ہیں اور اگر طرق کو شمار کیا جائے تو تیس سے زائد ہو جاتی ہیں، اسی لئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک مقام پر لکھ دیا ہے کہ علامہ ابن قیم نے تیس سے زائد روایات نقل کی ہیں، علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی نے اپنے استاذ محقق ابن ہمام کی کتاب المسایرة کی شرح میں اٹھائیس روایتیں ذکر کی ہیں، بہر حال رؤیت باری کے سلسلہ میں روایات متواترہ وارد ہوئی ہیں فلا معنی لإنکارھم، اس مسئلہ کی مزید تفصیل کتاب التوحید میں آئے گی انشاء اللہ۔

فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی زیارت اور رؤیت میں خاص طور سے صلاۃ عصر اور صلاۃ فجر کو بڑا دخل ہے، مگر اس سے مراد مطلقاً نماز پڑھنا ہے یا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے؟ علامہ ابن بطال نے اپنے استاذ مہلب سے صلاۃ الجماعۃ نقل کی ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث منفرد کو بھی شامل ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ ان دونوں وقتوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں فرشتے جمع ہوتے ہیں اور اس میں اعمالِ عباد اوپر اٹھائے جاتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ کلام ابن بطال نے ذکر کیا ہے اور اسی سے دوسری حدیث يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ کے لانے کی مناسبت معلوم ہوتی ہے جس میں ملائکہ کا تعاقب یعنی باری باری آنے کا تذکرہ ہے، لہذا آدمی کو ان اوقات کا اہتمام کرنا چاہئے۔

قَالَ إِسْمَاعِيلُ: افْعَلُوا لَا تَفُوتَنَّكُمْ: یہ اسماعیل کا مدرج کلام ہے یعنی نماز کا اہتمام کرتے رہو، فوت نہ ہونے پائے۔

يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ: اس حدیث پر ایک کھلا ہوا اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ جب فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل مفرد لایا جاتا ہے اور یہاں جمع لایا گیا ہے، اس کے تین جواب ہیں۔

۱۔ یہ ہے کہ یہ من بابِ ﴿وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ ہے، حاصل یہ ہے کہ ملائکۃ بدل واقع ہے یتعاقبون کی ضمیر سے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

۲۔ یا یہ کہا جائے کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جب یتعاقبون کہا گیا تو سوال ہوا کہ مَنْ یتعاقبون؟ اس کا جواب دیا گیا ملائکۃ باللیل و ملائکۃ بالنہار۔

۳۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ تعبیر بظاہر راوی کی ہے چنانچہ حضرت امام بخاری نے بدء الخلق میں یہی حدیث اور امام مسلم نے کتاب الصلاۃ میں یہی حدیث دوسرے طریق سے ذکر کی ہے اس میں ہے إن الملائکۃ یتعاقبون فیکم۔

اب اس تعاقب یعنی صبح وشام آنے سے کون سے فرشتے مراد ہیں؟ قاضی عیاض نے جمہور علماء سے نقل کیا ہے کہ اس سے حفظہ (انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتے) مراد ہیں، علامہ ابن بزیزہ کو اس میں تردد ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اظہر یہ ہے کہ یہ حفظہ کے علاوہ ہیں، یہی میری بھی سمجھ میں آرہا ہے، حفظہ تو انسان کے ساتھ رہتے ہیں ان کے آسمان پر آنے اور جانے کی کیا ضرورت ہے۔

وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ: علامہ زین بن منیر نے اس پر اشکال یہ کیا ہے کہ اوپر تو تعاقب کا تذکرہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ باری باری آتے ہیں اور اس روایت میں اجتماع کا ذکر ہے تو بظاہر حدیث کا آخر حدیث کے اوّل سے متعارض ہے، اور پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اصل میں یہ دو حالتوں پر محمول ہے لہذا کوئی تعارض نہیں، ابتداء میں جو تعاقب ہوتا ہے وہ بعد میں اجتماع ہو جاتا ہے، حافظ فرماتے ہیں وهو ظاهر۔

ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ: پھر وہ فرشتے چڑھتے ہیں جنہوں نے رات گزاری تو حق تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں، وهو أعلم بهم حالانکہ وہ ان کے حالات سے زیادہ باخبر ہے۔

كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ اس میں اشکال یہ ہے کہ فرشتے جب دونوں وقت آتے ہیں صبح کے الگ اور شام کے الگ، تو سوال صرف انہی فرشتوں سے کیوں ہوتا ہے جنہوں نے رات گزاری تھی، دن گزارنے والے فرشتوں سے کیوں سوال نہیں کیا جاتا؟

اسکا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ یہ من باب الاکتفاء ہے یعنی اس حدیث میں اکتفاء کیا گیا ہے اور اصل میں ہے ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ وَظَلُّوا فِيكُمْ یعنی جنہوں نے رات گزاری اور جنہوں نے دن گزارا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر صرف بیتوتت کا ذکر کیا گیا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ رات میں تاریکی ہوتی ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

جو مظنۂ معصیت ہے، آدمی اندھیرے میں جو چاہے کر سکتا ہے لیکن جب رات کی تاریکی میں انسان نے کوئی معصیت نہیں کی ہے تو دن میں کیا معصیت کرے گا اس لئے صرف رات ہی کو ذکر کیا گیا۔

تیسرا جواب بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ممکن ہے چڑھنا صرف رات گزرنے کے بعد فجر کے وقت ہوتا ہو اور آمد دونوں وقت ہوتی ہو، عصر کے وقت بھی اور فجر کے وقت بھی۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں باتوا، أقاموا کے معنیٰ میں ہے یعنی جو فرشتے تم میں ٹھیرے، اور یہی جواب اقویٰ وارجح ہے، نسائی کی روایت میں بجائے باتوا کے کانوا کا لفظ وارد ہوا ہے۔

(ص ۷۹) بَابُ مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوبِ

۵۵۶. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ، وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ.

۵۵۷. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَأَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا؟ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: وَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ.

۵۵۸. حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ

Maktaba Tul Ishaat.com

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا يَعْمَلُونَ لَهُ عَمَلاً إِلَى اللَّيْلِ فَعَمِلُوا إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ فَقَالُوا: لاَ حَاجَةَ لَنَا إِلَى أَجْرِكَ، فَاسْتَأْجَرَ آخَرِينَ فَقَالَ: أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَلَكُمُ الَّذِي شَرَطْتُ، فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا كَانَ حِينَ صَلاَةِ الْعَصْرِ قَالُوا: لَكَ مَا عَمِلْنَا، فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَكْمَلُوا أَجْرَ الْفَرِيقَيْنِ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا حکم جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت کو پالیا ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ تم میں سے کوئی شخص غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو وہ اپنی نماز کو پورا کرلے اور جو شخص طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے تو وہ اپنی نماز کو پورا کرلے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ امم سابقہ (یہود ونصاریٰ) کے مقابلے میں تمہارا دنیا میں رہنا ایسا ہے جیسے عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک، اہل توراۃ کو توراۃ دی گئی تھی، انہوں نے کام شروع کیا یہاں تک کہ جب آدھا دن گزر گیا تو وہ تھک گئے، چنانچہ انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا، پھر اہل انجیل کو انجیل عطا کی گئی انہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا اور تھک گئے تو ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا، پھر ہم مسلمانوں کو قرآن دیا گیا اور ہم نے سورج غروب ہونے تک کام کیا اور ہم کو دو دو قیراط دیا گیا، پھر اہل توراۃ اور اہل انجیل نے عرض کیا، اے پروردگار! تو نے ان مسلمانوں کو دو دو قیراط عطا کئے اور ہم کو ایک ایک قیراط دیا، جب کہ ہم نے کام ان سے زیادہ کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہارے اجر میں سے کچھ کم کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اور یہود ونصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کسی گروہ کو صبح سے شام تک مزدوری پر کام کرنے کا معاملہ کیا اور ان لوگوں نے آدھے دن تک کام کیا اور کہنے لگے کہ ہمیں تیری مزدوری کی ضرورت نہیں، (یعنی ہم کام نہیں کریں گے) پھر اس نے دوسرے لوگوں سے معاملہ کیا اور کہا کہ تم دن کے بقیہ حصہ میں کام کرو اور تم کو وہی مزدوری ملے گی، جو میں نے طے کی تھی، چنانچہ انہوں نے کام شروع کیا یہاں تک کہ جب عصر کی نماز کا وقت ہوگیا تو انہوں نے بھی کہہ دیا کہ ہم نے جو کام کیا ہے ہم تیرے حق میں اس سے دست بردار ہوتے ہیں (یعنی ہم کام پورا نہیں کرسکیں گے، اجرت کی ضرورت نہیں) پھر اس نے اور لوگوں سے معاملہ کیا اور وہ لوگ دن کے بقیہ حصہ میں غروب آفتاب تک کام کرتے رہے اور انہوں نے پچھلی دونوں جماعتوں کی مزدوری حاصل کرلی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح: ترجمہ کی تین غرض: اس ترجمۃ الباب کی غرض میں تین قول ہیں۔

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ مہلب وغیرہ تمام شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس سے اس مشہور مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو فقہاء اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں اور کتب احادیث میں بھی حضرات محدثین اس پر تراجم منعقد کرتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو نمازِ عصر کی ایک رکعت غروب سے پہلے یا نمازِ فجر کی ایک رکعت طلوع سے پہلے مل گئی تو اس کو نماز مل گئی۔

نیز حافظ فرماتے ہیں کہ مصنف نے ترجمہ میں رکعۃ کا ذکر کیا ہے لیکن روایت میں سجدۃ کا تذکرہ ہے، مصنف نے اپنے ترجمہ کے ذریعہ اس کی شرح کردی اور یہ بتلا دیا کہ سجدہ بول کر رکعت مراد ہے، چنانچہ روایۃ الباب ہی میں اسماعیلی کی حدیث میں بجائے سجدۃ کے رکعۃ کا لفظ وارد ہوا ہے۔

آگے حافظ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے بَاب مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوبِ ارشاد فرمایا اور حدیث کا اگلا ٹکڑا فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ کے متعلق ترجمہ میں کوئی لفظ ذکر نہیں کیا اس لئے کہ یہ لفظ محتمل ہے، ممکن ہے کہ یہ نماز کا پورا کرنا اداء بنتا ہو اور ممکن ہے کہ قضاء بنتا ہو اس لئے مصنف نے جوابِ شرط ذکر نہیں فرمایا، اس کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ مگر امام مالک کی روایت میں مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَکَ الصَّلَاةَ وارد ہوا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ ساری نماز اداء ہی ہو گی۔

حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے مَنْ شرطیہ ہو سکتا ہے ایسے ہی یہ بھی احتمال ہے کہ یہ موصولہ ہو اور تقدیر عبارت ہو باب حکم من أدرک رکعة من العصر قبل الغروب، بہر حال غروب شمس سے پہلے ایک رکعت مل جائے تو اس کو نماز مل گئی، لیکن حضرت امام نے یہ تصریح اس لئے نہیں کی کہ اس میں احتمال ہے کہ بقیہ نماز اداء ہو یا قضاء، یہ مسئلہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ روایت کے ذیل میں بیان کروں گا۔

(۲) حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ اصل میں حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلۂ اختلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسبوق ہو اور امام کے ساتھ شریک ہو تو کتنا حصۂ صلاۃ ملنے پر وہ شخص مدرکِ صلاۃ کہلائے گا؟ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بعض الصلاۃ اور جزء من الصلاۃ ملنے کی وجہ سے آدمی مدرک صلاۃ الجماعۃ ہو جائے گا، امام مالک فرماتے ہیں کہ مدرک صلاۃ ہونے کے لئے

Maktaba Tul Ishaat.com

کم از کم ایک رکعت کا ملنا ضروری ہے، امام شافعی سے دونوں قول منقول ہیں، اسی طرح سے حنابلہ کے بھی لیکن امام احمد بن حنبل کا ظاہر کلام امام ابو حنیفہ کے موافق ہے۔

امام بخاری نے ترجمہ میں رکعة کا لفظ لا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مدرک صلاۃ ہونے کے لئے کم از کم ایک رکعت کا ملنا ضروری ہے۔

(۳) احقر کا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے باب وقت العصر کا ترجمہ منعقد کر کے ابتداءِ وقت عصر کی طرف اشارہ کیا تھا اور پھر اس کے بعد بیچ میں عصر کی نماز کی اہمیت کی وجہ سے دو تین تراجم اس کی فضیلت اور اسی طرح سے نمازِ عصر میں کوتاہی کرنے پر وعید کے سلسلہ میں منعقد کئے تھے، اب اس کے بعد امام بخاری اس ترجمہ سے عصر کا وقتِ آخر بتلانا چاہتے ہیں، مصنف نے مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوبِ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ عصر کا وقت غروب تک رہتا ہے اور یہی حضرات ائمہ اربعہ کا مسلک ہے، ابو سعید اصطخری فرماتے ہیں کہ اصفرار پر وقت عصر فوت ہو جاتا ہے۔

مصنف نے ترجمۃ الباب سے جمہور علماء کی تائید فرمائی ہے اور اس باب میں تین روایتیں ذکر کی ہیں، ایک ابو ہریرہؓ کی، دوسری ابن عمرؓ کی اور تیسری حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی۔

احادیث کی غرضِ ترجمہ سے مناسبت: ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے إِذَا أَدْرَکَ أَحَدُکُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ اگر کسی آدمی کو صلاۃ عصر کا ایک سجدہ یعنی ایک رکعت بھی غروب شمس سے پہلے مل جائے تو وہ اپنی نماز پوری کر لے، حدیث اس کے بارے میں یہ فیصلہ کر رہی ہے کہ اس کو صلاۃ عصر مل گئی ہے، معلوم ہوا کہ غروب تک عصر کا وقت ہوا جب ہی تو غروب سے پہلے پہلے یہ شخص مدرک بنا، یہ استدلال اسی طرح صاحب ہدایہ نے بھی کیا ہے۔

البتہ ابن عمرؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایتیں جو مصنف نے ذکر کی ہیں وہ بذات خود اس مدعا پر دلالت نہیں کرتی ہیں، لیکن علامہ ناصر الدین بن منیر نے اس کی ایسی تقریر کی ہے جس سے وہ بھی مدعا کے مطابق ہو جاتی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دخولِ وقتِ عصر سے مغرب تک وقتِ عمل ہے اور اُس وقت کا سب سے اہم عمل نماز ہے، تو اس سے یہ بات نکل آئی کہ عصر کا وقت مغرب تک باقی رہتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے، لیکن علامہ ابن منیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ من باب الاشارہ ہے نہ کہ من صریح العبارۃ، امام الحرمین نے لکھا ہے الأحکام لاتؤ خذ من الأحادیث التی تأتی لضرب الأمثال، لیکن بہر حال امام بخاری نے لطیف طریقہ سے اپنا مدعا ثابت ہی کر دیا۔

اور علامہ مہلب بن ابی صفرہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے چونکہ ترجمہ کی غرض اور اختیار کی ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی آدمی کو غروب سے پہلے عصر کی ایک رکعت مل جائے تو وہ اپنی باقی رکعات پوری کر لے اس لئے ان لوگوں نے استدلال کا انداز اور اختیار کیا۔

علامہ مہلب ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے یہ دونوں حدیثیں یہاں ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہو کہ بعض وقت آدمی کو بعض عمل پر پورے عمل کا ثواب مل جایا کرتا ہے، جیسے اس امت کو عصر سے لیکر مغرب تک عمل کرنے پر پورے دن کا ثواب مل گیا، تو ایسے ہی اگر انسان کو غروب سے پہلے ایک رکعت مل گئی تو اس کو ساری رکعات کا ثواب مل جائے گا، مطلب یہ ہے کہ ساری نماز اداء واقع ہوگی۔

حافظ ابن حجر نے اس کی تفصیل یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جیسے ربع نہار کو کلِّ نہار کے قائم مقام کر دیا ایسے ہی ربع صلاۃ یعنی عصر کی ایک رکعت کو کلِّ صلاۃ کے قائم مقام کر دیا کہ ایک کے ضمن میں آکر باقی رکعات بھی اداء شمار ہوگئیں۔

إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً: اس حدیث پاک میں سجدہ بول کر رکعت مراد ہے جیسا کہ میں ترجمہ کے ذیل میں بتلا چکا ہوں۔

فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ: اپنی نماز پوری کر لے، معلوم ہوا کہ اگر غروب شمس سے پہلے رکعت مل جائے تو اس کو پوری نماز مل گئی۔

یہ مسئلہ عصر میں تو اتفاقی ہے، البتہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یہ شخص جو باقی نماز غروب شمس کے بعد پڑھ رہا ہے وہ اداء ہے یا قضاء؟ اکثر علماء تو اس کو اداء مانتے ہیں، حضرت امام شافعی نے لکھا ہے کہ دونوں احتمال ہیں، ممکن ہے کہ اداء ہو اور ممکن ہے کہ قضاء ہو۔

لیکن فجر میں اختلاف ہے، اکثر علماء تو فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن حضرت امام ابو حنیفہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ادراکِ عصر اور ادراکِ فجر میں فرق: اسکی وجہ ہمارے فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ اصل میں نماز کا سببِ مُوجِب وہ وقت ہے جو ابتداءِ صلاۃ کے مقارن ہوتا ہے، اب جب عصر شروع کرنے والے نے عصر شروع کی ہے تو وہ وقتِ مکروہ تھا جو خود ناقص ہے، جب سبب مکروہ ہے تو مسبَّب میں بھی نقص آیا، لہٰذا آگے جو نماز ناقص ادا ہوئی ہے وہ نماز بھی کراہت سے خالی نہیں ہوئی مگر ذمہ داری ساقط ہوگئی اس لئے کہ جیسی واجب ہوئی تھی ویسی ہی ناقص ادا ہوگئی، اور فجر کا سارا وقت کامل ہے لہٰذا جب شروع کی گئی تو کامل واجب ہوئی تھی اور جب ادا کی جارہی ہے تو ناقص ادا کی جارہی ہے لہٰذا جو نماز واجب ہوئی ہے کاملاً وہ ناقصاً ادا کرنے کی وجہ سے پوری نہیں ہوگی۔

لیکن جمہور علماء نے اِن روایات مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَکَ الْعَصْرَ وَمَنْ أَدْرَکَ مِنَ الصُّبْحِ رَکْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَکَ الصُّبْحَ کی وجہ سے دونوں نمازوں کی صحت کا فیصلہ کیا ہے، احناف نے ان روایات کے مختلف انداز میں مختلف جوابات دیئے ہیں۔

احناف کی طرف سے حدیث کے چار جوابات: (۱) حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں کہ من أدرک رکعة والی روایات کے وہ حدیثیں معارض ہیں جن میں عصر و فجر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا وہ روایتیں اِن روایتوں کے لئے ناسخ ہوجائیں گی۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ نسخ کے لئے تاریخ معلوم ہونی چاہئے محض دعوی کی وجہ سے ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کا جواب امام طحاوی کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ اصل میں من أدرک رکعة والی روایات مبیح ہیں اور ان اوقات میں ممانعت والی روایات محرِّم ہیں اور جب محرِّم و مبیح میں تعارض ہوتا ہے تو محرِّم کو ترجیح ہوا کرتی ہے، مگر اس تقریر پر یہ لازم آتا ہے کہ ایسے وقت میں نہ عصر کی نماز صحیح ہو اور نہ فجر کی نماز صحیح ہو، چنانچہ امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے اس لئے یہ جواب عام اور مشہور مسلک حنفی پر منطبق نہیں ہے۔

(۲) بعض احناف نے دوسرا جواب دیا ہے اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ادراک سے مراد ادراکِ وقت نہیں بلکہ ادراکِ وجوب ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ان اوقات میں ایک رکعت مل سکتی ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

تو وہ اہلِ وجوب بن گیا اور یہ نماز اس پر واجب ہو جائے گی، لہٰذا اگر غروب شمس سے پہلے ایک رکعت کے بقدر وقت موجود ہو اور اس میں کوئی بچہ بالغ ہو جائے، کوئی حائضہ پاک ہو جائے، کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو اس پر یہ نماز فرض ہو جائے گی، اسی طرح سے اگر طلوع شمس سے پہلے ایک رکعت کے بقدر وقت باقی ہو اور اس میں کوئی مسلمان ہو یا بچہ بالغ ہو جائے یا حائضہ پاک ہو تو اس پر نماز فجر واجب ہو گی، یہ جواب حضرت امام طحاوی نے نقل کیا ہے اور ابن وہب نے بعض متقدمین علماء سے نقل کیا ہے جیسا کہ مدونہ میں مذکور ہے۔

مگر امام طحاوی نے خود اس پر اشکال یہ کیا ہے کہ دوسری حدیث میں ہے من أدرک رکعة من صلاة الغداة قبل أن تطلع الشمس فليصل إليها أخرى، معلوم ہوا کہ فقد أدرک الصلاة کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اس پر فرضیت عائد ہو گئی بلکہ معنیٰ یہ ہیں کہ وہ اپنی نماز پوری کرلے لہٰذا یہ توجیہ صحیح نہیں۔

یہاں ایک تعجب خیز بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے جواب تو طحاوی سے نقل کیا لیکن اس جواب پر اعتراض اپنی طرف سے کر دیا حالانکہ جیسے طحاوی نے جواب ذکر کیا ہے ایسے ہی خود ہی اس پر اعتراض بھی فرمایا ہے، مگر حافظ ابن حجر کبھی کبھی اس طرح کا کام تسامح کے طور پر کر لیا کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اس کا تعلق صلاۃ المسبوق سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو امام کے ساتھ ایک رکعت مل جائے تو پوری نماز مل گئی لہٰذا اس کو باقی نماز پوری کرنی چاہئے اور اس کی وضاحت اس حدیث کے دوسرے الفاظ کے دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ اس مضمون سے متعلق کئی الفاظ نقل کئے جاتے ہیں۔

۱ مَنْ أَدْرَکَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَکَ الصَّلَاةَ، أخرجه البخاری ص ۸۲۔

۲ مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَکَ الصُّبْحَ وَمَنْ أَدْرَکَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَکَ الْعَصْرَ، رواہ البخاری ص ۸۲۔

۳ إِذَا أَدْرَکَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ وَإِذَا أَدْرَکَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ، رواہ البخاری ص ۷۹۔

۴ مَنْ أَدْرَکَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَدْرَکَ الصَّلَاةَ، رواہ مسلم۔

۵ إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا وَلَا تَعُدُّوهَا شَيْئًا وَمَنْ أَدْرَکَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَکَ

Maktaba Tul Ishaat.com

الصَّلاۃَ، رواہ ابو داؤد۔

۶۔ نسائی شریف میں ہے اس میں جمعہ کا تذکرہ وارد ہوا ہے۔

ان روایات میں اگر چہ پہلے تین الفاظ میں جماعت کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن بعد کے تینوں الفاظ میں جماعت کا ذکر ہے ان سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کا تعلق صلاۃ الجماعۃ اور صلاۃ المسبوق سے ہے اس لئے پہلے تینوں الفاظ کو بعد کے تینوں الفاظ پر محمول کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ حضور اکرم ﷺ نے صلاۃ المسبوق کا مسئلہ بیان کیا ہے۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ اگر صلاۃ المسبوق ہی سے روایت کا تعلق تھا تو پھر عصر و صبح کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال احناف ہی پر وارد نہیں ہوتا بلکہ باقی حضرات پر بھی وارد ہوتا ہے اس لئے کہ جیسے عصر و فجر میں ایک رکعت پانے والا ان کے یہاں مدرِک ہے ایسے ہی باقی نمازوں میں بھی مدرِک ہے، چنانچہ اس تخصیص کی علماء نے کئی وجہیں بیان کی ہیں۔

اوّل وجہ: ممکن ہے یہ اس وقت کی بات ہو جب صرف یہی دو نمازیں تھیں، لیکن اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ تو سن ہجری ۷ میں مسلمان ہوئے ہیں اور اس وقت تک بلکہ اس سے بہت پہلے پانچوں نمازیں فرض ہو چکی تھیں، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت مراسیل صحابہ کے قبیل سے ہو، مگر یہ جواب دل کو نہیں لگتا ہے۔

دوسری وجہ: عصر و فجر کی تخصیص کی وجہ ان کی شرافت و فضیلت ہے۔

تیسری وجہ: ممکن ہے اس لئے تخصیص کی گئی ہو کہ ان کا آخری وقت اجماعی ہے۔

چوتھی وجہ: ممکن ہے اس لئے تخصیص کی گئی ہو کہ ان کا آخری وقت محسوس ہوتا ہے، ہر شخص اس کو جان جاتا ہے۔

مگر ان سب توجیہات کے بعد ایک دوسرا اشکال ہوتا ہے کہ جب مختلف الفاظ مصدرِ نبوت سے صادر ہوئے ہیں تو سب کو ایک ہی محمل پر محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہر ایک کو الگ الگ معنیٰ پر محمول کیا جائے تاکہ حضور ﷺ کے ہر ہر لفظ سے الگ الگ مستقل حکم نکلے اور آپ کی جامعیت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ آپ کے الگ الگ الفاظ سے الگ الگ معانی و مسائل مستنبط ہوتے ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لہٰذا مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَۃً مِنَ الصَّلَاۃِ فَقَدْ أَدْرَکَ الصَّلَاۃَ کو تو عام رکھا جائے ممکن ہے کہ اس کا تعلق صلاۃ مسبوق سے ہو اور ممکن ہے کہ اس کا تعلق ادراکِ فضیلت جماعت سے ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تعلق ادراکِ فرضیت سے ہو اور ممکن ہے کہ اس کا تعلق ادراکِ وقت سے ہو۔

اور جس میں فجر و عصر کی تخصیص وارد ہوئی ہے اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ اس کو عصر و فجر کی نماز مل گئی، اور جن روایتوں میں امام کی تصریح ہے یا اس طرح کا کوئی لفظ وارد ہے اس کو صلاۃ المسبوق پر محمول کیا جائے۔

اس لئے صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب بھی صحیح نہیں۔

(۴) چوتھا جواب: حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اصل میں جن حدیثوں میں رکعۃ کا لفظ وارد ہوا ہے وہ مجاز ہے اور عبارت ہے سنّۃ سے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو سنت فجر مل جائے تو وہ اس کا اہتمام کرے اور اس کے بعد پھر فریضہ پڑھے، مگر شاہ صاحب کا یہ جواب کچھ واضح نہیں ہے لیکن ان کے تلمیذ رشید علامہ بنوری نے اس کی بہت زیادہ توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے اور کئی صفحات رنگ ڈالے ہیں لیکن طبیعت ان کو قبول نہیں کرتی ہے خصوصاً جبکہ بیہقی کی روایت صراحۃً اس کے خلاف پر دال ہے اس کے الفاظ ہیں من أدرک رکعۃ من الصبح قبل أن تطلع الشمس ورکعۃ بعدما تطلع فقد أدرک الصلاۃ، ومن أدرک رکعۃ من العصر قبل أن تغرب الشمس وثلاثاً بعدما تغرب فقد أدرک الصلاۃ، اس روایت کے آجانے کے بعد پورا قلعہ بالکل منہدم ہو جاتا ہے۔

اسی لئے حضرت علامہ مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی رائے یہ ہے کہ اس باب میں جمہور کا مسلک ارجح ہے کہ جیسے عصر کی نماز صحیح ہو جائے گی ایسے ہی فجر کی نماز بھی صحیح ہو جائے گی۔

إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ: فی إلٰی کے معنیٰ میں ہے اور اس کے بعد مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت ہے إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ إِلَى نِسْبَةِ مَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوْبِ الشَّمْسِ یعنی تمہاری مدت کی مثال امم سابقہ کی مدت کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے عصر سے لیکر غروب شمس تک کے وقت کی مثال ہے باقی وقت سے۔

اس حدیث پاک سے قاضی ابوزید دبوسی، صاحب بدائع اور فخر الدین زیلعی شارح کنز وغیرہ نے اس بات پر

Maktaba Tul Ishaat.com

استدلال کیا ہے کہ ظہر کا وقت مثلین پر ختم ہوتا ہے اور عصر کا وقت مثلین کے بعد شروع ہوتا ہے اس لئے کہ اس حدیث پاک میں اس امت کے وقت کو تشبیہ دی گئی ہے عصر سے لیکر مغرب تک کے وقت کے ساتھ اور یہود و نصاریٰ کے وقت کو تشبیہ دی گئی ہے صبح سے لیکر عصر کے وقت کے ساتھ، یہود کے وقت کو صبح سے لیکر نصف النہار تک اور نصاریٰ کے وقت کو نصف النہار سے لیکر صلاۃ عصر تک کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اور آگے حدیث پاک میں یہ وارد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس امت کو تو دو دو قیراط عطا کئے اور امم سابقہ کو ایک ایک قیراط، ان کی طرف سے اشکال ہوا نَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا یعنی ہمارا عمل زیادہ تھا تو ہم کو اجر و ثواب بھی زیادہ ملنا چاہئے تھا، یہ کیا وجہ ہے کہ عمل تو ہمارا زیادہ ہے اور اجر و ثواب اس قوم کو زیادہ دیا جارہا ہے جس کا عمل کم ہے، حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اور ان کی تسلی کی فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ میں نے تمہارا اجر تم کو پورا دے دیا ہے باقی جو مزید میں دے رہا ہوں یہ میرا فضل ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ امم سابقہ کا وقت اس امت کے وقت سے اور ان کا عمل اس امت کے عمل سے زیادہ ہے، اور امم سابقہ کا وقت اسی وقت زیادہ ہو سکتا ہے جبکہ عصر کا وقت مثلین کے بعد شروع ہو، اس لئے کہ اگر عصر کا وقت مثل واحد پر شروع ہو جائے گا تو اس امت کا وقت نصاریٰ کے وقت کے برابر ہو جائے گا اس سے کم نہیں ہو گا حالانکہ یہود و نصاریٰ دونوں نے یہ کہا تھا نَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا وَأَقَلَّ أَجْرًا یہ کیا بات ہے کہ ہمارا عمل تو زیادہ اور اجر و ثواب سب سے کم مل رہا ہے۔

مگر اس استدلال پر کئی طرح سے اشکال ہے، اور جیسے دوسرے مذہب کے قائلین حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے اشکال کیا ہے ایسے ہی خود ہمارے حضرات علامہ ملا علی قاری اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے بھی اشکال کیا ہے۔

پہلا اشکال یہ ہے کہ اگر ظہر کا وقت مثل واحد پر منتہی ہوتا ہے اور مثل واحد کے بعد سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے تب بھی مابین الزوال إلی المثل الاول؛ مابین المثل الثانی إلی الغروب سے زیادہ ہے جیسا کہ اس فن کے واقفین کا بیان ہے۔

ثانیاً یہ کہ یہ حدیث بطور ضرب مثال کے ذکر کی گئی ہے، بیان مواقیت کے لئے ذکر نہیں کی گئی ہے لہذا وہ حدیثیں جو خاص طور سے بالقصد بیان مواقیت کے لئے ذکر کی گئی ہیں اس حدیث کے اشارہ پر مقدم ہوں گی۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ نَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا کہنا ممکن ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں کے مجموعہ کے اعتبار سے ہو

Maktaba Tul Ishaat.com

اور یہ ظاہر ہے کہ یہود ونصاریٰ کے عمل کی مجموعی مدت امت محمدیہ کے عمل سے بہت زیادہ ہے۔

اور یہی ہونا بھی چاہئے اس لئے کہ یہ تو بالبداہت معلوم ہے کہ اس امت کا وقت نصاریٰ کے وقت سے تقریباً ڈھائی گنا بلکہ تین گنا زیادہ ہو چکا ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے درمیان حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ حضرات کے حساب سے چھ سو سال کا فاصلہ ہے اور اب چودہ سو سال پورے ہو چکے ہیں تو تقریباً اس امت کی مدت امت نصاریٰ سے ڈھائی گنا زیادہ ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ فترۃ مابین عیسیٰؑ و محمد ﷺ کی مدت چار سو پچاس سال ہے اور بعضوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ایک سو پچیس سال ہے اس صورت میں تو ہماری مدت عیسائیوں کی مدت سے بہت زیادہ ہو جائے گی۔

چوتھا اشکال: یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صرف یہودیوں کا قول ہو۔

پانچواں اشکال: نیز یہ بھی ممکن ہے کہ کثرت عمل بول کر انہوں نے کنایہ کیا ہو اعمال شاقہ سے اور مطلب یہ ہو کہ اعمال شاقہ کے تو ہم مکلف اور اجر وثواب ان کو زیادہ دیا جا رہا ہے۔

بہر حال ان تمام احتمالات کے ہوتے ہوئے اس حدیث پاک سے مسئلۂ مثلین پر استدلال کرنا بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے۔

امام محمد نے مؤطا میں باب کے بالکل آخر میں یہ حدیث ذکر کی ہے لیکن اس مسئلہ کے بجائے انہوں نے ایک اور مسئلہ پر استدلال کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عصر کو مؤخر کر کے پڑھنا اس کو معجل کرنے سے افضل ہے اس لئے کہ اس حدیث پاک میں مابین الظہر إلی العصر کو مابین العصر إلی المغرب سے اکثر قرار دیا گیا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اکثریت اسی وقت متحقق ہوگی جبکہ عصر کو مؤخر کر کے پڑھا جائے اور اگر معجل کر کے پڑھا گیا تو اس صورت میں مابین الظہر إلی العصر کی اکثریت کا تحقق نہیں ہوگا۔

مگر اس استدلال پر بھی اشکال ہے، پہلا اشکال یہ ہے کہ عصر کو کتنا ہی معجل کر کے پڑھا جائے بہر حال مابین الظہر إلی العصر؛ مابین العصر إلی المغرب سے زیادہ ہے، دوسرا اشکال یہ ہے کہ یہ حدیث تمثیل وتشبیہ کے لئے ذکر کی گئی ہے نہ کہ بیان مواقیت کے لئے۔

حَتّٰى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوْا: یہ عجز کنایہ ہے کام پورا نہ ہونے سے۔

حدثنا أبو كريب: یہ حدیث یہاں مصنف نے مختصر ذکر کی ہے اور اسی سند سے ص ۳۰۲ پر اس سے

Maktaba Tul Ishaat.com

زیادہ مکمل سیاق کے ساتھ آرہی ہے۔

لَا حَاجَةَ لَنَا إِلَى أَجْرِكَ: یہاں اشکال یہ ہے کہ پہلی روایت میں ہے فَأَعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا اور اس روایت میں ہے لَا حَاجَةَ لَنَا إِلَى أَجْرِكَ، بظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے، اس کا ۱ جواب یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ قصے اور دو الگ الگ فریقوں کے بارے میں ہے، پہلی حدیث کا تعلق تو ان یہود و نصاریٰ سے ہے جو یہودیت و نصرانیت غیر منسوخہ پر عامل تھے اسی لئے ان کو اجر و ثواب ملا اور ابو موسیٰؓ کی حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو یہودیت و نصرانیت منسوخہ کے اندر داخل ہوئے تھے، ۲ اور یہ بھی ممکن ہے کہ لَا حَاجَةَ لَنَا إِلَى أَجْرِكَ سے ان کا مقصود عدم استیفاء عمل ہو اور گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اگلا اجر درکار نہیں اور ہم پورا کام نہیں کرنا چاہتے ہیں، ہم تھک چکے ہیں اب کسی اور کو اجیر بنالو۔

(ص ۷۹) بَابُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

وقال عطاء: يجمع المريض بين المغرب والعشاء.

۵۵۹. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو النَّجَاشِيِّ - اسْمُهُ عَطَاءُ بْنُ صُهَيْبٍ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ - قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ يَقُولُ: كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ.

۵۶۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا، إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَأُوا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ كَانُوا أَوْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ.

۵۶۱. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ

Maktaba Tul Ishaat.com

النَّبِيِّ ﷺ الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ.

٥٦٢. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ سَبْعًا جَمِيعًا وَثَمَانِيًا جَمِيعًا.

ترجمہ: باب، مغرب کے وقت کا بیان۔

حضرت عطاء نے فرمایا کہ بیمار کے لئے مغرب اور عشاء کی نماز کا جمع کرنا درست ہے۔

حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے تھے اور ہم میں سے کوئی ایسے وقت میں فارغ ہو کر لوٹتا تھا کہ وہ اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتا تھا۔

محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ حجاج (مدینہ کا عامل ہو کر) آیا، تو ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے (نماز کے اوقات کے بارے میں) پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کی گرمی میں پڑھتے تھے اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ آفتاب ابھی صاف ہوتا تھا اور مغرب کی نماز غروب آفتاب کے فوراً بعد پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز کبھی اس وقت اور کبھی اس وقت، یعنی جب آپ یہ دیکھتے کہ صحابہ جمع ہو گئے ہیں تو جلد پڑھ لیتے اور جب دیکھتے کہ انہوں نے آنے میں دیر کی تو نماز کو مؤخر کر دیتے اور صبح کی نماز صحابہ کرامؓ یا رسول اللہ ﷺ اندھیرے میں پڑھتے۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مغرب کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسے وقت میں پڑھتے تھے جب سورج چھپ جاتا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سات رکعت ایک ساتھ (یعنی مغرب وعشاء) اور آٹھ رکعت ایک ساتھ (یعنی ظہر وعصر) پڑھیں۔

تشریح: امام بخاری نے اس باب میں چار روایتیں ذکر کی ہیں، ان روایتوں کو سامنے رکھنے سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اوّل یہ کہ مغرب کا وقت کب شروع ہوتا ہے، یہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی روایت سے معلوم ہو گیا اس میں تصریح ہے كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ، اسی طرح حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مغرب کی نماز میں تعجیل کرنا چاہئے چنانچہ حضرت رافع بن خدیجؓ کی حدیث میں ہے كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تیسری بات بالاشارہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مغرب کا وقت ممتد ہے، چنانچہ مصنف نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ سَبْعًا جَمِيعًا وَثَمَانِيًا جَمِيعًا نقل کی ہے اور میں بتلا چکا ہوں کہ اس حدیث میں مصنف کا رجحان اس بات کی طرف ہے کہ یہ جمع صوری ہوا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب مابین العشائین مغرب کا وقت ممتد ہو تاکہ مغرب کو اس کے وقت آخر میں اور عشاء کو اس کے وقت اوّل میں ادا کیا جائے۔

ابتداءِ وقتِ مغرب کب: مغرب کا وقت غروب شمس کے بعد شروع ہونے میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آگے مزید کوئی امر درکار ہے یا صرف غروب شمس ہو جانا ہی کافی ہے؟ روافض سے قاضی ماوردی نے نقل کیا ہے کہ آگے اشتباک نجوم یعنی آسمانوں پر تاروں کا نظر آنا ضروری ہے، اور عطاء وطاؤس اور وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ جب طلوع نجم ہو جائے۔ جمہور علماء کے نزدیک غیبوبت قرص یعنی سورج کی ٹکیہ کا چھپ جانا کافی ہے۔

البتہ علامہ شوکانی نے اس میں اختلاف نقل کیا ہے کہ غیبوبت قرص اور سقوط قرص کا پتہ کیسے چلے گا اس لئے کہ جنگل اور صحراء میں تو غروب مشاہد ہوتا ہے سب کو نظر آجاتا ہے لیکن آبادیوں میں کیسے پتہ چلے گا؟ علامہ شوکانی نے اس مسئلہ میں تین قول نقل کئے ہیں۔

شیعوں کا فرقہ قاسمیہ یہ کہتا ہے کہ کوکبِ لیلی طلوع ہو جائے بس پتہ چل جائے گا کہ سورج غروب ہو گیا ہے اور اس کی دلیل حضرت ابو بصرۃ الغفاری کی وہ روایت ہے جو مسلم شریف میں ہے حتی یطلع الشاھد والشاھد النجم، دوسرا قول یہ ہے کہ سقوطِ قرص مطلقاً علامتِ غروب ہی ہے لیکن اس پر اشکال کھلا ہوا اور ظاہر ہے، تیسرا قول انہوں نے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور شیعوں کے امام زید بن علی سے نقل کیا ہے کہ اس کی علامت اظلام یعنی اندھیرا ہو جانا ہے إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَاهُنَا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَاهُنَا اس کی دلیل ہے۔

وقتِ مغرب ممتد ہے یا نہیں: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مغرب کا وقت ممتد ہے یا غیر ممتد؟ اور اگر ممتد ہے تو کب تک ہے؟ امام مالک ایک روایت میں اور امام شافعی ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا وقت ضَیِّق اور تنگ ہے ممتد نہیں ہے، بس غروب شمس کے بعد آدمی وضو کرے اور نماز پڑھے وقت ختم ہو گیا، لیکن امام ابو حنیفہ، امام احمد اور مالک وشافعی دوسری روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا وقت ممتد اِلٰی

Maktaba Tul Ishaat.com

طلوع الشفق ہے۔

البتہ شفق میں اختلاف ہے کہ غروبِ شفق احمر ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں یا شفق ابیض مراد ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں، طاؤس سے منقول ہے کہ مغرب اور عشاء کا وقت طلوع صبح صادق پر ختم ہو جاتا ہے۔

امام بخاری نے جیسا کہ میں نے بتلایا کہ مغرب کے اوّل وقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور اس کے وقت مستحب کی طرف بھی، اور یہ بھی غالباً اشارہ کر دیا کہ اس کا وقت ممتد ہے اسی لئے ابن عباسؓ کی حدیث صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعًا جَمِيعًا وَثَمَانِيًا جَمِيعًا نقل کی اور ترجمہ میں فرمادیا وَقَالَ عَطَاءٌ يَجْمَعُ الْمَرِيضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ جس سے غالباً اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ مریض جمع بین الصلاتین کرے گا اور وقتِ مغرب ممتد ہے۔

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ عطاء کا اثر لا کر مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ مغرب کا وقت بہت ہی ممتد ہے طلوع فجر پر جا کر ختم ہوتا ہے کیوں کہ عینی وغیرہ نے عطاء سے یہی نقل کیا ہے، مگر یہ اس لئے بعید ہے کہ اگر یہی بخاری کا مقصد ہوتا تو کوئی ایسا لفظ ذکر کرتے جس سے یہ بات معلوم ہو جاتی، مزید یہ ہے کہ آگے امام بخاری نے وقت عشاء کے بارے میں یہ تصریح کی ہے باب وقت العشاء إلى نصف الليل تو بھلا جب عشاء ہی نصف لیل پر ختم ہوتی ہے تو پھر مغرب کا امتداد إلی الصبح کہاں ہو سکتا ہے، اس لئے اقرب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے عطاء کا اثر نقل کر کے صرف امتداد وقت المغرب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مریض کے لئے جمع کا مسئلہ: اس کے بعد یہ سمجھو کہ عطاء کے اثر سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مریض کے لئے جمع بین الصلاتین جائز ہے امام احمد واسحاق کا تو یہی مسلک ہے، امام مالک بعض شروط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی مریض کے لئے جمع بین الصلاتین کے قائل نہیں ہیں۔

قَدِمَ الْحَجَّاجُ: اس سے مراد سن ہجری ۷۴ میں عبد الملک بن مروان کی طرف سے مدینہ کا امیر بن کر آنا ہے، چونکہ بنو امیہ اور اس کے امراء نمازوں میں تاخیر کیا کرتے تھے اس لئے جب حجاج مدینہ آیا تو اس نے بھی نماز میں تاخیر کرنا شروع کر دیا، اس وقت لوگوں نے موجودہ صحابۂ کرام سے حضور ﷺ کے اوقات صلوات کا معمول معلوم کیا، انہیں لوگوں میں محمد بن عمرو بن حسن بن علی نے حضرت جابرؓ سے پوچھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

وَالصُّبحَ کانُوا أَوْ کَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ: کانوا اور کان؛ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ تلازم ہے، اس لئے کہ اگر صحابہ غلس میں پڑھتے تھے تو نبی پاک ﷺ کے ساتھ لہذا آپ بھی غلس میں پڑھتے تھے، اور اگر نبی پاک ﷺ غلس میں پڑھتے تھے تو صحابہ آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ کانوا ناقصہ ہے اور اس کی خبر مجتمعین محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے کانوا مجتمعین أو لم یکونوا مجتمعین، کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلیھا بغلس۔

گویا کانوا مجتمعین معطوف علیہ ہے اور أو حرف عاطف ہے اور اس کا معطوف لم یکونوا مجتمعین محذوف ہے اور یہ کان ناقصہ ہے، تقدیر عبارت ہوئی کانوا مجتمعین أو لم یکونوا مجتمعین، کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلیھا بغلس۔

اور بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کانوا تامہ ہے اور أو کے بعد معطوف محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے کَانُوا أَوْ لَمْ يَكُونُوا، كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ، لیکن یہ دونوں احتمالات بعید ہیں اور صحیح وہی ہے جو علامہ کرمانی نے بیان فرمایا ہے، اس واسطے کہ یہی حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج فرمائی ہے اس میں ہے وَالصُّبحَ كَانُوا أَوْ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ۔

حدثنا المکی بن إبراهیم: یہ حدیث ثلاثیات بخاری میں سے چوتھی حدیث ہے۔

حدثنا آدم: یہ حدیث بہت مختصر ہے، ہمارے زمانہ میں مشہور تھی امتحان کے لئے۔

(ص ۷۹) بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ الْعِشَاءُ

٥٦٣. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ - هُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو - قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ الْمُزَنِيُّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ، قَالَ: وَتَقُولُ الْأَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کا بیان جو مغرب پر عشاء کا اطلاق مکروہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ مزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری مغرب کی نماز کے نام پر اعراب غالب نہ آجائیں، حضرت عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ یہ اعراب اس نماز کو عشاء کے نام سے یاد کرتے تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح: حضرت امام بخاری نے صاف طور سے یہ نہیں فرمایا کہ مغرب کو عشاء کہنا مکروہ ہے اس لئے کہ حدیث باب میں مطلقاً مغرب کو عشاء کہنے کی نہی صراحۃً وارد نہیں ہوئی ہے بلکہ غلبۂ اعراب سے منع کیا گیا ہے اور ارشاد ہوا لَاتَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ فإنها فی کتاب اللہ العشاء اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح اعراب کا غلبہ مذموم اور ناپسندیدہ ہے لیکن اگر گاہے بغیر غلبہ کے یوں ہی کہہ دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

امام نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ مغرب کو عشاء کہنا مکروہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ اس سے نماز مغرب کے بعد کا وقت مشتبہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

حدثنا أبو معمر: یہ عبداللہ بن مغفل مزنی صحابی ہیں۔

لَاتَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ: اعراب نہ غالب آجائیں تمہاری نماز مغرب کے نام پر، صورۃً تو یہ منع اعراب کو ہے لیکن حقیقۃً مخاطبین کو منع کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تم لوگ اس نماز کو صلاۃ مغرب کے بجائے صلاۃ عشاء نہ کہا کرو اس لئے کہ یہ اعراب کی اصطلاح ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہا جاتا ہے غَلَبَهُ عَلَى كَذَا جب آدمی کسی کی چیز کو غصب کرلے اور قہراً لے لے اور معنٰی یہ ہیں کہ تم اعراب کی عادت کو اختیار نہ کرو کہ تم مغرب کو عشاء کہنے لگو اور عشاء کو عتمہ، تو اعراب تم سے اسم عشاء غصب کرلیں جس کو اللہ تعالیٰ شانہ نے قرآن میں عشاء کے نام کے ساتھ یاد کیا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اصل میں قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کی اصطلاح میں موافقت کرلیتا ہے تو اس کی اصطلاح غالب ہو جاتی ہے اور اس دوسرے موافقت کرنے والے کی اصطلاح مغلوب ہو جاتی ہے، اب اگر حاضرین اور مخاطبین اعراب کی اصطلاح اختیار کرلیں تو ان کی اصطلاح ختم ہو جائے گی اور اعراب کی اصطلاح غالب ہو جائے گی یہ ہے لَاتَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ۔

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم لوگ یہ اسم جو اعراب کے درمیان متداول ہے استعمال نہ کرو تاکہ ان کی اصطلاح تمہارے اسم شرعی پر جو میں نے تمہارے لئے مشروع کیا ہے غالب نہ آجائے۔

نہی کیسی ہے: اس میں تو اتفاق ہے کہ یہ نہی تحریمی نہیں ہے، اگر مغرب کو عشاء کہہ دیا تو زیادہ

Maktaba Tul Ishaat.com

سے زیادہ کراہت لازم آئے گی، علامہ قرطبی کی رائے یہ ہے کہ مغرب کو عشاء کہنا خلاف اولیٰ ہے۔
اس کے بعد یہ سمجھئے کہ ظاہراً اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اطلاقِ اسم سے منع کیا ہے لیکن علامہ ابو منصور ازہری کہتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے نہ پڑھا جائے۔
علامہ ابن منیر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مغرب کو عشاء کہنے سے جو منع کیا ہے اس کا مقصود سدِ ذریعہ ہے اس لئے کہ اگر مغرب کو عشاء کہہ دیا گیا اور لوگ عشاء ہی کہنے لگے تو بہت ممکن ہے آئندہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مغرب کی نماز کا وقت ممتد ہے، لیکن یہ دونوں توجیہیں حدیث سے بالکل دور معلوم ہوتی ہیں۔
وجہ ممانعت کیا ہے: سوال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مغرب کو عشاء کہنے سے کیوں منع فرمایا اور علت کیا ہے؟ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ اس کی علت التباسِ وقت المغرب بوقت العشاء ہے، علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ اس کی اصل علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک میں صلاۃ عشاء ایک مخصوص نماز کے لئے استعمال کیا ہے لہٰذا اس کو مغرب پر کیسے بولا جاسکتا ہے اس لئے اس سے منع کر دیا۔

(ص ۸۰) بَابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ وَمَنْ رَآهُ وَاسِعًا

وقال أبو هريرة عن النَّبِيِّ ﷺ: أثقل الصلاة على المنافقين العشاء والفجر، وقال: لو يعلمون ما في العتمة والفجر. قال أبو عبد الله: والاختيار أن يقول العشاء لقوله تعالى ﴿وَمِنۢ بَعۡدِ صَلَوٰةِ ٱلۡعِشَآءِۚ﴾.

ويذكر عن أبي موسى قال: كنا نتناوب النَّبِيَّ ﷺ عند صلاة العشاء فأعتم بها.

وقال ابن عباس وعائشة: أعتم النَّبِيُّ ﷺ بالعشاء.

وقال بعضهم عن عائشة: أعتم النَّبِيُّ ﷺ بالعتمة.

وقال جابر: كان النَّبِيُّ ﷺ يصلي العشاء. وقال أبو برزة: كان النَّبِيُّ ﷺ يؤخر العشاء.

وقال أنس: أخر النَّبِيُّ ﷺ العشاء الآخرة.

Maktaba Tul Ishaat.com

وقال ابن عمر وأبو أيوب وابن عباس: صلى النبيُّ ﷺ المغرب والعشاء.

٥٦٤. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَالِمٌ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ - وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ - ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ: أَرَأَيْتُكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ.

ترجمہ: باب، عشاء کو عشاء اور عتمہ کے نام سے ذکر کرنے کا حکم، اور ان لوگوں کی رائے کی وضاحت جنہوں نے اس میں توسع اختیار کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے حضور ﷺ سے نقل کیا کہ منافقین پر نمازوں میں سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر ہے، فرمایا کہ اگر لوگ عتمہ (یعنی عشاء) اور فجر کی فضیلت جان لیں تو. الخ، ابو عبداللہ یعنی امام بخاری کہتے ہیں کہ پسندیدہ یہی ہے کہ لفظ عشاء استعمال کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ﴾ فرمایا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم عشاء کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نوبت بہ نوبت جایا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے (ایک دن) عتمہ یعنی تاریکی میں نماز پڑھی۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز عتمہ یعنی تاریکی میں پڑھی۔

بعض راویوں نے حضرت عائشہؓ سے یوں روایت کی ہے أعتم النبي صلی اللہ علیہ وسلم بالعتمة کہ رسول اللہ ﷺ نے عتمہ (عشاء) کی نماز عتمہ میں (یعنی تاریکی میں تاخیر کرکے) پڑھی۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھتے تھے، حضرت ابوبرزہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کو مؤخر کرکے پڑھتے تھے، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھلی عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھی، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی اور یہ وہ نماز ہے جسے لوگ عتمہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، پھر جب آپ فارغ ہوگئے تو روئے مبارک ہماری طرف کرکے فرمایا اپنی اس رات کو یاد رکھنا کیونکہ اس صدی کے آخر تک ان لوگوں میں سے جو اس وقت روئے زمین پر ہیں کوئی باقی نہیں رہے گا۔

تشریح: نماز عشاء کے متعلق احادیث میں دو لفظ آئے ہیں، کہیں تو عشاء کہا گیا بلکہ زیادہ تر اس کو عشاء کہا گیا اور گاہے گاہے اس پر عتمہ کا اطلاق کیا گیا، عتمہ ایک مخصوص تاخیر کا نام ہے، اصل میں تو عتمہ جیسا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

طبری وغیرہ نے بیان کیا ہے اس دودھ کو کہتے ہیں جو کچھ رات گزر جانے کے بعد اونٹنی والے دوہا کرتے تھے، چونکہ وہ تنگی کا زمانہ تھا تو صعالیک اور فقراء کے سوال کے خوف سے اس وقت دودھ دوہا کرتے تھے، پھر اس کے بعد اس وقت پر بھی عتمہ کا اطلاق ہونے لگا۔

لیکن نماز عشاء کو عتمہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ، ابن عباسؓ اور دوسرے علماء کرام کی رائے ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں لیکن حضرت ابن عمرؓ عتمہ کہنے کو مکروہ قرار دیتے تھے، ابن منذر نے امام مالک اور امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ عتمہ کہنا خلاف اولیٰ ہے اور خود بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے، امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے اور بخاری کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ ابن بطال نے لکھا ہے، آگے بخاری اس کی تصریح کریں گے قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَالِاخْتِيَارُ أَنْ يَقُولَ الْعِشَاءُ، اولیٰ یہ ہے کہ عشاء کہا جائے عتمہ نہ کہا جائے۔

امام طحاوی نے مشکل الآثار میں یہ اختیار کیا ہے کہ اصل میں عتمہ جاہلی نام ہے اور جب اسلام آیا تو اس نے اس وقت کا نام عشاء رکھا لہٰذا اس کو عتمہ کہنا منسوخ ہو گیا ہے، بعض دیگر حضرات نے اس کے خلاف کہہ دیا کہ اصل میں اس کا عکس ہوا ہے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نہ یہ ثابت ہے اور نہ وہ ثابت ہے، اصل بات وہی ثابت ہے جس کو امام بخاری نے ثابت کیا ہے یعنی اگر نفس عبارت پر نظر کی جائے تو دونوں لفظ مساوی ہیں اور اگر یہ دیکھا جائے کہ کس کو ترجیح ہے تو پھر لفظ عشاء اولیٰ قرار پاتا ہے، اس لئے کہ قرآن پاک نے عشاء کا لفظ استعمال کیا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ احادیث جیسے صلاۃ مغرب پر عشاء کا لفظ بولنے سے منع کرتی ہیں ایسے ہی صلاۃ عشاء پر عتمہ کا لفظ بولنے سے منع کرتی ہیں، پھر مصنف نے اس ترجمہ اور ترجمۂ گزشتہ کے سیاق میں کیوں تغیر کیا؟ ترجمۂ گزشتہ میں تو فرمایا من کرہ أن یقال للمغرب العشاء جس سے یہ بتلایا کہ اگر کوئی مغرب کو عشاء کہنا مکروہ سمجھے تو اس کے لئے حدیث میں دلیل ہے، اور یہ ترجمہ ذکر العشاء والعتمة کے لفظ سے قائم کیا اور آگے فرماتے ہیں ومن راٰہ واسعًا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کو عتمہ بھی کہہ سکتے ہیں کوئی کراہت نہیں ہے، حالانکہ جیسے مغرب کے سلسلہ میں لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَتَقُولُ الْأَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وارد ہوا ہے اسی طرح سے نماز عشاء کے بارے میں بھی حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہے لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ

Maktaba Tul Ishaat.com

عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْعِشَاءِ فَإِنَّهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ الْعِشَاءُ وَإِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْإِبِلِ، رواه مسلم وابن أبی شیبۃ وابن خزیمۃ وغیرھم۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مصنف نے مغرب میں تو یہ دیکھا کہ اس پر عشاء کا اطلاق کرنے سے منع کیا گیا ہے اور کہیں بھی مغرب پر عشاء کا اطلاق حدیث میں وارد نہیں، اور عشاء میں یہ دیکھا کہ اس کو عتمہ کہنے سے تو منع کیا گیا ہے لیکن احادیث میں اس پر عتمہ کا اطلاق بھی وارد ہوا ہے اس لئے مصنف نے دونوں کا انداز بدل دیا اور مغرب کے بارے میں من کرہ أن یقال المغرب العشاء کا ترجمہ منعقد کیا اور عشاء کے بارے میں ذکر العشاء والعتمۃ ومن راٰہ واسعاً ارشاد فرمایا۔

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي مُوسَى: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی یہ حدیث حضرت امام بخاری نے اگلے باب باب فضل العشاء میں موصولاً تخریج فرمائی ہے۔

اشکال یہ ہے کہ جب یہ حدیث بخاری کی شرط پر ہے اور صحیح ہے اور خود بخاری میں آ رہی ہے تو مصنف اس پر صیغۂ تمریض کیوں لائے، حالانکہ مشہور یہ ہے کہ جب مصنف کوئی تعلیق بصیغۂ جزم ذکر کرتے ہیں تب تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے اور اگر بصیغۂ تمریض لاتے ہیں تو وہ حدیث ان کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے، لہذا اس کو بصیغۂ جزم لانا چاہئے تھا۔

حافظ عراقی نے اس اشکال کا جواب التقیید والإیضاح میں دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ حضرت امام بخاری جہاں صیغۂ تمریض لاتے ہیں وہاں ضعف ہی کی طرف اشارہ ملحوظ ہوتا ہے یہ صحیح نہیں، بلکہ کہیں تو تضعیف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ صیغہ استعمال کرتے ہیں اور بعض اوقات یہ صیغہ خود اپنی روایت کے بارے میں اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ وہ روایت مصنف مختصر لاتے ہیں اور اختصارِ روایت؛ روایت بالمعنیٰ کے قبیل سے ہے اور روایت بالمعنیٰ میں کیوں کہ ائمہ کا اختلاف ہے اس لئے صیغۂ جزم کے بجائے صیغۂ تمریض ذکر فرماتے ہیں۔

فَأَعْتَمَ بِهَا: أعتم کے معنیٰ أخر کے بھی آتے ہیں اور دَخَلَ فِي وَقْتِ الْعَتَمَةِ کے بھی آتے ہیں لیکن حافظ ابن حجر نے پہلے ہی معنیٰ کو راجح قرار دیا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةُ أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعِشَاءِ: عائشہؓ کی روایت تو اسی صفحہ پر ہے اور ابن

Maktaba Tul Ishaat.com

عباسؓ کی روایت اگلے صفحہ پر آرہی ہے۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعَتَمَةِ: یہ روایت ص ۱۱۹ پر موصولاً آرہی ہے۔

وَقَالَ جَابِرٌ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الْعِشَاءَ: حضرت جابرؓ کی روایت اسی صفحہ پر آرہی ہے۔

وَقَالَ أَبُو بَرْزَةَ: ابو برزہؓ کی روایت ص ۷۵ پر گزر چکی ہے۔

وَقَالَ أَنَسٌ: حضرت انسؓ کی روایت اگلے ص ۸۱ پر آرہی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو أَيُّوبَ وَابْنُ عَبَّاسٍ: ابن عمرؓ اور ابوایوب انصاریؓ کی روایت ص ۲۲۷ پر موصولاً آرہی ہے اور ابن عباسؓ کی روایت ص ۷۷ پر موصولاً گزر چکی ہے۔

حضرت امام بخاری نے اس باب میں جو تعلیقات ذکر فرمائی ہیں ان کا مقصود یہ ہے کہ اس نماز کو نماز عشاء اور عتمہ کہنا دونوں لائق ہے، اور أعتم کے لفظ سے جو روایتیں ذکر فرمائی ہیں اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ لفظ عتمہ کہنا خلاف اولیٰ ہے، باقی أعتم کو أخر کے معنیٰ میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ: دیکھو تم اپنی اس رات کو کہ اس رات کے سو سال کے بعد کوئی ایسا شخص زندہ نہیں رہے گا جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہے۔

اس حدیث پاک سے علماء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حضرت خضر کی وفات ہو چکی ہے، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور میں ماقبل میں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت امام بخاری، ابراہیم الحربی، ابوالحسین المنادی، قاضی ابوبکر بن العربی المالکی، ابن جوزی، علامہ ابن تیمیہ وغیرہ حضرات کی یہی رائے ہے، لیکن ابوالقاسم سہیلیؒ، حافظ ابوعمرو بن صلاح، امام نووی اور صوفیاء قاطبۃً ان کی حیات کے قائل ہیں، اور بعض صوفیاء کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک مقام ہے مقامات ولایت میں سے۔

اسی حدیث پاک سے رتن ہندی کی تکذیب پر استدلال کیا گیا ہے جس نے چھ صدی گزر جانے کے بعد صحابیت کا دعویٰ کیا تھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۰) بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ أَوْ تَأَخَّرُوا

۵۶۵. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو – وَهُوَ ابْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ – قَالَ: سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ، وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ.

ترجمہ: باب، عشاء کے وقت کا بیان، جب لوگ جمع ہو جائیں یا دیر کریں۔

حضرت محمد بن عمرو (جو حضرت حسن بن علیؓ کے صاحب زادے ہیں) فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز سخت گرمی کے وقت پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ سورج ابھی زندہ ہوتا تھا اور مغرب کی نماز غروب آفتاب کے فوراً بعد اور عشاء اگر سب مقتدی آجاتے تو جلدی پڑھ لیتے اور اگر حاضرین کم ہوتے تو تاخیر فرمادیتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

تشریح: حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے ان لوگوں پر رد کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اگر نماز عشاء کو تعجیلاً پڑھا جائے تو عشاء کہیں گے اور اگر تاخیر سے پڑھا جائے تو عتمہ کہیں گے، علامہ عینی نے حافظ کی اس غرض پر تردید کی ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ مصنف کا ترجمہ اس پر دلالت کرتا ہی نہیں بلکہ حضرت مصنف اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عشاء کا وقت مستحب کیا ہے مصنف نے بتلادیا کہ اگر لوگ جمع ہو جائیں تو عجلت سے پڑھا جائے اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہو تو ذرا تاخیر سے پڑھا جائے، یہی علامہ سندی کی بھی رائے ہے۔

(ص ۸۰) بَابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ

۵۶۶. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ، وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يَفْشُوَ الْاسلَامُ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى قَالَ عُمَرُ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ فَقَالَ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ: مَا يَنْتَظِرُهَا

Maktaba Tul Ishaat.com

أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ.

٥٦٧. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِي الَّذِينَ قَدِمُوا مَعِي فِي السَّفِينَةِ نُزُولاً فِي بَقِيعِ بُطْحَانَ وَالنَّبِيُّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ فَكَانَ يَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ ﷺ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ نَفَرٌ مِنْهُمْ فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ ﷺ أَنَا وَأَصْحَابِي وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ فَأَعْتَمَ بِالصَّلَاةِ حَتَّى ابْهَارَّ اللَّيْلُ ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى بِهِمْ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ لِمَنْ حَضَرَهُ: عَلَى رِسْلِكُمْ أَبْشِرُوا إِنَّ مِنْ نِعْمَةِ اللهِ عَلَيْكُمْ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يُصَلِّي هَذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ أَوْ قَالَ: مَا صَلَّى هَذِهِ السَّاعَةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ - لَا يَدْرِي أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ قَالَ - قَالَ أَبُو مُوسَى: فَرَجَعْنَا فَرِحَى بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: باب، عشاء کی فضیلت کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت عروہ سے بیان کیا کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے نماز میں دیر کی اور یہ اسلام کے پھیلنے سے پہلے کا واقعہ ہے، چنانچہ آپ گھر سے نہیں نکلے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ عورتوں اور بچوں کو نیند آرہی ہے، پھر آپ تشریف لائے اور اہل مسجد سے فرمایا کہ روئے زمین پر تمہارے علاوہ اور کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ میں اور میرے وہ رفقاء جو میرے ساتھ کشتی میں آئے تھے، وادیٔ بطحان میں اترے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تھے، چنانچہ ہر رات میں ان لوگوں میں سے چند آدمی عشاء کی نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نوبت بہ نوبت آیا کرتے تھے، پھر اتفاق سے جس دن میں اور میرے چند ساتھی آئے تو اس دن رسول اللہ ﷺ کسی کام میں مشغول تھے اور آپ نے اس دن نماز میں تاخیر فرمادی، یہاں تک کہ آدھی رات ہوگئی، پھر آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ ذرا ٹھہرے رہئے، تمہیں یہ خوش خبری دیتا ہوں کہ تم پر یہ اللہ کی ایک نعمت ہے کہ اس وقت تمہارے علاوہ لوگوں میں سے کوئی نماز نہیں پڑھ رہا ہے، یا یہ فرمایا کہ تمہارے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اس وقت نماز پڑھی ہو، فرمایا کہ یہ معلوم نہیں کہ آپ نے ان دونوں جملوں میں سے کیا جملہ ارشاد فرمایا، حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہم لوگ بہت خوش خوش واپس ہوئے۔

تشریح: ترجمہ کی غرض تو ظاہر ہے کہ جیسے امام بخاری نے فضل صلاۃ العصر کا ترجمہ منعقد کیا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

ایسے ہی فضل صلاۃ العشاء کا ترجمہ بھی منعقد کیا، مگر حافظ ابن حجر نے اس پر اشکال یہ کیا ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں جو روایتیں ذکر کی ہیں ان دونوں روایتوں سے عشاء کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے پھر امام بخاری نے یہ ترجمہ دونوں روایتوں پر کیوں منعقد کیا ہے؟

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ غالباً حضرت امام بخاری کا یہ ترجمہ مَایَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ کے لفظ سے ماخوذ ہے، حافظ کہتے ہیں کہ اس صورت میں ترجمہ میں حذف ہے، تقدیر عبارت ہے باب فضل انتظار العشاء، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ پھر اس صورت میں مقصود انتظار کی فضیلت بیان کرنی ہوئی نہ کہ عشاء کی فضیلت حالانکہ امام بخاری صراحۃً عشاء کی فضیلت بیان کر رہے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مصنف کا ترجمہ روایات باب سے اس طور پر ثابت ہوتا ہے کہ روایات میں انتظار عشاء پر اظہار مسرت کیا گیا ہے تو اب امام بخاری نے یہاں سے یہ اخذ کر لیا کہ عشاء بڑی ذوالفضیلۃ شيءٌ اور بہت بڑی اہم عبادت ہے حتی کہ اس کے لئے انتظار مشروع ہوا ہے کہ اس کے اندر آدمی پر مشقت ہوتی ہے۔

علامہ سندی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اپنا ترجمہ یوں ثابت کیا ہے کہ دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز پڑھنے والے نگاہ شریعت میں بڑے مؤقر ہیں حتی کہ ان کی توصیف کی گئی ہے اور ان کو ان کے انتظار کرنے پر بشارت دی گئی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اپنا ترجمہ اس طور سے اخذ کیا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں ہے مَایَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صلاۃ عشاء اس امت کی خصوصیت ہے دیگر امتوں میں یہ نماز ہے ہی نہیں لہذا وہ اس کا انتظار نہیں کرتے، اور خصوصیت ذوالفضیلۃ چیز ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، اگر کسی چیز میں کوئی فضیلت نہ ہو تو اس کی وجہ سے کیا خصوصیت پیدا ہوگی، نیز روایات سے صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز امت محمدیہ کے خصائص میں سے ہے، ابوداؤد شریف کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلَى سَائِرِ الْأُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ تم اس نماز کے ذریعہ تمام امتوں پر فضیلت دیئے گئے ہو تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی ہے۔

مَایَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ: کوئی بھی اہل زمین میں سے تمہارے علاوہ اس نماز کا انتظار نہیں کرتا ہے، یہاں اشکال یہ ہے کہ جو مسلمان مدینہ کے علاوہ دوسری جگہوں میں رہتے ہوں گے ظاہر

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کہ وہ بھی انتظار کرتے رہے ہوں گے پھر مَایَنْتَظِرُهَا أحَدٌ مِنْ أهْلِ الْأرْضِ غَيْرُكُمْ ارشاد فرمانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اہل مدینہ ہی نماز بالجماعۃ کا اہتمام کرتے تھے اور اس کا انتظار کرتے تھے، اور اہل مکہ میں جو مستضعفین تھے وہ اپنا چھپ کر جب وقت ملتا تھا الگ الگ تنہا ہی پڑھ لیتا تھا، اور باقی بلاد میں اس وقت تک اسلام داخل نہیں ہوا تھا اور اگر کچھ اعراب ادھر ادھر مسلمان ہوں گے بھی تو وہ بھی بلا انتظار جس وقت موقع ملتا ہو گا پڑھ لیتے ہوں گے۔

نُزُولًا فِي بَقِيعِ بُطْحَانَ: نزول، نازل کی جمع ہے، بقیع وہ زمین کہلاتی ہے جو وسیع ہو اور اس میں اشجار ہوں یا اشجار کے اصول اور اس کی جڑیں ہوں، بطحان کو تمام محدثین بضم الباء وسکون الطاء پڑھتے ہیں لیکن اہل لغت بَطِحان بفتح الباء وکسر الطاء کہتے ہیں کذا نقلہ النووی۔

وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ: اور حضور ﷺ کو کوئی ضرورت در پیش تھی، طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ اس وقت لشکر کی تیاری میں مشغول تھے۔

عَلَى رِسْلِكُمْ: ٹھہرے رہو، انتظار کرتے رہو۔

(ص ۸۰) بَاب مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ

٥٦٨. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا.

ترجمہ: باب، اس کا بیان کہ عشاء سے پہلے سونا مکروہ ہے۔

حضرت ابو برزہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

تشریح: عشاء سے پہلے سونا مکروہ ہے، لیکن مصنف نے علی الاطلاق ارشاد نہیں فرمایا بلکہ فرماتے ہیں مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انواعِ نوم مکروہ ہیں اور بعض انواعِ نوم مکروہ

Maktaba Tul Ishaat.com

نہیں ہیں، اگلے ترجمہ کی مدد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر آدمی عشاء سے پہلے بغیر مجبوری کے سوتا ہے تو یہ مکروہ ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم نوم قبل العشاء کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اور بعض نے صرف رمضان شریف میں خاص طور سے عشاء سے پہلے سونے کی گنجائش دی ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد طویل قیام کی ضرورت پیش آتی ہے لہذا اگر آدمی تھوڑی سی نیند حاصل کرلے تو اس کے بعد رات کا بیدار رہنا آسان ہو جائے گا، فقہاء احناف نے اپنی اپنی کتابوں میں عشاء سے پہلے سونے کو مکروہ لکھا ہے، صاحب برہان، صاحب رد المحتار اور صاحب در مختار علامہ شامی نے بھی یہی لکھا ہے مگر امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عشاء سے پہلے سوئے اور کسی کو جگانے کے لئے مقرر کردے تو اس کے حق میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

(ص ۸۰) بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ

٥٦٩. حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْعِشَاءِ حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ: الصَّلَاةَ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ، فَقَالَ: مَا يَنْتَظِرُهَا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ، قَالَ: وَلَا يُصَلَّى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِينَةِ، قال: وَكَانُوا يُصَلُّونَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ.

٥٧٠. حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَأَخَّرَهَا حَتَّى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ رَقَدْنَا ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ: لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُبَالِي أَقَدَّمَهَا أَمْ أَخَّرَهَا إِذَا كَانَ لَا يَخْشَى أَنْ يَغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ وَقْتِهَا وَقَدْ كَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا. قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ...

٥٧١. وَقَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ حَتَّى رَقَدَ

Maktaba Tul Ishaat.com

النَّاسُ وَاسْتَيْقَظُوا وَرَقَدُوا وَاسْتَيْقَظُوا فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: الصَّلَاةَ، قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَخَرَجَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الآنَ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوهَا هَكَذَا، فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رَأْسِهِ يَدَهُ كَمَا أَنْبَأَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَبَدَّدَ لِي عَطَاءٌ بَيْنَ أَصَابِعِهِ شَيْئًا مِنْ تَبْدِيدٍ ثُمَّ وَضَعَ أَطْرَافَ أَصَابِعِهِ عَلَى قَرْنِ الرَّأْسِ ثُمَّ ضَمَّهَا يُمِرُّهَا كَذَلِكَ عَلَى الرَّأْسِ حَتَّى مَسَّتْ إِبْهَامُهُ طَرَفَ الأُذُنِ مِمَّا يَلِي الْوَجْهَ عَلَى الصُّدْغِ وَنَاحِيَةِ اللِّحْيَةِ لَا يَعْصِرُ وَلَا يَبْطُشُ إِلَّا كَذَلِكَ، وَقَالَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوا هَكَذَا.

ترجمہ: باب، نیند کا غلبہ ہو تو عشاء سے پہلے سونے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز دیر سے پڑھی، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے حضور پاک ﷺ کو پکار کر کہا نماز! عورتیں اور بچے سو گئے، چنانچہ آپ حجرے سے نکلے اور فرمایا کہ اہل زمین میں سے تمہارے علاوہ کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے، راوی کہتا ہے کہ ان دنوں مدینہ کے علاوہ اور کسی جگہ نماز نہیں ہوتی تھی اور عشاء کی نماز غروب شفق کے بعد سے رات کے ایک تہائی حصہ کے درمیان پڑھی جاتی تھی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک رات میں عشاء کی نماز کے وقت مشغولیت پیش آگئی تو آپ نے نماز کو مؤخر فرمادیا یہاں تک کہ ہم لوگ مسجد میں سو گئے پھر بیدار ہوئے پھر سو گئے پھر بیدار ہوئے، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ اہل زمین میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہارے علاوہ نماز کا انتظار کر رہا ہو۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ عشاء کی نماز کو جلدی پڑھیں یا دیر سے پڑھیں بشرطیکہ انہیں اس کا اندیشہ نہ ہو کہ نماز کے وقت نیند سے مغلوب ہو جائیں گے اور کبھی وہ عشاء سے پہلے سو جاتے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت جو نافع سے سنی تھی عطاء بن ابی رباح سے بیان کی تو عطاء نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر فرمائی یہاں تک کہ لوگ سو گئے اور بیدار ہوئے پھر سو گئے اور بیدار ہوئے، پھر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نماز کے لئے کہا۔

عطاء کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ حجرے سے نکلے گویا میں اس وقت بھی آپ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ ﷺ اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر رکھے ہوئے تھے، پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر اس بات کو مشقت کا سبب نہ سمجھتا تو یہ حکم دیتا کہ وہ اسی وقت یہ نماز پڑھا کریں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے اس سلسلہ میں عطاء سے مزید تحقیق کی درخواست کی کہ جیسے ابن عباسؓ نے آپ کو بتلایا تھا آپ بھی مجھے بتلائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سر پر اپنے ہاتھ کو کیسے رکھا تھا؟ تو عطاء نے اپنی انگلیاں قدرے کشادہ کیں، پھر انگلیوں کے کنارے سر کے کونے پر رکھے، پھر انگلیوں کو سر پر اس طرح گزارا کہ انگوٹھے نے کانوں کے اس کنارے کو مس کیا جو کنپٹی پر داڑھی کے کونے پر چہرے کے قریب ہے، نہ آپ اس میں کمی کر رہے تھے اور نہ مضبوط پکڑ رہے تھے، بس ایسے کر رہے تھے جیسے میں کر رہا ہوں اور پھر فرمایا کہ اگر میں اپنی امت کے لئے باعث مشقت نہ سمجھتا تو ان کو حکم دیتا کہ عشاء کی نماز اسی وقت پڑھا کریں۔

تشریح: نوم قبل العشاء کے سلسلہ میں دو طرح کی روایات وارد ہوئی ہیں، ایک تو وہ روایتیں ہیں جن سے کراہت معلوم ہوتی ہے جیسے ابو برزہؓ کی روایتِ بالا، دوسرے وہ روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت نہیں ہے، حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے نماز عشاء میں تاخیر فرمادی تو حضرت عمرؓ کہنے لگے نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھائی لیکن نوم پر آپ نے کوئی اظہار نکیر نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ نوم قبل العشاء میں کوئی کراہت نہیں ہے، ابن عمرؓ کی روایت میں بھی یہ مضمون مذکور ہے اور بعض وقت ابن عمرؓ عشاء سے پہلے سو بھی جایا کرتے تھے۔

ان روایات متعارضہ میں علماء نے مختلف طرح سے جمع کیا ہے، ۱ مصنف نے ان روایات متعارضہ میں اس ترجمۃ الباب سے اس طرح جمع کیا ہے کہ کراہت اس شخص کے حق میں ہے جس پر نیند کا غلبہ نہ ہو اور جو مغلوب النوم ہو تو وہ سو سکتا ہے اس کے لئے کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اور غالباً امام بخاری نے غلبۂ نوم کو اپنے طور پر روایت سے یوں اخذ کیا ہے کہ مسجد میں آنے کے بعد جو لوگ سوئیں گے وہ ظاہر ہے کہ بالقصد نہیں سو سکتے ہیں لامحالہ ان کا یہ سونا بدرجۂ مجبوری نیند کے غلبہ ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

۲ بعض علماء نے یوں جمع کیا ہے کہ اگر دخولِ وقت عشاء سے پہلے سوئے تو یہ مباح ہے اور اگر دخولِ وقت عشاء کے بعد سوئے تو ممانعت ہے اور کراہت کا محمل، حافظ ابن حجر نے یہ جمع امام طحاوی کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اللہ اعلم اس جمع کی کیا نوعیت ہے کہ طحاوی نے اس کو ذکر کیا بھی ہے یا نہیں؟

۳ امام طحاوی سے علامہ شامی وغیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ کراہت اس شخص کے حق میں ہے جو کسی کو مقرر کئے بغیر سو جائے اور اگر مقرر کر کے سوئے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

۴ اور بعضوں نے یوں جمع کیا ہے کہ اگر نومِ مُستَغرِق (گہری نیند) ہو تو مکروہ ہے اور اگر یوں ہی جھپکی سی آجائے تو کوئی کراہت نہیں۔

۵ بعض کہتے ہیں کہ اجازت واباحت کا تعلق رمضان سے ہے اور کراہت کا تعلق غیر رمضان سے ہے۔

وَكَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا: أی وقد كان ابن عمر يرقد قبل العشاء، عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے بطریق ایوب عن نافع نقل کیا ہے أن ابن عمر كان ربما رقد عن العشاء الآخرة ويأمر أن يوقظوه، مصنف نے حضرت ابن عمرؓ کے رقود کو غلبۂ نوم پر محمول کیا ہے، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی فرماتے ہیں وهو اللائق بحال ابن عمر۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَخَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ: علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا واقعہ ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ فتح مکہ کے بعد سن ۸ ہجری میں مدینہ منورہ آئے ہیں اور پہلا واقعہ جس کو ابن عمرؓ نقل کرتے ہیں وہ مقدم ہے اس میں تو ہے لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ۔

فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رَأْسِهِ يَدَهُ: یہ ابن جریج کا مقولہ ہے، یوں فرماتے ہیں کہ جب عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث نقل کی فَخَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ تو میں نے عطاء سے پوچھا کہ ابن عباسؓ نے حضور اکرم ﷺ کے سر پر ہاتھ رکھنے کو جس طرح سے بتایا ہو اس طرح سے ہم کو بتلادو، فَبَدَّدَ لِي عَطَاءٌ بَيْنَ أَصَابِعِهِ شَيْئًا مِنْ تَبْدِيدٍ ثُمَّ وَضَعَ أَطْرَافَ أَصَابِعِهِ عَلَى قَرْنِ الرَّأْسِ ثُمَّ ضَمَّهَا يُمِرُّهَا كَذٰلِكَ عَلَى الرَّأْسِ، عطاء نے ابن جریج کے جواب میں عملی طور پر ہاتھ کو کرکے دکھلایا، پہلے تو انگلیوں میں تھوڑی سی تفریق کی اس کے بعد انگلیوں کے اطراف کو سر کے جانبین پر رکھا اور پھر انگلیاں ملالیں اور اس کے بعد اسی طرح سے سر پر ہاتھ گزارتے ہوئے گئے یہاں تک کہ انگوٹھے کان کے اس جانب سے مس کرنے لگے جو چہرہ کی طرف کنپٹیوں پر ہے ڈاڑھی کی جانب میں۔

لَا يعصرُ وَلَا يَبْطُشُ إِلَّا كَذٰلِكَ: نہیں نچوڑتے تھے اور نہ پکڑتے تھے مگر اسی طرح، کشمیہنی، ابو محمد اصیلی اور حموی کے نسخہ میں اسی طرح سے واقع ہوا ہے اور اکثر روایات میں ہے لَا يُقَصِّرُ تقصیر سے أی لا يبطئ، اور وَلَا يَبْطُشُ أی ولا يستعجل نہ تاخیر کرتے تھے اور نہ تعجیل کرتے تھے مگر اسی طرح سے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۱) بَاب وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ

وقال أبو برزة: كان النَّبِيُّ ﷺ يستحب تأخيرها.

۵۷۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ الْمُحَارِبِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلَّى ثُمَّ قَالَ: قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوا، أَمَا إِنَّكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا.

وَزَادَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ سَمِعَ أَنَسًا: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ لَيْلَتَئِذٍ.

ترجمہ: باب، عشاء کا وقت نصف رات تک ہے۔

اور حضرت ابو برزہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا پسند کرتے تھے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز کو آدھی رات تک مؤخر فرمادیا، پھر نماز پڑھائی اور فرمایا کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی اور سوگئے۔ خبردار! تم لوگ جب تک نماز کا انتظار کر رہے ہو اس وقت تک نماز ہی میں ہو، ابن ابی مریم نے اپنی سند کے ساتھ یہ اضافہ اور کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ گویا میں اب بھی حضور ﷺ کی اس رات میں انگوٹھی کی چمک کو دیکھ رہا ہوں، یعنی مجھے پوری باتیں مستحضر ہیں۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے عشاء کے وقت آخر کو بیان فرمایا ہے، عشاء کا وقتِ اوّل تو شروع ہوتا ہے غیبوبتِ شفق پر علی اختلافهم فی تعیین الشفق، اور اس کے وقتِ آخر کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ کب تک رہتا ہے؟

ابو محمد بن حزم ظاہری اور ابو سعید اصطخری جو اکابر شافعیہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ نصف لیل تک عشاء کا وقت ہے اور اس کے بعد عشاء قضاء ہو جائے گی۔

جمہور علماء جس میں ائمۂ اربعہ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ عشاء کا وقت طلوع فجر صادق تک رہتا ہے۔

ابو سعید اصطخری اور ان کے موافقین کی دلیل حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے جو مسلم شریف میں وارد ہوئی ہے ووقت العشاء إلیٰ نصف اللیل، لیکن جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ تا طلوع صبح صادق

Maktaba Tul Ishaat.com

وقت رہتا ہے مگر کوئی صریح روایت اس مضمون میں وارد نہیں ہوئی ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے ولم أر في امتداد وقت العشاء إلی طلوع الفجر حديثا صريحا يثبت، میں نے امتداد وقت العشاء تا طلوع فجر کے باب میں کوئی ایسی حدیث نہیں دیکھی جو صریح اور صحیح بھی ہو اور ثابت بھی۔

بعض لوگوں نے حضرت ابو قتادہؓ کی حدیث لَا تَفْرِيطَ فِي النَّوْمِ، إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقَظَةِ حَتَّى يَجِيءَ وَقْتُ الصَّلَاةِ الْأُخْرَى سے استدلال کیا ہے، حاصل استدلال یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے اوقات کے اوّل وآخر ایک دوسرے سے متصل ہیں، ہاں اس سے فجر وظہر مستثنیٰ ہیں بالاجماع والنصوص، لہٰذا عشاء کا وقت فجر کے اوّل وقت سے متصل ہوگا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عشاء کا وقتِ ممتد تا طلوع فجر ہو۔

امام بخاری کا رجحان کیا ہے: حضرت امام بخاری نے اس باب میں تصریح کی ہے وَقْتُ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، لیکن یہاں پر بخاری کے اس ترجمہ میں احتمال پیدا ہو گیا کہ آیا وہ ابن حزم وغیرہ کے ہم خیال ہیں یا جمہور کے ہم خیال ہیں اور اس ترجمۃ الباب سے عشاء کے وقت مستحب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس احتمال کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں ایک تعلیقاً وَقَالَ أَبُو بَرْزَةَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ تَأْخِيرَهَا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری جمہور کے مسلک کی طرف مائل ہیں اور وقت مستحب بتلانا چاہتے ہیں، اور دوسرے حضرت انسؓ کی روایت أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف؛ ابن حزم کے مسلک کی طرف مائل ہیں، لیکن اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب آپ نے صلاۃ عشاء کو نصف اللیل تک مؤخر کیا تو اب عشاء کی نماز فی النصف الثانی پائی گئی اور جب نصف ثانی میں عشاء ادا ہوئی تو لامحالہ جیسے نصف اوّل عشاء کے لئے وقت ثابت ہوا ایسے ہی نصف ثانی بھی عشاء کے لئے وقت بن گیا فإنه لا قائل بالفصل۔

عشاء میں تعجیل افضل یا تاخیر: عشاء کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کی تعجیل افضل ہے یا تاخیر؟ جمہور تو تاخیر کے قائل ہیں اور امام شافعی کا قول جدید یہی ہے، مگر ان کا قول قدیم اور کتاب الاملاء جو ان کی کتب جدیدہ میں ہے اسکی تصریح ہے کہ تعجیل افضل ہے اور عام شافعیہ نے تعجیل ہی کو راجح قرار دیا ہے، امام نووی نے تاخیر کو مستحب قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر کا فیصلہ یہ ہے کہ روایت پر نظر کرتے ہوئے تو تاخیر افضل معلوم ہوتی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے لیکن نظر کا تقاضہ یہ ہے کہ جیسے مصلی ہوں إذا رآهم اجتمعوا اعجل وإذا رآهم أبطئوا أخّر جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت میں گزرا ہے۔

پھر جو لوگ تاخیر کے قائل ہیں ان میں سے امام مالک تو فرماتے ہیں کہ ثلث لیل تک تاخیر افضل ہے، اور باقی حضرات حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں دو قول ہیں، ایک ثلث لیل تک مؤخر کرنے کا اور دوسرا نصف لیل تک، اور ثلث لیل والا قول ارجح ہے، ان حضرات نے استدلال اس سے کیا ہے کہ رسول پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ثلث لیل تک مؤخر کرتے تھے، روایت میں ہے وَكَانُوا يُصَلُّونَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ ثلث لیل اوّل تک عشاء پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ الْمُحَارِبِيُّ: عبد الرحیم محاربی امام بخاری کے قدماء مشائخ میں سے ہیں بخاری شریف میں اِن کی صرف یہی ایک حدیث ہے۔

وَزَادَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: مصنف نے ابن ابی مریم کا طریق اس لئے نقل کیا ہے کہ طریق اوّل میں ہے عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، حمید طویل مدلّس ہیں اور انہوں نے یہ روایت عنعنہ سے نقل کی ہے لہٰذا مصنف نے ابن ابی مریم کا طریق ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ یہاں حمید طویل نے تدلیس سے کام نہیں لیا ہے بلکہ یہ روایت انہوں نے حضرت انسؓ سے سنی ہے اور سماع کی تصریح وارد ہے۔

(ص ۸۱) بَاب فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَالْحَدِيثِ

۵۷۳. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ اسمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ قَالَ: قَالَ لِي جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا لَا تُضَامُّونَ أَوْ لَا تُضَاهُونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا، ثُمَّ قَالَ: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: زَادَ ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اسمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: سَتَرَوْنَ

Maktaba Tul Ishaat.com

رَبَّكُمْ عِيَانًا.

٥٧٤. حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

وَقَالَ ابْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ أَخْبَرَهُ بِهٰذَا.

حَدَّثَنَا اسحاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: ثَنَا أَبُو جَمْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

ترجمہ: باب، نماز فجر کی فضیلت کا بیان اور اس سلسلے میں وارد حدیث کی فضیلت، یا نماز فجر کی فضلیت اور عشاء کے بعد کی گفتگو کا بیان۔

حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو (قیامت میں) اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمہیں کوئی دشواری نہیں ہوگی، یا یہ فرمایا کہ تمہیں کوئی اشتباہ نہ ہوگا، تو اگر یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب سے پہلے کی نماز اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز میں کسی مشغولیت سے مغلوب نہ ہو جاؤ تو ایسا کرنا، پھر یہ آیت پڑھی ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا﴾ پس طلوع اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح بیان کرو۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ ابن شہاب نے اسماعیل عن قیس کے واسطے سے حضرت جریر سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے پروردگار کو کھلی آنکھوں سے دیکھو گے۔

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو دو ٹھنڈے وقتوں کی نمازیں (نماز فجر اور عصر) پڑھے گا وہ جنت میں جائے گا۔ عبد اللہ بن رجاء نے بیان کیا کہ ہم سے ہمام نے بواسطہ ابو حمزہ بیان کیا کہ ابو بکر بن عبد اللہ بن قیس نے یہ حدیث ان سے بیان کی ہے۔ اسحاق بن منصور نے بیان کیا کہ ہم سے حبان بن ہلال نے کہا کہ ہم سے ہمام بن یحیٰ نے بیان کیا کہ ہم سے ابو جمرہ نصر بن عمران نے اور ان سے ابو بکر بن عبد اللہ بن قیس نے اور انہوں نے اپنے باپ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کا پہلا جزء تو ظاہر ہے کہ حضرت امام بخاری صلاۃ فجر کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں اور جیسے ماقبل میں مصنف نے فضل العشاء اور فضل العصر کو بیان کیا تھا ایسے ہی یہاں پر فضل الفجر کو

Maktaba Tul Ishaat.com

بیان فرمارہے ہیں، لیکن یہ اگلا جزء الحدیث بڑا مشکل بنا ہوا ہے اور اسی لئے یہ ترجمہ مشکلات التراجم میں سے ہو گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا رجحان تو یہ ہے کہ یہ الحدیث کا لفظ وہم ہے اس لئے کہ جن جن حضرات نے بخاری پر مستخرجات لکھے ہیں ان کی روایتوں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور مزید یہ ہے کہ حضرت امام بخاری ماقبل میں ایک ترجمہ فضل صلاۃ العصر منعقد کر آئے ہیں، جیسے وہاں جریر کی روایت نقل کی تھی ایسے ہی یہاں پر بھی جریر کی، تو پھر و الحدیث فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟

حافظ کہتے ہیں کہ ممکن ہے اگر یہ لفظ ثابت ہو تو یہ کہا جائے کہ اس میں تحریف ہو گئی ہے اصل میں تھا فضل صلاۃ الفجر و العصر، محرف ہو کر و العصر کا و الحدیث بن گیا، مگر اس توجیہ کو دل قبول نہیں کرتا ہے، بخاری فضل صلاۃ العصر کو تو مستقل بیان کر آئے ہیں تو اس پر تکرار کرنے کی ضرورت کیا تھی؟

علامہ کرمانی اور ان کی اتباع میں شیخ الاسلام زکریا انصاری اور دوسرے شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے بیان الحدیث الوارد فی فضل الفجر، گویا امام بخاری نے ترجمہ میں دو باتیں ذکر کی ہیں، ایک تو یہ کہ صلاۃ فجر ذو الفضیلۃ عبادت ہے اور دوسرے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اُس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا جائے گا جو فجر کی فضیلت کے بارے میں ہے، مگر یہ توجیہ بہت ہی رکیک اور پوچ ہے، ظاہر ہے کہ جب بخاری نے فضل فجر کا دعویٰ کیا ہے تو اس دعویٰ کے لئے یقیناً وہ حدیث پیش کریں گے جس میں فجر کی فضیلت وارد ہو اس کے بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

حضرت گنگوہی سے منقول ہے کہ یہاں الحدیث سے مراد الکلام ہے اور مصنف کا مقصود یہ ہے کہ سنت فجر کے بعد آیا کلام کرنا مکروہ ہے یا نہیں؟ لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے اس کے لئے ایک مستقل ترجمہ ابواب تطوع میں ص ۱۵۶ پر منعقد کیا ہے باب الحدیث بعد رکعتی الفجر، الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ اُس ترجمہ کا تعلق سنتوں کے بعد کلام سے ہے اور یہاں پر حدیث سے مراد فرض کے بعد کلام سے ہے، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ فرض کے بعد بات چیت کرنا کسی نص سے ناجائز معلوم نہیں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت امام بخاری نے اس سے حدیث بعد العشاء مراد لی ہو اور مصنف کو اس پر تنبیہ کرنا ہو، میں کہتا ہوں کہ یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت امام بخاری نے

Maktaba Tul Ishaat.com

بارہ باب کے بعد ایک مستقل ترجمہ باب مایکرہ من السمر بعد العشاء منعقد کیا ہے۔
اقرب یہ ہے کہ یہ لفظ بظاہر کسی کاتب ہی کا وہم ہے۔

حدثنا مسدد: حضرت جریرؓ کی یہ روایت باب فضل صلاۃ العصر میں گزر چکی ہے وہاں روایت پر کلام ہو چکا ہے، یہاں پر ہے إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ یہ ہمارے ہندی نسخوں میں کاتب کی غلطی ہے، اور صحیح ہے إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ۔

مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ: بردین سے مراد طرفی النہار ہے، ان کو بردین سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس وقت میں ٹھنڈک ہوا کرتی ہے، سایہ ہوتا ہے، اور اس سے مراد خطابی اور قرطبی کے بیان کے مطابق صلاۃ فجر وعصر ہے، ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ اس میں مغرب کی نماز بھی داخل ہے۔

ملا علی قاری نے مرقات میں یہ لکھا ہے کہ ممکن ہے اس سے فجر وعشاء کی نماز مراد ہو اس لئے کہ فجر طرفی النہار کی پہلی نماز ہے اور عشاء آخری نماز ہے مگر میرے نزدیک یہ توجیہ بعید ہے۔

دَخَلَ الْجَنَّةَ: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی آدمی فجر وعصر پر مداومت کر لے تو اس کے جنت میں داخل ہونے کے لئے یہ کافی ہے تو اس حدیث سے اور نمازوں کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ہے، بعض علماء نے تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اصل میں یہ نمازیں ایسے وقت میں آتی ہیں جو راحت کا وقت ہے اور جب آدمی راحت کے اوقات اور اپنے آرام کو قربان کر کے نماز میں شریک ہو سکتا ہے تو باقی نمازوں میں بدرجۂ اولیٰ شرکت کر سکتا ہے۔

امام بزار فرماتے ہیں کہ یہ مَنْ شرطیہ نہیں ہے بلکہ موصولہ ہے اور مطلب یہ ہے اَلَّذِيْنَ صَلَّوْا الْبَرْدَيْنِ دَخَلُوْا الْجَنَّةَ، یعنی جن لوگوں نے صرف دو ہی نمازیں پڑھی ہیں وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے، چونکہ صلوات خمسہ کی مفروضیت سے پہلے صرف دو نمازیں فرض ہوئی تھیں عصر اور فجر کی کما قالہ إبراهيم الحربی ویحیی بن سلام تو حضور ﷺ نے ان کے بارے میں یہ ارشاد فرمادیا کہ وہ لوگ بھی جنت میں داخل ہوں گے، لیکن راجح یہ ہے کہ یہ مَنْ شرطیہ ہے اور اس سے فجر وعصر کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

حَدَّثَنَا اسحاق: حافظ ابو علی غسانی جیانی فرماتے ہیں کہ یہ اسحاق بن منصور ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۱) بَاب وَقْتِ الْفَجْرِ

۵۷۵. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ أَنَّهُمْ تَسَحَّرُوا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ، قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسِينَ أَوْ سِتِّينَ - يَعْنِي آيَةً -.

۵۷۶. حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ سَمِعَ رَوْحَ بْنَ عُبَادَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُورِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى، قُلْنَا لِأَنَسٍ: كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: قَدْرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً.

۵۷۷. حَدَّثَنَا اسمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ أَخِيهِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ: كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي ثُمَّ تَكُونُ سُرْعَةٌ بِي أَنْ أُدْرِكَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

۵۷۸. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ: كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ حِينَ يَقْضِينَ الصَّلَاةَ لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ.

ترجمہ: باب، فجر کے وقت کا بیان۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے اور صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر وہ سب فجر کی نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ میں نے پوچھا کہ سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھنے کے بقدر۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور زید بن ثابتؓ نے سحری کھائی، جب سحری سے فارغ ہوگئے

Maktaba Tul Ishaat.com

تو رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھائی، ہم نے حضرت انسؓ سے کہا کہ سحری سے فارغ ہو کر نماز شروع کرنے تک کتنا فاصلہ تھا؟ تو فرمایا کہ جتنے وقت میں ایک انسان پچاس آیتیں پڑھ سکے۔

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل میں سحری کھاتا تھا، پھر مجھے جلدی ہوتی تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لوں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مشرف بایمان عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز میں چادریں اوڑھے یا لپیٹے ہوئے حاضر ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو نماز سے فراغت کے بعد ایسے وقت میں واپس ہو جاتیں کہ انہیں کوئی آخری شب کی تاریکی میں پہچان نہ سکتا تھا۔

تشریح: حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے فجر کا وقت ابتدائی بیان کرنا چاہتے ہیں لیکن مصنف کے پاس کوئی ایسی صریح روایت نہیں ہے جس سے صراحۃً فجر کا ابتدائی وقت معلوم ہو سکے اس لئے مصنف نے اپنی شرط کے موافق سحور کی روایات ذکر کر کے اپنا ترجمہ مستنبط وماخوذ فرمایا ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سحری کھانے کے تھوڑی دیر کے بعد آنحضور ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، روایات میں یہ تصریح ہے کہ سحری کے اختتام اور نماز کے افتتاح میں پچاس ساٹھ آیتیں پڑھنے کے بقدر فاصلہ ہوتا تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ کل چار منٹ کا فاصلہ ہوتا تھا، اس سے معلوم ہو گیا کہ عین طلوع صبح صادق کے وقت فجر کا وقت ہو جاتا ہے جب ہی تو حضور پاک ﷺ اس کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

حدثنا عمرو بن عاصم: اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث زید بن ثابتؓ کے مسانید میں سے ہے، جس طرح ہمام نے قتادہ سے نقل کر کے اس کو مسانید زید میں قرار دیا ہے اسی طرح سے ہمام کے دوسرے رفیق ہشام دستوائی نے قتادہ سے نقل کیا ہے جو بخاری کی کتاب الصیام میں آرہی ہے، لیکن سعید بن ابی عروبہ نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے اور یہ روایت قتادہ سے نقل کر کے اس کو مسانید انس بن مالک میں قرار دیا ہے، امام مسلم کا رجحان اول کی جانب ہے اس واسطے انہوں نے صرف ہمام کا طریق نقل فرمایا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان دونوں میں یوں جمع فرمایا ہے کہ اصل میں زید بن ثابتؓ سحری کھانے میں حضور پاک ﷺ کے ساتھ شریک تھے اور حضرت انسؓ سحری کھانے میں شریک نہیں تھے، اور اس کو حافظ نے نسائی کی ایک روایت سے مؤید کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے سحری کھانے کے بعد انسؓ کو فرمایا کہ جاؤ دیکھو

Maktaba Tul Ishaat.com

کسی کو بلا کر لاؤ وہ زید بن ثابتؓ کو بلا کر لے آئے۔

مگر اس پر حضرت شیخ کو اور اسی طرح علامہ عینی کو اشکال ہے کہ حضور پاک ﷺ سے یہ بعید ہے کہ آپ حضرت زیدؓ کو تو اپنے ساتھ سحری میں شریک فرمائیں اور حضرت انس بن مالکؓ جو ایک خادم خاص تھے شریک نہ فرمائیں، اس لئے اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے زیدؓ شریک تھے ایسے ہی انسؓ بھی تھے اس لئے گاہے حضرت انسؓ براہ راست نقل کرتے تھے اور گاہے حضرت زیدؓ کے واسطے سے نقل کیا کرتے تھے۔

لیکن حضرت کے اشکال کا جواب ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت انسؓ اپنے گھر سحری کھا کر آئے ہوں اس لئے وہ شریک نہیں ہوئے اور حضرت زیدؓ نے کسی وجہ سے کھانا نہ کھایا ہو اس لئے شریک فرمالیا گیا۔

حدثنا إسماعيل بن أبي اويس: اس حدیث سے بھی مصنف نے یہ اخذ فرمایا ہے کہ فجر کا وقت طلوع صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے اس واسطے کہ حضرت سہلؓ سحری سے فراغت کے بعد فوراً آنحضور کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے عجلت کیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ سحری سے فوراً چند منٹ ہی کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب طلوع صبح صادق پر وقت فجر ہو جاتا ہو۔

كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ: نِساءُ الْمُؤْمِناتِ؛ كُنَّ کی ضمیر سے بدل واقع ہو رہا ہے یا اس کا بیان ہے، اور نساء کی اضافت مؤمنات کی طرف من قبیل اضافۃ الموصوف إلى الصفۃ ہے، کوفیہ کے نزدیک تو کسی توجیہ کی ضرورت نہیں، ہاں بصریہ کے مسلک پر اس کی توجیہ کی جائے گی نساء الأنفس المؤمنات یا نساء الجماعۃ المؤمنات، اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں نساء بول کر فاضل عالم عورتیں مراد ہیں جیسے کہا جاتا ہے رجال القوم یعنی فضلاء القوم، اس صورت میں کسی توجیہ کی ضرورت نہیں کیوں کہ نساء المؤمنات کے معنی ہو گئے فاضلات المؤمنات۔

مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ: لپٹی ہوئی ہوتی تھیں اپنی چادروں کے اندر، تلفُّع اور تلفُّح کا فرق ماقبل میں بیان کر چکا ہوں، مروط مِرْط کی جمع ہے میم کے کسرہ کے ساتھ، اون یا اسی طرح کسی چیز کی چادر ہوتی ہے جس کو بطور ازار استعمال کر لیا جاتا ہے اور بعض وقت اوڑھ لیا جاتا ہے۔

ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ: پھر اپنے گھروں کو لوٹتی تھیں نماز سے فراغت پر۔

لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ: کوئی ان کو غلس کی وجہ سے نہیں پہچانتا تھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نہ پہچاننے سے کیا مراد ہے؟ علامہ داؤدی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ یہ مرد ہیں یا عورتیں، اور بعض حضرات فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ فاطمہ ہیں یا زینب۔

علامہ عینی نے امام بخاری پر اشکال کیا ہے کہ یہ روایت ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے اور اس سے فجر کا وقت طلوع فجر کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ نماز غلس میں ختم ہوتی ہے اور غلس میں اسی وقت ختم ہو سکتی ہے جبکہ اس کا وقت اوّلِ فجر ہو، اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ مصنف مطلقاً فجر کا وقت بیان کرنا چاہتے ہیں چاہے اوّل ہو یا اوسط ہو، اس صورت میں مطابقت ظاہر ہے۔

فجر میں اسفار افضل یا غلس: اس حدیث پاک سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز غلس میں ادا کرنا افضل ہے، ان کا استدلال حضرت عائشہؓ کی روایت لا یعرفهن أحد من الغلس سے ہے، یہی حضرات ائمۂ ثلاثہ کا مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ اسفار میں افضل ہے، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی یہی منقول ہے اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلأَجْرِ۔

اسفار کے قائلین نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کا مختلف طریقوں سے جواب دیا ہے اور غلس کے قائلین اسفار والی روایتوں کی توجیہ کرتے ہیں۔

اسفار کی روایت کا جواب: ان میں سب سے زیادہ ایک مشہور توجیہ یہ نقل کی جاتی ہے جو خود حضرت امام شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ جب فجر کا تبیّن ہو جائے اور فجر واضح ہو جائے تب نماز پڑھو اس میں اجر زیادہ ہے۔

اس پر اعتراض: علامہ جمال الدین زیلعی حنفی اور اسی طرح سے علامہ ابن ہمام نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنے والوں کا اجر زیادہ اور جو اس سے پہلے نماز پڑھ لیں ان کا اجر کم ہے مگر نفس اجر میں دونوں شریک ہیں، اور جو توجیہ آپ نے کی ہے اس صورت میں اجر

Maktaba Tul Ishaat.com

کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ نماز ہی نہیں ہوگی اس لئے کہ جب تک صبح صادق نہ ہو جائے اس سے پہلے وقت ہی نہیں ہوا تو نماز کیسے ہوگی اور اس پر اجر کیسے مرتب ہوگا؟

اعتراض کا جواب: اس اشکال کے شافعیہ کی طرف سے کئی جواب ہیں۔

(۱) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق کے طلوع کے ساتھ ہی نماز نہ پڑھو جس کی وجہ سے بعض آدمیوں کو جنہیں مواقیت کے قوانین سے واقفیت نہیں ہے شک وشبہ کا موقع باقی رہے بلکہ جب اچھی طرح وضوح ہو جائے اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے اس وقت نماز پڑھ لیا کرو۔

(۲) دوسرا جواب اسفار کی روایتوں کا ان حضرات نے یہ دیا ہے کہ اصل میں حدیث کا تعلق چاندنی راتوں سے ہے جس میں بعض وقت طلوع صبح صادق کا پتہ نہیں چلتا ہے اس لئے آپ نے اسفار کا حکم دیا۔

لیکن حدیث أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ کے الفاظ اور طرق اس توجیہ سے اباء کرتے ہیں، مثلاً ایک روایت میں یہ وارد ہوا ہے نَوِّرُوْا بِالْفَجْرِ، ایک روایت میں وارد ہوا کلما أسفرتم بالفجر فهو أعظم لأجوركم، ابن حبان اور طحاوی کی روایت میں ہے أسفروا بالصبح فكلما أسفرتم بالصبح فهو أعظم لأجوركم، اور اسحاق بن راہویہ اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے أسفر بصلاة الصبح يا بلال حتى يبصر القوم مواقع نبلهم۔

(۳) تیسرا جواب علامہ جلال الدین سیوطی نے دیا ہے کہ اسفار کا لفظ روایت بالمعنیٰ ہے، اصل لفظ ہے أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ جیسا کہ بعض دیگر روایات میں وارد ہوا ہے، اس صورت میں یہ حدیث پاک بجائے اس کے کہ اسفار کی دلیل بنے غلس کی دلیل بنے گی، کیوں کہ أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ کا مطلب یہ ہوگا کہ صبح کی نماز عین طلوع صبح ہوتے ہی پڑھ لیا کرو۔

مگر یہ جواب بعید ہے، اوّل تو اس لئے کہ عام الفاظ أَسْفِرُوا کے ہیں، اور دوسرے اس لئے کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت اسفار کی قائل ہے جیسے خلفاء راشدین میں حضرت علیؓ اور اکابر صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں، اگر اس کے معنیٰ غلس ہی میں ادا کرنے کے ہوتے تو ان دونوں صحابہ اور ان کے متبعین کا عمل بالکل سنت کے خلاف ہی جاتا ہے، حالانکہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مَا اجْتَمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ، صحابہ جتنے تنویر بالفجر پر جمع ہوئے اور کسی چیز پر نہیں، اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جو کوفہ

Maktaba Tul Ishaat.com

میں رہتے تھے، بہر حال کوفہ ہی کے صحابہ سہی لیکن وہ سارے کے سارے تنویر بالفجر کے قائل تھے۔

اب اگر أَصْبِحُوا کا لفظ اصل ہو اور اس سے مراد اداء فی وقت الصبح اور عند طلوع الصبح ہو تو صحابہ کا عمل حدیث کے بالکل خلاف ہو جائے گا اور یہ صحابہ کرام سے بعید معلوم ہوتا ہے، نیز حدیث کے متعدد الفاظ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیوطی نے جو مراد لی ہے وہ مراد ہے ہی نہیں، کلما أسفرتم بالفجر فهو أعظم للأجر، نوّروا بصلاة الفجر اور اس طرح کے الفاظ ہیں اس لئے توجیہ سیوطی بعید معلوم ہوتی ہے۔

اسفار کے دلائل: ۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیثِ پاک أسفروا بالفجر، الخ ان کے مدعا میں بالکل واضح ہے اور قولی روایت ہے، ۲۔ اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث مَارَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً إِلَّا لِمِيقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ، صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الصُّبْحَ بِغَلَسٍ، رواه الشيخان بنحو هذا المعنى حضور ﷺ نے صرف دو ہی مرتبہ بے وقت نماز پڑھی ہے ایک مرتبہ مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کیا اور مزدلفہ ہی میں صبح کی نماز غلس میں ادا کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تغلیس عادت نبویہ نہیں تھی۔

اسفار کا جواب: اس کا جواب شافعیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ اس سے مراد تغلیس شدید ہے یعنی مزدلفہ میں صبح صادق طلوع ہوتے ہی حضور اکرم ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی اور عام عادت شریفہ عین طلوع کے وقت ادا کرنے کی نہیں تھی، یہ توجیہ واقعی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اس میں مضبوطی کا پہلو ہے۔

مزید یہ ہے کہ غلس کی روایت تنہا حضرت عائشہؓ ہی سے منقول نہیں بلکہ حضرت جابرؓ اور دیگر صحابہ سے بھی نقل کی گئی ہے اس لئے حضرت ابن مسعودؓ کی مطلق نفی؛ صحابہ کی روایاتِ مثبتہ کے اسی وقت مطابق ہوگی جب یہ توجیہ تسلیم کر لی جائے یعنی یہ کہ عین طلوع صبح صادق کے وقت عام طور سے فجر کی نماز ادا نہیں کی جاتی تھی بلکہ کچھ تاخیر سے ادا فرمائی جاتی تھی برخلاف مزدلفہ کے کہ وہاں عین طلوع کے وقت نماز ادا فرمائی گئی۔

حدیث عائشہؓ پر اشکال: بعضوں نے حدیث عائشہؓ پر یہ اشکال کیا کہ صاحب! وہ عورتیں تھیں ان پر حال اتنا کہاں واضح ہو سکتا ہے جتنا مردوں پر، اور أسفروا کے روایت کے ناقل رافع بن خدیجؓ صحابی ہیں جو مرد ہیں اور ان کی روایت سنن اربعہ میں موجود ہے، امام ترمذی، ابن حبان، ابن القطان فاسی نے اس کی تصریح

Maktaba Tul Ishaat.com

کی ہے۔

اس کا جواب: ۱ اوّل تو یہ ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کو جانتے بھی ہیں کہ کون ہیں؟ زوجۂ مطہرۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان ہی کے حجرہ کے پاس مسجد نبوی ہے، جتنا وہ مسجد نبوی کے حالات سے واقف ہو سکتی ہیں دوسرے کو اس کی واقفیت کہاں ہو سکتی ہے؟ ۲ مزید اس کے ساتھ یہ ہے کہ تنہا حضرت عائشہؓ ہی تو غلس نقل نہیں کرتی ہیں حضرت جابرؓ بھی نقل کرتے ہیں اور جابرؓ کی روایت بخاری شریف میں ابھی گزر چکی ہے۔

دوسرا اشکال: بعض حضرات نے اشکال کیا کہ مِنَ الْغَلَسِ مدرج فی الخبر ہے اس واسطے کہ ابن ماجہ کی روایت میں واقع ہوا ہے تعنی من الغلس، لیکن تنہا ابن ماجہ میں اگر تعنی کا لفظ آگیا تو اس سے مطلقاً حضرت عائشہؓ کے تمام طرق پر ادراج کا حکم لگانا بظاہر بے معنیٰ سی بات معلوم ہوتی ہے، اصل روایت میں عدم ادراج ہے الا یہ کہ ظاہر طور پر ادراج ثابت ہو جائے۔

تیسرا اشکال: بعض حضرات نے ایک عجیب وغریب اشکال کیا، محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غلس مسجد ہے، لیکن علامہ آلوسی صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ یہ خلاف ظاہر ہے۔

چوتھا اشکال: علامہ کاسانی حنفی نے بدائع میں یہ اشکال کیا کہ غلس کی روایات منسوخ ہو گئیں، لیکن ابن ہمام اور انہی کی اتباع میں روح المعانی کے مؤلف نسخ کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نسخ کے دعویٰ کی ضرورت اس وقت ہے جب پہلے منسوخ کا ثبوت ہو جائے اور جب منسوخ کا ثبوت ہی نہیں تو دعویٔ نسخ کی کیا ضرورت ہے؟ اور منسوخ ہونا اس لئے ثابت نہیں کہ ابن مسعودؓ جو ہر وقت کے حاضر باش ہیں ان کے بارے میں صحابہ کا بیان ہے أَشْبَهُ النَّاسِ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ یہ کہتے ہیں مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صَلّٰى صَلَاةً إِلَّا لِمِيْقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔

انصاف کی بات: انصاف کی بات یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی روایت کو مطلقاً غلس کی نفی پر محمول کرنا صحیح نہیں ورنہ صحابہ کے بیانات میں تعارض ہو جائے گا اس لئے کہ جس غلس کی ابن مسعودؓ کی حدیث سے نفی معلوم ہوتی ہے اور عام احوال اور مزدلفہ میں اس کا اثبات معلوم ہوتا ہے وہ غلس شدید ہونی چاہئے۔

غلس کی ایک اور دلیل: بعض قائلین غلس نے ایک اور دلیل پیش کی، وہ یہ کہتے ہیں کہ ابوداؤد،

Maktaba Tul Ishaat.com

ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ جب جبرئیل امین بیان مواقیت کے لئے نازل ہوئے تو پہلے دن تو نماز پڑھائی غلس میں اور پھر نماز پڑھائی اسفار میں، اور پھر حضور اکرم ﷺ ہمیشہ غلس میں نماز پڑھتے رہے وَلَمْ يَعُدْ إِلَى أَنْ يُسْفِرَ اسفار کی طرف آپ نے عود ہی نہیں فرمایا، یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اصل نماز فجر میں غلس ہے۔

اس کا جواب: اس حدیث کا دارومدار اسامہ بن زید لیثی پر ہے اور علماء فن نے اس پر کلام کیا ہے، نیز اس زیادتی یعنی اس آخری کلام کے نقل کرنے میں وہ منفرد ہے جیسا کہ محدث ابن خزیمہ نے اس کی تصریح کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہ زیادتی شاذ ہے اور پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صاحب! باغندی نے مسند عمر بن عبد العزیز میں اور امام بیہقی نے السنن میں بطریق يحى بن سعيد الانصارى عن أبى بكر بن حزم أنه بلغه عن أبى مسعود ایک روایت نقل کی ہے اسی تفصیل کے ساتھ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ منقطع ہے۔

پھر حافظ فرماتے ہیں کہ امام طبرانی نے یہی حدیث ایک اور طریق سے عن يحى بن سعيد عن أبى بكر بن حزم عن عروة عن أبى مسعود نقل کی ہے لہذا یہ حدیث عروہ کی طرف لوٹ گئی، معلوم ہوا کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ صاحب نے یہاں کچھ انصاف علمی سے کام نہیں لیا، یحی بن سعید کا اس سند میں شاگرد ایوب بن عتبۃ الیمامی ہے جو خود حافظ کے بیان کے مطابق جس کو انہوں نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے کہ ضعیف ہے۔

بہر حال زیادتی کے ثبوت میں تأمل ضرور ہے اور یہ بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اسفار نہ کیا ہو جبکہ آپ نے اسفار کا حکم دے دیا اور صحابہ میں سے ایک جماعت اسفار کی قائل ہو گئی ہو۔

غلس کی روایت کا ایک اور جواب: بعض حضرات احناف نے غلس کی روایت کا یہ جواب دیا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے والے عامۃً وہ سارے صحابہ تھے جو کاشتکار تھے ان کو سویرے اپنے کھیتوں پر جانے کی ضرورت پڑتی تھی اور عام طور سے صحابہ رات کو تہجد پڑھتے تھے اس لئے ان کی دو طرفہ رعایت کی گئی کہ تہجد سے فراغت کے بعد اوّل وقت فجر کی نماز ادا کرلی جایا کرتی تھی لیکن امت کے لئے اصل لائحۂ عمل أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ کی شکل میں بیان میں کردیا گیا۔

مگر اس جواب میں مجھ کو بڑا تأمل معلوم ہوتا ہے کہ مدۃ العمر سرور عالم ﷺ ہمیشہ غیر افضل عمل پر گامزن رہے ہوں اور آئندہ امت کے لئے آپ نے افضل عمل کا راستہ متعین کردیا ہو، یہ بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے، اور کھیتوں میں ہمیشہ جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ ایک موقع ایک وقت اور ایک موسم ہوتا ہے، لہٰذا اس جواب سے دل کو تسلی نہیں ہوتی۔

غلس کی روایات فعلی ہیں: بعضوں نے اسی جواب کو ایک اور انداز میں پیش کیا کہ صاحب! اسفار کی حدیث قولی ہے اور جب قولی و فعلی روایت میں تعارض ہوجائے گا تو اس وقت قولی کو ترجیح حاصل ہوگی۔

لیکن جناب من! یہ وہاں ہوتا ہے جہاں فعل کا کوئی خاص محمل متعین کیا جاسکے، کم از کم خصوصیت نبویہ پر محمول کیا جاسکے اور یہاں یہ صورت حال نہیں، سرور عالم ﷺ غلس میں نماز پڑھ رہے ہیں اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کی اقتداء میں غلس میں پڑھ رہے ہیں پھر کیا معنٰی کہ قولی روایت کو فعلی روایت پر مطلقاً ترجیح دی جائے جبکہ قولی روایت میں بھی مختلف احتمالات ہیں جس کا بیان ماقبل میں ہوچکا ہے۔

دونوں ثابت: بعض احناف نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اصل میں حضور اکرم ﷺ نے دونوں طرح کا عمل کیا ہے، گاہے غلس میں نماز پڑھی ہے اور گاہے اسفار میں جس کو حضور ﷺ نے اپنے قول سے بیان فرمایا ہے، اور اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جب سرور عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو اس وقت ان کو کچھ نصیحتیں فرمائی تھیں اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا یا مُعَاذُ! إِذَا كَانَ فِي الشِّتَاءِ فَغَلِّسْ بِالْفَجْرِ وَأَطِلِ الْقِرَاءَةَ قَدْرَ مَا يُطِيقُ النَّاسُ وَلَا تُمِلَّهُمْ وَإِذَا كَانَ الصَّيْفُ فَأَسْفِرْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّ النَّاسَ نِيَامٌ فَأَمْهِلْهُمْ حَتَّى يُدْرِكُوا، رواه الأموی فی المغازی والخطیب فی الموضح ولکن فی إسنادهما محمد بن سعید المصلوب وهو کذاب، ورواه البغوی فی شرح السنة وفی إسناده الجراح بن منهال، قال الدار قطنی: متروک، وکذّبه ابن حبان، ورواه بقی بن مخلد فی مسنده

Maktaba Tul Ishaat.com

ومصنفه، قال أبو نعيم في حلية الأولياء: لم أقف على إسنادهما۔

خلاصۂ بحث: اس سارے بیان سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسفار وغلس کی روایات میں کھلا ہوا تعارض ہے اور اس کو دفع کرنے کے لئے طرح طرح کی توجیہیں کی گئیں اور واقعہ یہ ہے کہ ہر توجیہ میں کوئی نہ کوئی اشکال محسوس ہوتا ہے۔

غالباً اسی لئے حضرت امام طحاوی نے یہ پسند کیا کہ غلس میں افتتاح اور اسفار میں اختتام ہو، یہ قول امام محمد سے بھی منقول ہے، حنابلہ میں ابو حفص برمکی سے علامہ ابن تیمیہ نے یہی نقل کیا ہے، اور ابن تیمیہ کے تلمیذ علامہ ابن قیم نے إعلام الموقعين عن رب العالمين میں اسی کو اختیار فرمایا ہے، اور روایات پر نظر کرنے سے کچھ یہی بات سمجھ میں آتی ہے، اور حضرت ابو برزہؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ آپ غلس میں افتتاح کرتے تھے اور اختتام ابتداء اسفار میں ہوا کرتا تھا جس سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ والی روایت کا وہی محمل ہے جو ہم نے ماقبل میں ذکر کیا ہے ولكن في النفس منه شيئ لِمَا أن بعض الفاظ الرواية أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر، والله تعالى أعلم۔

(ص ۸۲) بَاب مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً

۵۷۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ وَعَنِ الْأَعْرَجِ يُحَدِّثُونَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا حکم جس نے (طلوع آفتاب سے پہلے) فجر کی ایک رکعت کو پالیا۔

عطا بن یسار، بسر بن سعید اور اعرج یہ تینوں حضرات حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے طلوع آفتاب سے پہلے نماز صبح کی ایک رکعت کو پالیا اس نے نماز صبح کو پالیا اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت کو پالیا اس نے نماز عصر کو پالیا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب میں دو باتیں بیان کی ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اوّل تو یہ بتلایا ہے کہ فجر کا آخری وقت طلوع شمس ہے، لیکن اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ طلوع شمس ہے اور ابو سعید اصطخری فرماتے ہیں کہ اسفار پر فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور نماز قضاء ہو جاتی ہے۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور کی تائید کی ہے اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الصُّبحِ رَکْعَةً قَبلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَکَ الصُّبحَ اگر طلوع شمس سے پہلے بھی کسی کو ایک رکعت مل جائے تو ایسے شخص کو مدرکِ صبح قرار دے رہے ہیں۔

دوسری بات امام بخاری نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اگر کسی آدمی کو فجر کی ایک رکعت مل گئی تو اس کو فجر مل گئی لہذا اس کو اپنی نماز پوری کر لینی چاہئے، جمہور علماء کا مسلک یہی ہے، حنفیہ کا مشہور مسلک اس کے خلاف ہے تفصیل ما قبل میں گزر چکی ہے۔

(ص ۸۲) بَاب مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الصَّلَاةِ رَکْعَةً

۵۸۰. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا حکم جس نے نماز کی ایک رکعت کو پالیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز کی ایک رکعت کو پالیا اس نے نماز کو پالیا۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کی غرض میں دو قول مشہور ہیں۔

(۱) علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے ترجمۂ گزشتہ سے تو ادراکِ وقت کو بیان کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو طلوع شمس سے پہلے فجر کی ایک رکعت مل گئی تو اس کو فجر کا وقت مل گیا اس نے وقت کے اندر نماز ادا کی قضاء نہیں ہوئی اگرچہ دوسری رکعت طلوع کے بعد واقع ہوئی، اور اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے ادراکِ صلاۃ کا مسئلہ بیان کیا ہے یعنی اگر کسی کو امام کے ساتھ ایک رکعت مل گئی تو نماز مل گئی بقیہ

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز آدمی پوری کرلے۔

گویا علامہ کرمانی نے امام بخاری کے اس ترجمہ کو صلاۃ المسبوق پر محمول کیا ہے، اسی طرح اس حدیث کو امام محمد بن الحسن نے مؤطا میں اور قاضی ابوالولید باجی نے شرح مؤطا میں مسبوق ہی پر محمول کیا ہے اور امام مالک کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

(۲) ترجمہ کی دوسری غرض یہ ہے کہ یہ تعمیم بعد التخصیص ہے، حضرت امام بخاری نے پہلے ایک ترجمہ ص۷۹ پر منعقد کیا تھا مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوبِ، اور دوسرا ترجمہ منعقد فرمایا بَابُ مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الْفَجْرِ رَکْعَةً، ان دونوں ترجموں سے اس بات پر تنبیہ فرمائی تھی کہ اگر کسی آدمی کو عصر و فجر کی ایک رکعت مل گئی غروب و طلوع سے پہلے تو اس کو عصر و فجر کی نماز مل گئی وہ اپنی نماز پوری کرلے، اب اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس میں صرف ان ہی دونوں نمازوں کی تخصیص نہیں ہے بلکہ اگر کسی شخص کو کسی نماز کی بھی ایک رکعت وقت کے اندر مل جائے اور باقی رکعات وقت کے بعد ہوں تو وہ اپنی نماز پوری کرلے۔

(۳) ایک تیسرا احتمال بھی اس ترجمہ کی غرض میں ہوسکتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ آدمی کو کتنا جزءِ صلاۃ امام کے ساتھ ملے تو امام کی نماز کا وہ مُدرِک کہلائے گا؟ امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک رکعت، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بعض الصلاۃ مادون الرکعۃ یعنی ایک رکعت سے کم بھی نماز کا کچھ حصہ مل جائے تو وہ مُدرِک ہے، امام شافعی وامام احمد کے دونوں قول ہیں، امام بخاری نے مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الصَّلَاةِ رَکْعَةً کہہ کر امام مالک کی تائید کی ہے۔

لیکن اس غرض میں اشکال یہ ہے کہ حضرات ائمہ کا یہ اختلاف مطلقاً نمازوں میں نہیں ہے صرف نماز جمعہ میں اختلاف ہے، اگر امام کے ساتھ کوئی آدمی جمعہ میں شریک ہوتا ہے تو وہ کب مُدرکِ جمعہ کہلائے گا؟ امام مالک فرماتے ہیں کہ ادراکِ جمعہ کے لئے کم از کم ایک رکعت کا امام کے ساتھ ملنا ضروری ہے اور اگر ایک رکعت بھی نہیں ملی تو آدمی ظہر پڑھے گا، امام ابوحنیفہ نے فَمَا أَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَکُمْ فَأَتِمُّوا کی وجہ سے یہ اختیار کیا ہے کہ اگر امام کے ساتھ بعض الرکعۃ بھی مل جائے یا قعدۂ اخیرہ بھی مل جائے تو بھی اس کو جمعہ مل گیا اور وہ اپنی جمعہ کی نماز پوری کرے گا، شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں اور حنابلہ کے بھی دو قول ہیں، یہاں امام بخاری نے جمعہ سے کوئی بحث کی ہی نہیں ہے الا یہ کہ نماز جمعہ کو بھی اس کے عموم میں داخل کیا جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۲) بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ

۵۸۱. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: شَهِدَ عِنْدِي رِجَالٌ مَرْضِيُّونَ وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِي عُمَرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تُشْرِقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ.

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي نَاسٌ بِهَذَا.

۵۸۲. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا.

۵۸۳. قَالَ: وَحَدَّثَنِي ابْنُ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَرْتَفِعَ وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ. تَابَعَهُ عَبْدَةُ.

۵۸۴. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَعَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ صَلَاتَيْنِ: نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَعَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَعَنِ الِاحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ يُفْضِي بِفَرْجِهِ إِلَى السَّمَاءِ، وَعَنِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ.

ترجمہ: باب، فجر کی نماز کے بعد سورج کے بلند ہونے تک نماز پڑھنے کا حکم۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے کئی پسندیدہ اور معتبر لوگوں نے جن میں میرے نزدیک سب سے پسندیدہ حضرت عمرؓ تھے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے، اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے

Maktaba Tul Ishaat.com

ابو العالیہ سے سنا وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے متعدد لوگوں نے یہ (یعنی مندرجہ بالا روایت کو) بیان کیا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی نماز کو طلوع آفتاب یا غروب آفتاب تک کا قصد کر کے مؤخر نہ کرو، اور ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب سورج کا کنارہ طلوع ہو جائے تو نماز کو مؤخر کر دو یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے اور جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو نماز کو مؤخر کر دو یہاں تک کہ وہ غروب ہو جائے، عبدہ بن سلیمان نے اس روایت کے بیان میں یحیٰ بن سعید قطان کی متابعت کی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو طرح کی بیع، دو طرح کے لباس، اور دو وقت کی نماز سے منع فرمایا، فجر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا جب تک کہ سورج طلوع (ہو کر بلند) نہ ہو جائے، اور عصر کے بعد جب تک کہ سورج غروب نہ ہو جائے، اور اشتمال صماء (یعنی کپڑے کو نماز میں اس طرح لپیٹ لینے سے منع فرمایا کہ ہاتھ وغیرہ باہر نہ نکل سکے) اور ایک کپڑے میں اس طرح گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا کہ شرم گاہ آسمان کی طرف کھلی رہے، اور بیع منابذہ اور بیع ملامسہ سے منع فرمایا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے پہلے تو مواقیت کے تراجم منعقد کئے تھے، اب اوقات منہیہ کے لئے بعض تراجم منعقد فرما رہے ہیں۔

فجر کے فرض پڑھنے کے بعد نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے اس باب میں دو طرح کی روایات ذکر کی ہیں، بعض روایات میں فجر کے بعد نماز سے مطلقاً منع کیا گیا ہے جیسا کہ ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے، اور بعض روایات میں تحریِ طلوع سے منع کیا گیا ہے یعنی آدمی عین طلوع شمس کا انتظار کرتا رہے اور جب طلوع ہونے لگے تو نماز کے لئے کھڑا ہو جائے جیسا کہ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے، امام بخاری نے بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ کا ترجمہ منعقد کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ فجر کے بعد بھی نماز پڑھنا مکروہ اور عین طلوع شمس کے وقت بھی مکروہ ہے تا آنکہ ارتفاع شمس نہ ہو جائے۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں اجمال رکھا نہی کا حکم بیان نہیں کیا اس لئے کہ تعیینِ منہی عنہ میں بڑا اختلاف ہے جسے میں آئندہ بیان کروں گا۔

پھر باوجودیکہ روایاتِ باب میں فجر کے ساتھ عصر کا بھی ذکر ہے امام بخاری نے ترجمہ میں صرف فجر ہی کا ذکر کیا ہے۔

Maktaba-Tul-Ishaat.com

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عام طور سے تمام روایاتِ باب میں صبح ہی کا تذکرہ ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ صرف فجر کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عصر کے بعد اگرچہ نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے لیکن سرور عالم ﷺ سے عصر کے بعد نفل پڑھنا بھی منقول ہے، تو چونکہ فجر کے بعد پڑھنا منقول نہیں لہذا امام نے بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ فرمادیا اور عصر کے بعد پڑھنا منقول ہے اس لئے آگے والعصر ارشاد نہیں فرمایا۔

حَاجِبُ الشَّمْسِ: کنارہ، سورج کا کنارہ جب نمودار ہونے لگے تو نماز نہ پڑھو اور سورج کا کنارہ جب غائب ہونے لگے تو نماز نہ پڑھو۔

(ص ۸۲) بَابُ لَا تُتَحَرَّى الصَّلَاةُ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ

۵۸۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يَتَحَرَّى أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّي عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا.

۵۸۶. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ الْجُنْدَعِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ.

۵۸۷. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ: سَمِعْتُ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانٍ يُحَدِّثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ رضي الله عنه قَالَ: إِنَّكُمْ لَتُصَلُّونَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيهَا، وَلَقَدْ نَهَى عَنْهُمَا - يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ -.

۵۸۸. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ خُبَيْبٍ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ صَلَاتَيْنِ: بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ

Maktaba Tul Ishaat.com

الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ.

ترجمہ: باب، غروب آفتاب سے پہلے نماز کا قصد نہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی ارادہ اور قصد نہ کرے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جائے، اور نہ عصر کے بعد کوئی نماز ہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔

حمران بن ابان حضرت معاویہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا بیشک تم لوگ ایک ایسی نماز پڑھ رہے ہو کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے مگر ہم نے آپ کو وہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور یہ کہ بیشک آپ نے ان سے یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نمازوں سے منع فرمایا یعنی فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

تشریح: تحری کے معنیٰ لغت میں ہے کسی چیز کا قصد کرنا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ غروب شمس سے پہلے قصداً نماز نہ پڑھی جائے، روایت سے ترجمہ کی غرض تو ظاہر ہے کہ سورج غروب ہونے کا وقت جب شروع ہو تو آدمی بالقصد اسی وقت نماز شروع نہ کرے۔

امام نے اس باب میں جو روایتیں ذکر کی ہیں وہ دو طرح کی ہیں، بعض روایات میں عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے جیسا کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت میں وارد ہوا، اور بعض روایات میں تحریِ غروب سے منع کیا گیا جیسا کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں وارد ہے۔

لیکن حضرت امام پر اشکال یہ ہے کہ صلاۃ بعد الفجر کے سلسلہ میں جس انداز کی دو روایتیں وارد ہوئی ہیں بعینہ صلاۃ بعد العصر کے بارے میں بھی اسی انداز کی دو روایتیں وارد ہوئی ہیں، پھر امام بخاری نے دونوں ترجموں میں تفریق کیوں کی؟ پہلے باب اَلصَّلَاۃُ بَعْدَ الْفَجْرِ حتی ترتفع الشمس ارشاد فرمایا اور اس کے بعد باب لَا تُتَحَرَّی الصَّلَاۃُ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ ارشاد فرمایا، جب دونوں باب کی روایتیں ایک انداز کی ہیں تو ترجمہ بھی ایک انداز کا ہونا چاہیے تھا؟

Maktaba Tul Ishaat.com

علامہ سندیؒ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں، ایک جواب یہ دیا ہے کہ اصل میں حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں تفنن فی العبارۃ سے کام لیا ہے دونوں ترجموں کے معنٰی ایک ہی ہیں، چونکہ لغت میں تحری کہتے ہیں قصد کرنے کو تو مطلب یہ ہوا کہ غروب شمس سے پہلے یعنی عصر کے بعد آدمی نماز پڑھنے کا قصد نہ کرے اور یہی بات اَلصَّلَاةُ بَعْدَ الْفَجْرِ کے ترجمہ سے بیان فرمائی ہے کہ فجر کے بعد آدمی نماز نہ پڑھے۔

دوسرا جواب حضرت علامہ نے یہ دیا ہے کہ اصل میں باوجودیکہ عصر و فجر کے سلسلہ میں روایتیں ایک ہی انداز کی وارد ہوئی ہیں بعض میں عصر و فجر کے بعد مطلقاً نماز پڑھنے سے منع کیا گیا اور بعض میں تحریِ طلوع وغروب سے منع کیا گیا ہے، لیکن حضرت امام بخاری نے پہلا ترجمہ تو مطلق اَلصَّلَاةُ بَعْدَ الْفَجْرِ منعقد کیا ہے اس لئے کہ فجر کے بعد سرور عالم ﷺ سے نماز پڑھنا منقول نہیں، اور دوسرا ترجمہ لَا تُتَحَرَّى الصَّلَاةُ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ منعقد کیا ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ سے عصر کے بعد نماز پڑھنا ثابت ہے، گویا حضرت امام بخاری نے یہ بتلا دیا کہ فجر کے بعد مطلقاً نماز ممنوع ہے اور عصر کے بعد مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ تحریِ غروب نہ کرے گویا اگر کوئی عصر کے بعد نماز پڑھے تو اس کے لئے گنجائش ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور حضرت فرماتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری نے فجر میں جمہور کا مسلک اختیار کیا ہے کہ فجر کے بعد کسی نماز کی اجازت نہیں ہے یعنی نفل نماز، اور عصر میں امام بخاری نے ابن منذر اور بعض ظاہریہ کا مسلک اختیار کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ عصر کے بعد نماز پڑھنے میں کوئی تنگی نہیں ہے گنجائش ہے ہاں البتہ غروب شمس کی تحری کرنا اور خاص اس وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے، اسی لئے حضرت امام نے پہلی جگہ اَلصَّلَاةُ بَعْدَ الْفَجْرِ فرمایا اور یہاں لَا تُتَحَرَّى الصَّلَاةُ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ ارشاد فرمایا۔

لیکن علامہ سندی کو اس پر اشکال یہ ہے کہ اس باب کی روایتیں اس مقصد پر منطبق نہیں ہوتی ہیں اس لئے کہ امام بخاری نے اس باب میں ایک تو تحری والی روایت ذکر کی ہے اور ایک وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ والی، تحری والی روایت تو ٹھیک ہے اس مقصد کے مطابق ہے لیکن وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ والی روایت اس کے مطابق نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ سے مراد مطلقاً عصر کے بعد نماز سے ممانعت نہیں بلکہ اس سے بعدیتِ مخصوصہ مراد ہے اور یہ وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

بعدیت ہے جو عین غروب کے وقت واقع ہوتی ہے، گویا اس جزء میں ابو سعیدؓ وابو ہریرہؓ و عمرؓ کی روایات کے لئے حضرت ابن عمرؓ کی روایت مفسِّر واقع ہوگی۔

مگر اس پر ایک مزید اشکال یہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اسی باب میں حضرت معاویہؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے إِنَّكُمْ لَتُصَلُّونَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيهَا وَلَقَدْ نَهَى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، یہ روایت کسی طرح سے بھی تقریر بالا پر ترجمہ کے موافق نظر نہیں آتی ہے الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ رکعتین بعد العصر سے مراد وہ دو رکعتیں ہیں جو غروب کے قریب وہ لوگ تحری کر کے پڑھا کرتے تھے، وفی النفس من ھذا الجواب تردد ظاھر۔

(ص ۸۳) بَاب مَنْ لَمْ يَكْرَهُ الصَّلَاةَ إِلَّا بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ

رواه عمر، وابن عمر، وأبو سعيد، وأبو هريرة.

۵۸۹. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: أُصَلِّي كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي يُصَلُّونَ لَا أَنْهَى أَحَدًا يُصَلِّي بِلَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ مَا شَاءَ غَيْرَ أَنْ لَا تَحَرَّوْا طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کے متدل کا بیان جو صرف عصر اور فجر کے بعد نماز کو مکروہ کہتے ہیں۔

یہ روایت حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابو سعیدؓ اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح میں نے اپنے ساتھیوں (صحابۂ کرام) کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، میں کسی کو دن یا رات میں جب بھی چاہے نماز پڑھنے سے نہیں روکتا البتہ یہ کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت قصد کر کے نماز نہ پڑھیں۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب سے اوقات منہیہ کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا گیا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ صرف مذہب کے ذکر پر اکتفاء فرمالیا اس واسطے کہ اس مقام میں اختلاف بہت زیادہ ہے اور یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جب اختلاف شدید ہو اور دلائل دونوں

Maktaba Tul Ishaat.com

طرف ہوں تو اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کرتے بلکہ ترجمہ گول مول منعقد کر دیا کرتے ہیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے سلسلہ میں کئی طرح کی روایات وارد ہوئی ہیں۔

(۱) فجر کے بعد اور عصر کے بعد جیسا کہ حضرت عمرؓ، ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ کی روایتوں میں واقع ہوا ہے، ان تینوں روایتوں کی امام مسلم نے بھی تخریج کی ہے۔

(۲) وہ روایات جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے جیسا کہ ابن عمرؓ کی روایتوں میں واقع ہوا ہے۔

(۳) وہ روایات جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، طلوع، غروب اور استواء کے وقت، حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ أَوْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا، حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتَّى تَمِيلَ وَحِينَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ رواه الأئمة الستة إلا البخاری۔

(۴) وہ روایات جن میں پانچوں اوقات کا ایک ساتھ ذکر ہے حضرت عمرو بن عبسہؓ کی روایت مسلم میں، ابو ہریرہؓ کی روایت ابن ماجہ میں اور صفوان بن معطل سلمیؓ کی روایت مستدرک حاکم میں ہے۔

ان اوقات منہیہ میں پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ آیا ان پانچوں اوقات میں نماز پڑھنا منع ہے، یا ان میں سے بعض میں منع ہے اور بعض میں نہیں، یا مطلقاً منع نہیں ہے اور یہ اوقات ہی منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔

شراح بخاری وغیرہ نے ظاہریہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے یہاں اوقات نہی منسوخ ہو گئے ہیں اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایتیں کہاں نسخ کر رہی ہیں، یہ تو ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کو نماز نہ ملی ہو اس کو فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ایک رکعت بھی طلوع وغروب سے پہلے ملی تو نماز مل گئی اور نماز پوری کر لینی چاہئے، یہ نہیں ہے کہ ایک آدمی عصر پڑھ چکا ہو تو وہ بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

مزید یہ کہ شراح بخاری جیسے حافظ وغیرہ نے یہ مسلک جو ظاہریہ سے نقل کیا ہے میرا خیال یہ ہے کہ اس میں حافظ کو غلطی ہو گئی، اس لئے کہ مسلکِ ظاہریہ کے زیادہ جاننے والے تو ظاہری حضرات ہیں، علامہ ابو محمد بن

Maktaba Tul Ishaat.com

حزم ظاہری نے اس مسئلہ پر کتاب المحلّی میں بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے اور انہوں نے مواقیت کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ عصر کے بعد کوئی نفل نماز جائز نہیں، پھر آگے چل کر کے علامہ ابن حزم نے یہ لکھا ہے کہ تحرّیِ غروب کا قصد نہیں کرے گا، آدمی اصفرار کے وقت میں نماز نہ پڑھے، اور پھر لکھتے ہیں کہ ان تمام چیزوں میں ابو سلیمان یعنی داؤد ظاہری ہمارے ساتھ ہیں، لیکن انہوں نے نفل بعد العصر کی مطلقاً اجازت دی ہے تو معلوم ہوا کہ داؤد ظاہری صرف نفل بعد العصر کے جواز کے قائل ہیں اور باقی اوقات منہیہ میں وہ جمہور کے ساتھ ہیں، لہٰذا حافظ صاحب اور اسی طرح سے دیگر شراح کا یہ نقل کر دینا کہ ظاہریہ کے یہاں اوقات منہیہ منسوخ ہو چکے ہیں یہ صحیح نہیں۔

حافظ ابن حجر نے ابو بکرہؓ صحابی اور کعب بن عجرہؓ سے نقل کیا کہ مطلقاً ان اوقات میں ہر قسم کی نماز ناجائز ہے حتی کہ فریضہ بھی، جمہور علماء امام ابو حنیفہ، شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ اوقاتِ خمسہ منہیہ ہیں اور ان میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

لیکن جمہور علماء اگرچہ ان اوقات میں مختلف ہیں امام مالک چار کہتے ہیں اور باقی حضرات پانچ، مگر وہ اس بات پر متفق ہیں کہ ان اوقات میں کچھ نمازوں کی اجازت ہے اور کچھ کی نہیں۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اوقات منہیہ کل چار ہیں، انہوں نے استواء کا وقت خارج کر دیا ہے، امام شافعی کے یہاں صرف جمعہ کے دن کا زوال مستثنیٰ ہے لحدیث وارد فی هذا الباب۔

امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ اوقات منہیہ کل تین ہیں، انہوں نے صرف طلوع و غروب اور استواء کا وقت لیا ہے جس کا تذکرہ عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے۔

پھر اس کے بعد حنفیہ ایک طرف ہیں اور باقی ایک طرف، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ان اوقات منہیہ میں فرائض کی قضاء مطلقاً جائز ہے، شافعیہ اس کے ساتھ نوافل ذوات الاسباب کو بھی شامل کرتے ہیں کہ ان کو پڑھا جا سکتا ہے جیسے تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد وغیرہ، نوافل ذوات الاسباب وہ نوافل ہیں جو کسی خاص سبب کی وجہ سے پڑھی جائیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر سنت فجر چھوٹ گئی ہو تو پڑھی جا سکتی ہے، تحیۃ الطواف اور نفل نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

حضرات مالکیہ کہتے ہیں کہ صلاۃ الجنازۃ اگر آجائے تو پڑھی جا سکتی ہے، سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حنفیہ فرماتے ہیں کہ اوقات دو طرح کے ہیں، ایک تو اوقات ثلاثہ جو عقبہؓ کی روایت میں مذکور ہیں ان میں کسی طرح کی نماز جائز نہیں حتی کہ فریضۂ فائتہ تک جائز نہیں، اس لئے کہ ان اوقات کی ذات میں قبح ہے اور وہ طلوع وغروب اور زوال شمس کا وقت ہے، اور باقی دو اوقات میں حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ آدمی فوائت ادا کر سکتا ہے، جنازہ آجائے تو پڑھ سکتا ہے، سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھے تو سجدہ کر سکتا ہے، ہاں البتہ نوافل مطلقہ اور نوافل ذوات الاسباب سے حضرات حنفیہ منع کرتے ہیں۔

امام بخاری کے اس ترجمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام مالک کے مسلک کی طرف مائل ہیں اسی لئے فرماتے ہیں مَنْ لَمْ یَکْرَہْ الصَّلَاۃَ إِلَّا بَعْدَ الْعَصْرِ وَ الْفَجْرِ، یعنی لم یکرہ الصلاۃ حتی تغرب الشمس وحتی ترتفع الشمس، امام مالک کے پاس اگرچہ استواء کے وقت کی ممانعت کی روایت موجود ہے جو انہوں نے حضرت صنابحیؓ سے روایت کی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے عمل اہل مدینہ کو سامنے رکھ کر استواء کے وقت کی ممانعت کو تسلیم نہیں کیا اور معمول بہا نہیں بنایا ہے، لیکن دوسرے حضرات نے روایات کی صحت کی وجہ سے اس وقت کو بھی تسلیم کیا ہے۔

(ص ۸۳) بَاب مَا یُصَلّٰی بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَ نَحْوِهَا

وقال كريب عن أم سلمة: صلى النَّبِيُّ ﷺ بعد العصر الركعتين، وقال: شغلني ناس من عبد القيس عن الركعتين بعد الظهر.

٥٩٠. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ قَالَتْ: وَالَّذِي ذَهَبَ بِهِ، مَا تَرَكَهُمَا حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ وَمَا لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى حَتَّى ثَقُلَ عَنِ الصَّلَاةِ، وَكَانَ يُصَلِّي كَثِيرًا مِنْ صَلَاتِهِ قَاعِدًا - تَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ - وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهِمَا وَلَا يُصَلِّيهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ يُثَقِّلَ عَلَى أُمَّتِهِ وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ.

٥٩١. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رضي الله عنها: ابْنَ أُخْتِي، مَا تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِي قَطُّ.

Maktaba Tul Ishaat.com

۵۹۲. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَلَا عَلَانِيَةً: رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ.

۵۹۳. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: رَأَيْتُ الْأَسْوَدَ وَمَسْرُوقًا شَهِدَا عَلَى عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِينِي فِي يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ: باب، عصر کے بعد قضا شدہ نمازوں یا ان جیسی نمازوں کو پڑھنے کا بیان۔

حضرت کریب حضرت ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا کہ میں قبیلۂ عبدالقیس کے لوگوں کے ساتھ مشغولیت میں ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکا تھا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دنیا سے اٹھالیا کہ آپ نے وفات کے وقت تک عصر کے بعد کی دو رکعتوں کو نہیں چھوڑا اور آپ کی وفات اس وقت ہوئی جب نماز کے عمل میں آپ کو گرانی ہونے لگی اور آپ بیشتر اپنی نماز یعنی عصر کے بعد کی دو رکعتوں کو بیٹھ کر ادا کرتے تھے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ ان رکعتوں کو گھر میں پڑھتے تھے مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، کہیں امت کے لئے یہ عمل دشوار نہ ہو اور آپ امت کے لئے ان چیزوں کو پسند کرتے تھے جو تخفیف کا سبب ہوں۔

حضرت عائشہؓ (عروہ سے مخاطب ہو کر) فرماتی ہیں، میرے بھانجے! حضور اکرم ﷺ نے عصر کے بعد کی دو رکعتیں میرے یہاں کبھی ترک نہیں کیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ دو رکعتوں کو رسول اللہ ﷺ کبھی نہیں چھوڑتے تھے دو رکعتیں فجر کی نماز سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کی نماز کے بعد۔

اسود اور مسروق نے شہادت دی کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس جب بھی عصر کے بعد تشریف لاتے تو آپ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاری نے ترجمۂ گزشتہ میں اوقاتِ منہی عنہا کو بیان فرمایا تھا، اب اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ان اوقاتِ منہیہ میں بعض اوقات ایسے ہیں جن میں بعض نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

سنن کی قضاء ہے یا نہیں: میں یہ مسئلہ ماقبل میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں البتہ اتنا اور سمجھئے کہ سنن کی قضاء بالاجماع واجب نہیں ہے لیکن اگر کوئی قضا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ مطلقاً قضا کرنا جائز ہے، امام ابو حنیفہ، امام مالک، ابو یوسف، محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ سنتِ فجر کی قضاء کی جاسکتی ہے باقی اور سنتیں نہیں، اس کے بعد امام مالک اور امام ابو یوسف تو فرماتے ہیں کہ فریضہ کے تابع کر کے مطلقاً قضا کر سکتے ہیں جب بھی آدمی فجر پڑھے قبل الزوال یا بعد الزوال سنت کی قضاء کر سکتا ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ فریضہ کے تابع کر کے قضاء کر سکتا ہے اور وہ بھی زوال تک اس کے بعد قضاء کرنے کی گنجائش نہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سنتوں کی قضاء مطلقاً جائز ہے وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کی لیلۃ التعریس میں جب نماز فجر فوت ہو گئی تھی تو آپ نے اس کے ساتھ ساتھ جہاں فریضہ کی قضا کی سنت کی بھی قضا کی تھی، اسی طرح سے حضور اکرم ﷺ کی ایک مرتبہ ظہر کی سنت بَعدیہ فوت ہو گئی تھی تو آپ نے عصر کے بعد اس کی قضا فرمائی تھی۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف سنت فجر کی قضاء ہے باقی کی نہیں وہ لیلۃ التعریس کی حدیث کو دلیل بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرض کے تابع کر کے قضا کی اور صحابہ نے بھی قضا کی۔

پھر اس کے بعد امام ابو حنیفہ اور امام محمد کہتے ہیں کہ زوال سے پہلے یہ قضا ہوئی ہے اور اصل قاعدہ کے مطابق سنت کی قضاء ہے نہیں، قضاء تو امور واجبہ کی ہوتی ہے لہذا خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے مخصوص علیٰ مورد النص ہو گی۔

اور ظہر کی قضاء کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یُصَلِّی بَعْدَ الْعَصْرِ وَیَنْھٰی عَنْھَا وَیُوَاصِلُ وَیَنْھٰی عَنِ الْوِصَالِ، رواہ أبو داود، عصر کے بعد آپ نے نماز پڑھی یہ وہی سنتِ بعدیہ ظہر تھی اس کے بعد آپ اس پر مداومت فرمانے لگے۔

امام بیہقی اور امام بغوی فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کی خصوصیت قضاء نہیں بلکہ مداومت ہے، احناف

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ قضاء ہی آپ کی خصوصیت ہے، اور مداومت تو آپ کی ایک عادت شریفہ تھی کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِذَا عَمِلَ عَمَلاً أَثْبَتَہُ، کَانَ عَمَلُہُ دِیمَۃً یہ خصوصیت نہیں بلکہ یہ تو عادت مبارکہ تھی، خصوصیت آپ کی قضاء ہی ہے۔

اور اسکی دلیل یہ ہے کہ امام احمد اور طحاوی اور ابن حبان نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ام سلمہؓ نے حضور پاک ﷺ سے پوچھا أَفَنَقْضِیھِمَا إِذَا فَاتَتَا؟ قَالَ: لَا، کیا اگر ہماری ظہر کی سنت فوت ہو جائے تو ہم بھی قضا کر لیا کریں؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔

اگر یہ زیادتی ثابت ہو جائے تو بس پھر سارا خرخشہ صاف ہے اور احناف کی بات ثابت ہو جاتی ہے بلکہ موالک کی بھی، اور اگر یہ زیادتی ثابت نہیں ہوتی تو پھر جمہور کی بات ثابت رہے گی یعنی سنت کی مطلقاً قضاء ہے۔

امام بیہقی اور ابو محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ اس کے رجال ثقات ہیں۔

مگر علامہ ابن حزم ظاہری نے اس حدیث میں ایک عجیب وغریب علت بیان کر دی کہ یہ حدیث بطریق حماد بن سلمہ عن الازرق بن قیس عن ذکوان عن ام سلمہؓ نقل کی جاتی ہے، اور اس حدیث کا حماد بن سلمہ کے مصنفات میں کوئی وجود نہیں، اگر یہ احادیثِ حماد بن سلمہ میں ہوتی تو ان کی تالیفات میں اس کا وجود ہوتا۔

اس اشکال کا ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے حماد بن سلمہ اس حدیث کو کسی وجہ سے اپنی بعض مصنفات میں درج نہ کر سکے ہوں، نیز کیا ضروری ہے کہ ابو محمد بن حزم ظاہری کے سامنے جو حماد بن سلمہ کی مصنفات موجود ہیں وہی ساری انکی مصنفات ہوں، ممکن ہے ان کی کسی اور تالیف میں یہ روایت موجود ہو۔

دوسری علت ابن حزم ظاہری نے پیش کی ہے کہ یہ روایت ذکوان نے ام سلمہؓ سے نہیں سنی ہے اور پھر اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ روایت حماد بن سلمہ عن الازرق بن قیس عن ذکوان عن عائشۃ عن ام سلمہؓ نقل کرتے ہیں اس میں یہ زیادتی موجود نہیں ہے، یہ علت نہایت قوی قسم کی ہے۔

لیکن ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ ذکوان نے جو روایت واسطہ سے سنی ہے اس میں تو نہیں ہے اور جو روایت بلاواسطہ سنی ہو اس کے اندر یہ زیادتی ہو، مگر اس پر اشکال یہی ہے کہ اس کا وجود مصنفات حماد میں نہیں ہے اگر یہ بات ثابت ہے تو پھر اس زیادتی کے ثبوت میں کھلا ہوا تامل ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اوقات نہی میں سنن کی قضاء ہے یا نہیں: آیا اوقاتِ نہی میں سنتوں کی قضا کی جاسکتی ہے؟ امام شافعی کہتے ہیں کہ جائز ہے اور یہی احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ جائز نہیں اور یہی امام احمد کا اصح قول ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے بعدیۂ ظہر عصر کے بعد قضا کی ہے اور یہ اوقات منہیہ میں سے ہے، حضرات جمہور ممکن ہے کہ اس کو خصوصیت پر محمول کرتے ہوں اور منع کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان اوقات میں مطلقاً نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

حضرت امام بخاری کی رائے اس مسئلہ میں سب سے الگ معلوم ہوتی ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ صرف عصر کے بعد نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اور وہ بھی فوائت کی یا مثل الفوائت کی۔

الفوائت ونحوھا سے کیا مراد ہے: فوائت سے مراد تو بالکل ظاہر ہے کہ صلوات فائتہ یعنی فریضۂ فائتہ ہیں لیکن نحوھا سے کیا مراد ہے؟

علامہ ابن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یہ لفظ بڑھا کر رواتبِ نافلہ کو ترجمہ میں داخل کیا ہے، علامہ عینی اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ بخاری نے اس میں صلاۃ الجنازۃ إذا حضرت وسجدۃ التلاوۃ إذا تلیت کو داخل کیا ہے۔

میرے نزدیک علامہ عینی کا یہ بیان بعید عن الصواب معلوم ہوتا ہے، بخاری کہتے ہیں مِنَ الفوائت، فوائت ہوں یا نحو الفوائت ہوں، اس لئے اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر نماز فریضہ فوت ہو جائے یا اس جیسی اور کوئی نماز مثلاً سنت چھوٹ گئی ہو تو آدمی اس کی قضا کر سکتا ہے، اور صلاۃ جنازہ اور سجدۂ تلاوت فوائت میں داخل نہیں ہے اس واسطے ابن منیر کی بات ارجح ہے۔

پھر یہ سمجھئے کہ حضرت امام بخاری نے عصر کے بعد مطلقاً اجازت دی ہے اور ماقبل میں ترجمہ منعقد کیا ہے لَاتَتَحَرَّی الصَّلَاۃُ قَبلَ غُرُوبِ الشَّمسِ، دونوں تراجم کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ عصر کے بعد امام بخاری کے نزدیک فوائت اور نحو الفوائت پڑھ سکتے ہیں البتہ غروب کی تحری نہیں کرنی چاہئے، یہی ابن منذر اور داؤد ظاہری وغیرہ کا مسلک ہے، یہ حضرات بھی فرماتے ہیں کہ عصر کے بعد مطلقاً مباح ہے البتہ غروب سے پہلے تحری نہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنی چاہئے۔

علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری کی رائے اس میں الگ ہے وہ کہتے ہیں کہ عصر کے بعد جائز ہے لیکن اصفرار تک، اصفرار شروع ہونے کے بعد گنجائش نہیں اس لئے کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، رواہ أبو داود بإسناد صحیح قوی۔

وَقَالَ كُرَيْبٌ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: امام بخاری نے ترجمہ منعقد کیا ہے کہ عصر کے بعد فوائت جائز ہے اور روایت جو ذکر کی ہے اس میں فوائت کے ادا کا کوئی ذکر نہیں بلکہ بعدیۃ الظہر کے ادا کرنے کا ذکر ہے تو پھر مصنف کا ترجمہ کیسے ثابت ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنا ترجمہ بالاولویت ثابت کیا ہے کہ جب عصر کے بعد سنن ونوافل کی قضاء جائز ہے تو فریضۂ فائتہ کی قضاء بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی۔

آگے حدیث میں ہے عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ معلوم ہوا کہ آپ نے بعدیۃ الظہر کی قضاء کی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ بعدیۃ الظہر کی عصر کے بعد قضاء جائز ہے، امام شافعی واحمد اسی قول کے قائل ہیں، ابو حنیفہ اور مالک اس سے منع کرتے ہیں۔

وَالَّذِي ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ: اس ذات اکرم کی قسم جو ان کو لے گیا آپ نے ان دونوں رکعتوں کو چھوڑا ہی نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے، اس سے معلوم ہوا کہ سرکار دوعالم ﷺ عصر کے بعد دو رکعات پڑھنے پر مداومت فرمایا کرتے تھے، ظاہر یہ تو اس روایت کی بناء پر مطلقاً عصر کے بعد نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن شافعیہ اس کو خصوصیت پر محمول کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ عصر کے بعد سنت کی قضا کی جاسکتی ہے اور پھر اسی پر انہوں نے تمام اوقات منہیہ کو قیاس کرلیا۔

حضرات حنفیہ ومالکیہ وغیرہ ان اوقات میں مطلقاً سنن کی قضا کے قائل نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ابوداؤد وغیرہ میں تصریح وارد ہے أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعَصْرِ وَيَنْهَى عَنْهَا وَيُوَاصِلُ وَيَنْهَى عَنِ الْوِصَالِ، ترمذی میں ابن عباسؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے إِنَّمَا صَلَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ لِأَنَّهُ أَتَاهُ مَالٌ فَشَغَلَهُ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَصَلَّاهُمَا بَعْدَ الْعَصْرِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ لَهُمَا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، لیکن اس روایت کا دارومدار جریر عن عطاء پر ہے اور جریر نے یہ روایت عطاء بن سائب سے ان کے اختلاط کے بعد سنی ہے، بلکہ جریر نے مطلقاً ان سے اختلاط کے بعد سنا

Maktaba Tul Ishaat.com

اور مختلِط کی روایت قبل الاختلاط تو معتبر ہوتی ہے اور بعد الاختلاط کی روایت میں شک وشبہ پیدا ہو جاتا ہے، اگر اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہوتی ہے اور اگر مؤید نہ ہو تو وہ روایت مقبول نہیں۔

مگر وہ روایت جو ام سلمہؓ سے ابھی ہم نے نقل کی تھی أَفَنَقْضِيهِمَا إِذَا فَاتَتَا؟ قَالَ: لَا، اگر وہ اس کے ساتھ ملادی جائے تو قوت پیدا ہو جاتی ہے، مگر اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ اور ام سلمہؓ قضاء کی نفی کر رہے ہیں اور ادھر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مَاتَرَكَهُمَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ، تو ابن عباسؓ وام سلمہؓ کا بیان ایک طرف اور عائشہؓ کا بیان ان کے معارض ہے وہ دوسری طرف، اور عائشہؓ چونکہ مثبِت اور وہ دونوں حضرات نافی اس لئے عائشہؓ کے بیان کو ان دونوں کے بیان پر ترجیح حاصل ہوگی۔

لیکن ہو سکتا ہے ان دونوں میں جمع کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ انہوں نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا اور انہوں نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا، اس کا بھی خلاصہ ترجیح ہی ہے۔

اور ایک جمع کی صورت جو بعض اکابر کے کلام سے مستنبط ہے وہ یہ ہے کہ اصل میں رسول پاک ﷺ کی بعدیۃ الظہر جب فوت ہوئی تھی تو حضرت عائشہؓ کی باری تھی لہذا سرکار دوعالم ﷺ حضرت عائشہؓ کی باری میں جب ہوا کرتے تھے تو آپ اس بعدیۃ الظہر کے ایک مرتبہ قضا کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ان کی باری میں دو رکعات عصر کے بعد ادا فرمایا کرتے تھے، اور باقی ازواج کی باریوں میں اس کی قضا نہیں کرتے تھے، اس لئے ام سلمہؓ وغیرہ نے یہ کہہ دیا ثُمَّ لَمْ يَعُدْ لَهُمَا پھر عود نہیں کیا اور جب پوچھا گیا أَفَنَقْضِيهِمَا؟ تو آپ نے فرمادیا لَا، مگر یہ توجیہ اسی وقت چلے گی جب أَفَنَقْضِيهِمَا کی زیادتی کو تسلیم کر لیا جائے۔

(ص ۸۳) بَاب التَّبْكِيرِ بِالصَّلَاةِ فِي يَوْمِ غَيْمٍ

۵۹۴ ۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى - هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ - عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّ أَبَا الْمَلِيحِ حَدَّثَهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ فَقَالَ: بَكِّرُوا بِالصَّلَاةِ؛ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ.

ترجمہ: باب: بادل والے دن عصر کی نماز کو اوّل وقت میں پڑھنے کا بیان۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ابوالملیح بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ابر آلود دن میں حضرت بریدہؓ کے ساتھ تھے انہوں نے فرمایا کہ (عصر کی) نماز کو اوّل وقت میں پڑھ لو اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے عصر کی نماز کو چھوڑ دیا اس کا عمل اکارت ہو گیا۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر بادل ہو تو اس دن نماز میں تعجیل کرنی چاہئے اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تاخیر کرنے کی وجہ سے وقت گزر جائے اور نماز قضاء ہو جائے۔

علامہ موفق نے مغنی میں لکھا ہے کہ یومِ غیم میں مغرب کی تاخیر اور عصر و عشاء کی تعجیل مستحب ہے، اور لکھا ہے کہ یہی امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

مگر حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں مطلقاً لفظِ صلاۃ ذکر فرمایا ہے جبکہ روایت میں صلاۃ عصر کی تصریح وارد ہوئی ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے مطلق بول کر مقید مراد لیا ہے اور وہ حنفیہ اور حنابلہ کے ساتھ ہیں، یا یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے روایتِ مقیدہ پر ترجمۂ مطلقہ منعقد کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ روایت میں جو تقیید ہے وہ مقصود نہیں ہے بلکہ مطلقاً ہر نماز کا یہی حکم ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ روایت مرفوعہ میں صلاۃ عصر کا ذکر ہے لیکن صحابی نے فرمایا بَكِّرُوا بِالصَّلَاةِ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نماز جلدی پڑھی جائے۔

اس پر امام اسماعیلی نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مصنف کا یہ ترجمہ روایت مرفوعہ سے ثابت ہونے کے بجائے صحابی حضرت بریدہؓ کے قولِ موقوف سے ثابت ہو رہا ہے یہ مصنف کے طرز کے مطابق نہیں ہے، ان کا طرز تو یہ ہے کہ وہ اصلاً و بالذات مرفوع سے استدلال فرماتے ہیں، پھر اس کے بعد امام اسماعیلی نے یہی حدیثِ باب اپنی سند سے نقل کی ہے اور اس میں بَكِّرُوا بِالصَّلَاةِ مرفوعاً حضور پاک ﷺ سے روایت کیا ہے، گویا اسماعیلی یہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے مسلک اور طرز کے مطابق وہ سند ہے جو میں پیش کرتا ہوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ آپ نے جو لفظ اپنی سند سے پیش کیا ہے حضرت امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یہ دنیا جانتی ہے کہ بخاری کی عادت ہے کہ وہ دوسری روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو بخاری میں دوسرے موقع میں آ رہی ہوتی ہیں یا گزری ہوتی ہیں، اسی طرح بعض وقت ان دوسری روایات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جو دوسری کتابوں میں وارد ہوئی ہیں گویا وہ طلبہ کو بیدار کرتے ہیں کہ وہ تمام طرق حدیث سے واقفیت رکھیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مگر ہمارے علامہ سندی بہت غضب کے ذہین آدمی ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے قولِ موقوف پر اپنے استدلال کی بنیاد نہیں رکھی ہے بلکہ حدیث مرفوع پر اپنے اس ترجمہ کی بنیاد رکھی ہے اور وہ اس طور پر کہ صحابی نے بَكِّرُوا بِالصَّلَاةِ کی دلیل فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ پیش کی تو جب صحابی نے حدیث مرفوع سے بَكِّرُوا بِالصَّلَاةِ پر استنباط کر لیا تو حضرت امام بخاری نے بھی صحابی کی اتباع میں التَّبْكِيرِ بِالصَّلَاةِ فِي يَوْمِ غَيْمٍ کا اسی حدیث سے استنباط فرمالیا، لہذا بخاری کا اصل اعتبار اور ان کا ترجمہ کو ثابت کرنا حدیث مرفوع سے ہے صحابی کے قول موقوف سے نہیں ہے۔

اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ صحابی نے کیسے استنباط کیا؟ اس کو اللہ جانے کہ صحابی نے کیسے استنباط کر لیا، البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابی نے یہی سمجھا کہ اگر نماز کی تاخیر کر دی جائے تو وہ مرادف ہے اس کے ترک کے لہذا اس کی تبکیر کرنی چاہئے اور یہ ترک کہاں پر ہوتا ہے؟ یوم غیم میں، کیوں کہ وہیں خطرہ ہوتا ہے وقت کے نکل جانے کا، لہذا صحابی یوں فرماتے ہیں کہ بادل کے دن میں نماز جلدی پڑھو کہیں ایسا نہ ہو کہ آدمی سوچے کہ پڑھ لینگے پڑھ لینگے اور وقت نکل جائے، اور اگر وقت نکل گیا تو گویا ہم نے نماز کو چھوڑ دیا اور نماز کے چھوڑنے پر حدیث میں وعید وارد ہوئی ہے، اس واسطے آدمی کو ایسے اسباب سے احتراز کرنا چاہئے جہاں نماز چھوٹنے کی شکل پیدا ہوتی ہو۔

(ص ۸۳) بَابُ الْأَذَانِ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

۵۹۵۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: أَخَافُ أَنْ تَنَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ، قَالَ بِلَالٌ: أَنَا أُوقِظُكُمْ، فَاضْطَجَعُوا وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَقَالَ: يَا بِلَالُ أَيْنَ مَا قُلْتَ؟ قَالَ: مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ، قَالَ: إِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِينَ شَاءَ، يَا بِلَالُ قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ، فَتَوَضَّأَ

Maktaba Tul Ishaat.com

فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلَّى.

ترجمہ: باب، وقت گزر جانے کے بعد نماز کے لئے اذان دینے کا بیان۔

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ بعض لوگوں نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ آخر شب میں قیام فرمالیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ نماز کے وقت تم لوگوں کی آنکھ نہ لگ جائے، بلالؓ نے عرض کیا کہ میں تم سب لوگوں کو بیدار کر دوں گا، چنانچہ سب لیٹ گئے، بلالؓ اپنی سواری سے کمر لگا کر بیٹھے تو ان کی آنکھیں بھی نیند سے بند ہو گئیں یعنی وہ بھی سو گئے، پھر نبی اکرم ﷺ ایسے وقت میں بیدار ہوئے کہ آفتاب کا کنارہ طلوع ہو رہا تھا، آپ نے بلالؓ سے فرمایا، بلال! تم نے جو کہا تھا اس کا کیا ہوا؟ بلالؓ نے کہا کہ اس طرح کی نیند میرے اوپر کبھی مسلط نہیں ہوئی، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمہاری روحوں کو قبض کر لیا اور جب چاہا ان روحوں کو تمہارے پاس لوٹا دیا، اے بلال! اٹھو اور لوگوں کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے اذان دے دو، پھر آپ نے وضو کیا، اور جب سورج بلند ہو گیا اور سفید ہو گیا تو آپ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔

تشریح: یہ باب اذان بعد ذہاب الوقت کے بیان میں ہے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے یہ ترجمہ ابواب مواقیت میں کیوں ذکر کیا؟ اس کو تو ابواب اذان میں ذکر کرنا چاہئے تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ محض وقت کی رعایت اور مناسبت کی وجہ سے یہ ترجمہ یہاں پر ذکر کیا ہے۔

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر وقت پر کسی وجہ سے نماز نہیں پڑھی گئی اور وقت کے بعد پڑھی جائے تو اذان دے کر پڑھی جائے گی، گویا یہ بتلاتے ہیں کہ فوائت کے لئے اذان دی جائے گی، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل، ابن منذر، ابو ثور اور امام شافعی قول قدیم میں اذان للفوائت کے قائل ہیں، امام مالک، اوزاعی، امام شافعی قول جدید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ فائتہ کے لئے اذان نہیں دی جائے گی، امام نووی نے یہاں پر امام شافعی کے قول قدیم کو صحیح قرار دیا ہے، امام بخاری بھی جمہور کے ہم خیال اور اذان للفوائت کے قائل ہیں اور دلیل میں حضرت ابو قتادہؓ کی روایت پیش کی ہے اس میں ہے **فَأَذِنَ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فَتَوَضَّأَ** حضرت بلالؓ نے نماز کی اذان دی آنحضور ﷺ نے وضو کیا اور پھر نماز پڑھی گئی۔

قاضی ابو الولید باجی چونکہ مالکی المسلک ہیں اور مالکیہ کے یہاں فوائت کے لئے اذان نہیں ہے لہذا انہوں نے

Maktaba Tul Ishaat.com

اس روایت کی ایک تاویل کی کہ اس سے اذان لغوی یعنی محض اعلام مراد ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں ارشاد فرماتے ہیں وھو ممکن، یہ توجیہ ممکن ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ اگر اس طرح کی توجیہ کوئی حنفی کرتا تو حافظ اس توجیہ پر بُعد کا حکم صادر فرمادیتے، اور کوئی حنفی حافظ ابن حجر کی اس توجیہ اور اس دعویٰ امکان کو یہ کہنے لگے کہ یہ بعید ہے تو انصاف سے ہٹی ہوئی بات نہ ہوگی، لفظِ اذان جب شریعت میں بولا جاتا ہے تو اس سے اذان شرعی مراد ہوا کرتی ہے نہ کہ اذان لغوی اِلّا یہ کہ اس سے کوئی مانع موجود ہو اور یہاں مانع ہے نہیں۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اذان لاعلام الوقت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے اذان کا مقصود اعلام وقت ہے ایسے ہی اس کا مقصود اعلام المصلین بھی ہے اور یہ اذان خواص فرائض میں سے ہے، اب اگر فریضہ فوت ہو چکا ہے اور اس کی قضا کی جارہی ہے تو اس کے خاصہ کو بھی اس کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔

ہاں البتہ اگر ان روایات سے استدلال کیا جائے جن میں قضا کا تذکرہ ہے لیکن اذان کا کوئی ذکر نہیں تو یہ ممکن تو ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اذان دینا فوائت کے لئے واجب نہیں ہے، ہو سکتا ہے کبھی اس لئے ترک کر دیا گیا ہو تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اذان للفوائت واجب نہیں، اور ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ جہاں پر اذان کا ذکر نہیں ہے وہاں راوی کا اپنا اختصار ہے۔

کیا متعدد فوائت کے لئے متعدد اذان ہوگی؟ اگر چند فوائت ہوں اور سب کو ایک ساتھ ادا کرنا ہو تو آیا ہر ایک کے لئے اذان ہوگی یا صرف اول کے لئے اذان ہوگی، یا بالکل اذان نہیں ہوگی یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امامِ ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے لئے اذانِ متعارف مستقلاً ہوگی، امام شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ صرف پہلی کے لئے اذان ہوگی اور باقی کے لئے اقامت، حضرت امام مالک ارشاد فرماتے ہیں کہ صرف اقامت کہی جائے گی اذان نہیں، امام شافعی سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ اگر اجتماع مصلین کا امکان ہو یعنی اور لوگ بھی آجائیں تب تو اذان دے ورنہ اذان نہ دے۔

امام بخاری کا فیصلہ: اذان للفوائت کا مسئلہ مختلف فیہ تھا، امام بخاری کی عادت مسائل مختلف فیہا میں یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کہ وہ صاف اور فیصلہ کن بات نہیں کہتے، گول مول رکھتے ہیں تاکہ اپنی ذمہ داری نہ رہے، لیکن یہاں امام بخاری نے بالکل صاف صاف فیصلہ کر دیا الْأَذَانُ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ، علامہ ناصر الدین بن منیر جو مالکی المسلک ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اپنی عادت کے خلاف یہاں پر مسئلہ کی جو تصریح فرمائی ہے وہ اسلئے کہ دلیل قوی ہے اور یہ بھی امام بخاری کے عادات میں ہے کہ جہاں مسئلہ میں اختلاف ہو لیکن دلیل قوی ہو تو وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں، صاف صاف بَتُّ القول فرما دیتے ہیں اور دو ٹوک فیصلہ کر دیا کرتے ہیں، یہاں اسی لئے امام بخاری نے یہ فیصلہ کیا ہے، اسی طرح آگے چل کر ابوابِ اذان میں مصنف نے صاف لکھ دیا ہے باب وجوب صلاۃ الجماعۃ اور وہاں کسی کے بھی اختلاف کی پرواہ نہیں کی کیوں کہ بخاری کے نزدیک وجوبِ جماعت کی دلیل بالکل واضح تھی۔

قَالَ بِلَالٌ أَنَا أُوقِظُكُمْ: حضرت بلالؓ کہنے لگے کہ میں جگا دوں گا، اس کے بعد سب لیٹ گئے اور حضرت بلالؓ نے اپنی سواری کی طرف ٹیک لگائی اور ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا، آنکھ اُس وقت نبی اکرم ﷺ کی کھلتی ہے جب سورج نمودار ہو چکا ہوتا ہے، آپ نے فرمایا اے بلال! أَيْنَ مَا قُلْتَ؟ کہاں گئی وہ بات۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی کوئی ذمہ داری لے اور اس میں اس سے کسی وجہ سے کوتاہی ہو جائے تو اس سے اس پر سوال کیا جا سکتا ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں آدمی کو کسی کام کے سلسلہ میں احتمال ہو کہ یہ ہو نہ پائے گا تو قطعی کوئی ذمہ داری نہیں لینی چاہئے، یہ ظاہر ہے کہ یہ حضرات رات کے چلے ہوئے تھکے ماندے تھے ایسے وقت میں جگا دینے کی ذمہ داری بہت بڑی بات ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ شانہ کو یہ منظور تھا کہ قضا نماز کی سنت فعلیہ حضور اکرم ﷺ سے جاری ہو اور فعلی طور پر آپ قضا نماز پڑھنے کی تعلیم امت کو دے دیں اس لئے سب پر نیند ڈال دی گئی اور ایسی صورت پیدا کر دی گئی، حضور ﷺ نے نماز قضا کر کے یہ بتلا دیا کہ اگر نماز فوت ہو جائے تو اس طرح سے نماز پڑھی جائے گی۔

مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ: حضرت بلالؓ نے جواباً عرض کیا یا رسول اللہ! ایسی نیند تو کبھی آئی ہی نہیں یعنی بڑی میٹھی اور خوش گوار نیند آئی یا مطلب یہ ہے کہ بڑی گہری اور تیز نیند آئی۔

قَالَ إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہاری ارواح کو قبض کر لیا جب چاہا اور واپس کر دیا جب چاہا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

روح کے قبض کی صورت: اس سے معلوم ہوا کہ جب آدمی سوتا ہے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ روح کو قبض کرتے ہیں، قرآن پاک میں ہے ﴿اللهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى﴾ اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

اصل میں قبض کی دو قسمیں ہیں ایک قبض تام اس میں تو ظاہراً وباطناً قبض کر لیا جاتا ہے، روح کا بدن سے تعلق ہی منقطع ہو جاتا ہے اور دوسرا قبض غیر تام ہوتا ہے وہاں صرف ظاہری قبض ہوتا ہے باطنی طور پر روح کا تعلق جسم سے باقی رہتا ہے۔

شیخ عزالدین بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ ہر بدن میں دو روح ہیں، ایک روح الحیاۃ اور دوسرے روح الیقظۃ، جب آدمی سوتا ہے تو صرف روح الیقظۃ بدن سے جدا ہوتی ہے روح الحیاۃ باقی رہتی ہے، اور جب بیدار رہتا ہے تو دونوں کا تعلق بدن سے رہتا ہے، اور جب مرتا ہے تو جیسے روح الیقظۃ نکل جاتی ہے روح الحیاۃ بھی جدا ہو جاتی ہے، اور بعضوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ انبیاء کی پانچ پانچ روحیں ہوتی ہیں لیکن محققین علماء کی رائے یہی ہے کہ ایک ہی روح ہے اور اسی سے مختلف تصرفات کا صدور ہوتا ہے۔

فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلَّى: حنفیہ تو کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے تاخیر اس لئے کی کہ وقت مکروہ تھا، اور شافعیہ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ ضروریات میں مشغول تھے۔

(ص ۸۳) بَابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

۵۹۶. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضي الله عنه جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَاللهِ مَا صَلَّيْتُهَا، فَقُمْنَا إِلَى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کا بیان جو وقت گزرنے کے بعد جماعت سے نماز پڑھنے کے قائل ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق کے دن حضرت عمرؓ غروب آفتاب کے بعد آئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے، عرض کیا یارسول اللہ! میں عصر کی نماز کے قریب نہ جاسکا یہاں تک کہ سورج غروب کے قریب ہو گیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا بخدا میں عصر کی نماز نہ پڑھ سکا، پھر ہم اٹھ کر بطحان گئے اور آپ نے نماز کے لئے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا، پھر آپ نے غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھائی، پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے ترجمۂ گزشتہ میں اذان للفائتۃ کو بیان کیا تھا اور یہ بتلایا تھا کہ اگر وقت گزر جائے تو اس کے بعد بھی اذان دی جائے گی، اب اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وقت گزرنے کے بعد جماعت سے نماز پڑھی جائے گی۔

اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ اگر متعدد لوگوں کی نماز فوت ہو جائے اور قضا کریں تو بالجماعۃ قضا کرنا چاہئے، لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ اگر نماز فوت ہو جائے تو تنہا قضا کریں حالانکہ وہ جمعہ میں اس بات کے قائل ہیں کہ اگر جمعہ فوت ہو جائے تو وہ بالجماعۃ ادا کی جائے گی، امام بخاری نے ممکن ہے کہ لیث کے قول کی تردید کی ہو۔

حضرت امام بخاری نے یہاں فرمایا بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ، علامہ ابن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یوں نہیں فرمایا من صلّى بالناس جماعة صلاة فائتة تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نماز فوت ہو جانے کے قریبی وقت میں ادا کی گئی، یہ نہیں کہ کافی وقت پہلے کی کوئی نماز قضاء ہو تو اسکی جماعت کی جائے، تو گویا بخاری یہ بتلاتے ہیں کہ اگر قریب وقت میں کوئی نماز فوت ہوئی ہو تو وہ بالجماعۃ ادا کی جائے۔

تنبیہ: میں نے ابن منیر کا حوالہ دیا اس سے مراد علامہ زین بن منیر ہیں، جب میں علی الاطلاق ابن منیر کہتا ہوں تو اس سے مراد ناصر بن منیر ہوتے ہیں، اور جب زین بن منیر کہتا ہوں تو اس سے مراد ان کے چھوٹے بھائی ہوتے ہیں۔

جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ: غزوۂ خندق مشہور غزوہ ہے جس کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے، غزوۂ خندق تو اس لئے کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں خندق کھودی گئی تھی اور غزوۂ احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں کفار مختلف جماعتوں کو لیکر مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آئے تھے۔

حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ: یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ نہیں قریب تھا کہ میں عصر کی نماز پڑھوں

Maktaba Tul Ishaat.com

حتی کہ سورج غروب کے قریب ہوگیا، حضور ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے بھی نماز نہیں پڑھی۔

کَادَ کا نحوی قاعدہ: بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ کَادَ دیگر افعال کی طرح سے اگر مثبت ہو تو اثبات کا فائدہ دیتا ہے اور منفی ہو تو منفی کا، لیکن مشہور یہ ہے کہ کَادَ عام افعال کے خلاف فعل کے برعکس کا فائدہ دیتا ہے، اگر مثبت ہو تو منفی کا اور اگر منفی ہو تو اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔

لہٰذا مَا کِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا بلکہ غروب کے قریب ہوا اور حضرت عمرؓ نے عصر غروب سے پہلے پہلے ادا کرلی، اور جب یہ بات نبی پاک ﷺ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا میں نے تو اب تک پڑھی ہی نہیں، صحابی کہتے ہیں فَقُمْنَا إِلَى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کے بغیر پہلے ہی نماز کیسے پڑھ لی؟

علامہ کرمانی جو پہلے مسلک کے قائل ہیں یعنی کَادَ مثبت میں اثبات کا فائدہ دیتا ہے گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی نماز عصر فوت ہونے کے بعد ہی پڑھی، لیکن اگر کَادَ کے بارے میں راجح مسلک پر عمل کیا جائے تو پھر اشکال کھلا ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت عمرؓ پہلے سے باوضو ہوں اور کسی ایک طرف ہوں گے، چونکہ ہنگامہ جاری تھا اس لئے انہوں نے موقع پاکر عصر کی نماز پڑھ لی اور اسکے بعد جب خدمت والا میں حاضری ہوئی تو صورت حال عرض کردی اس پر حضور پاک ﷺ نے فرمایا وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا میں نے تو اب تک نماز پڑھی ہی نہیں ہے، چنانچہ آنحضور ﷺ نے اس کے بعد نماز عصر باجماعت ادا فرمائی۔

عصر جماعت سے ہوئی یا فرداً؟ اشکال یہ ہے کہ روایت میں جماعت کا کوئی تذکرہ ہے نہیں پھر مصنف نے یہ ترجمہ کیسے اخذ فرمایا؟ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث مختصر ہو اور کسی روایت میں جماعت کا ذکر ہو امام بخاری نے اس روایت سے ثابت کیا ہو، اور ممکن ہے امام بخاری نے ترجمہ یوں ثابت کیا ہو کہ صلاۃ فائتہ تو عصر تھی اور صلاۃ وقتیہ مغرب تھی اور وقتیہ میں حضور ﷺ کی عادت جماعت کی تھی تو اب یہ بہت بعید ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز تو جماعت سے پڑھی ہو اور عصر کی بلا جماعت پڑھی ہو، ظاہر ہے کہ جیسے مغرب کی نماز باجماعت ادا کی گئی ایسے ہی آپ نے عصر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کی خصوصاً جبکہ روایت

Maktaba Tul Ishaat.com

کے سیاقات بھی سب کے سب جمع ہی کے صیغے ہیں جیسے (۱) فَقُمْنَا إِلَى بُطْحَانَ (۲) وَتَوَضَّأْنَا لَهَا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے احتمالِ اوّل کو اختیار فرمایا ہے اور یہی زین بن منیر نے ذکر کیا ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ اسماعیلی کی روایت میں اسی حدیث میں وارد ہوا ہے فصلّی بنا العصر۔

عصر کا قضاء ہونا سہواً تھا یا عمداً؟ حضور اکرم ﷺ نے اس دن عصر کی نماز آیا سہواً ونسیاناً چھوڑی تھی یا عمداً؟ اس میں دونوں احتمال ہیں اور دونوں ہی رائے ہے، سہواً ونسیان والے قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد نے المسند میں اور ابن سعد نے طبقات میں حضرت ابو جمعہؓ صحابی سے نقل کیا ہے کہ آنحضور ﷺ کو نسیان طاری ہو گیا تھا، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ کیا سارے صحابہ کو بھی نسیان طاری ہو گیا تھا؟ اس لئے اس روایت کے ثبوت میں کچھ تامل سا معلوم ہوتا ہے، مزید یہ ہے کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جس کا حال مشہور ہے، اور اگر یہ روایت ثابت ہو تو پھر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے حضور اکرم ﷺ کو نسیان ہوا اور صحابہ عام طور سے حضور ﷺ کے احوال پر نظر رکھتے تھے انہوں نے دیکھا کہ آپ نہیں پڑھ رہے ہیں اس لئے خاموش رہے۔

اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے عمداً ہی ترک کیا تھا کیوں کہ آپ جنگ کی مشغولی میں تھے، نماز پڑھنے کا کوئی اطمینان کا وقت نہیں ملا اس لئے آپ نے نماز کو مؤخر فرما دیا، مسند شافعی، مسند احمد اور سنن نسائی میں ابو سعیدؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ ہماری ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں فوت ہوئیں اور حضور اکرم ﷺ نے ہمیں یہ نمازیں پڑھائیں وذلک قبل أن تنزل ﴿فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ معلوم ہوا کہ اس وقت تک چونکہ صلاۃ الخوف پڑھنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آنحضور ﷺ نے ہنگامۂ جنگ کی وجہ سے نماز کو مؤخر فرما دیا تھا۔

نماز ایک قضاء ہوئی یا دو؟ روایات میں اختلاف ہے کہ آیا جنگ خندق میں آپ کی صرف ایک نماز فوت ہوئی یا متعدد نمازیں؟ بخاری وغیرہ کی روایات سے تو صرف صلاۃ عصر کا فوت ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن ابو سعیدؓ کی جو روایت ابھی ہم نے ذکر کی ہے اس میں ظہر وعصر اور مغرب کا ذکر ہے، اور امام احمد، ترمذی اور نسائی نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت نقل کی ہے اس میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کا تذکرہ وارد ہوا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے، عشاء کو تو مجازاً فوائت میں شمار کر لیا گیا ہے باقی تین نمازیں فوت ہوئی تھیں۔

قاضی ابن عربی نے تو بخاری کی روایت کو ترمذی وغیرہ کی روایات پر ترجیح دی ہے لیکن امام بیہقی نے احتمالی طور پر یہ ذکر کیا ہے کہ ممکن ہے متعدد دن میں الگ الگ وقائع پیش آئے ہوں، ایک دن صرف ایک فوت ہوئی ہو اور بعض ایام میں کئی نمازیں فوت ہو گئی ہوں، حضرت امام بیہقی نے جس جمع کو احتمالاً ذکر کیا ہے امام نووی نے اس کو جزماً ذکر کیا ہے اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ الگ الگ واقعات ہیں کیوں کہ غزوۂ خندق کئی یوم تک جاری رہا لہذا بعض دن ایک نماز فوت ہوئی اور بعض ایام میں کئی نمازیں فوت ہو گئیں، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس جمع کو قریب کرنے والی چیز یہ ہے کہ ابو سعیدؓ اور ابن مسعودؓ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے قصہ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی اور دن کا واقعہ ہے۔

فوائت میں ترتیب ہے یا نہیں؟ حضور پاک ﷺ نے جب نماز قضا کرنا شروع کی تو پہلے عصر پڑھی اور پھر اس کے بعد مغرب پڑھی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوائت کو ترتیب وار ادا کیا جائے گا۔

وقتیہ اور فائتہ میں ترتیب واجب ہے یا نہیں؟ اور فوائت میں آپس میں ترتیب واجب ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ائمۂ ثلاثہ تو وجوب کے قائل ہیں، اور امام شافعی اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ فوائت میں ترتیب واجب نہیں ہے، اور یہی حنفیہ میں سے محقق ابن ہمام، علامہ زین بن نجیم صاحب بحر، اور مولانا عبد الحی لکھنوی نے اختیار کیا ہے۔

جو لوگ وجوب کے قائل ہیں وہ غزوۂ خندق کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور ابو سعیدؓ وغیرہ کی روایت میں سب نمازوں کا ترتیب وار پڑھنا وارد ہوا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ فوائت ترتیب وار ادا کی جائیں گی، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ تو محض فعل ہے و محض الفعل لایدل علی الوجوب الا یہ کہ اس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی صلوا کما رأیتمونی أصلی ملا لیا جائے۔

وقت تنگ ہو تو کیا کرے؟ اس میں اختلاف ہے کہ اگر وقتیہ کا وقت تنگ ہو تو آیا وقتیہ کو مقدم کیا جائے گا یا فائتہ کو یا تخییر ہو گی؟ امام مالک فرماتے ہیں کہ فائتہ کو، امام ابو حنیفہ اور شافعی کہتے ہیں کہ وقتیہ کو، اور بعض مالکیہ غالباً اشہب فرماتے ہیں کہ اختیار ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

کیا ترتیب ہر حال میں لازم ہے؟ اور اگر چند فوائت ہوں تو آیا کسی وقت موجبینِ ترتیب کے نزدیک ترتیب ساقط ہوگی یا نہیں؟ یعنی اگر فوائت متعدد ہوں تو ان فوائت میں مطلقاً ترتیب واجب ہے یا بعض حالات میں وہ ترتیب ساقط بھی ہو سکتی ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر نسیان ہو جائے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی، امام مالک کی اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں ایک تو یہ کہ ترتیب ساقط ہو جائے گی اور یہی ان کے اصحابِ فروع نے اپنی متاخرہ کتابوں میں درج کیا ہے لیکن دوسری روایت ان سے یہ منقول ہے کہ نسیان سے ترتیب ساقط نہیں ہوگی، اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں **من نسی صلاۃ من صلاته فلم یذکرھا إلا وھو مع الإمام، فإذا سلّم الإمام فلیصلّ صلاته التی نسی ثم لیصلّ بعدھا الصلاۃ الأخری، أخرجه مالک فی الموطا وعنه محمد بن الحسن فی الموطا**، امام دار قطنی اور بیہقی نے اس روایت کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے لیکن حفاظ ابو زرعہ رازی، ابو احمد بن عدی، ابو الحسن دار قطنی اور ابو بکر بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کا رفع وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے، اور جو حضرات نسیان کو مُسقطِ ترتیب قرار دیتے ہیں وہ حدیث **رفع عن أمتی الخطأ والنسیان** کو دلیل بناتے ہیں۔

کثرتِ فوائت مسقطِ ترتیب ہے: اسی طرح کثرتِ فوائت سے حنفیہ کے یہاں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، امام مالک کے یہاں بھی، لیکن امام احمد کثرت کو مُسقطِ ترتیب نہیں مانتے ہیں۔

پھر وہ کثرت جس کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے کیا ہے؟ اس میں کئی قول ہیں، ۱۔ حنفیہ تو فرماتے ہیں کہ پانچ سے زائد، پھر آیا پانچ سے مراد پانچ نمازیں ہیں یا پانچ اوقات ہیں؟ یہ تو احناف کی کتابوں میں دیکھ لیا جائے دونوں ہی قول ہیں، ۲۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ پانچ نمازیں ہو جائیں تو کثرت ہے، ۳۔ بعض کہتے ہیں کہ چار ہو جائیں تو کثرت ہے۔

نیز حنفیہ فرماتے ہیں کہ ضیقِ وقت سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، یہی حنابلہ کا مسلک ہے، امام مالک ضیقِ وقت کو مسقطِ ترتیب نہیں مانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وقتیہ اور فائتہ جمع ہو جائیں اور وقتیہ کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو وہ فرماتے ہیں کہ فائتہ پہلے اور وقتیہ بعد میں پڑھے، لیکن جمہور کہتے ہیں کہ نہیں، پہلے وقتیہ کو مقدم کیا جائے گا، خواہ مخواہ فائتہ کی وجہ سے وقتیہ کو کیوں فوت کیا جائے، اشہب کہتے ہیں کہ جس کو چاہے مقدم کرے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۴) بَاب مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَلَا يُعِيدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ

وقال إبراهيم: من ترك صلاة واحدة عشرين سنة لم يعد إلا تلك الصلاة الواحدة.

۵۹۷. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَا: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ ﴿أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِذِكْرِي﴾.

قَالَ مُوسَى: قَالَ هَمَّامٌ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: بَعْدُ ﴿أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِذِكْرِي﴾. وَقَالَ حَبَّانُ: ثَنَا هَمَّامٌ ثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

ترجمہ: باب، جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے تو اس وقت پڑھے اور صرف اسی نماز کو لوٹائے۔ ابراہیم نخعی نے کہا کہ جس شخص نے بیس سال تک ایک نماز کو چھوڑے رکھا تو وہ صرف اسی نماز کو لوٹائے گا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے اس وقت پڑھے اس لئے کہ اس کا کفارہ یہی ہے، سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری یاد کے وقت نماز کو قائم کرو، ہمام کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہؓ سے بعد میں (یعنی اس روایت کو بیان کرنے کے بعد دوسرے وقت میں) أقم الصلاة لذكرى کہتے سنا ہے، حبان نے کہا کہ ہم سے ہمام نے حدیث بیان کی اور ان سے قتادہ نے بیان کیا کہ ہم سے انس بن مالکؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ایسی ہی حدیث بیان کی۔

تشریح: اگر کسی کی کوئی نماز فوت ہو جائے تو جب یاد آجائے تب وہ نماز پڑھ لے اور صرف اسی نماز کا ادا کرنا اس کے ذمہ ہے اور باقی کسی نماز کا اعادہ اس کے ذمہ نہیں ہے۔

امام بخاری کے مقصودِ ترجمۃ الباب میں شراح کا اختلاف ہے۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وقتیہ اور فوائت کے درمیان ترتیب نہیں ہے علیٰ خلاف مذہب ابی حنیفۃ۔

لیکن وقتیہ اور فوائت کے درمیان ترتیب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمۂ ثلاثہ تو وجوبِ ترتیب کے قائل ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

صرف حضرت امام شافعی عدم الوجوب کے قائل ہیں، اگر امام بخاری نے اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے تو غالباً حضرت امام نے امام شافعی کی تائید کی ہے اور حنفیہ وغیرہ پر رد کیا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ باب کی غرض حنفیہ وغیرہ پر رد نہیں اس لئے کہ امام بخاری تو یوں فرمارہے ہیں کہ اگر نسیان ہو جائے تو جب یاد آئے تو پڑھ لے اور کسی نماز کا اس کے ذمہ اعادہ نہیں، اور نسیان کی صورت میں تو احناف بھی ترتیب کو ساقط قرار دیتے ہیں، الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر بھول سے کوئی نماز قضا ہو جائے تو جب یاد آئے آدمی اس کو قضا کرلے باقی اور کسی نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، معلوم ہوا کہ وقتیہ اور فوائت میں کوئی ترتیب نہیں ہے۔

(۲) ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے امام احمد کے قول پر رد کیا ہے، امام احمد سے منقول ہے کہ اگر کسی آدمی نے کوئی نماز ایک سال تک چھوڑے رکھی اب جب یہ اعادہ کرے گا تو اس صورت میں اس کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ جو نمازیں اب تک پڑھی ہیں اس یاد کے ساتھ کہ فلاں نماز چھوٹی ہوئی ہے تو ساری نمازوں کا اعادہ کرے گا۔

مثلاً فجر کی نماز کسی شخص نے چھوڑ دی، پھر ظہر پڑھی عصر پڑھی مغرب پڑھی عشاء پڑھی، اور پڑھتا رہا سال بھر تک اور اسے ہر نماز کے ساتھ یاد ہے کہ میری فلاں نماز چھوٹی ہوئی ہے، تو اب جتنی نمازیں اس نے اس یاد کے ساتھ پڑھی ہیں تو ہر نماز کی قضا اس کے ذمہ واجب ہے، امام بخاری نے اس کی تردید فرمادی کہ انسان کی جو نماز چھوٹ گئی ہے بس اسی کی قضا ہے باقی اور کسی نماز کا اعادہ اس کے ذمہ نہیں ہے، اسی لئے امام بخاری نے وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: مَنْ تَرَكَ صَلَاةً وَاحِدَةً عِشْرِينَ سَنَةً لَمْ يُعِدْ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ الْوَاحِدَةَ نقل فرمایا ہے۔

(۳) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مسلم کی ایک حدیث کی تضعیف کی طرف اشارہ فرمایا ہو، مسلم شریف میں ابو قتادہؓ کی روایت جس میں لیلۃ التعریس کا قصہ مذکور ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ آدمی کی آج نماز فوت ہوگئی تو قضا کرے فَإِذَا كَانَ الْغَدُ فَلْيُصَلِّهَا عِنْدَ وَقْتِهَا جب کل کا دن آئے تو جب اس کا وقت آئے تو اس وقت اس کو پڑھے، اس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آج تو اس کی قضا کرے اور کل جب وقت آئے تو پھر اس وقت میں دوبارہ اس نماز کو پڑھے، حضرت امام بخاری نے بتلا دیا لَمْ يُعِدْ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ ایک مرتبہ پڑھ لے کافی ہے دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن اس روایت کی تضعیف کی کوئی وجہ نہیں، اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کی نماز قضا ہو جائے تو جس وقت یاد آئے اس وقت پڑھ لے لیکن اگلے دن اس کو اس کے وقت میں پڑھے، یہ نہیں کہ اس کا وقت بدل گیا ہے اور آج نسیان کی وجہ سے جس وقت اس نے ادا کی یہی اس کا وقت بن گیا ہے۔

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک اور غرض بیان کی کہ ہو سکتا ہے ابوداؤد کے ایک لفظ کی تضعیف کی ہو جو انہوں نے عمران بن حصینؓ سے اسی قصۂ نوم میں نقل کیا ہے فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ صَلَاةَ الْغَدَاةِ مِنْ غَدٍ صَالِحًا فَلْيَقْضِ مَعَهَا مِثْلَهَا جس کو صبح کی نماز کل کے دن پوری مل جائے تو اس کے ساتھ اس کے مثل دوبارہ وہی نماز پڑھے، اس سے صاف طور سے یہ نکلتا ہے کہ اگر آج قضا کی گئی ہے تو کل وقت میں دوبارہ پھر اس کی قضا کی جائے، امام بخاری نے اس کی تردید کی اور فرمایا مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَلَا يُعِيدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ۔

ویسے اس حدیث فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ صَلَاةَ الْغَدَاةِ الخ کو ایک جماعت نے استحباب پر محمول کیا ہے، ابو سلیمان خطابی اور ابو حاتم بن حبان البُستی کی یہی رائے ہے، لیکن حافظ نے اس کی تردید کی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی دوبارہ اعادہ کے استحباب کا قائل نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت ہی وہم ہے، اس کے راوی خالد بن سمیر کو وہم ہوا ہے جیسا کہ امام بیہقی نے کتاب المعرفہ میں تصریح فرمائی ہے، عمران کی روایت میں یہ تصریح ہے أَيَنْهَاكُمْ رَبُّكُمْ عَنِ الرِّبَا وَيَقْبَلُهُ مِنْكُمْ؟ أخرجه أحمد وابن خزيمة وابن حبان وغيرهم کیا اللہ تعالیٰ شانہ تم کو ربا سے روکے اور خود ربا قبول کرے؟ ایک مرتبہ لیکر پھر دوبارہ فریضہ کا مطالبہ کرے؟

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے ابوداؤد کی روایت کو عمران بن حصینؓ کے مسندات میں شمار کیا ہے لیکن یہ حافظ کا وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابوداؤد میں ابو قتادہؓ سے مروی ہے۔

(۵) احقر کا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے امام مالک کے قول کی تردید کی ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کے ذمہ قضا نمازیں تھیں لیکن اس کو نسیان واقع ہو گیا اور اس نے اتفاق سے بھول کر بجائے قضا نماز پڑھنے کے وقتیہ نماز پڑھ لی اور پھر بعد میں یاد آیا کہ اس کے ذمہ فلاں نماز قضا ہے تو اس صورت میں امام مالک فرماتے ہیں کہ پہلے وہ قضا نماز پڑھے اور اس کے بعد جو نماز پڑھی تھی دوبارہ اس کو پڑھے، یہ امام مالک سے ایک روایت ہے اور اس کی دلیل ماقبل باب میں ابن عمرؓ کا قول نقل کر چکا ہوں۔

حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے امام مالک کے اس قول کی تردید کی ہے اور یہ فرماتے ہیں مَنْ

Maktaba Tul Ishaat.com

نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَلَا يُعِيدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ جو کوئی نماز بھول گیا تو جب یاد آئے اسی نماز کو پڑھ لے اس کے علاوہ اس کے ذمہ کسی اور نماز کا اعادہ نہیں۔

امام مالک کا دوسرا قول جمہور علماء کے مطابق ہے کہ نسیان مُسقطِ ترتیب ہے، لہذا جب وقتیہ پڑھ لی تو اب اس کے ذمہ کوئی اور مطالبہ نہیں، اس کی دلیل میں امام بخاری نے حضرت انس بن مالکؓ کی حدیثِ مرفوع کو پیش کیا کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ بس یہی ہے اس کا کفارہ کہ اس کو پورا کر لیا جائے آگے کسی اور نماز کا اعادہ اس کے ذمہ نہیں ہے اور یہی غرض بخاری کے ترجمہ نویس یعنی ان کے ترجمہ کی شرح کرنے والے مشہور محقق عالم علامہ ناصر الدین علی بن منیر نے اختیار فرمائی ہے۔

مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ: بخاری کا ترجمہ تو اس روایت کے ظاہر سے ثابت ہے کہ قضا کرنا ناسی کے ذمہ واجب ہے، یہ تو متفق علیہ ہے۔

عمداً چھوڑنے کا کیا حکم؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ آیا عامد پر بھی قضا ہے؟ حدیث کا نص ناسی پر مطالبہ کرتا ہے عامد پر نہیں، لیکن ائمۂ اربعہ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ عامد پر بھی اس کی قضا ہوگی، ظاہر ہے کہ اس نے عمداً قضا کی ہے لہذا وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا، جب عمد کا گناہ اس کے ذمہ ہے تو وہ نماز ادا کئے بغیر کیسے بری الذمہ ہو جائے گا؟

حضرات جمہور اس کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ نماز فریضۂ خداوندی ہے اس فریضہ سے سبک دوش ہونے کی تین صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ آدمی اس کو ادا کرے، دوسری صورت یہ ہے کہ صاحبِ حق یعنی اللہ تعالی بری کر دے، ان دونوں کا تحقق تو ہوا نہیں لہذا صرف تیسری صورت رہ جاتی ہے کہ اس کی قضا کرے، لہذا قضا بہر حال کرنی پڑے گی۔

اور حدیث پاک میں ناسی کی تصریح اس لئے کی گئی ہے کہ نسیان سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے تو ممکن ہے کہ کوئی آدمی یہ سمجھے کہ جب نسیان سے گناہ ساقط ہو گیا تو شاید قضا بھی ساقط ہو گئی ہو، حدیث پاک نے یہ بتلا دیا کہ نسیان سے صرف تاخیر کا گناہ انسان پر نہیں آئے گا باقی قضا بہر حال اس کے ذمہ واجب رہے گی، نسیان مسقطِ اثم ہے مسقطِ قضا نہیں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نیز اس لئے تصریح کی گئی کہ مسلمان کی شان کے مناسب یہ ہے کہ اس سے اگر نماز چھوٹے تو نسیاناً چھوٹے عمداً نہ چھوٹے، باقی عمداً چھوڑنے کا گناہ ہوگا جس کے لئے بجز استغفار و توبہ کے اور کوئی چارہ نہیں۔

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي: اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، ۱۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں لتذکرنی فیھا یعنی تم مجھے نماز میں یاد کرو، ۲۔ بعض کہتے ہیں لأذکرک علیھا یعنی نماز قائم کرو تاکہ میں تمہیں یاد کروں، ۳۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ذکر بول کر یاد دلانا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس وقت میں نے تم کو نماز کی یاد دلائی اسی وقت نماز کو قائم کرلو، ۴۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ راوی کی تغییر ہے اصل میں ہے وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِلذّكرى، ذکریٰ بمعنی التذکّر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک کو یاد کرنے کے لئے نماز کو قائم کرو اور کوئی دوسرا مقصود نہ ہو، ۵۔ علامہ تورپشتی سے منقول ہے کہ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي کا معنیٰ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِ صَلَاتِي ہے یعنی نماز قائم کرو میری نماز کے یاد آنے کے وقت، چونکہ صلاۃ سے مراد خاص عبادت ہے لہذا اللہ نے اپنی ضمیر استعمال کرکے اپنی مخصوص عبادت مراد لی ہے۔

(ص ۸۴) بَابُ قَضَاءِ الصَّلَاةِ الْأُولَى فَالْأُولَى

۵۹۸. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى - هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ - عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: جَعَلَ عُمَرُ رضي الله عنه يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَسُبُّ كُفَّارَهُمْ فَقَالَ: مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، قَالَ: فَنَزَلْنَا بُطْحَانَ فَصَلَّى بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ.

ترجمہ: باب، فوت شدہ نمازوں کو ترتیب وار قضا کرنے کا بیان کہ پہلے پہلی نماز پڑھے پھر دوسری۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ خندق والے دن کفار قریش کو بہت برا کہنے لگے اور فرمایا کہ میں عصر کی نماز کے قریب بھی نہ جاسکا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ پھر ہم وادی بطحان میں پہنچے اور وہاں رسول اللہ ﷺ نے پہلے سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ فوائت کے درمیان ترتیب

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوگی، اس میں تو سبھی متفق ہیں کہ ترتیب اولیٰ وافضل ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ترتیب واجب ہے یا نہیں؟ حضرات ائمۂ ثلاثہ وجوب کے قائل ہیں، امام شافعی اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ واجب نہیں، احناف میں سے علامہ ابن ہمام، زین بن نجیم وغیرہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

امام بخاری کے ترجمہ سے اتنا تو معلوم ہوا کہ فوائت کے ادا کرنے میں ترتیب ملحوظ رکھی جائے گی لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام بخاری فوائت کی ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں یا صرف اولیٰ و اَحب سمجھتے ہیں، راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اس کو واجب مانتے ہیں ورنہ کوئی ایسا لفظ لے آتے جس سے یہ متعین ہو جاتا کہ یہ ترتیب واجب نہیں ہے۔

مصنف نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نماز عصر فوت ہوگئی تو پہلے آپ نے عصر ادا کی اور اس کے بعد مغرب پڑھی اس سے ترتیب بین الفائتۃ والوقتیہ کا ثبوت ہوا، اور مصنف نے اس سے ترتیب بین الفوائت کو یوں اخذ فرمالیا کہ جب وقتیہ اور فائتہ میں ترتیب ملحوظ ہے تو فوائت میں بدرجۂ اولیٰ ترتیب ملحوظ ہوگی، لیکن یہ حضور ﷺ کا صرف فعل ہے جو وجوب پر دلالت نہیں کرتا ہے کما صرّح بذلک فی الأصول الایہ کہ اس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی صلّوا کما رأیتمونی أصلّی ملالیا جائے۔

یہ مسئلہ دو باب پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کن کن صورتوں میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے مع اختلافِ اقوال ائمہ، اس کی مراجعت کر لی جائے۔

(ص ۸۴) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

السامر من السمر والجميع السُّمَّار، والسامر ههنا في موضع الجميع.

۵۹۹. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْمِنْهَالِ قَالَ: انْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ أَبِي: حَدِّثْنَا كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ، قَالَ: كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ وَهِيَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى أَهْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ،

Maktaba Tul Ishaat.com

قَالَ: وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ قَالَ: وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ مِنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِئَةِ.

ترجمہ: باب، عشاء کے بعد (دنیا کی) باتیں کرنے کی کراہت کا بیان۔ لفظ سامر (جو قرآن کریم میں آیا ہے) سمر سے مشتق ہے اور اس کی جمع سمّار آتی ہے اور آیت میں جو لفظ سامر آیا ہے وہ جمع کے معنیٰ میں ہے۔

ابو المنہال سیار بن سلامہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد (سلامہ) کے ساتھ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے والد نے کہا کہ یہ بتلایئے کہ رسول اکرم ﷺ فرض نمازیں کس طرح پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ظہر کی نماز جس کو تم پہلی نماز کہتے ہو ایسے وقت میں پڑھتے تھے جب آفتاب مغرب کی طرف مائل ہو جاتا تھا، پھر عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ ہم میں کوئی آدمی عصر کی نماز پڑھ کر مدینہ کے آخری حصہ میں اپنے گھر لوٹتا تھا اور ابھی سورج میں زندگی ہوتی تھی اور میں بھول گیا کہ مغرب کے بارے میں کیا فرمایا اور آپ عشاء کو مؤخر کرنا پسند کرتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات چیت کو مکروہ سمجھتے تھے اور آپ فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھا کرتے تھے کہ ہم میں سے کوئی آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور آپ اس میں ساٹھ آیتوں سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔

تشریح: حضرت امام بخاریؒ اب مواقیت سے فارغ ہو رہے ہیں لہذا بطور تنبیہ عشاء کے بعد جو ایک غلط اصول پڑ گیا کہ کچھ لوگ قصہ و کہانی میں مصروف ہو جاتے ہیں، امام بخاری اس پر تنبیہ کرتے ہیں کہ عشاء کے بعد قصہ و کہانی مکروہ ہے۔

اور اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ بعض وقت اس قصہ و کہانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی رات کو تاخیر سے سوتا ہے اور فجر کی نماز فوت ہو جاتی ہے اور اگر کچھ نہ ہوا تو کم از کم جماعت ہی نکل جاتی ہے اور نہیں تو وقت مستحب جاتا رہتا ہے، بہر حال قصہ گوئی نماز پر اثر انداز ہوتی ہے، مگر اس قصہ گوئی سے مراد مباح قصہ گوئی ہے، اور جو مکروہ ہے ناجائز ہے وہ تو ہر حال میں مکروہ ہے چاہے عشاء کے بعد ہو چاہے عشاء سے پہلے ہو اور چاہے دن میں ہو، بہر حال عشاء کے بعد جلد سونا چاہئے۔

السامر من السمر: مصنف نے چونکہ لفظ سمر یہاں ذکر کیا ہے اس لئے مصنف کا ذہن قرآن کی آیت ﴿سَامِرًا تَهْجُرُونَ﴾ کی طرف منتقل ہو گیا لہذا یہ بتلا دیا کہ سامر سمر سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ہیں قصہ گوئی کرنے کے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

والجمع السمّار: اور سامر کی جمع سمّار آتی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں والسامر ھاھنا فی موضع الجمع یعنی آیت کریمہ ﴿سامرًا تهجرون﴾ میں سامرًا جمع کی جگہ استعمال کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ سامر اگرچہ مفرد کا صیغہ ہے لیکن آیت شریفہ میں یہ لفظ مفرد جمع کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

(ص ۸۴) بَابُ السَّمَرِ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

٦٠٠. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: انْتَظَرْنَا الْحَسَنَ وَرَاثَ عَلَيْنَا حَتَّى قَرُبْنَا مِنْ وَقْتِ قِيَامِهِ فَجَاءَ فَقَالَ: دَعَانَا جِيرَانُنَا هَؤُلَاءِ ثُمَّ قَالَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: نَظَرْنَا النَّبِيَّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتَّى كَانَ شَطْرُ اللَّيْلِ يَبْلُغُهُ فَجَاءَ فَصَلَّى لَنَا ثُمَّ خَطَبَنَا فَقَالَ: أَلَا إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا ثُمَّ رَقَدُوا وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ.

قَالَ الْحَسَنُ: وَإِنَّ الْقَوْمَ لَا يَزَالُونَ بِخَيْرٍ مَا انْتَظَرُوا الْخَيْرَ.

قَالَ قُرَّةُ: هُوَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

٦٠١. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ لَا يَبْقَى مَنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ، فَوَهِلَ النَّاسُ فِي مَقَالَةِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى مَا يَتَحَدَّثُونَ مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ عَنْ مِائَةِ سَنَةٍ، وَإِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ يُرِيدُ بِذَلِكَ أَنَّهَا تَخْرِمُ ذَلِكَ الْقَرْنَ.

ترجمہ: باب، عشاء کے بعد فقہی مسائل اور نیک کاموں کے بارے میں بات چیت کے جواز کا بیان۔

حضرت قرہ بن خالد سے روایت ہے کہ ہم حضرت حسن بصری کے باہر تشریف لانے کے منتظر رہے اور انہوں نے اتنی

Maktaba Tul Ishaat.com

تاخیر کردی کہ روزانہ کے معمول کے مطابق ان کے اٹھنے کا وقت قریب آگیا، پھر وہ تشریف لائے اور (معذرت کرتے ہوئے) فرمایا کہ ہمارے ان پڑوسیوں نے ہمیں بلالیا تھا، پھر انہوں نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالکؓ نے بیان فرمایا کہ ایک رات ہم نے نبی کریم ﷺ کا انتظار کیا یہاں تک کہ وقت آدھی رات تک پہنچ گیا، پھر آپ تشریف لائے، نماز پڑھائی، خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ خبردار! بیشک سب لوگ نماز پڑھ چکے پھر سو بھی گئے اور یہ کہ بیشک تم لوگ جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے برابر نماز ہی (کے حکم) میں رہے، حسن بصری نے فرمایا کہ لوگ جب تک نیک کام کا انتظار کرتے رہتے ہیں اس وقت تک نیک کام میں مصروف سمجھے جاتے ہیں، قرہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن کا یہ ارشاد بھی حضرت انسؓ کی اسی حدیث کا ایک حصہ ہے جسے انہوں نے حضور پاک ﷺ سے نقل فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عشاء کی نماز پڑھائی، جب آپ نے سلام پھیر دیا تو کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اپنی اس رات کو یاد رکھنا اس لئے کہ اس رات سے لیکر سو سال کے اختتام تک ان لوگوں میں سے کوئی زندہ باقی نہیں رہے گا جو اس وقت روئے زمین پر ہیں، پھر لوگوں کو مائة سنة (یعنی سو سال میں باقی نہ رہنے کی مراد کے تعین) کے بارے میں رسول پاک ﷺ کی بات کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی اور سو برس کے سلسلے میں وہ کچھ اور کہنے لگے حالانکہ حضور پاک ﷺ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ جو آج روئے زمین پر ہیں ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا، آپ کی مراد یہ تھی کہ اس موجودہ قرن کے لوگ گزر جائیں گے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس سے پہلے عشاء کے بعد اس قصہ گوئی کا ذکر کیا تھا جو مکروہ ہے، اب یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بعض انواعِ قصہ گوئی حدود کراہت میں داخل نہیں ہے بلکہ جائز ہے، مثلاً آدمی فقہ وعلم کے سلسلہ کے قصے بیان کرے، خیر سے متعلق باتیں کرے، اور کسی علمی سلسلے میں مشغول ہو تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

فقہ اور علم اور خیر کے سلسلہ میں قصہ گوئی باتفاق امت جائز ہے، اس میں کسی کا بھی کوئی اختلاف نہیں معلوم ہوتا لیکن امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں بعض علماء سے کراہت نقل کی ہے، میں یہ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ اس نقل میں امام طحاوی کا بیان کہاں تک صحیح ہے، ظن غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہوگا جو خیر اور فقہ وعلم کے سلسلہ کو مکروہ اور ناپسند کرتا ہو، اور اگر کسی شخص نے ناپسند کیا ہے تو اس کا قول حدیث پاک کے بیان کی وجہ سے مردود اور غیر معتبر ہے، حضور اکرم ﷺ سے عشاء کے بعد علمی قصہ گوئی منقول ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

وَرَاثَ عَلَيْنَا: أی تأخر علینا۔

نَظَرْنَا: أی انتظرنا۔

ثُمَّ خَطَبَنَا: حضور اکرم ﷺ نے جو خطبہ دیا اور جو تقریر فرمائی وہ عشاء کے بعد فرمائی اور خیر سے متعلق تھی، اس سے امام بخاری نے یہ اخذ فرمالیا کہ اگر سمر کا تعلق خیر سے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ: یہ واقعہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر پیش آیا ہے جیسا کہ مسلم کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے، مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ وفات سے ایک ماہ پیش تر کا یہ قصہ ہے۔

فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الخ: جب آپ سلام پھیر چکے تو اس کے بعد کھڑے ہوئے اور فرمایا أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ دیکھو تم اپنی اس رات کو، بیشک اس رات سے سو سال پر کوئی بھی زندہ باقی نہیں رہے گا جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہے۔

فَوَهِلَ النَّاسُ فِي مَقَالَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: لوگ حضور اکرم ﷺ کے اس کلام کی توضیح میں غلطی میں پڑ گئے اور مائل ہو گئے ان باتوں کی طرف جو آپس میں بیان کرتے ہیں جن کا تعلق سو سال سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اس وقت روئے زمین پر جتنے لوگ موجود ہیں وہ سو سال کے بعد زندہ نہیں رہیں گے، لیکن بعض لوگوں کو اس کے سمجھنے میں غلطی ہو گئی انہوں نے اس کا مطلب یہ لے لیا کہ یہ دنیا سو سال پر ختم ہو جائے گی حالانکہ حضور پاک ﷺ نے یوں فرمایا تھا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ يُرِيدُ بِذَلِكَ أَنَّهَا تَخْرِمُ ذَلِكَ الْقَرْنَ، آپ کی مراد اس سے یہ ہے کہ یہ قرن ختم ہو جائے گا اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا، سو سال کیا! چودہ سو سال گزر گئے اور اب تک یہ دنیا موجود ہے اور اس میں لوگ بھی موجود ہیں۔

کیا حضرت خضر زندہ ہیں؟ اس حدیث پاک سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے، حضرت امام بخاری، ابراہیم الحربی، ابوالحسین بن منادی، ابو طاہر، قاضی ابو بکر بن العربی المالکی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن جوزی اور حافظ ابن کثیر وغیرہم کی یہی رائے ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کا رجحان کچھ اسی طرف معلوم ہوتا ہے، میں بتلا چکا ہوں کہ ابوالقاسم سہیلی، ابن الصلاح، نووی اور عامۃ

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرات صوفیاء حیات خضر کے قائل ہیں۔

مقاماتِ ولایت: لیکن بعض صوفیاء کی رائے یہ ہے کہ جیسے قطبیت اور غوثیت مقامات ولایت ہیں ایسے ہی خضریت بھی ولایت کا ایک مخصوص مقام ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے درر کامنہ میں ایک جگہ مقامات ولایت کو نقل کیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اونچا مقام خضر کا ہے اس کے بعد غوث ہوتا ہے اور پھر اس کے تحت ابدال، اقطاب وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں جیسا کہ ان حضرات کی اصطلاحات ہیں، اور میں نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب میں پڑھا ہے 'خضر والیاس از عالم روحانیہ ہستند' یعنی ان کا عالم روحانیت سے تعلق ہے گویا حضرت حیاتِ روحانی کے قائل ہیں۔

اب اگر حضرت خضر علیہ السلام موجود ہوں تو اس روایت کا جواب مختلف طریقوں سے دیا جاسکتا ہے، ایک یہ کہ اس وقت روئے زمین پر نہ رہے ہوں گے بلکہ سمندر میں کسی کشتی وغیرہ کو تیرانے یا ڈوبانے کے لئے مشغول و مصروف ہوں گے، اور بعض کہتے ہیں کہ عمومات میں استثناءات داخل ہوا ہی کرتے ہیں، ممکن ہے حضرت خضر اس عموم سے مستثنیٰ ہوں، اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارض مدینہ کو مراد لیا ہے، لیکن یہ توجیہ بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ ابلیس بھی اس سے خارج ہے اس لئے کہ وہ بنو آدم میں سے نہیں ہے۔

ایک صدی کے بعد صحابیت کا دعوی مردود ہے: اس حدیث سے استدلال کر کے تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ جو سو سال کے بعد صحبت کا مدعی ہو وہ جھوٹا ہے، اسی لئے رَتَن ہندی، ابن نسطور رومی اور مکلبہ بن ملکان وغیرہ کی علماء حدیث نے تکذیب کی ہے۔

جن کا دعوی صحابیت: اور اگر کوئی جنات میں سے صحبت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہاں بھی یہی مسئلہ غور طلب ہو جاتا ہے کہ آیا اس کی صحبت تسلیم کی جائے یا نہیں؟ اگر اس حدیث کو عام لیا جائے اور اس میں جنات و انسان سب مراد ہوں تب تو اس صورت میں جنات کا دعویٰ بھی دروغ اور کذب پر محمول کیا جائے گا اور اگر جنات اس میں شامل نہ ہوں تو پھر اس صورت میں یہ حدیث اس سے تعرض نہیں کرے گی۔

اور جنات کی عمریں طویل ہوتی ہیں ممکن ہے کہ کوئی جن موجود ہو جس نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہو، لیکن محض کسی جن کا اپنے بارے میں دعویٰ صحبت کر دینا اس کے ثبوتِ صحبت اور اس کے صحابی ہونے کو تسلیم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اوّل تو اس لئے کہ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں کہ مدعی کہاں تک سچا ہے اور کہاں تک جھوٹا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جنات میں عام طور سے دروغ گوئی شائع ہے۔

بہر حال اگر کوئی جن صحابی کسی انسان کو ملے اور ان کی اس سے ملاقات ہو تو کیا اس ملاقات کرنے والے کو اس ملاقات کی وجہ سے شرفِ تابعیت حاصل ہو جائے گا؟ اور حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ وہ تابعی کہلائے گا، میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اس سے صرف برکت حاصل ہوگی، شرفِ تابعیت جو ایک مخصوص مقام ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔

اور میرے نزدیک اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سرور عالم ﷺ نے تابعیت کے لئے جو مخصوص شرف بیان کیا ہے وہ قرن کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور ارشاد ہوا ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم، آپ نے قرون ثلاثہ کی تعدیل اور تفضیل فرمائی ہے، اور قرن ایک مخصوص زمانہ کا نام ہے جو دس سے ایک سو بیس تک کے اندر دائر ہے علی اختلاف الاقوال، البتہ ۷۰ کا قول کسی شخص سے قرن کے بارے میں نقل نہیں کیا گیا، اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایک زمانہ کے اندر جو مخصوص جماعت ہوتی ہے وہ قرن کہلاتی ہے۔

بہر حال جو تفسیر بھی مراد لی جائے کسی ایک تفسیر کے تحت آج چودھویں صدی میں یا تیرھویں یا بارھویں صدی میں اگر کسی شخص کی کسی صحابی جن سے ملاقات ہوتی ہے تو اس پر قرن صادق نہیں آتا ہے، لہٰذا وہ فضیلت جو قرن کے متعلق بیان کی گئی ہے دوسرے کو کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

اور میں نے جو کچھ عرض کیا اس مسئلہ میں مجھے کسی کی کوئی تصریح یا کوئی بیان نہیں ملا ہے یہ میری اپنی رائے ہے، اور بعض اہل علم سے میں نے اس سلسلہ میں گفتگو کی انہوں نے کچھ تأمل کا اظہار کیا مگر کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس پر مجھ کو تسلی ہو جاتی اس لئے میں اب تک اپنی اسی رائے پر ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۴) بَابُ السَّمَرِ مَعَ الضَّيْفِ وَالْأَهْلِ

٦٠٢. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ ثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوا أُنَاسًا فُقَرَاءَ، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَإِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَشَرَةٍ، قَالَ: فَهُوَ أَنَا وَأَبِي وَأُمِّي - وَلَا أَدْرِي قَالَ: وَامْرَأَتِي - وَخَادِمٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَ بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتَّى تَعَشَّى النَّبِيُّ ﷺ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ، قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: مَا حَبَسَكَ عَنْ أَضْيَافِكَ؟ أَوْ قَالَتْ: ضَيْفِكَ؟ قَالَ: أَوَمَا عَشَّيْتِهِمْ؟ قَالَتْ: أَبَوْا حَتَّى تَجِيءَ قَدْ عُرِضُوا فَأَبَوْا، قَالَ: فَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَأْتُ، فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ، فَجَدَّعَ وَسَبَّ وَقَالَ: كُلُوا لَا هَنِيئًا لَكُمْ، فَقَالَ: وَاللَّهِ لَا أَطْعَمُهُ أَبَدًا، وَايْمُ اللَّهِ مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا، قَالَ: شَبِعُوا وَصَارَتْ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلَ ذَلِكَ، فَنَظَرَ إِلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ فَإِذَا هِيَ كَمَا هِيَ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهَا فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ، مَا هَذَا؟ قَالَتْ: لَا وَقُرَّةِ عَيْنِي لَهِيَ الْآنَ أَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذَلِكَ بِثَلَاثِ مِرَارٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ - يَعْنِي يَمِينَهُ - ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ، وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ فَمَضَى الْأَجَلُ فَفَرَّقَنَا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ أُنَاسٌ وَاللَّهُ أَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ فَأَكَلُوا مِنْهَا أَجْمَعُونَ، أَوْ كَمَا قَالَ

ترجمہ: باب، اہل وعیال اور مہمان کے ساتھ عشاء کے بعد باتیں کرنے کا جواز۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ اصحاب صفہ نادار لوگ تھے، اور یہ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ اصحاب صفہ میں سے ایک تیسرا آدمی لے جائے اور اگر چار آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ پانچواں یا چھٹا لے جائے، تو حضرت ابو بکرؓ اپنے ساتھ تین آدمیوں کو لے آئے اور حضور اکرم ﷺ اپنے ساتھ دس آدمی لے

Maktaba Tul Ishaat.com

گئے، حضرت عبد الرحمنؓ نے فرمایا کہ گھر میں اس وقت میں تھا، میرے والد تھے اور میری والدہ تھیں، ابو عثمان کہتے ہیں کہ یہ مجھ کو یاد نہیں کہ حضرت عبد الرحمنؓ نے اپنی اہلیہ اور اس ایک خادم کا بھی ذکر کیا ہے یا نہیں جو ان کے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے درمیان تھا یعنی دونوں کے گھر کی خدمت کرتا تھا۔

اور یہ کہ حضرت ابو بکرؓ نے شام کا کھانا حضور پاک ﷺ کے ساتھ کھالیا پھر ابو بکر صدیقؓ عشاء کی نماز تک وہیں ٹھہرے رہے اور نماز پڑھ کر حضور ﷺ کے پاس لوٹ گئے، یہاں تک کہ حضور ﷺ نے رات کا کھانا تناول فرمایا، پھر جتنا خدا کو منظور تھا اتنی رات گزرنے کے بعد ابو بکرؓ گھر آئے تو ان کی اہلیہ (ام رومانؓ) نے ان سے کہا کہ آپ اپنے مہمانوں کو یا مہمان کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے تھے؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اور کیا تم نے ان کو شام کا کھانا نہیں کھلایا؟ اہلیہ نے کہا انہوں نے آپ کے آنے تک کھانا کھانے سے انکار کر دیا، کھانا ان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عبد الرحمنؓ نے فرمایا کہ میں جا کر چھپ گیا، پھر کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو آواز دی کہ اے دنی الطبع انسان! پھر انہوں نے جدعا لک (تیری ناک کٹ جائے) کہا اور برا بھلا بھی کہا، پھر مہمانوں سے فرمایا، کھایئے! ایسا نہ ہونا چاہئے تھا، خدا کرے کھانا تمہیں خوش گوار نہ ہو، پھر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ بخدا میں اس کھانے کو کبھی نہ کھاؤں گا۔

حضرت عبد الرحمنؓ نے بتایا کہ خدا کی قسم صورت یہ تھی کہ ہم اس کھانے میں سے کوئی لقمہ نہیں لیتے تھے مگر وہ نیچے سے اس سے زیادہ بڑھ جاتا تھا، چنانچہ سب مہمان شکم سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا، پھر حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا تو کھانا اتنا ہی تھا جتنا پہلے تھا یا اس سے بھی زیادہ تھا، تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا صورت حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! بیشک کھانا تو اب پہلے سے تین گنا زیادہ ہے پھر حضرت ابو بکرؓ نے بھی اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور کہا کہ میں نے جو کہا تھا یعنی قسم کھائی تھی وہ شیطان کا فریب تھا، پھر اس میں سے ایک لقمہ کھانے کے بعد وہ کھانے کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے وہ کھانا صبح تک آپ کے پاس رہا۔

عبد الرحمنؓ کہتے ہیں کہ ہمارے اور ایک قوم کے درمیان معاہدہ تھا، اس کی مدت گزر گئی (وہ لوگ مدینہ آئے تھے) پھر ہم نے ان میں سے بارہ آدمی الگ کئے اور ہر ایک آدمی کے ساتھ کچھ لوگ تھے، خدا ہی جانتا ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ کتنے لوگ تھے، پھر ان تمام ہی لوگوں نے اسی کھانے میں سے کھایا، أو کما قال، ابو عثمان کہتے ہیں کہ یا عبد الرحمنؓ نے اس جیسا فرمایا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے سمرِ مکروہ سے دو استثناء کئے ہیں، ایک سمر فی الفقہ والخیر اور دوسرے سمر مع الأہل والضیف۔

پھر سمر فی الفقہ والخیر کا تو پہلے ذکر کیا ہے اور اس کے بعد سمر مع الأہل والضیف کو ذکر کیا ہے یہ بتلانے کے لئے کہ اگرچہ اہل وعیال اور مہمان سے بات چیت کرنا خیر کی بات ہے کیوں کہ اس میں مسلمان کا دل خوش کرنا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتا ہے اور مسلمان کا دل خوش کرنا شریعت میں ایک مندوب چیز ہے لیکن بہر حال اس کا درجہ سمر فی الفقہ والخیر سے گھٹا ہوا ہے اس لئے اس کو بعد میں اور الگ مستقل باب کے تحت ذکر فرمایا ہے۔

أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوا أُنَاسًا فُقَرَاءَ: عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ کی یہ حدیث امام بخاری نے صحیح بخاری میں چار جگہ ذکر کی ہے۔

صفّہ کیا تھا؟ صفّہ ایک مسقّف حصہ ہے جو مسجد نبوی کے پچھلے حصہ میں ہے جس کے اندر وہ فقراء ومساکین پڑے رہتے تھے جن کا مدینہ میں کوئی مسکن وغیرہ نہیں ہوتا تھا، ابوہریرہؓ کی روایت بخاری شریف میں آئے گی کہ اصحاب صفہ اضیاف اسلام ہیں لَا يَأْوُونَ إِلَى أَهْلٍ وَلَا مَالٍ نہ ان کے اہل وعیال تھے اور نہ ان کے مال ومنال تھا، ان حضرات کی تعداد بڑھتی گھٹتی رہتی تھی، بعض اوقات ستر تک پہنچ گئی تھی انہیں میں وہ ستر صحابہ بھی ہیں جو جنگ بئر معونہ میں شہید ہوئے ہیں، اور ویسے اس کے علاوہ بھی بڑھتے رہے ہیں، علماء جیسے ابونعیم اصفہانی، حافظ ابو سعید نیشاپوری وغیرہ نے مستقلاً ان کا نام شمار کیا ہے، صاحب عوارف المعارف نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی، غالباً انہوں نے اس سے مراد وہ سارے حضرات لئے ہیں جو صفہ میں کسی وقت بھی آکر مقیم ہوئے ہیں۔

وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: حضور اکرم ﷺ ان اصحاب صفہ کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے، آپ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس دو کا کھانا ہو تو تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور چار کا ہو تو پانچویں کو لے جائے، آپ کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ دو کے کھانے میں اگر تیسرا آدمی شامل ہو جائے تو ایسا ہوگا کہ ہر ایک کے حصہ میں اُس کھانے کا دو دو ثلث آجائے گا اور دو ثلث کھانا آدمی کے لئے کافی ہو جایا کرتا ہے اگر تھوڑا سا طبیعت کو اپنے قابو میں رکھے۔

اس روایت میں ہے بِثَالِثٍ ہے، اور مسلم شریف میں ہے بِثَلَاثَةٍ یہ روایت بظاہر وہم ہے، اگرچہ امام نووی وغیرہ نے اس کی توجیہ کی ہے فلیذهب معه بمن يتم من عنده ثلاثة یعنی آدمی اپنے ساتھ ایسا شخص لے جائے جس سے تین کا عدد پورا ہو جائے۔

وَإِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ: أَرْبَعٌ کو مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں اور مرفوع بھی اور دونوں کی وجہ ظاہر ہے، اگر اس

Maktaba Tul Ishaat.com

کو مجرور پڑھا جائے تب تو ظاہر ہے کہ یہ مضاف الیہ ہے اور مضاف محذوف ہے أی وإن كان طعام أربع فليذهب بخامس، اور اگر مرفوع پڑھا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ سارے متعلقات کو حذف کر کے اس کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے، گویا أربع کو طعام کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

أَوْ سَادِسٌ: یہ أو کیسا ہے؟ ا۔ ممکن ہے کہ تنویع کے لئے ہو اور مطلب یہ ہے کہ کھانے کی نوعیت دیکھ لے، اگر کھانا ذرا کچھ زیادہ ہو تو چار آدمی کا جس کے پاس کھانا ہو وہ چھ کو لے جائے اور اگر کچھ کم ہو تو بجائے چھ کے پانچ لے جائے، ۲۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ أو تخییر کے لئے ہو اور مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس چار کا کھانا ہو اسے اختیار ہے چاہے پانچویں کو لے جائے اور چاہے تو چھٹے کو بھی لے جائے، اس لئے کہ اگر چار کے کھانے میں پانچواں شریک ہو جائے تو کافی ہو جائے گا اور اگر چھٹا شامل ہو جائے تو ذرا تنگی کے ساتھ کفایت کر جائے گا، ۳۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ایک مستقل جملہ ہو اور تقدیر عبارت ہو وإن كان عنده طعام خامس فليذهب بسادس۔

وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ: ابو بکر صدیقؓ تین آدمی لائے اور نبی کریم ﷺ سب سے بڑے تو دس آدمیوں کو لے گئے۔

قَالَ فَهُوَ أَنَا وَأَبِي وَأُمِّي: هُوَ ضمیر شان ہے، عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ پس شان یہ ہے کہ میں، میرے والد اور میری والدہ ہم تین تھے۔

وَلَا أَدْرِي قَالَ وَامْرَأَتِي وَخَادِمٌ: یہ مقولہ ہے ابو عثمان نہدی کا اور قال کی ضمیر عبد الرحمٰنؓ کی طرف عائد ہے۔

وَامْرَأَتِي وَخَادِمٌ میں خادم کا عطف کس پر ہے آیا امرأتي پر یا أمي پر؟ اس میں دونوں احتمال ہیں، ا۔ اگر یہ امرأتي پر عطف ہو تب تو اس صورت میں جیسے امرأتي میں شک ہے خادم بھی مشکوک ہو جائے گا، ۲۔ اور اگر یہ عطف أمي پر ہے تو اس صورت میں شک صرف امرأتي میں رہے گا خادم میں کوئی شک نہیں رہے گا، شراح کرام نے دونوں ہی احتمالات لکھے ہیں، اب ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگر خادم میں شک ہے تو امرأتي پر عطف ہے، اور خادم اگر مشکوک نہیں ہے تو یہ أمي پر عطف ہو گا۔

بَيْنَنَا وَبَيْنَ بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ: یعنی ہمارے اور ابو بکر صدیقؓ کے درمیان یہ مشترک خادم تھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ابو بکر صدیقؓ نے نبی کریم ﷺ کے پاس شام کا کھانا نوش کیا۔

ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتْ الْعِشَاءُ: پھر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی، یہی روایت آئندہ کتاب المناقب میں ص ۵۰۶ پر آئے گی اس میں ہے حتی صلّی العشاء یہاں تک کہ صدیق اکبرؓ نے نماز عشاء پڑھ لی۔

ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتَّى تَعَشَّى النَّبِيُّ ﷺ: یہ بظاہر تکرار ہے اس لئے کہ پہلے تو ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتْ الْعِشَاءُ اور حضور ﷺ کے ساتھ کھانے کا تذکرہ کر دیا گیا، اب پھر آگے ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتَّى تَعَشَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتْ الْعِشَاءُ کا ہی بیان فرما رہے ہیں اور اسی کی تفصیل ہے۔

قاضی عیاض کی رائے یہ ہے کہ یہاں اس روایت میں کچھ تحریف واقع ہوگئی ہے رَجَعَ کے بجائے رَكَعَ ہے جیسا کہ صحیح اسماعیلی میں واقع ہوا ہے اور حَتَّى تَعَشَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بجائے حَتَّى نَعَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہے جیسا کہ مسلم شریف میں واقع ہوا ہے، اب اس صورت میں کلام بالکل مرتب ہو جاتا ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے نبی پاک ﷺ کے پاس کھانا کھایا پھر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ عشاء کی نماز ہوگئی پھر سنت پڑھی اور پھر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ حضور ﷺ سو گئے۔

قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ وَمَا حَبَسَكَ عَنْ أَضْيَافِكَ: حضرت ابو بکرؓ کی اہلیہ بولیں کہ اپنے مہمانوں سے کیوں اتنی دیر آپ غافل رہ گئے، کس وجہ سے رک گئے، کیوں نہیں آئے؟

قَالَ أَوَمَا عَشَّيْتِيهِمْ: کیا تم نے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟

قَالَتْ أَبَوْا حَتَّى تَجِيءَ: انہوں تو انکار کر دیا تا آنکہ آپ تشریف لائیں۔

قَدْ عُرِضُوا: تحقیق کہ پیش کئے گئے، یعنی ان کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔

قَالَ فَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَأْتُ: عبد الرحمنؓ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ بڑے میاں کو اب غصہ آئے گا اور مجھے بلامت کریں گے کہ تو نے کیوں نہیں کھلایا؟ میں جا کر چھپ گیا۔

فَقَالَ يَا غُنْثَرُ: فرمانے لگے او پاجی! غنثر غین کے ضمہ اور نون کے سکون اور ثاء مثلثہ کے فتحہ کے ساتھ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے، اور بعضوں نے اس کا ضمہ بھی نقل کیا ہے اس کے معنیٰ لئیم، کمینہ، دنی کے ہیں، اور بعض کہتے ہیں جاہل، غرضکہ مختلف ترجمے کئے گئے ہیں۔

فَجَدَّعَ وَسَبَّ: بہت برا بھلا کہا ارے او نکٹے، او نالائق۔

وَقَالَ كُلُوا لَا هَنِيئًا: اس روایت میں تو اتنا ہی ہے، دوسری روایت میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے فرمایا أقسمت عليک إن كنت تسمع صوتي إلا جئت، میں تجھ کو قسم دیتا ہوں اگر تو میری آواز سنے تو باہر نکل کر آ، وہ آئے اور کہنے لگے کہ آپ اپنے مہمانوں سے پوچھ لیجئے، وَقَالَ: كُلُوا لَا هَنِيئًا بڑے میاں کو غصہ آگیا تو کہنے لگے کہ کھاؤ! تمہیں خوش گوار نہ ہو۔

فَقَالَ وَاللهِ لَا أَطْعَمُهُ أَبَدًا: اور فرمانے لگے کہ میں کھاؤں گا نہیں، اس پر مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم بھی نہیں کھائیں گے، اب صدیق اکبرؓ بہت پریشان ہوئے پھر خود بھی کھایا اور مہمانوں نے بھی کھایا۔

وَأَيْمُ اللهِ مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا: جو لقمہ بھی ہم نیچے سے اٹھاتے تھے نیچے سے اور بڑھ جایا کرتا تھا، سارے آسودہ ہوگئے اور جتنا پہلے تھا اس سے بھی بڑھ گیا، حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ دیکھ کر کہا یا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ مَا هٰذَا؟ اپنی بیوی کو کہا ارے قبیلہ بنو فراس والی! یہ کیا ہو رہا ہے۔

قَالَتْ: لَا، وَقُرَّةِ عَيْنِي لَهِيَ الْآنَ أَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِکَ بِثَلَاثِ مَرَّاتٍ: کہنے لگیں لَا، بعض شارحین تو کہتے ہیں کہ یہ لَا زائدہ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ لَا نافیہ ہے تقدیر عبارت ہے لا شيئ غير ما أقول کوئی شیئ اس کے علاوہ نہیں جو میں کہہ رہی ہوں اور وہ کیا ہے؟ وَقُرَّةِ عَيْنِي لَهِيَ الْآنَ أَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِکَ یہ کھانا تو اس سے بھی زیادہ ہے جتنا پہلے تھا۔

صاحب مطالع فرماتے ہیں کہ علامہ داؤدی کہتے ہیں قُرَّةِ عَيْنِي بول کر نبی پاک ﷺ کو مراد لیا ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو بعید قرار دیا ہے، غالباً قُرَّةِ عَيْنِي بول کر صدیق اکبرؓ ہی مراد ہیں جو ان کے خاوند تھے۔

وَقَالَ إِنَّمَا كَانَ ذٰلِکَ مِنَ الشَّيْطَانِ يَعْنِي يَمِينَهُ: یعنی قسم کھالی تھی کہ نہیں کھاؤں گا وہ شیطان کا دھوکہ تھا تاکہ غصہ میں وہ کھانا نہ کھائے تو مہمان بھی نہ کھاویں۔

ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: جب یہ محسوس ہوا کہ مبارک کھانا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے تو اس میں سے ایک آدھ لقمہ کھالیا اور پھر بقیہ خدمت والا شان میں لے گئے۔

فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ: صبح کے وقت تک وہ کھانا حضور ﷺ کے پاس رہا۔

وَ كَانَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ: ہمارے اور ایک قوم کے درمیان معاہدہ تھا۔

فَمَضَى الْأَجَلُ: مدت معاہدہ گزر گئی۔

فَفَرَّقَنَا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا: حضور اکرم ﷺ نے ہمیں بارہ آدمیوں پر منقسم کر دیا تھا اور ہر آدمی کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، اللہ میاں جانے کہ کتنے لوگ تھے سب نے اس میں سے کھایا، مسلم کی ایک روایت میں ہے فَعَرَّفَنَا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا بارہ آدمیوں کو حضور ﷺ نے عریف بنادیا، عریف کہتے ہیں چودھری کو۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوم کے لئے چودھری مقرر کیا جاسکتا ہے اور ابوداؤد شریف میں جو ایک روایت وارد ہوئی ہے ولکن العرفاء فی النار وہ روایت عرافت کے مخالف نہیں، اس لئے کہ اس میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إن العرافة حق ولكن العرفاء فی النار چودھری بننا تو حق ہے کام کی چیز ہے، چودھریوں سے بہت سی چیزیں متعلق ہوتی ہیں، آپس کے اختلافات نمٹتے ہیں، لیکن چودھری صاحبان جہنم کے اندر جائیں گے اس لئے کہ وہ اکثر ناانصافی اور ظلم کرتے ہیں۔

کتاب المواقیت ختم ہو گئی اور فَمَضَى الْأَجَلُ سے براعت اختتام نکلتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

(ص ۸۵) كتاب الأذان

اذان کے معنیٰ لغت میں اِعلام اور خبر دینے کے آتے ہیں قال تعالی ﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾، اور یہ ماخوذ ہے اَذَن بفتحتین سے جس کے معنیٰ ہیں استماع کے، اصطلاح میں اذان کہتے ہیں الإعلام بوقت الصلاة بألفاظ مخصوصة کو۔

امام بخاری نے مواقیت کے بعد اذان کو اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ اذان اِعلام وقت کے لئے ہوتی ہے اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ نماز کے لئے حاضر ہو جائیں، نیز اس کا مقصد شعائر اسلام کا قائم کرنا بھی ہے۔

قاضی عیاض اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اذان اپنے الفاظ کے اختصار اور ایجاز کے باوجود اسلام کے عقائد کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اللّٰہ أکبر سے اللہ تعالیٰ شانہ کی اکبریت اور اعظمیت اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا وجود ثابت ہوتا ہے، اور أشهد أن لا إله إلا الله سے اللہ کی وحدانیت اور أشهد أن محمدًا رسول الله سے حضور اکرم ﷺ کی رسالت، حيَّ على الصلاة سے دعوت إلى أفضل العبادات اور حيَّ على الفلاح سے آخرت کی فلاح کی طرف اشارہ نکلتا ہے، کیوں کہ فلاح کہتے ہیں فوز بالبقاء الدائم کو، اور پھر اس کے بعد مزید دوبارہ ان کلمات کا اعادہ کیا گیا اور الله أکبر الله أکبر لا إله إلا الله کہا گیا تا کہ اول و آخر اللہ تعالیٰ کی توحید و عظمت کا اعلان ہو جائے۔

اذان افضل ہے یا امامت؟ اس میں علماء کے چار قول ہیں۔

(۱) امام شافعی نے کتاب الأم میں لکھا ہے کہ اذان افضل ہے، اسی کو امام نووی نے راجح قرار دیا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۲) امام غزالی نے احیاء العلوم میں امامت کو افضل قرار دیا ہے، ابوالمحاسن رویانی نے امام شافعی کی نص سے یہی قول نقل کیا ہے، امام احمد بن حنبل کی یہی دو روایتیں ہیں اور حنفیہ اور حنابلہ کے دو دو قول ہیں، حنابلہ تفضیل اذان کی طرف مائل ہیں اور عام حنفیہ تفضیل امامت کی طرف مائل ہیں اور دونوں کے الگ الگ وجوہ ہیں۔

لیکن امامت کی فضیلت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے مدت العمر امامت فرمائی ہے، نیز آنحضور ﷺ نے جب اذان وامامت کا مسئلہ ایک ساتھ ذکر فرمایا تو اذان کے لئے تو آپ نے کوئی تفریق نہیں کی اور امامت کے لئے آپ نے خاص حیثیت کی رعایت کی، چنانچہ مالک بن حویرثؓ کی روایت میں ہے کہ جب وہ اور ان کے رفیق روانہ ہوئے تو آپ نے فرمایا إذا سافرتما فأذّنا وأقیما ولیؤمّکما أکبر کما جب تم سفر کرو تو دونوں میں سے کوئی ایک اذان دے اور کوئی ایک اقامت کہہ دے، لیکن جب امامت کا نمبر آئے تو تم دونوں میں جو بڑا ہو وہ امامت کرے، معلوم ہوا کہ امامت کا درجہ اذان سے بڑھا ہوا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں مساوی ہیں، یہی حنفیہ، شافعیہ کا تیسرا قول ہے۔

(۴) چوتھا قول شافعیہ کا یہ ہے کہ اگر کسی کو اپنے بارے میں یہ گمان ہو کہ وہ حقوق امامت ادا کرلے گا تو امامت افضل ہے ورنہ اس کے حق میں اذان افضل ہے۔

اذان اور امامت کو جمع کرنا کیسا ہے؟ اس میں شافعیہ کے تین قول ہیں قیل یکرہ، وقیل ہو خلاف الأولیٰ، وقیل یستحب، اسی کو امام نووی نے صحیح قرار دیا ہے اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے، امام ابوحنیفہ کا اسی پر عمل نقل کیا گیا ہے، سعید بن منصور اور عبدالرزاق اور اسی طرح سے ابوعبید نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے لو کنت أطیق الأذان مع الخلافة لأذّنت اور بعض الفاظ میں ہے لو لا الخِلّیفا لأذّنت اگر خلافت کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں اذان دیتا، مطلب یہ ہے کہ خلافت کی ذمہ داری اتنی بھاری ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اذان کی ذمہ داری سنبھالنا مشکل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان وامامت ساتھ چل سکتی ہے اور ان میں کوئی عیب نہیں ہے۔

کیا حضور ﷺ نے کبھی اذان دی؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے؟ امام ابوالقاسم سہیلی، امام نووی، علامہ ابن الرفعہ، علامہ سبکی، شمس الدین رملی، شمس الائمہ سرخسی، صاحب ضیاء مقدسی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

آپ نے اذان دی ہے، علامہ مغلطای بن قلیج حنفی نے بعض امراء کی درخواست پر سنہ ۷۲۰ھ میں ایک مستقل رسالہ تالیف کیا جس میں انہوں نے کچھ روایتیں جمع کی ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اذان دینے کا ثبوت ہوتا ہے۔

جو لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اذان دینے کے قائل ہیں وہ ترمذی کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں جو یعلٰی بن مرۃؓ صحابی سے منقول ہے کہ ایک سفر میں تھے بارش ہو رہی تھی اس میں ہے فأذن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضور نے اذان دی لیکن یہی روایت مسند احمد اور دار قطنی وغیرہ میں ہے وہاں اُمر ہونے کی حیثیت ہے جیسے بنی الأمیر المدینۃ، علامہ جلال الدین سیوطی نے سنن سعید بن منصور سے ایک روایت نقل کی ہے اس میں ہے حتی بلغ حی علی الصلاۃ وحی علی الفلاح، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نص ہے اس بات کی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دی ہے۔

اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دی ہو تب تو کوئی سوال نہیں اور اگر اذان نہ دی ہو تو یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل طور پر اس کے متعدد فضائل بیان کئے ہیں جو بخاری اور مسلم میں پڑھو گے المؤذنون أطول الناس أعناقا یوم القیامۃ وغیرہ تو پھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کیوں نہیں دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے جتنے افعال مامور بہ ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی طور پر ان کو کرنا ضروری ہے، البتہ جو اعمال آپ خود کر سکے ان کو تو آپ نے کیا اور جو نہیں کر سکے ان کی آپ نے ترغیب دی، بہر حال تمام افعال شریعت کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی کو پہنچے گا، جو کچھ آدمی کرتا ہے وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور آپ کے بتانے کی وجہ سے کرتا ہے تو اصلاً وبالذات آپ ہی ہر چیز اور ہر عمل کا گویا مصدر ہیں، لہٰذا ان افعال کی نسبت آپ ہی کے طرف ہوگی اور اول آپ ہی ان کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

(ص ۸۵) بَابُ بَدْءِ الْأَذَانِ

وقولہ تعالی ﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ ٱتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ﴾

وقولہ تعالی ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ﴾

Maktaba Tul Ishaat.com

٦٠٣. حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ.

٦٠٤. حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَاةَ لَيْسَ يُنَادَى لَهَا فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذَلِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ بُوقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ، فَقَالَ عُمَرُ: أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ.

ترجمہ: باب، اذان کی ابتداء کا بیان، اور باری تعالیٰ کا یہ ارشاد اور جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اس کو ہنسی اور کھیل ٹھہراتے ہیں، یہ اس لئے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔

اور باری تعالیٰ کا یہ ارشاد (اے ایمان والو) جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے (تو خدا کے ذکر کی طرف دوڑو)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا تو یہود و نصاریٰ کا ذکر آیا، پھر حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات کو دو دو بار کہیں اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار کہیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو وہ نماز کے لئے جمع ہوا کرتے تھے اور نماز کے وقت کا اندازہ کر لیا کرتے تھے، نماز کے لئے اذان نہیں دی جاتی تھی تو انہوں نے ایک دن اس سلسلہ میں گفتگو کی، بعض نے کہا کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ناقوس بنالیں اور بعض نے کہا کہ یہود کے بگل کی طرح بگل بنالیں، اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایسا کیوں نہ کریں کہ ایک آدمی کو بھیج دیا کریں جو لوگوں کو نماز کی خبر دیا کرے، تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بلال! اٹھو اور نماز کے لئے اطلاع دو۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلایا ہے کہ اذان کی ابتداء کب ہوئی ہے؟

اذان کب اور کہاں مشروع ہوئی؟ اس مسئلہ میں روایات مختلف سی ہیں، متعدد روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان کی مشروعیت ہجرت سے پہلے ہوئی ہے، چنانچہ طبرانی نے ابن عمرؓ سے اور دار قطنی نے اطراف میں حضرت انسؓ سے اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ سے اور بزار نے حضرت علیؓ سے روایتیں نقل

Maktaba Tul Ishaat.com

کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کی مشروعیت ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی مگر یہ ساری روایات غیر ثابت اور معلول بعلۃ قادحۃ ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے آنحضور ﷺ بغیر اذان واقامت کے نماز پڑھتے تھے اور جب آپ ہجرت کر کے تشریف لائے، ہیں تب اس کے بعد جمع للصلاۃ کے لئے مشورہ ہوا ہے اور پھر عبد اللہ بن زیدؓ نے خواب دیکھا اور اذان مشروع ہوئی کما ذکرہ ابن المنذر وغیرہ۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ ہجرت کے بعد اذان کس سنہ میں مشروع ہوئی؟ ابن اسحاق، ابن ہشام اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ کی رائے ہے کہ سنہ ا ہجری میں مشروع ہوئی ہے، امام نووی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ شوکانی، علامہ زرقانی وغیرہ حضرات نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، واقدی اور ابن سعد وغیرہ کی رائے ہے کہ سنہ ۲ ہجری میں مشروع ہوئی ہے۔

حضرت امام بخاری نے سنہ ہجری سے تو کوئی تعرض نہیں کیا، ان کی رائے بس یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوئی ہے اس لئے کہ حضرت امام بخاری نے اس باب میں جو روایتیں اور آیتیں ذکر کی ہیں وہ اسی بات پر دلالت کرتی ہیں، حضرت انسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت ذکر کی اور ان دونوں میں صحابہ کے مشورہ کا صراحۃً یا اشارۃً ذکر ہے اور صحابہ کا یہ مشورہ مدینہ میں ہوا، اور جو دونوں آیتیں باب میں ذکر کی ہیں وہ مدنیۃ النزول ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اذان مدینہ شریفہ میں مشروع ہوئی ہے۔

ابو الشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے أَنَّ فَرْضَ الْأَذَانِ نَزَلَ مَعَ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾، لیکن امام ذہبی فرماتے ہیں إسناده ضعيف و اللفظ منكر، غالباً منکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت تو بعد میں نازل ہوئی ہے لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ اذان نزولِ آیت سے پہلے مشروع ہوئی ہو، والعلم عند اللہ۔

اذان کا حکم: امام بخاری نے اذان کی مشروعیت کا ترجمہ تو منعقد فرمایا لیکن یہ نہیں بتلایا کہ اذان کا حکم کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ امام بخاری کے پاس جو آثار ہیں ان سے صراحۃً اذان کا کوئی معین حکم ثابت نہیں ہوتا ہے اور یوں مشروعیت پر سب آثار متفق ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ویسے اذان کے حکم میں اختلاف ہے، ا امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کہتے ہیں کہ سنت ہے، ابو القاسم خرقی حنبلی کا ظاہر کلام اسی بات کا مقتضی ہے اور اکثر مالکیہ اسی کے قائل ہیں، ۲ اوزاعی، داؤد ظاہری اور ابن منذر فرماتے ہیں کہ واجب ہے، امام مالک کی مؤطا سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور امام محمد سے یہی منقول ہے، ۳ اکثر حنابلہ کہتے ہیں کہ اذان فرض کفایہ ہے۔

اصل میں اگر اذان کی ابتداء پر نظر کی جائے تو یہ مندوبات کے مشابہ ہے اس لئے کہ آپ ﷺ سے ابتداء ہوئی اور اگر اس بات پر نظر کی جائے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیشہ اذان دلوائی کبھی آپ نے ترک نہیں کیا اور نہ ترک کرنے کا حکم دیا نہ ترک کرنے کی رخصت واجازت دی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واجبات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اسی لئے اس میں علماء کا اختلاف ہو گیا ہے ذکر ذلک العلامۃ زین بن المنیر۔

ذَکَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ: حضرت امام بخاری نے یہ حدیث اسی سند و متن کے ساتھ باب ماذکر عن بنی إسرائیل میں ص ۴۹۱ پر تخریج کی ہے، حضور ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے کس چیز سے بلایا جائے تو بعضوں نے کہا کہ آگ جلادی جائے اور بعضوں نے کہا کہ ناقوس بگل بجادیا جائے، اس پر اشکال یہ ہوا کہ اس سے یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبہ لازم آئے گا وغیرہ وغیرہ، اس لئے آخر میں یہ طے ہوا کہ الصلاۃ جامعۃ کہہ کر اعلان ہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب: یہاں حدیث میں نار و ناقوس کے بعد یہود و نصاریٰ کا ذکر کرنا اس بات پر دال ہے کہ نار شعار الیہود ہے اور ناقوس شعار النصاریٰ، ناقوس کا شعار النصاریٰ ہونا تو ظاہر ہے لیکن نار کا شعار الیہود ہونا کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے اس لئے کہ یہ تو مجوس کا طریقہ ہے، اور یہود کا شعار بوق ہے جس کو سنکھ کہا جاتا ہے اس میں پھونک مارتے ہیں اور عربی میں اس کو شَبُّوْر اور قُنبع بھی کہا گیا ہے۔

اس کا جواب علامہ کرمانی یہ دیتے ہیں کہ ممکن ہے یہود کے یہاں جیسے بگل بجایا جاتا ہو اسی طرح سے ان کے یہاں آگ بھی جلائی جاتی ہو مگر یہ بعید ہے، اصل میں اس روایت میں اختصار واقع ہو گیا ہے، ابو الشیخ بن حیان نے کتاب الاذان میں یہی روایت نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ جب مشورہ ہوا تو صحابہ نے کہا لو اتخذنا ناقوسًا فقال رسول اللہ ﷺ: ذاک للنصاریٰ فقالوا: لو اتخذنا بوقاً فقال: ذاک للیہود فقالوا: لو رفعنا نارًا فقال: ذاک للمجوس، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عبد الوارث کی اس روایت میں اصل میں تھا

Maktaba Tul Ishaat.com

ذکروا النار والناقوس والبوق فذکروا الیهود والنصاریٰ والمجوس یعنی لف ونشرِ معکوس تھا لیکن راوی نے کچھ اختصار کر دیا۔

فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ: حضرت بلالؓ کو اذان کے شفعاً اور اقامت کے وتراً کہنے کا حکم دیا گیا اس کے متعلق آگے کلام آرہا ہے۔

كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ: جب مسلمان مدینہ آئے تھے تو جمع ہوتے اور نماز کے وقت کا اندازہ لگایا کرتے تھے یعنی اندازہ لگا کر مسجد میں حاضر ہونے کی کوشش کرتے۔

لَيْسَ يُنَادَى لَهَا: نماز کے لئے اذان نہیں ہوا کرتی تھی اس لئے ایک دن اس سلسلہ میں مشورہ ہوا۔

فَقَالَ عُمَرُ: أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک آدمی کو بھیج دو جو نماز کا اعلان کر دیا کرے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یا بِلَالُ! قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ بلال جاؤ اور نماز کا اعلان کردو۔

اس حدیث میں نداء سے مراد اذان شرعی ہے یا نداء لغوی؟ قاضی ابو بکر بن العربی، علامہ ابو العباس قرطبی اور علامہ عینی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے اذانِ شرعی مراد ہے اور بظاہر مصنف کا طرز بھی اسی بات پر دال ہے اس لئے کہ انہوں نے یہ حدیث بدء الاذان کے ذیل میں ذکر کی ہے، لیکن قاضی عیاض اور امام نووی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے اذانِ لغوی یعنی إعلام بحضور الصلاۃ مراد ہے اور بعض روایات مرسلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ کو الصلاۃ جامعۃ کے اعلان کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

یہاں پہنچ کر شرح ترمذی میں قاضی ابو بکر بن العربی نے امام ترمذی پر اعتراض کیا ہے کہ تعجب ہے ابو عیسیٰ (ترمذی) سے کہ انہوں نے ابن عمرؓ کی اس روایت کی تصحیح کیوں کر دی حالانکہ اذان کی مشروعیت تو عبداللہ بن زیدؓ کے خواب سے ہوئی ہے، لیکن قاضی ابن عربی کا حضرت ابن عمرؓ کی روایت پر نقد کرنا بلاوجہ بے معنیٰ ہے، یہ روایت تو متفق علیہ ہے بلکہ ابن مندہ نے لکھا ہے کہ اس کی صحت پر اتفاق ہے۔

اصل صورت حال یہ ہوئی کہ جب مشورہ ہوا تو اولاً نماز کے بلانے کے لئے الصلاۃ جامعۃ کا اعلان کرنے کا حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا، ادھر حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو حضور اکرم ﷺ کے اہتمام کی وجہ سے بڑا خاص اثر ہوا چنانچہ طبقات ابن سعد وغیرہ کی روایات میں ہے کہ جب گھر والوں نے کھانا پیش کیا تو انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا کہ آج میں نے حضور ﷺ کو نماز کے سلسلہ میں غمگین دیکھا ہے تو میں کھانا نہیں کھاؤں گا، جب

Maktaba Tul Ishaat.com

سوئے تو انہوں نے خواب میں اذان دیکھی، آکر حضور اکرم ﷺ سے صورت حال عرض کی، آپ نے ان کی تصویب فرمائی۔

غیر نبی کا خواب کیا حجت ہے؟ یہاں ایک اور اشکال ہوتا ہے کہ اذان تو احکام شرعیہ میں سے ہے اور احکام شرعیہ کے سلسلہ میں کسی غیر نبی کا خواب حجت نہیں پھر حضرت عبداللہ بن زیدؓ کے اذان کے خواب پر کیسے اعتماد کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ان کے خواب پر اعتماد نہیں کیا بلکہ جب انہوں نے اپنے خواب کو بیان کیا تو حضور سرور عالم ﷺ کی اس پر نظر اجتہادی واقع ہوگئی اور آپ کا اجتہاد اس بات کو متقاضی ہوا کہ اسی چیز کو نماز کے اعلان کے لئے اختیار کر لیا جائے، لہٰذا مسئلہ کا ثبوت اجتہاد نبی سے ہوا۔

کیا نبی کو احکام میں حق اجتہاد حاصل ہے؟ یہ مسئلہ اگرچہ مختلف فیہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو احکام شرعیہ میں اجتہاد کا حق حاصل تھا یا نہیں؟ لیکن قول محقق جو اکثر علماء کے نزدیک مختار ہے یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کو احکام شرعیہ میں اجتہاد کا حق حاصل تھا اور آپ نے اجتہاد کیا اور اس پر آپ کی تقریر فرمائی گئی، تو گویا آپ کا یہ اجتہاد مطابق واقعہ ہوا، لہٰذا اذان کا ثبوت حضور ﷺ کے اجتہاد سے ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اِدھر تو عبداللہ بن زیدؓ نے خواب دیکھا اُدھر وحی خداوندی نازل ہو چکی تھی، امام عبدالرزاق نے المصنف میں اور ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ جب عبداللہ بن زیدؓ نے اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا قد سبقک بذلک الوحی، تم سے پہلے اس بات کی وحی خداوندی آچکی ہے۔

البتہ یہاں ایک چیز بڑی قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ نماز کے اعلام کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے صورت بھی پیدا کر دی کہ ایک صحابی کو خواب میں دکھلایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حضور اکرم ﷺ کی تنویہ شان عظمت شان کا اظہار ہے کہ آپ کے صحابہ کے ذریعہ سے اذان کی مشروعیت ہوئی۔

يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ: بلال کھڑے ہو اور اذان دو۔

کیا اذان کھڑے ہو کر دینا چاہئے: اس حدیث پاک سے علماء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اذان کھڑے ہو کر دینا چاہئے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بیٹھ کر اذان دینا جائز نہیں ہے، صرف ابوثور اور

Maktaba Tul Ishaat.com

ابو فرج مالکی نے اذان جالسا کی اجازت دی ہے، لیکن قاضی عیاض کا اس طرح مسئلہ کو اہم بنا کر پیش کرنا اور گویا یہ بتلانا کہ کھڑے ہو کر اذان دینا بہر حال ضروری اور سوائے ان دو عالموں کے کسی کے یہاں بیٹھ کر اذان دینا صحیح نہیں ہوگی؛ یہ چیز غور طلب بلکہ صحیح ہی نہیں ہے۔

شافعیہ کا اصح مسلک یہ ہے کہ اصل تو کھڑے ہو کر اذان دینا ہے لیکن اگر کسی نے بیٹھ کر اذان دی تو یہ شخص تارک سنت ہے مگر اذان صحیح ہوگئی، امام نووی نے یہی قول اکثر شافعیہ سے نقل کیا ہے اور سارے حنفی اور سارے حنابلہ کا یہی مسلک ہے، فرماتے ہیں کہ بیٹھ کر اذان دینا خلاف سنت ہے لیکن اذان ہو جائے گی۔

اس حدیث پاک سے قیام پر استدلال کرنا بھی محل غور ہے اس لئے کہ اگرچہ بڑے بڑے ائمہ ابن خزیمہ وغیرہ نے اس سے قیام پر استدلال کیا ہے لیکن حضور ﷺ کا قُمْ فرمانا جیسے یہ مطلب رکھتا ہے کہ کھڑے ہو کر اعلان کرو ایسے ہی اس کا یہ بھی تو مطلب ہو سکتا ہے کہ باہر جاؤ اور اعلان کرو۔

صحابہ سے مشورہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ صحابہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے چنانچہ قرآن میں ہے ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾، اس میں اختلاف ہے کہ آپ کے لئے مشورہ کرنا واجب تھا یا مستحب؟ امام نووی نے وجوب کے قول کو راجح قرار دیا ہے لیکن امام بیہقی نے کتاب معرفۃ السنن والآثار میں امام شافعی کی نص اور ان کی تصریح نقل کی ہے کہ مشورہ مستحب تھا اور ابو نصر بن قشیری نے اسی کو اختیار کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک بھی یہی راجح ہے۔

کس چیز میں مشورہ کا حکم ہے؟ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کس چیز میں آپ کو مشورہ کا حکم دیا گیا تھا؟ بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ جس میں اللہ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہ ہوا اس میں آپ مامور بالمشاورۃ تھے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امور دنیویہ میں، اور بعض فرماتے ہیں کہ امور حربیہ میں، علامہ داؤدی، قاضی ابو بکر بن العربی المالکی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

داؤدی وغیرہ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ بھلا احکام شرعیہ میں کیا کسی سے مشورہ کرتے، لیکن بعض روایات سے احکام شرعیہ میں بھی مشاورت کا ثبوت ہوتا ہے، چنانچہ جب آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً﴾ نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت علیؓ سے مشورہ کیا جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے کہ کتنا مقرر کیا جائے آدھا دینار، ایک دینار؟ تو حضرت علیؓ نے کہا شعیر ایک جو کے برابر، آپ نے فرمایا إنک لزھید (تم تو بڑے فقیر ہو) اور پھر دوسری آیت نازل ہوئی اور اللہ نے فرمایا ﴿أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ﴾ الآیۃ، چنانچہ یہ حکم منسوخ ہوا۔

ہمارے حضرت شیخ جب مدینہ منورہ جاتے ہیں تو پیشگی میں بہت سارے ہدایا خدام حرمین کی خدمت میں بھجوادیتے ہیں تاکہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں جب حاضری ہو تو صدقہ دینے کے بعد، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بھی یہی طریق ہے، جب میں حاضر ہوا تو مجھے بھی یاد آگیا مگر میری جیب میں پیسے ہی نہیں تھے میں نے ایک دوست سے کہا کہ جلدی سے مجھے دس ریال دے دو چنانچہ ان سے لیکر صدقہ کئے، پھر ایک دوست سے میں نے کہا کہ کچھ پیسے تم بھی صدقہ کردو، کہنے لگے کہ یہ حکم تو منسوخ ہوگیا، میں نے کہا کہ وجوب منسوخ ہے استحباب منسوخ نہیں ہے، اگر تم حضرات کو اللہ توفیق دے تو تم بھی اس پر عمل کرنا۔

(ص ۸۵) بَابُ الْأَذَانُ مَثْنَى مَثْنَى

٦٠٥. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سِمَاكِ بْنِ عَطِيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ إِلاَّ الْإِقَامَةَ.

٦٠٦. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ - هُوَ ابْنُ سَلَامٍ - قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ: ذَكَرُوا أَنْ يُعْلِمُوا وَقْتَ الصَّلَاةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُونَهُ، فَذَكَرُوا أَنْ يُورُوا نَارًا أَوْ يَضْرِبُوا نَاقُوسًا، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ.

ترجمہ: باب، اذان کے کلمات کے دو دو مرتبہ کہنے کا بیان۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات کو دو دو بار اور قد قامت الصلاۃ کے علاوہ اقامت کے بقیہ کلمات کو ایک ایک بار کہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب لوگ زیادہ ہوگئے تو انہوں نے یہ مشورہ کیا کہ نماز کے وقت کی کسی ایسی چیز کے ذریعہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اطلاع دی جائے جس کو لوگ جان لیں، تو مشورہ میں یہ بات ذکر میں آئی کہ آگ جلائیں یا ناقوس بجائیں، تو حضرت بلالؓ کو حکم دے دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات کو دو دو بار اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار کہیں۔

تشریح: کشمیہنی کی روایت میں مثنی مثنی مکرر واقع ہوا ہے اور دوسرے حضرات کی روایت میں صرف الأذان مثنی واقع ہوا ہے، بظاہر تکرار کی کوئی وجہ نہیں اس واسطے کہ مثنیٰ معدول ہے اثنین اثنین سے، لہذا کشمیہنی کی روایت کو تاکید پر محمول کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو امام ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں انہیں الفاظ الأذان مثنی مثنی کے ساتھ روایت فرمایا ہے جس میں یہ ہے کہ اذان کے الفاظ میں تکرار ہوگا، اتنی حد تک تو تمام امت کا اتفاق ہے۔

لیکن اذان کے مسئلہ میں دو باتوں میں اختلاف ہے۔

اذان کے شروع میں تکبیر کتنی مرتبہ ہو؟ اوّل تو یہ کہ اذان کی ابتداء میں تکبیرات چار مرتبہ ہوں گی یا صرف دو مرتبہ؟ حضرات جمہور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور داؤد ظاہری وغیرہ فرماتے ہیں کہ چار مرتبہ ہوں گی، ان کی دلیل یہ ہے کہ اذان کے جو تفصیلی کلمات عام طور سے روایات میں وارد ہوئے ہیں جیسے اذانِ مَلَکِ نازل من السماء، اذانِ عبد اللہ بن زیدؓ اور اذانِ بلالؓ وغیرہ سب میں اذان کی ابتداء میں تکبیر چار مرتبہ ہے۔

امام مالک، قاضی ابویوسف وغیرہ فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ ہوں گی، اس لئے کہ امام مسلم (۱/۱۶۵) نے عبد اللہ بن محیریز سے اور وہ ابو محذورہؓ سے اور وہ کلماتِ اذان حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں، اس کے شروع میں تکبیر صرف دو مرتبہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کا دارومدار عامر احول پر ہے اور ان سے ان کے دو تلمیذ ہمام اور معاذ بن ہشام یہ روایت نقل کرتے ہیں، ہمام کی روایت میں بلا اختلاف تکبیرات چار مرتبہ ہیں، اس کے الفاظ ہیں عن أبی محذورة أن رسول الله ﷺ علّمه الأذان تسع عشرة كلمة والإقامة سبع عشرة كلمة، رواه أحمد وأبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجه والدارمي وابن منذر والدارقطني، اور اذان کے انیس کلمات ابو محذورہؓ کی روایت میں اسی وقت بن سکتے ہیں جب تکبیرات ابتداء میں چار مرتبہ ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

رہی معاذ بن ہشام کی روایت تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاذ کے تلامذہ میں تھوڑا سا اختلاف ہو گیا، مگر ان کے عام تلامذہ افتتاح میں چار مرتبہ تکبیر نقل کرتے ہیں چنانچہ علی بن مدینی، عبد اللہ بن سعید، ابو موسیٰ محمد بن مثنیٰ اور عبد اللہ بن نمیر نے معاذ بن ہشام سے اسی طرح سے بتربیع التکبیر نقل کیا ہے۔

علی بن مدینی کی روایت ابو عوانہ نے، اور ابو موسیٰ محمد بن مثنیٰ کی روایت ابو عبد اللہ الحاکم نے مستخرج علیٰ صحیح مسلم میں، اور عبد اللہ بن سعید کی روایت حاکم نے مستخرج علیٰ صحیح مسلم میں اور بیہقی نے سنن کبیر میں، اور عبد اللہ بن نمیر کی روایت ابن مندہ اصبہانی نے تخریج کی ہے، اور امام مسلم نے یہ حدیث دو استاذوں سے نقل کی ایک ابو غسان مالک مسمعی اور دوسرے اسحاق بن راہویہ، اسحاق بن راہویہ کی یہ حدیث امام نسائی نے سنن میں اور حاکم اور ابو نعیم اصفہانی نے اپنے اپنے مستخرج میں بتربیع التکبیر نقل کی ہے، تو اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاذ کی روایت میں بھی صواب بتربیع التکبیر (چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا) ہے۔

کچھ نسخ مسلم میں بھی اختلاف ہے، اکثر نسخ میں اگرچہ دو مرتبہ تکبیر ہے لیکن مسلم کے بعض نسخوں میں چار مرتبہ ہے، علامہ ابو الحسن بن القطان الفاسی کی رائے یہ ہے کہ یہی صواب ہونا چاہئے اس لئے کہ ہمام کی روایت اس کے لئے مؤید ہے، حافظ ابن عبد البر نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ آل ابی محذورہؓ کے اندر جو اذان متعارف ہے اس میں تکبیر ابتداء میں چار ہی مرتبہ ہے اور یہی عامۃ العلماء کا عمل ہے، امام ابو حنیفہ، شافعی وغیرہ اسی کے قائل ہیں، اب اگر تثنیۂ تکبیر کی روایت ثابت ہو تو بیان جواز پر محمول کر لیا جائے گا۔

ترجیع فی الاذان: دوسرا مسئلہ جو اختلافی ہے وہ ترجیع کا ہے، ترجیع یہ ہے کہ شہادتین کا تکرار کیا جائے، پہلے دو مرتبہ أشهد أن لا إله إلا الله پھر دو مرتبہ أشهد أن محمدًا رسول الله کہہ کر پھر اس کے بعد مؤذن عود کرے اور دو مرتبہ شہادت توحید اور دو مرتبہ شہادت رسالت کا ذکر کرے۔

اس میں اختلاف ہے کہ ترجیع فی الأذان مسنون ہے یا نہیں؟

امام مالک، امام شافعی سنیت کے قائل ہیں اور وہ ابو محذورہؓ کی روایت بالا سے استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں ترجیع کا ذکر ہمام کے طریق میں بھی اور معاذ بن ہشام کے طریق میں بھی وارد ہوا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل اس کو سنت قرار نہیں دیتے ہیں، وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اذان ملکِ

Maktaba Tul Ishaat.com

نازل من السماء میں جو ابو داؤد وغیرہ نے روایت کی ہے ترجیع کا کوئی ذکر نہیں ہے، نیز حضرت بلالؓ کی جو اذان کتب حدیث میں نقل کی جاتی ہے اس میں بھی ترجیع نہیں ہے، اور طبرانی کے ایک طریق میں حضرت بلالؓ کی اذان میں ترجیع کا جو ذکر وارد ہوا ہے وہ طریق معلول ہے۔

اور ابو محذورہؓ کی ترجیع کی روایت کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱) ایک جواب علامہ ابن ہمام نے دیا کہ ابو محذورہؓ کی روایت میں ترجیع کے ذکر وعدم میں اختلاف ہے، اگر مسلم اور سنن میں ترجیع کا ذکر ہے تو طبرانی کی روایت میں ذکر نہیں ہے، لہٰذا ابو محذورہؓ کی روایت میں تعارض ہو گیا، اب جو روایت غیر متعارض ہو گی اس کو اس کے مقابل میں ترجیح حاصل ہو گی۔

مگر ابن ہمام کا یہ جواب محدثین کے بلکہ فقہاء محققین کے طرز سے بھی ہٹا ہوا ہے، اس لئے کہ اگر ایسا ہی تعارض وتساقط اختیار کیا گیا تو بلالؓ کی اذان کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے، اور میں ابھی بتلا چکا کہ اذان بلالؓ کی اگر اکثر روایات میں ترجیع نہیں ہے تو طبرانی کی بعض روایات میں ترجیع کا تذکرہ ہے اگرچہ میں نے یہ بتلا دیا کہ جس روایت میں ترجیع کا ذکر ہے وہ طریق معلول ہے، بعینہ یہی حال ابو محذورہؓ کی روایت کا ہے جس کو طبرانی نے بغیر ترجیع کے ذکر کیا ہے۔

اس لئے کہ وہ روایت امام طبرانی نے ابو جعفر نفیلی کے طریق سے نقل کی ہے جو امام ابوداؤد کے استاذ ہیں، ابوداؤد نے نفیلی ہی کی سند سے یہی روایت نقل کی ہے بعینہ اُسی سند سے جو طبرانی میں موجود ہے اور اس میں ترجیع کا ذکر ہے، اور جب ابوداؤد وطبرانی کے بیان میں اختلاف ہو گا تو ابوداؤد کو طبرانی پر ترجیح ہو گی، اس لئے کہ ابوداؤد متون متداولہ میں ہے، حضرات محدثین نے قدیماً وحدیثاً اس کی تصحیح کا اہتمام فرمایا ہے، بخلاف طبرانی کے کہ اگرچہ محدثین کے یہاں وہ کتاب چلتی رہی ہے لیکن اس کی نوعیت تداول کے اعتبار سے ابوداؤد کا نصف تو کیا چوتھائی بلکہ ثُمن بھی نہیں ہے، لہٰذا آپ ہی بتائیے کہ طبرانی اور ابوداؤد کی روایت میں تعارض ہو رہا ہے اور ایک ہی سند سے دونوں نقل کر رہے ہیں ابوداؤد ترجیع نقل کرتے ہیں اور طبرانی نقل نہیں کرتے ہیں تو بھلا طبرانی کی روایت کو ابوداؤد وغیرہ کی روایات کا معارض کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، اور اس ایک روایت پر بنیاد رکھ کر تعارض وتساقط کا فیصلہ کیسے کیا جاسکتا ہے، اسی لئے میں نے یوں کہا کہ امام ابن ہمام کا یہ جواب محدثین کے اصول سے ہٹا ہوا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اور یہ جو میں نے کہا کہ فقہاء محققین کے طرز سے بھی ہٹا ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء محققین محض فقہی روایات کو نہیں دیکھتے ہیں بلکہ وہ اس کے دلائل اور دلائل کی سلامتی من الضعف پر بھی نظر کرتے ہیں، یہاں ابن ہمام نے صرف ظاہری طور پر یہ دیکھ لیا کہ جمال الدین زیلعی حنفی نے نصب الراية في تخريج احاديث الهداية میں طبرانی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کردی بغیر ترجیع کے تو ابن ہمام نے آکر اس کو معارضہ میں پیش کر دیا و لیس هذا طريق إنصاف۔

(۲) دوسرا جواب امام طحاوی نے دیا اور اسی کو شمس الائمہ سرخسی نے المبسوط میں اپنے الفاظ میں ذکر کیا اور صاحب ہدایہ نے اپنے نہایت ہی شاندار الفاظ میں دو جملوں میں ادا کر دیا كان ماروا ه تعليمًا فظنه ترجيعًا، اصل میں ابو محذورہؓ کو تعلیم دی جارہی تھی اور مقصود مدّ الصوت (آواز بڑھانا) تھا اس لئے کہ ابو محذورہؓ نے شہادتین کو مدّ الصوت کے ساتھ ذکر نہیں کیا تھا آپ نے فرمایا إرجع فامدد من صوتک، ابو محذورہؓ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ کلمات اذان کا جزء ہے، لیکن یہاں ان کو سمجھنے میں لغزش ہوگئی۔

(۳) تیسرا جواب علامہ ابن الجوزی نے دیا، فرماتے ہیں کہ اصل میں ان کے رفقاء اذان کی نقل اتار رہے تھے، اس سے اعراض کر رہے تھے، استہزاء کر رہے تھے لہذا حضور اکرم ﷺ نے شہادتین کو مکرر کہلوایا تاکہ اچھی طرح سے ان کو یاد ہو جائے اور پھر وہ اپنے اصحاب کے سامنے اس کو نقل کریں۔

(۴) علامہ موفق بن قدامہ فرماتے ہیں کہ اصل میں حضور ﷺ نے اوّلاً سرًا کہنے کا حکم اس لئے دیا کہ سرّ سے اخلاص حاصل ہوتا ہے، چونکہ یہ لوگ مذاق کر رہے تھے اس لئے شہادت توحید و رسالت میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے آپ نے ایک مرتبہ آہستہ کہلوایا اور پھر اس کے بعد زور سے کہلوایا۔

مگر ان تینوں جوابوں یعنی تعلیم، اور کلماتِ اذان ذہن نشین کرنے اور حصول اخلاص پر اشکال یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے ایک حدیث السنن میں نقل کی ہے ابو محذورہؓ فرماتے ہیں قلت يارسول الله! فعلّمنى سنة الأذان اے اللہ کے رسول! مجھ کو اذان کی سنت سکھا دیجئے، پھر حضور پاک ﷺ ان کو اذان کی تعلیم دیتے ہیں تو اس میں ترجیع کا ذکر فرماتے ہیں، معلوم ہوا کہ ترجیع سنت اذان ہے یہ ان کا ظن و وہم نہیں، نہ حضور ﷺ نے اخلاص کی غرض سے اور نہ نقل علی القوم کی غرض سے تکرار کیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ کوئی ایسے قاطع جوابات نہیں جس سے دل کو پوری طرح تشفی اور تسلی حاصل ہو سکے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۵) ہم ایک جواب دیتے ہیں امید ہے کہ اگر پوری تسلی نہ سہی تو حنفی وحنبلیوں کی تسلی تو ہو ہی جائے گی اور وہ یہ ہے کہ اس سند کا دارومدار حارث بن عبید ابو قتادۃ الأیادی پر ہے اور وہ مختلف فیہ راوی ہے، بعض علماء نے اس کو مضطرب الحدیث قرار دیا ہے، تنہا یہ شخص ایسا ہے جو علمنی سنۃ الأذان نقل کرتا ہے اور باقی ابو محذورہؓ کی اذان کے جتنے ناقلین ہیں چاہے مسلم میں ہوں یا دیگر صحاح میں کوئی بھی یہ لفظ نقل نہیں کرتا ہے، اس لئے اب اس سے ذرا سا دل میں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ راوی کی اپنی تعبیر ہو، یہ الفاظ اس نے اپنے طور پر اپنے فہم کے اعتبار سے تو نہیں بیان کر دیئے ہیں؟ اگر واقعہ یہی ہے تب تو پھر طحاوی، ابن جوزی اور موفق کا جواب چل جائے گا اور اگر یہ بات نہیں ہے تو یہ سارے جوابات بیکار ثابت ہوں گے، اسی لئے ہمارے محققین اساتذہ فرماتے ہیں اور خاص طور سے حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب سابق ناظم مظاہر علوم سے بار بار سنا ہے کہ تم کسی کا منھ قطعی طور پر کیا بند کر دوگے؟

(۶) ایک اور جواب سنیئے! جو سفوف خانہ ساز (اپنا خیال) ہے، وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے بعض اوقات بعض خاص احکام کے سلسلہ میں مختلف صورتیں نقل کی گئی ہیں اور یہ سب اپنی جگہ مباح اور جائز ہیں، جیسے مختلف ادعیہ منقول ہیں کہ آدمی جس کو جب چاہے پڑھ لے، ایسے ہی یہ اعمال بھی ہیں، تو یہ ترجیع یا عدم ترجیع کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے آدمی اختلاف میں پڑ جائے بلکہ من باب تنوع العمل ہے، چنانچہ حافظ ابن عبد البر نے اسحاق بن راہویہ، ابن جریر طبری، داؤد ظاہری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ اختلاف ترجیع وعدم ترجیع کا اور ابتداء میں تربیع تکبیر وتثنیۂ تکبیر کا من باب الاختلاف فی الأمر المباح ہے۔

لیکن ترک ترجیع کے قائلین یہ کہہ سکتے ہیں کہ ترجیع پر ترکِ ترجیع کو یہ ترجیح حاصل ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مؤذن حضرت بلالؓ فتح مکہ کے بعد لوٹے اور بلا ترجیع کے اذان دیتے رہے، تو جو اذان مؤذنِ مسجد نبوی دیتا تھا وہ ترجیع سے خالی ہوتی تھی، کم از کم اس سے اتنا تو نکل ہی آئے گا کہ ترکِ ترجیع کو ترجیع پر ترجیح ہے، مگر یہ چیز اپنی جگہ قابل احتیاج اور تحقیق طلب ہے کہ حضرت بلالؓ نے بعد میں جو اذان دی ہے اس میں ترجیع کی ہے یا نہیں؟

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اقامت میں تکبیر چار مرتبہ کہتا ہے تو وہ ترجیع کرے، اور اگر کوئی اقامت وترًا (ایک بار) کرتا ہے تو بے ترجیع اذان دے، گویا جو بلا ترجیع اذان دیتا ہے وہ اقامت وترًا کہے،

Maktaba Tul Ishaat.com

اس لئے کہ ابو محذورہؓ کی روایت میں اذان میں ترجیع اور اقامت میں تربیع ہے اور بلالؓ کی اذان میں ترجیع نہیں ہے اور اقامت وتراً ہے۔

أمِرَ بِلَالٌ: حضرات محدثین اور اہل اصول کے محققین فرماتے ہیں کہ صحابی کا أُمِرَ اور نُهِيَ بصیغۂ مجہول کہنا علامتِ صیغۂ رفع میں سے ہے چنانچہ اسی حدیث نسائی میں صراحۃً رفع وارد ہوا ہے، امام نسائی نے یہ حدیث عن قتيبة عن عبدالوهاب عن أيوب نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں أن النبی ﷺ أمر بلالاً أن يشفع الأذان وأن يوتر الإقامة، اور صراحۃً رفع نقل کرنے میں قتیبہ بن سعید منفرد نہیں بلکہ عبدان مروزی اور یحیٰ بن معین نے بھی ان کی متابعت کی ہے وحديثهما أخرجه أبو عوانة في صحيحه، نیز آگے قتیبہ کے استاذ عبدالوہاب بھی منفرد نہیں ابوشہاب حنّاط نے ان کی متابعت کی ہے أخرجه البلاذری، مگر ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں امام ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم رازی سے نقل کیا ہے کہ اس روایت میں رفع کی تصریح منکر ہے۔

بہرحال اگر صراحۃً رفع پر کوئی کلام ہو تو ہو مگر محدثین کے نزدیک یہ صیغۂ رفع ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ صحابی جب امر و نہی کا صیغہ نقل کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ امر و نہی فرمانے والی کوئی ذات تو ہوگی جس کو تشریعی حیثیت سے امر و نہی کا مقام حاصل ہوگا اور وہ جناب رسول پاک ﷺ ہیں۔

أنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ: اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں، اسی سے مصنف نے الأذان مَثْنیٰ مَثْنیٰ ثابت کیا ہے، مصنف محقق کے ترجمہ کے اجمال سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ترک ترجیع کے قائل ہیں، اور کوئی مالکی یوں کہہ سکتا ہے کہ وہ تثنیۃ التکبیر کے قائل ہیں ولا دافع له۔

وَأنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ إِلَّا الْإِقَامَةَ: اور اقامت کو ایک بار کہیں سوائے اقامت یعنی قد قامت الصلاة کے۔

أنْ يُورُوا نَارًا: اَوْرٰی-یُوْرِیْ-اِیْرَاءً کے معنٰی چقماق جھاڑ کر آگ جلانا ہے۔

(ص ۸۵) باب الْإِقَامَةُ وَاحِدَةٌ إِلَّا قَوْلَهُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ

۶۰۷. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ

Maktaba Tul Ishaat.com

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الإِقَامَةَ.

قَالَ اسْمَاعِيلُ: فَذَكَرْتُهُ لِأَيُّوبَ فَقَالَ: إِلَّا الإِقَامَةَ.

ترجمہ: باب، قد قامت الصلاۃ کے علاوہ بقیہ کلماتِ اقامت کے ایک ایک بار کہنے کا بیان۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات کو دو دو بار اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار کہیں، اسماعیل بن ابراہیم بن علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس روایت کو ایوب سختیانی سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا قد قامت الصلاۃ کے علاوہ بقیہ کلمات کو ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا گیا۔

تشریح: امام بخاری نے جیسے اذان کا حکم نہیں بیان کیا تھا ایسے ہی اقامت کا بھی کوئی حکم نہیں بیان فرمایا، اس لئے کہ مصنف کے پاس کوئی ایسی روایت نہیں جس سے اقامت کا حکم معلوم ہو سکے۔

اقامت کا حکم شرعی: اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور اکثر شافعیہ فرماتے ہیں کہ سنت ہے، بعض شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ فرض کفایہ ہے، اور اوزاعی وغیرہ سے مطلقاً فرض ہونا نقل کیا گیا ہے۔

کلمات اقامت کتنی بار؟ پھر اس میں اختلاف ہے کہ اقامت کے کلمات دو مرتبہ کہے جائیں گے یا فرادیٰ یعنی ایک ایک مرتبہ کہے جائیں؟ اس میں تین قول ہیں، ۱؎ حضرت امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور عبد اللہ بن مبارک تثنیہ اور تکرار کے قائل ہیں اور ان کے یہاں اقامت کے کلمات سترہ ہیں، ۲؎ امام شافعی، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہے جائیں گے تکرار نہیں ہوگا، ان کے یہاں کل کلمات گیارہ ہیں، ابتداء میں تکبیر دو مرتبہ، انتہاء میں تکبیر دو مرتبہ اور بیچ میں قد قامت الصلاۃ دو مرتبہ اور باقی کلمات ایک ایک مرتبہ۔

تکبیر اگرچہ صورۃً دو مرتبہ ہے لیکن اس کو ان حضرات نے ایک شمار کیا ہے، اس لئے کہ اذان میں ابتداء میں تکبیر چار مرتبہ ہے گویا چار کے مقابل میں دو؛ ایک مرتبہ ہے، اور اسی لئے شافعیہ نووی وغیرہ نے تصریح کی ہے کلمات اقامت کہتے ہوئے تکبیرین کو ایک ہی سانس میں ادا کیا جائے گا۔

۳؎ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ قد قامت الصلاۃ بھی ایک ہی مرتبہ کہا جائے گا اور کل کلمات دس ہوں

Maktaba Tul Ishaat.com

گے، یہی امام شافعی کا ایک قول ہے۔

حضرت امام شافعی کے دو قول اور ہیں، ایک قول یہ ہے کہ کل کلمات نو ہوں گے آخر کی تکبیر بھی ایک مرتبہ ہوگی، دوسرا قول یہ ہے کہ کل کلمات آٹھ ہیں پہلی تکبیر بھی ایک ہی مرتبہ ہوگی۔

امام بخاری اس مسئلہ میں بظاہر حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے راجح قول کے قائل ہیں، اسی لئے صاف فرمادیا اَلْإِقَامَةُ وَاحِدَةٌ إِلَّا قَوْلَهُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اگرچہ روایت میں وَاحِدَةٌ کا ذکر لفظاً نہیں ہے لیکن معنًا روایت سے ثابت ہے، اور یہ لفظ ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اس کے الفاظ ہیں الأذان مثنى والإقامة واحدة، غالباً بخاری نے واحدة کو وتر کے لفظ پر اس لئے اختیار فرمایا کہ وتر کا اطلاق جیسے ایک پر ہوتا ہے تین، پانچ اور سات پر بھی ہوتا ہے تو مصنف نے واحدة کہہ کر لفظ وتر کی شرح کردی اور یہ بتلادیا کہ وتر سے پہلا درجہ مراد ہے۔

دلائل طرفین: جو لوگ افراد اقامت کے قائل ہیں وہ حدیث انسؓ أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ سے استدلال کرتے ہیں۔

اور جو حضرات تثنیۃ الاقامۃ کے قائل ہیں انہوں نے حضرت ابو محذورہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے کیوں کہ ان کی حدیث میں صاف تصریح ہے أن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علّمه الأذان تسع عشرة كلمة والإقامة سبع عشرة كلمة، ایک دوسری دلیل ان حضرات کے پاس اور بھی ہے، وہ یہ ہے کہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں حدثنا أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن عبدالله بن زيد أتى النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال إني رأيت في المنام رجلاً عليه بردان أخضران فقام على حائط فأذن مثنى مثنى وأقام مثنى مثنى، رواه ابن أبي شيبة بإسناد صحيح اور بھی اس طرح کے دوسرے الفاظ دوسری روایات میں وارد ہوئے ہیں۔

حدیث باب کے مختلف طور سے جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱) ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کلمات اذان مکرر ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بلالؓ اپنی اذان کو ابن ام مکتومؓ کی اذان کے ساتھ مثنّٰی کہیں، یعنی ایک مرتبہ ابن ام مکتومؓ اذان کہیں پھر حضرت بلالؓ خود، اور أَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تنہا اقامت کہیں۔

مگر میرے نزدیک یہ توجیہ سیاق حدیث سے بالکل بعید ہے، حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کلماتِ اذان کے متعلق تعلیم ہو رہی ہے، اور جو محمل متعین کیا جارہا ہے اس صورت میں یہ صرف اذان فجر کے ساتھ مخصوص ہو جائے گی کیوں کہ اسی میں مکرر اذان ہوتی ہے۔

(۲) بعض علماء نے دوسرا جواب دیا کہ اذان کے شفعاً کہنے کا مطلب یہ ہے کہ الگ الگ سانس میں کلمات اذان کہے جائیں، اور وتراً کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حدراً ایک ہی سانس میں کلمات اقامت کو ادا کر دیا جائے، اگر چہ یہ توجیہ بعض اکابر حنفیہ اور ہمارے بعض فقہاء ذکر کر دیتے ہیں لیکن میرے نزدیک صحیح نہیں۔

(۳) تیسرا جواب بعض صاحبوں نے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت بلالؓ کی اقامت میں صراحۃً تثنیہ روایت میں وارد ہوا ہے، امام طحاوی نے بلالؓ کی اذان اور اقامت دونوں کے بارے میں مثنیٰ مثنیٰ کے الفاظ نقل کئے ہیں، اب لامحالہ اس روایت کی توجیہ وتاویل کی جائے گی۔

لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ وہ اذان بلالؓ اور اقامت بلالؓ جو عبد اللہ بن زیدؓ نے ان کو تلقین کی تھی اس میں تو تثنیۂ اذان اور افراد اقامت ہے رواہ ابوداؤد، اس کا جواب یہ ہے کہ عبد اللہ بن زیدؓ کے خواب میں تثنیۃ الاقامۃ کا ذکر بھی ابوداؤد ہی میں وارد ہوا ہے۔

اب یہ چیز غور طلب ہو جاتی ہے کہ آیا أَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ مؤول ہے یا من باب تنوع العمل ہے؟ بعض احناف اس کو مؤول مانتے ہیں اور تاویلیں کرتے ہیں لیکن چونکہ ظاہر حدیث سے وہ تاویلیں جوڑ نہیں کھاتی ہیں ایک دم کسی حدیث سے اشتغال رکھنے والے کے کان میں جب یہ الفاظ أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ پڑتے ہیں تو اس سے کلمات اذان ہی سمجھ میں آتے ہیں اس لئے بندہ کے نزدیک تنوع عمل کا جواب ہی ارجح معلوم ہوتا ہے اور یہ کہا جائے گا کہ اس میں دونوں طرح کا عمل منقول ہے افراد بھی اور تثنیہ بھی۔

إِلَّا الْإِقَامَةَ: حاصل یہ ہے کہ خالد حذاء کی روایت میں تو إِلَّا الْإِقَامَةَ کا استثناء مذکور نہیں ہے لیکن ایوب اپنی روایت میں نقل کرتے ہیں، ابن مندہ اصبہانی اور ابو محمد اصیلی فرماتے ہیں کہ إِلَّا الْإِقَامَةَ ایوب سختیانی کا قول ہے اور مدرج فی الخبر ہے اور انہوں نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے ادراج کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا اور ان کی رائے یہ ہے کہ ایوب کی روایت میں چونکہ یہ لفظ موصول بالخبر ہے اور اصل احادیث میں وصل ہے لہذا اس کو وصل ہی پر محمول کیا جائے گا، اور عبد الرزاق کی روایت میں بطریق معمر عن ایوب متصلاً بالخبر یہ لفظ وارد ہوا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۵) باب فَضْلِ التَّأْذِينِ

۶۰۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ حَتَّى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى.

ترجمہ: باب، اذان دینے کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان آواز کے ساتھ گوز خارج کرتا ہوا پشت پھیر کر بھاگتا ہے تاکہ اذان نہ سنے، پھر جب اذان ہو چکتی ہے تو واپس آجاتا ہے یہاں تک کہ جب اقامت ہوتی ہے تو پھر پیٹھ دے کر بھاگتا ہے، پھر جب اقامت ہو چکتی ہے تو آجاتا ہے یہاں تک کہ نمازی اور اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرتا ہے کہ فلاں چیز کو یاد کرو، فلاں چیز کو یاد کرو، ان باتوں کے لئے جو نمازی کو یاد نہیں تھیں یہاں تک کہ نمازی اس بات سے بھی غافل ہو جاتا ہے کہ کتنی رکعت نماز پڑھی۔

تشریح: امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ ابتداء میں جہاں حکم بیان کرتے ہیں وہیں فضیلت بھی بیان فرما دیتے ہیں، چنانچہ امام نے یہاں پہنچ کر بھی حسب عادت بعض فضائل بیان کئے ہیں، فضائل اذان سے متعلق کئی تراجم مختلف طور سے منعقد کئے ہیں، اس ترجمہ کی غرض تو کھلی ہوئی ہے کہ اذان کی فضیلت بتلانی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ تاذین سے مراد ہر وہ قول وفعل ہے جو موذن سے صادر ہوتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہاں تاذین بمعنی الاذان ہے اور مصنف نے الفاظ حدیث کی اتباع میں تاذین کو ذکر کیا ہے۔

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ: جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان پشت پھیر کر اس حال میں بھاگتا ہے کہ اس سے گوز نکلتا ہے کہ وہ اذان کو نہ سنے، مسلم وغیرہ کی بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ وہ اتنی دور بھاگ جاتا ہے جہاں روحاء ہے اور روحاء مدینہ منورہ سے حسب تصریح روایت مسلم چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے اور ابن ابی شیبہ کی روایت کی تصریح پر تیس میل کے فاصلہ پر ہے، بہر حال اس سے

Maktaba Tul Ishaat.com

معلوم ہوا کہ شیطان کلمات اذان سن کر بہت دور بھاگ جاتا ہے۔

وَلَهُ ضُرَاطٌ: وہ ہوا خارج کرتا ہے، یہ ضراط آیا حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر؟ دونوں ہی احتمال ہیں۔

اگر یہ حقیقت پر محمول ہے تو اس صورت میں اس کا ضراط خارج کرنا اس لئے ہے تا کہ وہ کلمات اذان کو نہ سنے بلکہ اپنی آواز میں مشغول ہو جائے، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اذان کے ساتھ تمسخر یہ اور مذاق کرتا ہو جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اس طرح کی مجالس کے مواقع میں تمسخر یہ اور مذاق کے طور پر ایسا کیا کرتے ہیں۔

اور اگر یہ مجاز پر محمول ہے تو پھر یہ کنایہ ہے شدت نفرت سے یعنی جب زیادہ زور سے بھاگتا ہے تو ریح خارج ہوتی ہے، گویا مطلب یہ نکلا کہ وہ بہت زور سے بھاگتا ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس لئے بھاگتا ہے تا کہ وہ موذن کے حق میں شہادت نہ دے، اور غالباً حضرت امام بخاری نے بھی اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس لئے کہ اس کے بعد جو باب آرہا ہے اس میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث شہادت سے متعلق ذکر فرمائی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اصل میں اذان کے کلمات میں چونکہ توحید و رسالت کا ذکر ہے اور شیطان کو اس سے طبعاً نفرت ہے وہ نفرت کی وجہ سے بھاگتا ہے۔

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ اللہ نے کلمات اذان میں خاص ہیبت و عظمت رکھی ہے جب وہ کلمات نکلتے ہیں تو اس کا اثر شیطان پر پڑتا ہے اور وہ بھاگتا ہے اور بقول حضرت الاستاذ مولانا امیر احمد صاحب کے کہ اذان کا ہنٹر جب اس پر پڑتا ہے تو برداشت نہیں کرتا اور بھاگ جاتا ہے۔

حَتّٰى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ: جب اقامت ہوتی ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے، ثُوِّب فعل ماضی مجہول ہے تثویب سے، تثویب ماخوذ ہے ثوب سے جس کے معنٰی ہیں رجوع کے، کہا جاتا ہے ثاب أی رجع، تثویب کے معنٰی ہیں اعلام بعد الاعلام کے، تثویب کے تین مصداق ہیں، ۱۔ اقامت، ۲۔ اذان فجر میں الصلاۃ خیر من النوم کہنا، ۳۔ مابین الأذان والإقامۃ اسی نماز کے لئے بلانا، یہاں پر پہلے ہی معنٰی مراد ہے کما صرح بذلک أبو عوانۃ فی صحیحہ والخطابی والبیہقی وغیرھم اور الصلاۃ خیر من النوم کسی کے نزدیک بھی مراد نہیں۔

بعض شارحین بخاری حافظ ابن حجر وغیرہ نے یہاں پر یہ نقل کر دیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تثویب سے مراد مابین الأذان والإقامۃ نماز کے لئے بلانا اور آواز دینا ہے الصلاۃ الصلاۃ وغیرہ کہہ کر، لیکن یہ ایراد الشیئ فی

Maktaba Tul Ishaat.com

غیر محلہ کے قبیل سے ہے اگرچہ احناف تثویب کا یہ مفہوم بتلاتے ہیں لیکن اس حدیث کے ذیل میں نہیں۔

حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ: انسان کے جی میں وہ خطرات ڈالتا ہے، کہتا ہے اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا فلاں چیز یاد کرلو، فلاں چیز یاد کرلو، جو دنیا بھر کی بھولی چیزیں تھیں وہ نماز میں یاد آنے لگتی ہیں۔

قصہ منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ سے آکر ایک شخص نے شکوہ کیا کہ میں نے اپنا مال کہیں دفن کیا تھا وہ جگہ یاد نہیں بھول گیا ہوں، فرمانے لگے کہ پورے اخلاص سے توجہ کے ساتھ نماز پڑھ، اس نے نماز شروع کی شیطان نے آکر اطلاع دے دی کہ فلاں جگہ تیرا مال ہے، شیطان ایسی حرکتیں کرتا ہے۔

حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى: آدمی کو یہ پتہ ہی نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں۔

یہاں پر ایک کھلا ہوا اشکال ہوتا ہے اور جو تم پڑھتے بھی آرہے ہو کہ یہ کیا بات ہے کہ اذان واقامت سن کر تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور نماز جو اس سے بدرجہا اشرف واکمل ہے اور مقصود ہے شیطان اس میں آکر وساوس وخطرات ڈالتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے جیسے دنیا کی اشیاء مخلوقہ میں کچھ خاص خصوصیتیں رکھی ہیں مثلاً سنا کی مسہل ہے اور یاقوتی اور جواہر مقوی ہیں، ان سے اگر اسہال کا کام لیا جائے تو حاصل نہیں ہوسکتا ہے، ایسے ہی ان کلمات اور ادعیہ میں بھی خاص خاص تاثیریں رکھی ہیں اور عبادات میں بھی تاثیریں ہیں، اذان میں یہ خاص تاثیر رکھی ہوئی ہے کہ شیطان اس کو سن کر برداشت نہیں کرپاتا ہے اور بھاگ جاتا ہے، لیکن اس تاثیر کے نماز میں نہ ہونے سے اذان کا نماز پر تفوق لازم نہیں آتا ہے، ہاں اس خاص جزئی فضیلت میں اذان نماز سے بڑھی ہوئی ہے لیکن نماز اپنی حیثیت ومقام کے لحاظ سے اذان سے فائق ہے اس لئے کہ اذان وسیلہ ہے اور نماز مقصود ہے۔

(ص ۸۵) باب رَفْعِ الصَّوْتِ بِالنِّدَاءِ

وقال عمر بن عبد العزيز أذن أذانا سمحا وإلا فاعتزلنا.

٦٠٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ

Maktaba Tul Ishaat.com

الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ الأَنْصَارِيِّ ثُمَّ الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِيَّ قَالَ لَهُ: إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ، فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ لِلصَّلاَةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ؛ فَإِنَّهُ لاَ يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلاَ إِنْسٌ وَلاَ شَيْءٌ إِلاَّ شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: باب، اذان میں آواز کو بلند کرنے کا بیان۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ بالکل سادہ اور رواں اذان دو، ورنہ ہم سے علیحدہ ہو جاؤ۔

حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ تمہیں بکریاں چرانا اور جنگل میں رہنا اچھا لگتا ہے، اس لئے جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو اور نماز کے لئے اذان دینی ہو تو اذان میں آواز کو بلند کیا کرو، اس لئے کہ مؤذن کی آواز کو جہاں تک جنات، انسان یا کوئی بھی مخلوق سنے گی تو وہ قیامت کے دن اس کے لئے گواہی دے گی، ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث حضور پاک ﷺ سے سنی ہے۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ مؤذن بلند آواز سے اذان دے۔

بقدر طاقت اذان میں آواز بلند کرنا باتفاقِ امت مستحب ہے، اور یہ ترجمہ صورۃً تو اس مسئلہ سے متعلق ہے لیکن در پردہ اس سے بھی روایت باب کو سامنے رکھ کر اذان کی ایک فضیلت نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مؤذن کے لئے ہر وہ چیز شہادت دے گی جہاں تک اس کی آواز پہنچے گی، لہٰذا مؤذن کو اذان میں اپنی آواز بلند کرنی چاہئے تا کہ دور دور کی اشیاء کل قیامت کے دن اس کے لئے شہادت دیں۔

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَذِّنْ أَذَانًا سَمْحًا وَإِلَّا فَاعْتَزِلْنَا: حضرت عمر بن عبد العزیز کا ایک مؤذن اپنی اذان میں تطریب یعنی آواز میں اتار چڑھاؤ پیدا کر رہا تھا تو عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا أَذِّنْ أَذَانًا سَمْحًا سادی سادی اذان دے وَإِلَّا فَاعْتَزِلْنَا ورنہ ہم سے الگ ہو جا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اذان میں انغام اور اتار چڑھاؤ صحیح نہیں ہے اور ہر وہ طرز جو اصل اذان کے مقصود پر مؤثر ہو تا ہو وہ اختیار نہ کرنا چاہئے، اور آج کل یہ عیب بہت عام ہو گیا، ہاں البتہ اگر کسی کی آواز ہی عجیب و غریب سی ہو کہ خود اس میں تھر تھراہٹ پیدا ہو جاتی ہو اور آواز اور اس کے بلند کرنے پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو تو میرا خیال یہ ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، ویسے حضرت ناظم صاحب مطلقاً پسند نہیں کرتے تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

إِنِّي أَرَاکَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ: حضرت ابو سعید خدریؓ نے اپنے تلمیذ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی صعصعہ سے فرمایا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم کو بکری اور جنگل پسند ہے لہذا جب تم اپنی بکریوں اور جنگل میں ہوا کرو اور نماز کا وقت آجائے اور اذان دو تو اس میں آواز بلند کیا کرو، اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ جملہ فَارْفَعْ صَوْتَکَ بِالنِّدَاءِ مرفوع ہے۔

جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ: قرطبی فرماتے ہیں کہ شَيْءٌ سے فرشتہ مراد ہے مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ تو جن میں داخل ہے لأنهم يجتنون عن الأبصار، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے حیوانات مراد ہیں، بعضوں کی رائے ہے کہ تمام اشیاء مراد ہیں چاہے وہ حیوانات ہوں یا جمادات، پھر اس کے بعد یہ شہادت بلسان الحال ہوگی یا بلسان القال؟ دونوں احتمال ہیں، اقرب یہ ہے کہ یہ شہادت بلسان القال ہی ہوگی، حق تعالیٰ شانہ ان چیزوں کو گویائی عطا فرمائیں گے اور سب چیزیں مؤذن کے حق میں شہادت دیں گی۔

یہ شہادت کس لئے دلوائی جائے گی؟ حق تعالیٰ تو ہر چیز سے واقف ہیں پھر اس کا مقصود کیا ہے؟ بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں اللہ جل شانہ احکام آخرت کو احکام دنیا کے قانون پر چلائیں گے لہذا جیسے اس دنیا میں شہادت لی جاتی ہے آخرت میں بھی شہادت لی جائے گی قالہ زین بن المنیر۔

علامہ قرطبی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت باری جل مجدہ یہ شہادت صرف اس لئے لیں گے تاکہ اشتہار ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص خدائے برتر کے نام کا اور اس کی طاعت کی طرف بلانے کے لئے اعلان کیا کرتا تھا، یہ جو میں نے آخری قول نقل کیا وہ تورپشتی کا ہے۔

سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سمعتہ کی ضمیر منصوب لوٹ رہی ہے فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ کی طرف، بعض لوگوں نے إِنِّي أَرَاکَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ سب کو مرفوعاً نقل کر دیا لیکن یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ ابن خزیمہ کی روایت میں یہ صاف تصریح ہے اور فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ ہی کو مرفوعاً نقل کیا گیا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۶) باب مَا يُحْقَنُ بِالْأَذَانِ مِنَ الدِّمَاءِ

٦١٠. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: ثَنَا اسمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يُغِيرُ بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ، قَالَ: فَخَرَجْنَا إِلَى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلًا فَلَمَّا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا رَكِبَ وَرَكِبْتُ خَلْفَ أَبِي طَلْحَةَ وَإِنَّ قَدَمِي لَتَمَسُّ قَدَمَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فَخَرَجُوا إِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَمَسَاحِيهِمْ فَلَمَّا رَأَوُا النَّبِيَّ ﷺ قَالُوا: مُحَمَّدٌ وَاللهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ، قَالَ: فَلَمَّا رَآهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ.

ترجمہ: باب، اذان کے سبب جانوں کی حفاظت ہوتی ہے۔

حضرت انسؓ رسول پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جب ہمیں ساتھ لے کر کسی قوم سے غزوہ کرتے تو اس وقت تک حملہ نہیں کرتے تھے جب تک صبح نہ ہو جائے اور انتظار نہ فرمالیں پس اگر اذان کی آواز آتی تو حملہ کرنے سے رک جاتے اور اذان کی آواز نہ سنتے تو حملہ کر دیتے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم خیبر کے لئے نکلے اور ہم اہل خیبر کے پاس رات کے وقت پہنچے، پھر جب صبح ہوئی اور آپ نے اذان کی آواز نہیں سنی تو آپ سوار ہوئے اور میں ابو طلحہؓ کے پیچھے سواری پر بیٹھا اور صورت یہ تھی کہ میرے پاؤں، پیغمبر علیہ السلام کے قدم مبارک کو چھو رہے تھے، حضرت انس کہتے ہیں کہ اہل خیبر اپنی ٹوکریوں اور کدالوں کو لے کر نکلے (یعنی حسب معمول، کیوں کہ وہ بے خبر تھے)، جب انہوں نے آں حضور ﷺ کو دیکھا تو کہا کہ محمد، قسم خدا کی: محمد (ﷺ) مع اپنی فوج کے آپہنچے، پھر جب حضور پاک ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا اللہ اکبر، اللہ اکبر، خیبر تباہ ہو گیا، ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا ہے ان کی صبح بری ہوتی ہے۔

تشریح: یہ باب بھی اذان کے فضائل سے متعلق ہے، حضرت امام بخاری نے پہلے باب فضل التأذین سے تو یہ بتلایا تھا کہ اذان بڑی اونچی چیز ہے حتی کہ شیطان اس کو سن کر بھاگ جاتا ہے اور دوسرے باب سے اس بات پر تنبیہ کر دی کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچے گی ساری اشیاء اس کے لئے شہادت دیں گی، اور اب اس تیسرے باب سے اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اذان کی وجہ سے ان علاقوں والوں پر حملہ نہیں کیا جائے گا جہاں سے اذان کی آواز آرہی ہے، سرکار دو عالم ﷺ جب کہیں حملہ کے ارادہ سے تشریف لے جاتے تو اذان کا انتظار کرتے تھے! اگر آواز آتی ہوتی تو آپ حملہ نہیں فرماتے تھے، یہ اذان شعائر اسلام میں سے ہے لہذا اسلام کا

Maktaba Tul Ishaat.com

یہ شعار جہاں بلند ہوتا ہو وہاں والوں پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: یہ حدیث ما قبل میں اس سے زیادہ مفصل طور پر گزر چکی ہے اور روایتی حیثیت سے اس کے الفاظ پر کلام ہو چکا ہے، یہاں پر ہے وَإِنَّ قَدَمِي لَتَمَسُّ قَدَمَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ص ۵۳ پر یہ روایت گزری ہے اس میں ہے وَإِنَّ رُكْبَتِي لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، رکبہ کا لفظ خاص ہے اور قدم کا لفظ عام ہے۔

بِمَكَاتِلِهِمْ: مکاتل مِکتل کی جمع ہے زنبیل، ٹوکرا۔

مَسَاحِيهِمْ: مساحی مِسحاۃ کی جمع ہے بیلچہ، کدال وغیرہ۔

(ص ۸۶) باب مَا يَقُولُ إِذَا سَمِعَ الْمُنَادِي

٦١١. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ.

٦١٢. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَوْمًا فَقَالَ بِمِثْلِهِ إِلَى قَوْلِهِ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ.

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى نَحْوَهُ.

٦١٣. قَالَ يَحْيَى: وَحَدَّثَنِي بَعْضُ إِخْوَانِنَا أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، وَقَالَ: هَكَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُولُ.

ترجمہ: باب، جب اذان دینے والے کی آواز سنے تو جواب میں کیا کہے؟

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اذان سنو تو جواب میں وہی کہو جو موذن کہتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت عیسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن حضرت معاویہؓ کو اذان کا جواب دیتے ہوئے سنا تو انہوں نے أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ تک وہی کلمات دہرائے۔ ہشام نے یحیٰ سے اسی جیسی روایت نقل کی ہے۔ یحیٰ کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض بھائیوں نے بیان کیا کہ جب مؤذن نے حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ کہا تو حضرت معاویہ نے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ کہا اور فرمایا کہ ہم نے تمہارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو اسی طرح جواب دیتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: اس باب میں دو مسئلے ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اذان کا جواب دینے کا کیا حکم ہے؟ مصنف نے اس مسئلہ سے متعلق ترجمہ میں کوئی تعرض نہیں کیا اس لئے ہم اس کو مؤخر کرتے ہیں اور حدیث کے ذیل میں بیان کریں گے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اذان کے جواب میں مجیب کیا الفاظ کہے گا؟ علماء کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) حضرات جمہور جس میں ائمہ اربعہ کے متبعین کی ایک جماعت بلکہ اکثر حضرات داخل ہیں یہ فرماتے ہیں کہ مجیب جواب میں وہی کلمات کہے گا جو مؤذن کہتا ہے، صرف حیَّ علی الصلاۃ اور حیَّ علی الفلاح کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ کہے گا، چنانچہ اسی طرح سے مسلم شریف میں حضرت عمرؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے اور بخاری نے معاویہؓ کی روایت مختصراً نقل کی ہے اس میں بھی یہ تفصیل وارد ہوئی ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ حیَّ علی الصلاۃ اور حیَّ علی الفلاح کے جواب میں بھی یہی کلمات کہہ دیئے جائیں گے، یہ قول بھی حضرات ائمہ اربعہ میں موجود ہے اور اس کی صریح دلیل ابوامامہؓ کی وہ روایت ہے جو ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں تخریج فرمائی ہے۔

(۳) محقق ابن ہمام اور بعض حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ حیعلہ اور حوقلہ میں مجیب دونوں کو جواباً جمع کرے۔ مگر مجھ کو یہ قول پسند نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو اذکار کی انواع مختلفہ ہیں اور جب یہ الفاظ الگ الگ روایات میں وارد ہوئے ہیں تو ان کو جمع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۴) امام ابن منذر کی رائے یہ ہے کہ ہوسکتا ہے یہ اختلاف، اختلاف فی الأمر المباح کے قبیل سے ہو لہذا کبھی یہ کہہ دے اور کبھی جواب میں وہ کہہ دے۔

(۵) امام مالک سے منقول ہے کہ مؤذن کا اتباع صرف شہادتین تک ہے اس کے بعد اذان کا جواب نہیں، پس أشھد أن لا الٰہ الا اللّٰہ اور أشھد أن محمداً رسول اللّٰہ کا تو جواب دے اس کے بعد جواب نہیں دے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مصنف نے اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں یا یوں کہئے کہ دو طرح کی روایتیں ذکر کی ہیں، ایک تو مجمل ہے اس میں ہے إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ اور دوسری مفصل روایت ہے اس میں بعض کلمات اذان کے جواب کی تفصیل اور تصریح وارد ہوئی ہے۔

ان روایاتِ باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری قول اول کی طرف مائل ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ جواب شہادتین پر ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ آگے بھی چلے گا اور حیعلتین کے جواب میں حوقلہ یعنی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کہا جائے۔

إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ: جب تم لوگ اذان کو سنو تو ایسے ہی کہو جیسے مؤذن کہتا ہے، یہاں میں وہ پہلا مسئلہ بیان کرتا ہوں کہ اذان کے جواب کا کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جوابِ اذان سنت ہے اور یہ امر استحباب کے لئے ہے، ظاہریہ اور ابن وہب مالکی فرماتے ہیں کہ جواب واجب ہے اور یہی حنفیہ کا ایک قول ہے۔

لیکن فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ اصل میں اجابت کی دو قسمیں ہیں ایک اجابت بالقول اور دوسرے اجابت بالقدم، اجابت بالقول تو سنت و مستحب ہے اور اجابت بالقدم واجب ہے، اس کے قائل شمس الائمہ حلوائی ہیں، یعنی جب آدمی اذان سنے تو اس کو یہ چاہئے کہ نماز کی تیاری میں عملی طور پر مصروف ہو جائے اور اگر کوئی آدمی پہلے سے تیار ہے اور اسے جماعت ملنے کا پورا یقین ہے باوضو ہے تو اس کے لئے عملی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ جو مقصود ہے وہ پہلے سے حاصل ہے۔

جو حضرات وجوب کے قائل ہیں وہ فقولوا کے امر سے استدلال کرتے ہیں، اور جو حضرات عدم الوجوب کے قائل ہیں ان کی طرف سے طحاوی وغیرہ نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ بعض وقت حضور ﷺ سے کلمات اذان سن کر کچھ اور ہی کہنا نقل کیا گیا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سفر میں تھے آپ کو اذان کی آواز آئی جب کہنے والے نے اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا علی الفطرۃ، اور جب اس نے شہادتین کو ذکر کیا تو آپ نے فرمایا خروج من النار، طحاوی نے اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جوابِ اذان واجب نہیں ورنہ کلمات اذان کو چھوڑ کر رسول اکرم ﷺ وہ کلمات کیوں فرماتے؟ لیکن طحاوی کا یہ استدلال ضعیف ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ مشروعیتِ جواب سے پہلے کا ہو، اور اگر مشروعیتِ جواب کے بعد کا ہو تو ممکن ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہو لیکن راوی نے شہرت کی وجہ سے اس کو ذکر نہ کیا ہو۔

فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ: اَلْمُؤَذِّنُ کی زیادتی اسی طرح سے ثابت ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ غیر مدرج ہے، لیکن ابن وضاح وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ مدرج فی الخبر ہے ولا دلیل علی ماقالہ ابن وضاح۔

فَقَالَ مِثْلَهُ: یعنی مؤذن نے جو کلمات کہے حضرت معاویہؓ نے جواباً وہی کلمات کہہ دیئے، مگر اس حدیث میں جواب کا ذکر أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ تک ہے، یہی امام مالک کا مستدل ہے۔

قَالَ يَحْيَى وَحَدَّثَنِي بَعْضُ إِخْوَانِنَا: یہ یحیٰی بن ابی کثیر ہیں اور بعض إخواننا کی تعیین کسی روایت میں وارد نہیں ہوئی ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ اوزاعی ہوں لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس روایت کے طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اوپر کا آدمی ہے جو یہ روایت نقل کرتا ہے۔

قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ: یعنی حیّ علی الصلاۃ کے جواب میں لا حول ولا قوۃ إلا باللہ کہا اور پھر فرمایا هٰكَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ ہم نے تمہارے نبی کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔

امام بخاری نے اختصار سے کام لیا ہے ابوداؤد طیالسی وغیرہ کی روایات میں تفصیل وارد ہوئی ہے، امام بخاری نے معاویہؓ کی روایت کی تخریج کی اور امام مسلم نے اسی معنیٰ میں ابن عمرؓ کی، امام بخاری نے ابن عمرؓ کی روایت کو بخاری میں اس لئے نہیں لیا کہ اس کے وصل وارسال میں اختلاف ہے کما ذکرہ الدارقطنی، بہرحال اگر دونوں کو جمع کر دیا جائے تو بہت زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کما قالہ الحافظ ابن حجر العسقلانی۔

(ص ۸۶) باب الدُّعَاءِ عِنْدَ النِّدَاءِ

٦١٤. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

Maktaba Tul Ishaat.com

ترجمہ: باب، اذان کے بعد دعا کا بیان۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اذان سننے کے بعد یہ دعا کرے اللھم رب الخ اے اللہ! اے اس مکمل دعوت اور ہمیشہ رہنے والی نماز کے پروردگار! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا کر، بڑا مرتبہ عنایت فرما اور ان کو وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے تو اس دعا کرنے والے کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔

تشریح: اس سے مراد اس دعا کو بتلانا ہے جو اذان کے اختتام پر پڑھی جائے گی، اس دعا کا پڑھنا سنت ہے لہذا اس کا اہتمام کرنا چاہئے، چاہے اذان صبح ہو یا اذان مغرب وعشاء ہو، خاص طور سے اذان مغرب میں اہتمام نہیں ہوتا ہے لوگ عجلت میں ہوتے ہیں اور امام کو بھی تعجیل ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ: یہ حدیث امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اسی سند سے روایت کی ہے تو یہ حدیث بیک سند و متن مکرر ہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ: اے اللہ! اس دعوت تامہ کے رب! دعوت تامہ سے مراد یہی اذان ہے، اس کو تامہ اس لئے کہا گیا ہے کہ ۱۔ اس میں توحید کی پوری دعوت ہے اور توحید مقابل ہے شرک کا اور شرک نقص ہے، ۲۔ اور ممکن ہے کہ تامہ سے مراد الباقية إلى الأبد ہو اور مطلب یہ ہے کہ یہ دعوت دائمی اور ابدی ہے، منسوخ ہونے والی نہیں ہے، ۳۔ بعض شراح کہتے ہیں کہ ممکن ہے دعوت تامہ تو أشهد أن محمدًا رسول الله تک ہو اور صلاۃ قائمہ سے مراد حي على الصلاة ہو، ۴۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دعوت تامہ سے مراد مؤذن کا عمل اور صلاۃ قائمہ سے مراد مصلی کا عمل ہو اس لئے کہ ان دونوں کا رب اللہ تعالی کو بتلایا گیا ہے، لہذا اس سے مراد افعال مکلفین ہیں، اور اگر ربّ بمعنی الصاحب ہو تو پھر اس صورت میں کوئی اشکال باقی ہی نہیں رہتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! اس دعوت تامہ اور صلاۃ قائمہ والے، اب 'والے' کا مطلب وہ لیا جائے گا جو مناسب ہوگا۔

آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا فرما۔

وسیلہ کہتے ہیں اس چیز کو جس کے ذریعہ سے کسی مقصود کی طرف پہنچا جاتا ہے، یہاں وسیلہ سے مراد ایک مخصوص مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدر فرمایا ہے، حدیثِ مسلم میں وارد ہوا ہے إذا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَسَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ

Maktaba Tul Ishaat.com

أَنَاهُوَ جب تم لوگ اذان سنو تو میرے لئے اللہ سے وسیلہ کا سوال کیا کرو وہ اللہ کے ایک ہی بندہ کو مل سکتا ہے اور مجھے امید ہے کہ میں اللہ کا وہی بندہ ہوں جس کو یہ درجہ ملنے والا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ ترجّی کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ میں تحقیق کے لئے آتی ہے، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ امت کو دعا کا حکم دے رہے ہیں کہ وسیلہ کی دعا کرو وہ صرف اس لئے کہ اس کی فضیلت خود امت کو پہنچنے والی ہے۔

وَالْفَضِيلَةَ: اوران کو فضل وکمال عطا فرما۔

والدرجۃ الرفیعۃ کی زیادتی: اس کے آگے ایک اور لفظ بھی زبان زد ہے والدرجۃ الرفیعۃ۔

یہ زیادتی اذان کے جواب میں کتب حدیث میں ثابت نہیں ہے، ابن السنی کے مطبوعہ نسخ عمل الیوم واللیلۃ میں والدرجۃ الرفیعۃ کی زیادتی اسی حدیث میں وارد ہوئی ہے اس کا جو مسندہ نسخہ ہے اس میں بھی اور جو مجردہ ہے اس میں بھی، لیکن یہ کاتب کی غلطی ہے اس لئے کہ امام ابن السنی نے یہ حدیث ابو عبدالرحمٰن نسائی سے نقل کی ہے اور امام نسائی نے یہی حدیث اپنی سنن میں نقل کی ہے اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ یہ اس کے کسی طریق میں وارد ہے ورنہ امام نسائی اپنی عادت کے موافق نوع آخر کہہ کر یا اس طرح کے الفاظ لاکر تنوع کی طرف اشارہ فرماتے، اور وہ محدثین کرام جو الفاظ حدیث کے اختلافات پر تنبیہ کا اہتمام کرتے ہیں جیسے امام نووی نے الاذکار میں کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں، انہوں نے اس زیادتی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ زیادتی ثابت نہیں ہے، امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہیں اس کا وجود نہیں۔

علامہ زرقانی مالکی نے شرح مواہب میں اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی اور کہنے لگے کہ طبرانی کی ایک روایت میں بس ایک سند سے جس میں مسعودی وغیرہ ہیں جو ثقہ ہیں وأبلغه الدرجة وارد ہوا ہے، عبد ضعیف کہتا ہے کہ گفتگو پورے کلمہ الدرجۃ الرفیعۃ کے متعلق ہے صرف لفظ الدرجۃ کے بارے میں نہیں، اور مزید یہ ہے کہ گفتگو اس دعا میں ہے مطلق نہیں، اور اس پر مزید یہ ہے کہ جو روایت انہوں نے پیش کی ہے اس میں مسعودی ہے واختلط المسعودی، لہٰذا محض اس کی ثقاہت کافی نہیں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

سچ اور صحیح یہ ہے کہ اس زیادتی کا کوئی ثبوت نہیں ہے، حافظ سخاوی المقاصد الحسنۃ میں لکھتے ہیں لم أرہ فی شیٔ من الروایات، حافظ سخاوی کا یہ مقولہ علامہ قسطلانی نے مواہب میں، ملا علی قاری نے شرح مشکاۃ میں، علامہ زبیدی نے اتحاف السادۃ میں، علامہ عبدالحی لکھنوی نے حاشیۃ الحصن میں، شہاب الخفاجی نے نسیم الریاض میں بلا نکیر نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی اس زیادتی کا انکار کیا ہے، التلخیص الحبیر ص ۷۸ میں لکھتے ہیں ولیس فی شیٔ من طرقہ ذکر الدرجۃ الرفیعۃ، انتھی، وکذا قال الشیخ ابن حجر المکی فی تحفۃ المحتاج (۱۲۸/۱)۔

وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا: اور ان کو بھیجئے مقام محمود پر أی وابعثہ وأقمہ مقامًا محمودًا۔

تمام کتب حدیث میں اسی طرح سے مقامًا محمودًا تنوین کے ساتھ واقع ہوا ہے، نسائی کے بعض نسخوں میں تنکیر ہے اور بعض نسخوں میں المقام المحمود بالتعریف ہے، نیز صحیح ابن خزیمہ، ابن حبان، طبرانی کی کتاب الدعاء اور طحاوی کی معانی الآثار میں المقام المحمود واقع ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں لفظ حدیث میں ثابت ہیں، علامہ نووی نے جو یہ لکھ دیا ہے کہ بعض کتب فقہ میں المقام المحمود بالتعریف واقع ہوا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

مقام محمود سے مراد شفاعت کبریٰ ہے، بعض نے یہ کہا ہے کہ اجلاس علی العرش اور بعض نے اجلاس علی الکرسی مراد لی ہے، حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ بغداد میں ایک زمانہ میں مقام محمود کی تفسیر میں اختلاف ہوا، اشاعرہ کہتے تھے کہ اس سے شفاعت کبریٰ مراد ہے اور حنابلہ کی ایک جماعت کہتی تھی کہ اس سے اجلاس علی العرش یا علی الکرسی مراد ہے اور پھر مابین الجماعتین آپس میں جنگ وجدال اور بڑا شدید ہنگامہ ہوا۔

الَّذِي وَعَدْتَهُ: جس کا آپ نے وعدہ کیا ہے یعنی آیت کریمہ ﴿عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾ میں۔

حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي: اتر پڑے گی اس کے لئے میری شفاعت، حلّ حلول سے ماخوذ ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنیٰ ہیں استحقت اور بعضوں نے کہا وَجبَتْ، بہر حال یہ حَلَّ مقابل الحرام سے ماخوذ نہیں ہے اس لئے کہ آپ کی شفاعت کبھی بھی حرام نہیں ہوئی تھی جو حلال ہوتی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے والے کو حضور اکرم ﷺ کی شفاعت حاصل

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوگی، یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تو اور لوگوں کو بھی حاصل ہوگی، تم کتاب العلم میں پڑھ آئے ہو کہ حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِکَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ آپ نے فرمایا أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ أو کما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شفاعات ہوں گی، ایک شفاعت یہ بھی ہے، اور ایک شفاعت شفاعت کبریٰ ہے جو میدان حشر میں تمام مخلوق کے لئے ہوں گی، اور دوسری شفاعت بلا حساب جنت میں داخلہ کے لئے ہوگی، اور تیسری شفاعت کہ مستحق عذاب کو بلا عذاب جنت میں داخل کیا جائے، اور چوتھی شفاعت گنہگار امتی کو جہنم سے نکالنے کے لئے، اور پانچویں شفاعت ہوگی رفع درجات کے لئے۔

(ص ۸٦) باب الِاسْتِهَامِ فِي الْأَذَانِ

ويذكر أن أقواما اختلفوا في الأذان فأقرع بينهم سعد.

٦١٥. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا.

ترجمہ: باب، اذان میں قرعہ اندازی کا بیان۔ اور مذکور ہے کہ کچھ لوگوں کے درمیان اذان دینے میں اختلاف ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کے درمیان قرعہ ڈالا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگ وہ ثواب جان لیں جو اذان دینے اور صف اول میں نماز پڑھنے میں ہے پھر حصول ثواب میں مسابقت کے لئے قرعہ اندازی کے علاوہ کوئی طریقہ ان کو نہ ملے تو وہ قرعہ اندازی ہی کریں۔ اور اگر لوگ وہ ثواب جان لیں جو نماز کے لئے اول وقت آنے میں ہے تو لوگ اس سلسلے میں ایک دوسرے پر سبقت کریں اور اگر لوگ وہ ثواب جان لیں جو عشاء کی اور فجر کی نماز باجماعت میں ہے تو ان کے لئے گھسٹتے ہوئے آئیں۔

تشریح: الاستہام بمعنی قرعہ اندازی کرنا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اگر اذان دینے میں کچھ لوگوں میں منازعت ہو جائے اور ہر ایک اذان دینا چاہے تو اس صورت میں ان میں قرعہ اندازی کی جائے، جس کا قرعہ میں نام نکل آئے وہ اذان دے گا، شافعیہ اور حنابلہ نے یہاں پر قرعہ اندازی کی تصریح کی ہے۔

قرعہ: شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے یہاں حجت مثبتہ ہے لیکن حضرات حنفیہ اس کو حجت مثبتہ نہیں مانتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے تطییبِ قلب پیدا ہوتی ہے اور آدمی ناانصافی کے الزام سے بچ جاتا ہے کہ اپنے حق میں اچھا رکھ لیا اور دوسرے کو خراب دے دیا، بہر حال اس حدیث پاک میں استہام کا تذکرہ ہے اس کا تعلق اثبات حکم سے نہیں بلکہ بظاہر تطییب قلب ہی مراد ہے۔

وَيُذْكَرُ أَنَّ أَقْوَامًا اخْتَلَفُوا فِي الْأَذَانِ فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ سَعْدٌ: نقل کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں میں اذان میں اختلاف ہو گیا تو حضرت سعدؓ نے ان میں قرعہ اندازی کی۔

یہ واقعہ جنگ قادسیہ کے موقع پر پیش آیا تھا، مصنف نے حضرت سعدؓ کا یہ اثر نقل کر کے دو باتیں بتلائی ہیں، اول تو اس سے حدیث پاک کی شرح کر دی اور یہ بتلا دیا کہ استہام بمعنی الاقتراع قرعہ اندازی کرنا ہے، استہام بمعنی الترامی بالأسہم یعنی ایک دوسرے کے مقابل تیر چلانا نہیں ہے، اور دوسرے یہ بتلا دیا کہ اذان دینے میں مؤذنین کے اختلاف کی صورت میں قرعہ اندازی سلف سے منقول ہے۔

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان اور صف اول کی کیا فضیلت ہے اور پھر وہ وہاں تک نہ پہنچ سکیں مگر یہ کہ قرعہ اندازی کریں تو قرعہ اندازی کریں۔

صف اول کے مصداق میں امام نووی وغیرہ نے تین قول نقل کئے ہیں۔

(۱) صف اول وہ صف ہے جو ساری صفوں سے آگے ہوتی ہے چاہے بیچ میں مقصورہ حائل ہو یا نہ ہو۔

مقصورہ ایک چھوٹا سا حجرہ محراب میں حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دور امارت میں بنایا تھا جب ان پر ایک دشمن نے حملہ کیا تھا اس سے بچنے کے لئے مقصورہ تعمیر کرایا تھا اور اس میں وہ اور ان کے مخصوص اصحاب کھڑے رہتے تھے، بعد میں وہ سلسلہ چل پڑا اور امام و خلیفۃ المسلمین اور اس کے مخصوص محافظین اور خاص لوگ کھڑے ہوا کرتے تھے، وہ مقصورہ مسجد میں کبھی آگے کی طرف نکلا ہوا ہوتا تھا اور کبھی بیچ میں مقصورہ حائل ہو جاتا اور صف کٹ جاتی تھی، اسی لئے صف اول کی شرح کرتے ہوئے علماء لکھتے ہیں کہ خواہ وہ مقصورہ حائل ہو

Maktaba Tul Ishaat.com

اور خواہ حائل نہ ہو۔

(۲) بعض علماء فرماتے ہیں کہ صف اول کا مصداق وہ پہلی صف ہے جو ساری صفوف کے آگے ہو اور متصل ہو بیچ میں مقصورہ حائل نہ ہو۔

(۳) حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ صف اول کا مصداق وہ لوگ ہیں جو مسجد میں پہلے حاضر ہوتے ہیں چاہے وہ کہیں پر کھڑے ہوں، لیکن ابن عبدالبر کے اس قول کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے، مسجد میں سویرے آنا ایک مستقل چیز ہے اور صف اول میں کھڑا ہونا دوسری چیز ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ: پھر نہ پائیں اس تک راستہ مگر یہ کہ اس پر استہام کریں۔

اس استہام کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک اقتراع یعنی قرعہ اندازی کرنا، یہی بخاری کی رائے ہے، دوسرے ترامیٔ سہام آپس میں تیر اندازی کرنا، پہلی تفسیر کی تائید مسلم کی ایک حدیث سے ہوتی ہے **لکانت قرعة**، اور دوسری تفسیر کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں وارد ہوا ہے **لتجادلوا عليه بالسيوف**۔

عَلَيْهِ: علیہ کی ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہورہا ہے، چار قول ہیں۔

۱۔ حافظ ابن عبدالبر ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر صف اول کی طرف عائد ہورہی ہے اس لئے کہ یہی اقربِ مذکور ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر ما فی النداء کا جواب رہ جائے گا اور کلام اذان کے حق میں بالکل بے فائدہ ہوجائے گا۔

۲۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ صف اول اور نداء دونوں کی طرف ضمیر عائد ہے، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ ضمیرِ مفرد دو امر کی طرف کیسے عائد ہوسکتی ہے اِلا یہ کہ لِکُلّ مذکور کی توجیہ کی جائے۔

۳۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ضمیر ثواب کی طرف عائد ہورہی ہے جو کلام سابق سے مفہوم ہورہا ہے۔

۴۔ میرے نزدیک سب سے اصح قول یہ ہے کہ یہ ضمیر 'ما' کی طرف عائد ہورہی ہے **مافی النداء والصف الاول**، اگر جان لیں لوگ اس چیز کو جو نداء اور صف اول میں ہے اور پھر نہ پاویں اس کی طرف راستہ مگر یہ کہ اس مافی الصف الاول والنداء پر استہام کریں تو البتہ وہ لوگ استہام کریں، اور یہی مطلب علامہ ابوعبداللہ الأُبّی نے اکمال الاکمال میں اختیار فرمایا ہے۔

وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ: اگر انہیں معلوم ہوجائے کہ تبکیر اِلی الصلاۃ یعنی

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز میں تعجیل کرنے میں کیا خوبی ہے تو البتہ اس کی طرف دوڑ پڑیں۔

وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا: اور اگر صبح اور عشاء کی نماز کی فضیلت معلوم ہو جائے تو لوگ ضرور اس میں حاضر ہوں اگر چہ سرین کے بل چل کر ہی کیوں نہ ہو۔

(ص ٨٦) باب الْكَلَامِ فِي الْأَذَانِ

وتكلم سليمان بن صرد في أذانه، وقال الحسن: لا بأس أن يضحك وهو يؤذّن أو يقيم.

٦١٦. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ وَعَبْدِ الْحَمِيدِ صَاحِبِ الزِّيَادِيِّ وَعَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ رَزْغٍ، فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ فَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ: الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ، فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَقَالَ: فَعَلَ هَذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ.

ترجمہ: باب، اذان کے درمیان بات کرنے کا بیان۔ اور سلیمان بن صردؓ (صحابی) نے اذان کے درمیان بات کی۔ اور حسن بصری نے فرمایا کہ اقامت اور اذان کے درمیان ہنسنے میں مضائقہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن حارث سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بہت زیادہ کیچڑ اور بارش والے دن خطبہ دیا۔ جب مؤذن حی علی الصلاۃ پر پہنچا تو انہوں نے حکم دیا کہ الصلاۃ فی الرحال (قیام گاہ پر نماز کی اجازت ہے) پکار دو۔ اس حکم پر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ عمل اس ذاتِ اقدس نے کیا تھا جو ان سے بہت بہتر تھی، اور اس میں شک نہیں کہ جمعہ واجب ہے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر ضرورت پیش آ جائے تو اذان میں کلام کیا جا سکتا ہے۔

امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اذان میں کلام کرنا خلاف اولیٰ ہے، علامہ ابن منذر نے یہی قول امام ابو حنیفہ اور صاحبین یعنی قاضی ابو یوسف اور محمد بن الحسن سے بھی نقل کیا ہے، فقہاء احناف اور اسی طرح سے مالکیہ نے کراہت نقل کی ہے، غالباً احناف نے کراہت بول کر کراہت تنزیہی مراد لی ہے ورنہ امام محمد بن حسن کی کتاب الأصل سے وہی معلوم ہوتا ہے جو ابن منذر نے نقل کیا ہے یعنی اذان میں کلام کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پھر کلام یسیر سے تو اذان بالاتفاق باطل نہیں ہوگی، اور کلام کثیر کی صورت میں اکثر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اذان باطل ہو جائے گی لیکن شافعیہ کا اصح مسلک یہ ہے کہ باطل نہیں ہوگی، امام شافعی نے کتاب الام میں اس کی تصریح فرمائی ہے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کثیر کلام مفسد اذان نہیں ہے، ابوالقاسم رافعی نے جو شافعیہ کے شیخ المذہب کی حیثیت رکھتے ہیں امام شافعی کے کلام کو یسیر الکلام پر محمول فرمایا ہے۔

وَتَكَلَّمَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ فِي أَذَانِهِ: مصنف نے سلیمان بن صرد کا اثر ذکر کر کے یہ بتلایا ہے کہ سلف سے ایسا کرنا منقول ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ يَضْحَكَ وَهُوَ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ: حسن بصری کے اس اثر کے بارے میں علامہ عینی وغیرہ شراح کا خیال یہ ہے کہ یہ ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ اس میں کلام کا ذکر نہیں ہے، لیکن دوسرے شراح حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے ترجمہ کے ساتھ اس کی مطابقت بیان کی ہے۔

بعض شراح نے مطابقت کی تقریر یہ کی ہے کہ جب اذان میں ہنسنا جائز ہے تو کلام تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

حافظ ابن حجر نے مطابقت یہ بیان کی ہے کہ جن لوگوں نے اذان میں کلام کو مکروہ قرار دیا ہے وہ اذان کو نماز کے ساتھ ملحق کرنا چاہتے ہیں، اور ضحک کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر دو حرف ظاہر ہو جائیں تو مفسد صلاۃ ہے بلکہ اکثر علماء کی رائے تو یہ ہے کہ ضحک مطلقاً مفسد صلاۃ ہے چاہے دو حرف ظاہر ہوں یا نہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ملحق بالکلام ہے لہذا ضحک کے جواز سے کلام کے جواز پر استدلال کرنا امام بخاری کا صحیح استدلال ہے۔

فِي يَوْمٍ رَزْغٍ: دوسرے نسخہ میں ردغ ہے، بمعنی وحل وطین (کیچڑ)، بعض کہتے ہیں کہ رزغ بالزاء المعجمہ بھی اسی معنیٰ میں ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ رزغ کہتے ہیں جہاں کیچڑ کے ساتھ گڑھے میں پانی بھی ہو۔

فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ فَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ ’الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ‘: یعنی جب مؤذن نے حی علی الصلاۃ کہنا چاہا تو حضرت ابن عباسؓ نے مؤذن سے فرمایا کہ اس کے بجائے الصلاۃ فی الرحال کہو۔

ہم نے اس عبارت کا یہ جو مطلب بتلایا ہے (یعنی مؤذن نے حی علی الصلاۃ کہنا چاہا مگر کہا نہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی روایت کتاب الجمعۃ میں ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے مؤذن سے یہ فرمایا تھا إِذَا قُلْتَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قُلْ صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ يا الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اذان میں اس طرح کا کلام یعنی یہ کلمہ الصلاۃ فی الرحال داخل کیا جا سکتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

یہ کلام وسط اذان میں کہا جائے یا انتہاء اذان پر؟ شافعیہ کے دونوں قول ہیں، حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ دونوں امر جائز ہیں جیسا کہ امام شافعی نے اس کی تنصیص اور تصریح فرمائی ہے، اولیٰ یہ ہے کہ اذان کے بعد کہا جائے، بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ اذان کے بعد ہی کہنا جائز ہے، وسط میں نہ کہا جائے، امام نووی نے اس پر رد کیا ہے کہ ان کا یہ قول حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کے خلاف ہے، حنفیہ کے اصول کے مطابق اذان کے بعد ہی کہنا ہے جیسا کہ ابن عمرؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے، ابن عمرؓ کی یہ روایت آئندہ آنے والی ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حی علی الصلاۃ کے بجائے الصلاۃ فی الرحال کہا جائے گا لیکن شافعیہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حی علی الصلاۃ کے ساتھ کہا جائے گا، محدث ابن خزیمہ، ابن حبان، محب طبری نے اس حدیث پر حذفِ حی علی الصلاۃ کا ترجمہ منعقد کیا ہے، اور مصنف عبد الرزاق میں حضرت نعیم بن نحامؓ کی روایت میں دونوں کا جمع کرنا وارد ہوا ہے۔

جمع کرنے کی وجہ تو یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ جزوِ اذان ہے مگر چونکہ یہ داعی اِلی الصلاۃ ہے اور اس سے سننے والوں پر ایک خطاب تکلیفی متوجہ ہو جاتا ہے لہذا عذر کی وجہ سے اس تکلیف کو اٹھالیا گیا اور اس کے آگے الصلاۃ فی الرحال بڑھایا جاتا ہے۔

اور جن حضرات نے بجائے حی علی الصلاۃ کے یہ کلمہ کہلوایا ہے غالب گمان یہ ہے کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ دعوۃ اِلی الصلاۃ ہے اور شارع کی دعوت پر مکلفین کا لبیک کہنا ضروری ہے، اب اگر حی علی الصلاۃ کہا گیا تو مکلفین اس میں مشغول ہو جائیں گے اور ان کو تکلیف ہوگی لہذا اس کے بجائے الصلاۃ فی الرحال کہہ کر یہ بتلا دیا جائے کہ آج عذر کی وجہ سے حضور اِلی المسجد مرتفع ہو گیا ہے۔

فَقَالَ فَعَلَ هٰذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ: یہاں پر دو نسخے ہیں منه اور منّی، اگر منه ہو تو یہ ضمیر مؤذن کی طرف عائد ہے اور اس مؤذن سے بہتر مؤذن غالباً حضرت بلالؓ ہوں گے، اور اگر خیر منّی ہے تو اس سے مراد یہاں حضور اکرم ﷺ ہوں گے۔

وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ: اور بیشک، یہ عزمت ہے، بظاہر إِنَّهَا عَزْمَةٌ سے مراد وہی کلمۂ حی علی الصلاۃ ہے یعنی یہ حتمی طور پر سامعین کے ذمہ حضور اِلی المسجد کو لازم کر دینے والا ہے اور چونکہ آج عذر کی وجہ سے یہ لزوم ساقط ہو گیا ہے اس لئے حی علی الصلاۃ کے بجائے الصلاۃ فی الرحال کہا جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ إنَّهَا کی ضمیر جمعہ کی طرف عائد ہے اور انہوں نے خَطَبَنَا کو اس کی دلیل بنایا ہے، محض لفظ خَطَبَنَا سے تو کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا ہے مگر یہ روایت کتاب الجمعۃ میں ص ۱۲۳ پر آئے گی اس میں إنَّ الْجُمْعَةَ عَزْمَةٌ کا لفظ وارد ہوا ہے جو اس احتمال کی تائید کرتا ہے، محدث ابو بکر اسماعیلی نے المستخرج میں إنَّ الْجُمْعَةَ عَزْمَةٌ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ولا أخاله صحیحا، میرا گمان یہ ہے کہ یہ لفظ صحیح نہیں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عام رواۃ بجائے إنَّ الْجُمْعَةَ عَزْمَةٌ کے إنَّهَا عَزْمَةٌ نقل کرتے ہیں۔

(ص ۸۶) باب أَذَانِ الْأَعْمَى إِذَا كَانَ لَهُ مَنْ يُخْبِرُهُ

۶۱۷. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ: وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى لَا يُنَادِي حَتَّى يُقَالَ لَهُ: أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ.

ترجمہ: باب، نابینا کے اذان دینے کا بیان جبکہ اس کو کوئی باخبر کرنے والا ہو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلالؓ رات میں اذان دیں گے، اس لئے جب تک ابن ام مکتومؓ اذان نہ دیں کھانے اور پینے کی اجازت ہے، ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابن ام مکتومؓ نابینا انسان تھے وہ اس وقت تک اذان نہ دیتے تھے جب تک انہیں یہ نہ بتادیا جائے کہ صبح ہوگئی ہے صبح ہوگئی ہے۔

تشریح: امام بخاری کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اعمیٰ کو وقت بتلانے والا ہو تو اس کو اذان دینا جائز ہے۔ اس بات پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے، امام نووی نے داؤد ظاہری اور امام ابو حنیفہ سے نقل کردیا کہ اعمیٰ کی اذان صحیح نہیں ہے، قاضی سروجی نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ امام ابو حنیفہ کی طرف یہ نسبت غلط ہے، اور میرا گمان ہے کہ داؤد ظاہری کی طرف بھی یہ نسبت غلط ہے وہ تو ظاہر حدیث کا اتباع کرتے ہیں اور ابن ام مکتومؓ اعمیٰ تھے اور حضور ﷺ کے زمانہ میں اذان دیتے تھے، تو داؤد اس کی مخالفت کیسے کرسکتے ہیں؟ اور حنفیہ کی ایک کتاب محیط ہے اس میں لکھا ہے اعمیٰ کی اذان مکروہ ہے اس کا محمل یہ ہے کہ جب اس کو کوئی وقت بتانے والا نہ ہو اور وہ صرف اندازہ سے اذان دے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قَالَ: وَكَانَ رَجلاً أَعْمَى: قال کی ضمیر ابن عمرؓ کی طرف عائد ہے کذا ذکرہ الموفق، یا ابن شہاب کی طرف جیسا کہ طحاوی میں تصریح ہے اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ ابن شہاب نے یہ بات اپنے استاذ سالم سے سنی ہو اور انہوں نے اپنے باپ عبد اللہ بن عمرؓ سے۔

لَا يُنَادِي حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ: ابن ام مکتومؓ اعمیٰ تھے جب تک ان سے أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ نہیں کہا جاتا وہ اذان نہیں دیتے تھے۔

ایک قوی اشکال: وہ یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ کی اذان کو غایتِ اکل قرار دیا گیا اور وہ صبح ہونے کے بعد اذان دیتے تھے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ لوگوں کو طلوع صبح کے بعد کھانے کی اجازت ہے اور یہ جمہور امت کے مسلک کے خلاف ہے، صرف بعض سلف حضرت ابو بکرؓ حضرت حذیفہؓ وغیرہ سے بعض ایسے آثار نقل کئے جاتے ہیں جن سے طلوع صبح کے بعد کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن جمہور علماء اس کے قائل نہیں۔

جواب ۱: ابن حبیب مالکی، ابن عبد البر اور ابو محمد اصیلی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ أصبحت کے معنٰی ہیں قاربتَ الصباح، اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر ابن ام مکتومؓ اور بلالؓ کی اذان میں فرق ہی کیا ہوا؟ بلالؓ رات میں طلوعِ فجر صادق سے قبل اذان دیتے تھے اور تاویل مذکور پر ابن ام مکتومؓ کی اذان بھی صبح صادق سے پہلے ہوئی، اس کا جواب حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ دیا ہے کہ لوگ بالکل صبح ہونے کے ساتھ أصبحت أصبحت کہتے تھے اور ابن ام مکتومؓ کی اذان شروع ہو جاتی تھی، تو لوگوں کا کھانا پینا اختتام سحر پر ختم ہو جاتا تھا اور ابن ام مکتومؓ کی اذان متصلاً شروع ہو جاتی تھی، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے موذن سے جو مؤید بالملائکہ ہیں یہ کوئی مستبعد چیز نہیں ہے۔

لیکن یہ تقریر ایسی نہیں ہے جو آسانی سے سمجھ میں آجائے، ابن ام مکتومؓ روزانہ اسی طرح کرتے ہوں اور سارے آکلین انہی کی اذان پر اکل ختم کرتے ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرض کرو عین طلوع کے ساتھ انہوں نے اذان شروع کر دی تو اذان بہر حال طلوع کے بعد ہوئی اور غایت اکل ان کی اذان کو بتایا گیا، اب اگر ایک لقمہ بھی ان کی اذان پر منہ میں تھا تو اکل بعد الطلوع پایا گیا اس لئے حافظ کی یہ توجیہ اگرچہ بظاہر بڑی وجیہ معلوم ہوتی ہے لیکن برتنے اور عمل کرنے میں بڑی مشکل ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جواب ۲: بعض علماء نے ایک اور جواب دیا کہ دو چیزیں ہیں ایک طلوعِ صبح صادق اور دوسرے تبیّنِ صبح صادق، اذان تو ہوتی تھی طلوع پر اور طعام کی تحریم کا تعلق تھا تبیّن پر، قال تعالیٰ ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ اور تبیّن سے مراد انتشارِ ضوء ہے، تو یہ عین ممکن ہے کہ اذان تو طلوع کے بعد ہو لیکن کھانا پینا اس وقت حرام نہ ہو بلکہ اس کی حرمت تبیّن سے متعلق ہو جو طلوع کے بعد ہوتا ہے۔

اگر یہ بات از روئے لغت و شریعت تسلیم کر لی جائے تو جواب درست ہو سکتا ہے لیکن اس کا تسلیم کرنا آسان نہیں، جس حقیقت کو قرآن نے تبیّن سے بیان کیا ہے اسی کو حدیث میں طلوع صبح سے تعبیر کیا گیا اور یہ کہا گیا لیس الفجر أن یقول هكذا الخ یعنی جس فجر کو غایتِ اکل قرار دیا گیا ہے وہ فجر کاذب نہیں ہے جو اوپر کو سفیدی سی نمودار ہوتی ہے ذنب سرحان کی طرح، بلکہ وہ فجر غایتِ اکل ہے جو شمال و جنوب میں پھیل جاتی ہے، اب اشکال اپنی جگہ لوٹ آیا۔

امسال اللہ نے اپنی توفیق سے مدینہ منورہ میں رمضان شریف کے کچھ دن گزارنے کی سعادت بخشی تو وہاں بعض لوگوں نے یہ بتایا کہ مؤذن صاحب کی اذان شروع ہوتی ہے طلوع صبح صادق سے چند سکنڈ پہلے اور اذان کا اختتام بلکہ اذان کا اکثر حصہ صبح صادق کے بعد پایا جاتا ہے تو یہ اشکال بالکل حل ہو گیا اور ابن عبد البر وغیرہ نے جو معنیٰ بیان کئے تھے وہ بالکل واضح ہو گئے، ابن ام مکتومؓ اعمیٰ تھے ان سے کہا جاتا تھا أصبحت أی قاربت الصباح یعنی بس اب صبح طلوع ہونے ہی والی ہے اور وہ اذان شروع کر دیتے، اور ادھر صبح طلوع ہو جاتی تو صائمین کے لئے غایتِ اکل ان کی اذان تھی اور اذان کا آغاز طلوع سے چند سکنڈ پہلے ہوتا تھا اس لئے وہ اس پر اپنا کھانا موقوف کر دیتے تھے اور آگے کی اذان طلوع کے بعد واقع ہوتی تھی تو یہ اشکال بالکل حل ہو گیا اور یہ سمجھ میں آگیا کہ جو توجیہ ابن عبد البر اور اصیلی نے کی ہے وہی وجیہ اور رائِ نجیح ہے، اور باقی توجیہات اشکال کا مورد ہیں اس لئے وہ قابل التفات نہیں معلوم ہوتیں۔

اول مؤذن بلالؓ یا ابن ام مکتومؓ؟ اس حدیث میں وارد ہے إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ، اور حضرت عائشہؓ کی روایت صحیح ابن خزیمہ میں اس کا عکس وارد ہوا ہے یعنی

Maktaba Tul Ishaat.com

ابن ام مکتومؓ پہلے اذان دیتے ہیں بعد میں بلالؓ، اسی طرح انیسہؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

حافظ ابن عبد البر، ابن جوزی، جمال الدین مزی، ابن قیم، سراج الدین بلقینی اور ان کے بیٹے جلال بلقینی کہتے ہیں کہ دوسری روایت مقلوب ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابتداء میں میرا میلان اسی طرف تھا لیکن اس کے الفاظ کو دیکھ کر یہ معلوم ہوا کہ قلب کا دعویٰ صحیح نہیں۔

ابن خزیمہ اور ابو بکر صبغی کہتے ہیں ہو سکتا ہے دونوں میں باری لگی ہوئی ہو ایک مرتبہ بلالؓ پہلے اذان دیتے ہوں ابن ام مکتومؓ بعد میں اور دوسری مرتبہ اس کا عکس ہوتا ہو۔

ابن حبان نے اپنی عادت کے مطابق کہہ دیا کہ ان میں باری لگی ہوئی تھی یعنی احتمال کا قصہ نہیں چلایا جزم کے ساتھ یہ بات کہہ دی، اس پر حافظ ضیاء الدین مقدسی نے اعتراض کیا کہ مقام احتمال میں جزم و یقین کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ابن منذر نے لکھا ہے قد ثبت أن بلالا کان یؤذن بعد طلوع الفجر ولعل أذانه بعد طلوع الفجر حیث کان یؤذن للنبی ﷺ ثم أذن بعد ذلک قبل طلوع الفجر وأذن ابن ام مکتوم بعد طلوع الفجر انتھی۔

حافظ ابن حجر نے اس کو وضاحت سے لکھا ہے، کہتے ہیں دونوں میں باری مقرر نہیں تھی بلکہ دو مختلف حالتیں تھیں، اذان جب مشروع ہوئی تو حضرت بلالؓ تنہا اذان دیتے تھے اور طلوعِ صبح صادق کے بعد اذان دیتے تھے اور یہی محمل ہے اس روایت کا جو عروہ نے بنو النجار کی ایک خاتون سے نقل کیا ہے کان یجلس علی بیتی وھو أعلی بیت فی المدینة فإذا رأی الفجر تمطأ ثم أذن، أخرجه أبو داؤد وإسناده حسن، پھر ابن ام مکتومؓ کو ان کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور وہ رات میں اذان دینے لگے اور بلالؓ حسب عادت صبح کے بعد اذان دیتے رہے اور یہی انیسہؓ وغیرہ کی روایات کا محمل ہے، پھر آخر میں ابن ام مکتومؓ کو ان کے ضعف کی وجہ سے مؤخر کر دیا اور وقت فجر بتلانے کے لئے آدمی مقرر کر دیا گیا اور بلالؓ کی اذان رات میں مقرر ہو گئی۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے بعض وقت خطا کی اور قبل الفجر اذان دے دی، ایک مرتبہ انہوں نے صبح صادق سے پہلے اذان دی تو نبی کریم ﷺ نے بلا کر پوچھا ما حملک علی ذلک؟ انہوں نے جواب دیا استیقظت وأنا وسنان فظننت أن الفجر قد طلع فأذنت فأمره النبي صلى الله عليه و سلم أن ينادي في المدينة ثلاثا 'ألا إن العبد قد نام' ثم أقعده النبی ﷺ إلی جنبه حتی طلع الفجر أو کما قال رواه أبو داود

Maktaba Tul Ishaat.com

من طريق حماد بن سلمة عن أيوب عن نافع عن ابن عمر۔

اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ ائمۂ فن علی بن مدینی، احمد بن حنبل، بخاری، ذہلی، ابو حاتم، ابوداؤد، ترمذی اور دار قطنی کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت مرفوعہ وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ اس طرح کا قصہ حضرت عمرؓ کے مؤذن مسروح کے ساتھ پیش آیا تھا، حماد بن سلمہ اس کو مرفوعاً نقل کرنے میں منفرد ہیں، لیکن انفراد کا دعویٰ صحیح نہیں، سعید بن زربی ان کی متابعت کرتے ہیں وحديثه أخرجه البيهقي وسعيد ضعيف، اسی طرح سے یہ روایت دوسرے طرق سے بھی منقول ہے گو ان پر دار قطنی، بیہقی وغیرہ نے کلام کیا ہے لیکن جب سارے طرق کو جمع کیا جاتا ہے تو خود بخود یہ بات دل پر جمتی ہے کہ واقعہ ضرور پیش آیا ہے، بظاہر اس واقعہ کے پیش آنے پر بلالؓ کو رات کی اذان کے لئے مقرر کر دیا، حافظ ابن حجر نے یہ تقریر جمع بین الروایات کے لئے کی ہے لیکن اس کا سارا تانا بانا حافظ کا اپنا فہم ہے، روایت سے اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی ہے۔

(ص ٨٦) بَابُ الْأَذَانِ بَعْدَ الْفَجْرِ

٦١٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي حَفْصَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا الصُّبْحُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تُقَامَ الصَّلَاةُ.

٦١٩. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْإِقَامَةِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ.

٦٢٠. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ.

ترجمہ: باب، فجر کے بعد اذان دینے کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ رسول پاک ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب

Maktaba Tul Ishaat.com

مؤذن فجر کی اذان کے لئے مسجد میں ٹھہر جاتا (یعنی دخول وقت کا منتظر رہتا اور وقت ہونے پر اذان دیتا) اور صبح نمودار ہو جاتی تو آپ نماز فجر قائم کئے جانے سے پہلے ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ فجر کی اذان واقامت کے درمیان دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلالؓ رات کے وقت اذان دیتے ہیں اس لئے تم کھانا پینا جاری رکھو یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں۔

تشریح: امام نے ایک عجیب بات کی کہ دو ترجمے منعقد کئے ایک باب الأذان بعد الفجر اور دوسرا باب الأذان قبل الفجر، ترتیب واقعی کا مقتضی یہ تھا کہ امام بخاری اس کا عکس کرتے کیوں کہ اذان قبل الفجر مقدم ہے اذان بعد الفجر سے، تو حضرت امام نے اذان بعد الفجر کو اذان قبل الفجر پر کیوں مقدم فرمایا؟

علامہ زین بن منیر نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اصل میں اذان بعد الفجر دخول وقت کے بعد ہوتی ہے اور اذان میں اصل یہی ہے، لہٰذا امام بخاری نے اذان بعد الفجر کو اذان قبل الفجر پر مقدم فرمادیا۔

علامہ ابن بطال نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا کہ اذان بعد الفجر تو متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے تو اس کے بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے یہ ٹھیکہ نہیں لیا ہے کہ ہمیشہ مسائل مختلف فیہا ہی بیان کریں بلکہ ان کا مقصود تو ماثبت عن النبی ﷺ بسند صحیح کو بیان کرنا ہے خواہ وہ مجمع علیہ ہو یا مختلف فیہ، مزید یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس باب کو پہلے اور باب الأذان قبل الفجر کو بعد میں ذکر کر کے ایک خاص امر پر متنبہ کیا ہے کہ اذان بعد الفجر تو اصل اذان ہے جو اعلام للوقت اور دعوت إلی الجماعۃ کے لئے ہوتی ہے اور اذان قبل الفجر کا مقصود اور ہے اور وہ ارجاعِ قائم اور تنبیہ نائم وغیرہ ہے۔

كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ: جب مؤذن اعتکاف کرتا تھا صبح کے لئے۔

یہ جملہ ابو محمد اصیلی کی روایت میں اسی طرح واقع ہوا ہے، نسفی کی روایت میں ہے إذا اعتكف وأذن المؤذن، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جو صورت مذکور ہے وہ اعتکاف کے ساتھ خاص ہے اور بظاہر یہ نسفی کی تصحیح ہے اس لئے کہ جو روایت متن میں موجود ہے اس پر کوئی مطلب واضح نہیں ہوتا ہے۔

مگر یہی حدیث امام مالک نے مؤطا میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے اس میں بجائے كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ کے إذا سكت المؤذن واقع ہوا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے اسی کو صواب

Maktaba Tul Ishaat.com

قرار دیا ہے اور ابن شبویہ نے اپنے نسخہ میں جو فربری سے انہوں نے نقل کیا ہے اسی طرح سے نوٹ بھی کیا ہے، لیکن شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ ابن شبویہ کی اصلاح ہے، حفاظ حدیث میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ اصل میں وہم امام بخاری کے استاذ عبداللہ بن یوسف کو ہوا ہے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ إذا اعتكف کو وہم قرار دینے کی ضرورت نہیں، اس کی توجیہ ممکن ہے کہ اصل میں یہ اعتکاف ماخوذ ہے عکوف سے اور عکوف کہتے ہیں کسی جگہ لُبث اور لزوم کو، تو إذا اعتكف المؤذن کے معنیٰ یہ ہوئے کہ جب مؤذن اذان صبح کے لئے طلوع صبح کے انتظار میں اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا اور اپنے انتظار کو لازم پکڑ لیتا تھا اور صبح طلوع ہو جاتی اس وقت حضور اکرم ﷺ دو رکعت ادا فرماتے تھے۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر سیاق حدیث کا مطلب یہ بن جائے گا کہ آنحضور ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ ہمیشہ آپ اسی وقت سنت ادا فرماتے تھے، حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ آپ کی عادت تو یہ تھی کہ طلوع فجر کے بعد اذان کہلواتے اور اذان کے بعد پھر آپ سنت ادا فرماتے تھے، اسی لئے حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ لفظ اعتکف محرف ہے سکت سے اور امام بخاری نے باب الرکعتین قبل الظهر ص ۱۵۷ میں یہ حدیث جو نقل کی اس میں كَانَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَطَلَعَ الْفَجْرُ واقع ہوا ہے اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

وَبَدَا الصُّبْحُ: یہ واو حالیہ ہے أي والحال أنه بدا الصبح تو مطلب یہ نکلا کہ صبح ظاہر ہو چکی ہوتی تھی اور مؤذن اذان سے فارغ ہو چکا ہوتا تھا، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ دو رکعت پڑھتے تھے، اس تقریر سے یہ روایت ترجمۃ الباب کے مطابق ہو گئی کیوں کہ اس کا مطلب یہ نکلا کہ صبح کی اذان سے مؤذن اس وقت ساکت ہوتا تھا جبکہ صبح کی سفیدی ظاہر ہو چکی ہوتی تھی، معلوم ہوا کہ اذان صبح کی سفیدی کے ظہور کی حالت میں ہوتی تھی اور یہ اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ پہلے صبح ہو گئی ہو۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حضرت علامہ زین بن منیر نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث تو پہلی حدیث سے بھی زیادہ ترجمہ سے بعید ہے اور اس سے ترجمہ ثابت ہی نہیں ہوتا ہے اس واسطے کہ سنت فجر کا بین النداء والاقامة ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اذان فجر طلوع فجر کے بعد ہوتی تھی، اور پھر خود علامہ زین بن منیر نے اس کا جواب دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ سنت فجر طلوع فجر کے بعد ادا فرماتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپ کی ادائیگی اذان کے بعد ہوتی تھی تو اذان بھی طلوع فجر کے بعد ہوتی ہوگی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن علامہ زین کی اس تقریر سے ترجمہ ثابت نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ اگر سنت طلوع فجر کے بعد واقع ہوتی تھی تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اذان بھی طلوع کے بعد ہوتی ہو، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اصل میں حضرت عائشہؓ کی ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ کر کے اپنا مدعا ثابت کیا ہے وہ حدیث اسی صفحہ پر باب من انتظر الإقامة کے ذیل میں آرہی ہے اس کے الفاظ ہیں كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بَعْدَ أَنْ يَسْتَبِينَ الْفَجْرُ، یہ بعد أن يستبين الفجر جیسے سنت فجر کے ساتھ متعلق ہے ایسے ہی سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ کے ساتھ بھی متعلق ہے، تو مطلب یہ ہے کہ مؤذن کی اذان سے فراغت بھی طلوع فجر کے بعد ہوتی تھی اور سنت بھی طلوع فجر کے بعد ہوا کرتی تھی۔

(ص ۸۷) بَابُ الْأَذَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ

٦٢١. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ أَوْ أَحَدًا مِنْكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سَحُورِهِ؛ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ وَلَيْسَ أَنْ يَقُولَ: الْفَجْرُ أَوِ الصُّبْحُ، وَقَالَ بِأَصَابِعِهِ وَرَفَعَهَا إِلَى فَوْقُ وَطَأْطَأَ إِلَى أَسْفَلُ حَتَّى يَقُولَ هَكَذَا. وَقَالَ زُهَيْرٌ بِسَبَّابَتَيْهِ إِحْدَاهُمَا فَوْقَ الْأُخْرَى ثُمَّ مَدَّهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ.

٦٢٢. حَدَّثَنِي اسحاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: حَدَّثَنَا عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ح

٦٢٣. قَالَ: وَحَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ.

Maktaba Tul Ishaat.com

ترجمہ: باب، فجر سے پہلے اذان دینے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کو بلالؓ کی اذان سحری کھانے سے ہر گز مانع نہ ہونی چاہئے کیوں کہ بلالؓ رات میں اذان یا نداء اس لئے دیتے ہیں تاکہ جو نماز تہجد میں قیام کر رہا ہے وہ (آرام کے لئے) لوٹ آئے اور جو سویا ہوا ہے وہ نماز یا سحری کے لئے بیدار ہو جائے، اور آپ نے فرمایا کہ فجر یا صبح صادق اس طرح نہیں ہے اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے اس طرح بتایا کہ انگلیوں کو اوپر اٹھایا پھر نیچے جھکایا (یعنی آسمان سے زمین تک طولاً نظر آنے والی روشنی، صبح صادق نہیں ہے) جب تک اس طرح نمودار نہ ہو اور زہیر راوی نے ھکذا کی وضاحت اس طرح کی کہ اپنی شہادت کی دونوں انگلیوں کو اوپر نیچے رکھا، پھر ان کو داہنی اور بائیں طرف پھیلا کر دکھایا (یعنی صبح صادق وہ ہے جس کی روشنی عرضاً پھیلے)۔

حضرت قاسم بن محمد نے حضرت عائشہؓ سے اور حضرت نافع نے ابن عمرؓ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلالؓ رات کے وقت اذان دیتے ہیں، اس لئے جب تک ابن ام مکتومؓ اذان نہ دیں اس وقت تک اکل و شرب کی اجازت ہے۔

تشریح: اس میں تو اجماع و اتفاق ہے کہ فجر کے علاوہ اور کسی نماز کی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں، البتہ اذان قبل الفجر میں اختلاف ہے کہ فجر کے لئے قبل از وقت اذان دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ جو باقی نمازوں کا حکم ہے وہی صلاۃ فجر کا بھی حکم ہے، لیکن حضرات ائمہ ثلاثہ، قاضی ابو یوسف، اسحاق بن راہویہ، داؤد ظاہری، ابن جریر طبری، ابن خزیمہ، ابن منذر وغیرہ فرماتے ہیں کہ فجر کی اذان صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے دی جا سکتی ہے۔

اذان قبل الفجر کافی ہے؟ پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر صبح صادق سے پہلے اذان دے دی گئی تو اس اذان پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ، ابن جریر طبری، داؤد ظاہری اور اسحاق وغیرہ فرماتے ہیں کہ اکتفاء کیا جا سکتا ہے، ابن منذر، ابن خزیمہ اور بہت سے محدثین کی رائے یہ ہے کہ اکتفاء کرنا جائز نہیں بلکہ دخول وقت کے بعد دوبارہ اذان دینی پڑے گی، حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

کتنی دیر پہلے اذان دی جائے؟ جو لوگ اذان قبل الفجر کے قائل ہیں ان میں یہ اختلاف ہے کہ کتنی دیر پہلے دی جا سکتی ہے؟ حنابلہ فرماتے ہیں کہ نصف لیل کے بعد، یہی قاضی ابو یوسف سے صاحب بدائع اور دیگر حضرات نے نقل کیا ہے، لیکن امام محمد نے کتاب الاصل میں لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف نے آخری عمر میں یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اختیار کیا ہے کہ اذان صبح طلوع صبح سے پہلے جائز ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بس طلوع سے کچھ پہلے دے سکتے ہیں، باقی نصف لیل کا قول ہو سکتا ہے کہ کسی اور کے ساتھ منسوب ہو۔

شافعیہ اور مالکیہ کے اس میں مختلف اقوال ہیں، ۱۔ نصف لیل کے بعد اذان دے سکتے ہیں، امام نووی نے اپنی اکثر کتابوں میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے، ۲۔ قاضی حسین، امام بغوی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ سحور کے وقت میں اذان دی جائے گی، امام تقی الدین بن دقیق العید کا رجحان اسی طرف ہے اور تقی الدین سبکی نے اسی طرف میلان ظاہر کیا ہے، ۳۔ مالکیہ میں سے قاضی باجی وغیرہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ سدس اخیر میں اذان دی جاسکتی ہے، ۴۔ اور مالکیہ کا ایک قول یہ ہے کہ عشاء کے بعد مطلقاً اذان دینی جائز ہے۔

شافعیہ کے مذکورہ بالا دونوں اقوال یعنی بعد نصف اللیل اور وقت السحور کے علاوہ تین قول اور بھی ہیں جو ان کی فقہ کی کتابوں میں مشہور و معروف ہیں، ۱۔ عشاء کے وقتِ مختار کے بعد اذان دے سکتے ہیں اور وہ وقت مختار ان کے یہاں بقولے ثلث لیل ہے اور بقولے نصف اللیل، ۲۔ مطلقاً رات میں کسی وقت بھی اذان دی جاسکتی ہے، ۳۔ سردی میں جب ایک سُبع لیل باقی رہ جائے اور گرمی میں جب سُبع لیل کا نصف باقی رہ جائے تب اذان دے سکتے ہیں، مگر یہ اقوال نہایت ہی ضعیف ہیں۔

امام بخاری کی رائے: امام بخاری اذان قبل الفجر کے جواز میں تو جمہور کے ہم خیال ہیں اور جیسے محدثین کی ایک جماعت کی رائے پر دو اذانیں ہوں گی ایک قبل الوقت اور ایک بعد الوقت اور محض قبل الوقت والی اذان پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا ایسے ہی بخاری کے نزدیک بھی ہے اور یہ اذان نماز کے لئے نہیں ہے بلکہ کسی اور مقصود کے لئے ہے، اور امام بخاری نے یہ رائے ان روایات سے اخذ کرتے ہوئے کہی ہے جو اس باب میں مذکور ہیں، ابن مسعودؓ کی روایت فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اذان نماز کے لئے نہیں بلکہ ارجاع قائم اور تنبیہ نائم کے لئے ہے، اور ابن عمرؓ اور عائشہؓ کی حدیثیں إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دو اذانیں ہوں گی ایک قبل الصباح اور دوسری بعد الصباح، بہر حال اذان قبل الصباح کے جواز کے قائلین انہی روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حنفیہ کے دلائل: جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اذانِ صبح طلوع صبح کے بعد ہوگی ان کا استدلال ان روایات سے ہے جن میں فجر کے بعد اذان دینا وارد ہے اور یہ بھی کہ فجر کے بعد ہی اذان ہوگی اس سے پہلے نہیں، ا۔ حضرت شیبانؓ فرماتے ہیں تسحّرت ثمّ أتيت الْمَسْجِد فاستندت إلى حجرة النّبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فقَالَ: أبو يحي؟ قلت: نعم، قَالَ: هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاء، قلت: إِنّي أُرِيد الصّيام قَالَ وَأنا أُرِيد الصّيام وَلٰكِن مؤذننا هٰذَا فِي بَصَره سوء وَأنه يؤذن قبل طُلُوع الْفجْر ثمّ خرج إِلَى الْمَسْجِد فحرم الطَّعَام وَكَانَ لَا يؤذن حَتَّى يصبح، رواه الطبراني (۳۱۲/۷) وقال ابن حجر إسناده صحيح، ۲۔ حضرت حفصہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضور پاک ﷺ صبح کی اذان کے بعد دو رکعت ادا فرماتے تھے ثمّ خرج إِلَى الْمَسْجِد فحرم الطَّعَام وَكَانَ لَا يؤذن حَتَّى يصبح، رواه الطحاوي والبيهقي بسند جيد، ۳۔ ابن ابی شیبہ اور ابوالشیخ نے کتاب الأذان میں بسند صحیح حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے ما كانوا يؤذنون حتى يطلع الفجر۔

قبل الوقت اذان پر نکیر: بلکہ حضور پاک ﷺ نے قبل از وقت اذان دینے کی وجہ سے حضرت بلالؓ پر نکیر فرمائی ہے، امام دارقطنی و بیہقی نے بطریق عبد العزیز بن ابی رواد عن نافع عن ابن عمرؓ نقل کیا ہے أن بلالا أذن بليل فقال له النبي ﷺ ما حملک على ذلک قال استيقظت وأنا وسنان فظننت أن الفجر قد طلع فأذنت فأمره النبي صلى الله عليه وسلم أن ينادي في المدينة ثلاثا إن العبد رقد ثم أقعده إلى جنبه حتى طلع الفجر وإسناده حسن۔

دارقطنی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کے نقل کرنے میں عامر بن مدرک؛ عبدالعزیز سے منفرد ہیں اور ان کو وہم ہو گیا، یہ قصہ مؤذن نبی ﷺ کا نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کے مؤذن کا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عامر بن مدرک اس کے نقل کرنے میں منفرد نہیں بلکہ اس کی متابعت کی ہے ابراہیم بن عبد العزیز بن عبد الملک بن ابی محذورہ نے وحديثه عند البيهقي۔

نیز اس کی ایک دوسری سند ہے امام ابوداؤد نے یہی حدیث بطریق حماد بن سلمہ عن ایوب عن نافع عن ابن عمرؓ نقل کی ہے، لیکن اس سند کے سارے رجال ثقات نہیں اور محدثین اس حدیث پر کلام کرتے ہیں اور اس کو معلول قرار دیتے ہیں صحیح نہیں مانتے، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، بخاری، محمد بن یحیٰ ذہلی، ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی، بزار وغیرہ سب ہی حضرات کی یہی رائے ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حماد منفرد نہیں سعید بن زربی ان کے متابع ہیں اگرچہ وہ ضعیف ہیں لیکن متابعت میں ضعفاء کی روایت کا اعتبار کیا جاتا ہے، مزید یہ ہے کہ عبدالعزیز بن رواد بھی یہی مضمون نقل کرتے ہیں، نیز اس کے اور بھی دوسرے مؤیدات ہیں اس لئے اس واقعہ کو بے اصل کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اصل میں ان حضرات کو اشکال یہ پیش آگیا جس کو امام ترمذی نے واضح بھی کیا کہ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو حضور اکرم ﷺ کے ارشاد إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ کے کیا معنٰی ہوں گے؟ اس حدیث سے تو صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ کی عادت مستمرہ تھی کہ وہ ہمیشہ فجر سے پہلے اذان دیا کرتے تھے، اب اگر فجر سے پہلے اذان دینا ان کی عادت مستمرہ تھی اور حضور اکرم ﷺ نے ان کو اپنی جگہ برقرار رکھا تو پھر ان کے قبل از وقت اذان دینے پر نکیر کیوں فرمائی جاتی؟

اس کے جوابات: احناف کی طرف سے اس کا جواب (۱) یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، حضرت بلالؓ کی عادت مستمرہ اذان قبل الفجر کی اور زمانہ میں تھی اور نکیر اور زمانہ کی ہے۔

امام محمد نے مؤطا وغیرہ میں یہ جواب دیا ہے کہ اذان قبل الفجر اس لئے ہوتی تھی تاکہ لوگ سحری کھالیں، یہ رمضان کے ساتھ خاص تھی، لہٰذا رمضان میں تو ان کی عادت یہی تھی کہ وہ قبل الفجر اذان دیتے تھے اور حدیث کے الفاظ سے بھی یہی نکلتا ہے فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں، ابوالحسن بن القطان فاسی اور تقی الدین بن دقیق العید نے بھی یہی محمل تجویز کیا ہے۔

سحری کے لئے اذان: اس کا مطلب یہ نکلا کہ رمضان شریف میں سحری کے لئے اذان دینا چاہئے، اگرچہ یہ مضمون احناف کی عام کتابوں میں نہیں ملتا ہے لیکن صاحب شرعۃ الاسلام نے لکھا ہے کہ سحری کے لئے اذان دینا مستحب ہے، کسی چیز کا عمل متروک ہو جانا اس کی نفی کی دلیل نہیں ہے، لہٰذا آج کل ہمارے بلاد و امصار میں رمضان میں اذان قبل الفجر نہیں ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے قبل الفجر اذان دینے کی نفی کے کوئی معنٰی نہیں، ہاں اگر ایسی اذان ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ طلوع کے بعد نماز کے لئے دوبارہ وقت پر اذان دو، اور یہی قول مؤید بالدلیل بھی ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اذان ارجاعِ قائم اور تنبیہ نائم کے لئے ہے، حضرت ابن مسعودؓ کی

Maktaba Tul Ishaat.com

روایت جو بخاری میں سامنے ہے وہ اس جواب کے لئے مؤید ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ أَوْ أَحَدًا مِنْكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سَحُورِهِ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ۔

لیکن اس پر اشکال ہو گا کہ پھر تو یہ اذان مستقل مشروع ہونی چاہئے اور اس جواب کے پیش نظر احناف کو پورے سال اس اذان کا قول اختیار کرنا چاہئے اس لئے احناف کا یہ جواب دے کر چل دینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا ہے، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ ارجاع قائم اور تنبیہ نائم کی رمضان میں ضرورت پیش آتی تھی تو درست ہے۔

(۳) تیسرا جواب امام طحاوی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ دونوں مؤذن ایک ہی وقت اذان دینے کا قصد کرتے تھے، ہوتا یہ تھا کہ حضرت بلالؓ ذرا پہلے دے دیتے تھے اور حضرت ابن ام مکتومؓ بعد میں۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی عادت مستمرہ تھی، اگر قبل الوقت اذان غلط ہوتی تو سرکار دوعالم ﷺ ان کو قبل الوقت اذان کہنے کیوں دیتے؟ یہ کہہ دیتے کہ تم ابن ام مکتومؓ کی پابندی کرو یا لوگوں کے أصبحت أصبحت کہنے کی پابندی کرو، واقعہ یہ ہے کہ امام طحاوی کا جواب صحیح نہیں۔

(۴) چوتھا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ یہ اذان بالفاظِ معروفہٖ نہیں تھی بلکہ اِعلام لوقت الصلاۃ اور اِعلام للناس کے واسطے یوں ہی ہوا کرتی تھی، جیسے لوگ اٹھو اٹھو کہہ دیتے ہیں بیدار ہو جاؤ بیدار ہو جاؤ کہہ دیتے ہیں وضعف هذا الجواب ظاهر۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حافظ شرف الدین دمیاطی نے لکھا ہے کہ یہ اسحاق بن شاہین واسطی ہیں، لیکن محققین علماء نے اس کی تردید کی ہے اس واسطے کہ ابن شاہین واسطی کی کوئی روایت ابو اسامہ سے کتب حدیث میں نہیں ملتی ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ اسحاق بن راہویہ ہیں جیسا کہ حافظ جمال الدین مزی نے کتاب الأطراف میں تصریح فرمائی ہے۔

اسحاق بن راہویہ کو ابن راہویہ کیوں کہتے ہیں؟ اس کی وجہ بھی میں بیان کر چکا ہوں، المختصر یہ ہے کہ ان کے والد کا نام ابراہیم ہے اسحاق سے عبد اللہ بن طاہر نے پوچھا کہ تم کو ابن راہویہ کیوں کہتے ہیں؟ فرمایا کہ اے امیر! میرے باپ راستہ میں پیدا ہوئے تھے تو مراوزہ کہنے لگے راہ ویہ راہ ویہ أي ولد في الطريق، اور اس طرح کے الفاظ واعلام بہت سے ہیں جیسے سیبویہ، درستویہ وغیرہ۔

اس میں نحاۃ اور محدثین کا اختلاف ہے کہ اس کو کس طرح پڑھا جائے، حضرات محدثین واؤ کو ساکن اور

Maktaba Tul Ishaat.com

اس سے پہلے حرف کو مضموم پڑھتے ہیں سِیبُوَیْهٗ، اور نحات اس کو واوٗ مفتوح اور یاء ساکن اور واوٗ سے پہلے حرف کو بھی مفتوح پڑھتے ہیں سِیبَ وَیْهٗ، محدثین کہتے ہیں کہ وَیْه اسم للشیطان کما ورد فی بعض الروایات الغیر المعتبرۃ اس لئے اس طرح نہ پڑھنا چاہیے۔

(ص ۸۷) بَاب کَمْ بَیْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ

٦٢٥. حَدَّثَنَا اسحَاقُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ - ثَلَاثًا - لِمَنْ شَاءَ.

٦٢٦. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيَّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ الْمُؤَذِّنُ إِذا أَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْتَدِرُونَ السَّوَارِيَ حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُمْ كَذَلِكَ يُصَلُّونَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ شَيْءٌ.

قَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ وَأَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ: لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلاَّ قَلِيلٌ.

ترجمہ: باب، اذان اور اقامت کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیے۔

حضرت عبد اللہ بن مغفل مزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، یہ بات آپ نے تین بار کہی، تیسری مرتبہ میں فرمایا کہ یہ نماز ان لوگوں کے لئے ہے جو چاہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب مؤذن (مغرب کی) اذان شروع کرتا تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہی میں سے کچھ لوگ مسجد کے ستونوں کی طرف تیزی سے بڑھتے حتی کہ رسول اکرم ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لاتے تو وہ لوگ اسی حال میں مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے اور اذان و اقامت کے درمیان کچھ وقفہ نہ ہوتا تھا۔

عثمان بن جبلہ اور ابو داؤد نے شعبہ سے نقل کیا کہ ان دونوں کے درمیان بہت کم وقفہ تھا۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ لیکن روایت الباب سے کوئی خاص مقدار معلوم نہیں ہوتی ہے ہاں اتنا معلوم ہوتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کہ فی الجملہ کچھ فصل ہونا چاہئے، عبد اللہ بن مغفل مزنی کی روایت میں ہے بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم بقدر دو رکعت کے فاصلہ ہونا چاہئے، لیکن صلاۃ مغرب کے متعلق ہے وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ شَيْءٌ اور دوسری روایت میں ہے لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا قَلِيلٌ ان دونوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ مغرب کی اذان واقامت میں مختصر سا فاصلہ ہونا چاہئے، وہ مختصر فاصلہ کتنا ہونا چاہئے اس میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تین آیاتِ قصار یا ایک آیت طویلہ کے بقدر یا تین خطوات کے بقدر، صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنا فصل ہو جتنا دو خطبوں کے درمیان ہوتا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں يفصل بقعدة يسيرة۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے حضرت جابرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے اجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ، امام بخاری نے اس روایت کی تردید کی اور یہ اشارہ کیا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی خاص مقدار ثابت نہیں ہے۔

واقعۃً ترمذی کی روایت انتہائی ضعیف ہے، امام ترمذی کہتے ہیں إسناده مجهول، اس میں عبد المنعم صاحب السقاء ہے جس کے بارے میں بخاری کہتے ہیں مضطرب الحدیث، اور یحیٰ بن مسلم ہے جس کو یحیٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے، علامہ سراج الدین قزوینی الحنفی نے یہ حدیث موضوعات مصابیح میں شمار کی ہے۔

مگر اس کے بعض مؤیدات اور شواہد بھی ہیں چنانچہ یہ حدیث حضرت ابوہریرۃؓ اور سلمان فارسیؓ سے ابوالشیخ نے نقل کی ہے جس کی سند میں معارک بن عباد ہے جو ضعیف ہے، اور عبد اللہ بن احمد نے زوائد مسند میں حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے مگر اس کی سند میں انقطاع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے کے برعکس ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے ہو سکتا ہے ترمذی کی اس روایت کی تائید فرمائی ہو اور حاصل تائید یہ ہے کہ بخاری کی روایتوں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بین الأذان والا قامة فصل ہوگا مگر اس کی تعیین و تحدید معلوم نہیں ہوتی وہ تعیین و تحدید ترمذی وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوگئی، هكذا قاله شيخنا وأنا أرجح ماقاله ابن حجر العسقلاني فإن هذه الروايات التي ذكرتها كلها معلولة لا يثبت منها شيئ۔

بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ثَلَاثًا لِمَنْ شَاءَ: اذانین کا مصداق اذان واقامت ہے، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے المحلیٰ میں یہی بیان کیا ہے اور تمام شراح نے یہی مطلب قرار دیا ہے، اقامت کو اذان تغلیباً کہہ

Maktaba Tul Ishaat.com

دیا گیا ہے کیوں کہ اذان اعلام بدخول الوقت ہے اور اقامت اعلام بقیام الصلاۃ ہے۔

بعض شراح فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے اذانین کا مصداق حقیقی اذانیں ہوں اور اس سے نفل نماز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ہر دو اذان کے درمیان کچھ نفل بھی پڑھنی چاہئے۔

اگر اذانین سے مراد اذان واقامت ہو تو اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہر اذان کے بعد نفل پڑھی جاسکتی ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں، صرف مغرب کی اذان کے بعد میں اشکال ہے اس لئے کہ اس کے معاً بعد ہی فرض شروع ہو جاتا ہے۔

اس اشکال کا حل بعض علماء نے یہ بتلایا ہے کہ مغرب اس سے مستثنیٰ ہے، ابو بکر بزار کی روایت میں اسی حدیث میں إلا المغرب کا استثناء وارد ہوا ہے، مگر اس استثناء کے ثبوت میں محدثین کو کلام ہے اور ابن جوزی نے تو یہ روایت موضوعات میں داخل کر دی ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس کا راوی حیان دروغ گو ہے، عمرو بن علی الفلاس نے اس کی تکذیب کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن جوزی کی اس تنقید کے نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے۔

لیکن علامہ جلال الدین سیوطی نے اللآلی المصنوعۃ میں لکھا ہے کہ عمرو بن علی الفلاس نے جس حیان کی تکذیب فرمائی ہے وہ اور ہے، اس کا نام ہے حیان بن عبد اللہ بالتکبیر، اور اس حدیث کی سند میں جو واقع ہے وہ حیان بن عبید اللہ ابو زہیر بالتصغیر ہے، فلاس نے اس کی تکذیب نہیں کی ہے بلکہ بزار اس کو صدوق کہتے ہیں، ابو حاتم رازی کہتے ہیں صدوق، اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کان رجل صدق، ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے اس کو مجہول قرار دیا مگر حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے لَمْ یُصِبْ یعنی ابن حزم کو اپنے اس دعویٰ تجہیل میں غلطی ہوئی ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس زیادتی میں مجھ کو بڑا شدید تأمل ہے، اس واسطے کہ یہی روایت امام ابو بکر اسماعیلی نے اپنی مسند میں تخریج کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ راویِ حدیث عبد اللہ بن بریدہ اذان مغرب کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، اب اگر یہ استثناء ثابت ہوتا تو راویِ حدیث بھلا اس کے خلاف عمل کیسے کرتے؟ فلا یثبت ھذا الاستثناء۔

Maktaba Tul Ishaat.com

رکعتین قبل المغرب: رہا یہ مسئلہ کہ اذان مغرب کے بعد فرض سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ میں ماقبل میں بیان کر چکا ہوں، المختصر یہ کہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق سے تو شراح حدیث نے استحباب نقل کیا ہے اور یہی محدثین شافعیہ نووی، حافظ ابن حجر وغیرہ کی رائے ہے، صاحبِ منہل نے بعض مالکیہ سے بھی یہی نقل کیا ہے اور ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض احناف بھی اس کے قائل ہیں، امام مالک اور امام شافعی کی رائے ہے کہ نہ پڑھنا چاہئے، حنفیہ کا اصل مسلک یہی ہے اور صاحب در مختار وغیرہ نے اس کی کراہت کی تصریح کی ہے۔

لیکن علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس پر تنقید کی ہے اور ان کی رائے یہ ہے کہ روایت سے کراہت ثابت نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ حدیث ابن مغفل میں تو یہ ہے بَیْنَ کُلِّ أَذَانَیْنِ صَلَاةٌ لِمَنْ شَاءَ جبکہ ابن عمرؓ سے امام ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ کوئی بھی یہ نماز نہیں پڑھا کرتا تھا، لہذا ابن عمرؓ کی یہ روایت زیادہ سے زیادہ استحباب کی نفی کر سکتی ہے اباحت کی نفی نہیں کرتی ہے، اور یہ کہنا کہ دو رکعت پڑھنے سے فرض میں تاخیر لازم آئے گی، علامہ ابن ہمام نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ صاحب قنیہ نے نقل کیا ہے کہ اتنی تاخیر سے کراہت لازم نہیں آتی ہے، اس کے بعد ابن ہمام کے تلامذہ علامہ ابراہیم حلبی وغیرہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، صاحب در مختار نے عجیب وغریب قصہ کیا ایک جگہ تو اپنا لکھ دیا مکروہ اور ایک جگہ ابن ہمام کی اتباع میں لکھ دیا مباح، صحیح وہی ہے جو علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے۔

اور امام احمد سے جو استحباب نقل کیا جاتا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس نقل کی وجہ کیا ہے، حنابلہ کے شیخ المذہب علامہ ابو محمد مقدسی الشہیر بالموفق نے المغنی میں امام احمد بن حنبل سے صرف اباحت نقل فرمائی ہے، اب خلاصہ کے طور پر تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اس میں تین قول ہیں کراہت، اباحت اور استحباب۔

قَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ وَأَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا قَلِيلٌ: یہ روایت معلقہ پہلی روایت موصولہ کے بظاہر معارض ہے لیکن حقیقۃً کوئی معارضہ نہیں ہے لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ شَيْءٌ کا مطلب ہے شيئ كثير، وإثبات القليل لا ينافيه۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۷) باب مَنْ انْتَظَرَ الإِقَامَةَ

۶۲۷. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالأُولَى مِنْ صَلاَةِ الْفَجْرِ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ صَلاَةِ الْفَجْرِ بَعْدَ أَنْ يَسْتَبِينَ الْفَجْرُ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلإِقَامَةِ.

ترجمہ: باب، جو شخص (اذان سننے کے بعد) اقامت کا منتظر ہو۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ فجر کی پہلی اذان دے کر موذن خاموش ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور فجر کی نماز سے پہلے صبح صادق کے روشن ہو جانے کے بعد دو ہلکی رکعتیں ادا فرماتے، پھر داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے تھے، یہاں تک کہ موذن اقامت کی خبر دینے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اقامت کے انتظار میں بیٹھا رہے تو اس کے لئے گنجائش ہے، حضور اکرم ﷺ سنت پڑھ کر حجرہ میں تشریف فرما ہوتے بلالؓ آکر اطلاع دیتے تو آپ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام اقامت کا انتظار کر سکتا ہے، امام کے اقامت کا انتظار کرنے سے ہر شخص کے لئے اقامت کا انتظار ثابت نہیں ہوتا، امام کی جگہ تو متعین ہے وہ امامت کرتا ہے اور مقتدی کی کوئی جگہ متعین نہیں ہے اور ہر شخص کو صف اول کی فضیلت حاصل کرنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور یہ اس وقت آسانی سے ہو سکتا ہے جبکہ انسان تاخیر نہ کرے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں البتہ اگر کسی کا مکان مسجد سے لگا ہوا ہو اور اس کے لئے جماعت اور صف اول کا امکان ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

لیکن امام بخاری یہاں ایک دوسری بات بیان کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ انتظار اقامت میں اگر کوئی گھر میں بیٹھا رہے اور اقامت کے وقت مسجد میں جائے تو سنت میں اس کی دلیل موجود ہے، یہ الگ بات ہے کہ صف اول کی فضیلت کی تحصیل کے لئے پہلے جانا پڑے گا، کیوں کہ جو آدمی اقامت کے انتظار میں بیٹھا رہے گا یقینی

Maktaba Tul Ishaat.com

بات ہے کہ عام حالات میں اس کو صف اول نہیں مل سکتی ہے، تو صف اول کی فضیلت کی تحصیل الگ چیز ہے اور مسجد میں جانے کے لئے عجلت نہ کرنا اور انتظار اقامت کی گنجائش ہونا الگ چیز ہے۔

(ص ۸۷) باب بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ لِمَنْ شَاءَ

۶۲۸. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا كَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: لِمَنْ شَاءَ.

ترجمہ: باب، جو پڑھنا چاہے اس کے لئے ہر اذان واقامت کے درمیان نماز ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، پھر تیسری مرتبہ میں یہ مزید ارشاد فرمایا کہ یہ بات ان لوگوں کے لئے ہے جو پڑھنا چاہیں۔

تشریح: امام بخاری اذان کے متعلق تراجم منعقد کر رہے ہیں، چونکہ ابن مغفلؓ کی حدیث میں ایک باب پہلے ایک ترجمہ باب کم بین الأذان والإقامة منعقد کیا تھا اور اسی بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ لِمَنْ شَاءَ سے نماز کا بھی ثبوت ہو رہا تھا اس لئے مصنف نے اس پر ترجمہ منعقد فرما دیا، چونکہ ایک ہی حدیث بعض وقت کئی چیزوں کے لئے مثبت ہوتی ہے لہذا امام بخاری بعض اوقات ایک ہی حدیث پر الگ الگ تراجم منعقد فرمایا کرتے ہیں یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ کے ذریعہ امام نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ سنن رواتب واجب نہیں ہیں هكذا قال شيخنا۔

(ص ۸۷) باب مَنْ قَالَ لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ

۶۲۹. حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنْ قَوْمِي فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً وَكَانَ رَحِيمًا رَفِيقًا، فَلَمَّا رَأَى شَوْقَنَا إِلَى أَهَالِينَا قَالَ: ارْجِعُوا فَكُونُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَصَلُّوا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ

Maktaba Tul Ishaat.com

لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کے متدل کا بیان جو کہتے ہیں کہ سفر میں ایک ہی مؤذن اذان دے۔

حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر ہم لوگوں نے بیس دن حضور پاک ﷺ کے پاس قیام کیا اور آپ بہت رحم فرمانے والے اور نرمی سے پیش آنے والے تھے، پھر آپ نے یہ دیکھا کہ ہمیں اپنے گھر جانے کا اشتیاق ہے تو فرمایا کہ تم لوگ واپس ہو جاؤ اور اپنی قوم میں رہو اور ان کو (احکام) کی تعلیم دو اور نماز پڑھتے رہو، پھر جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور جو بڑا ہو وہ نمازوں میں تمہاری امامت کرے۔

تشریح: غور سے سنو! اس ترجمۃ الباب کی غرض میں بڑا اختلاف ہے۔

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کے عمل کی تردید کی طرف اشارہ کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ سے عبد الرزاق نے نقل کیا ہے کہ جب وہ سفر میں ہوتے تھے تو صبح کے لئے دو اذانیں دیتے تھے، امام بخاری نے لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ صبح کی نماز کے لئے دو اذان کی حضر میں ضرورت ہوتی ہے اس واسطے کہ وہاں زیادہ لوگ ہوتے ہیں سفر میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) ہمارے حضرت گنگوہی کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تعدد مؤذن کی ضرورت حضر میں پڑتی ہے اس لئے کہ لوگ اپنے گھروں میں ہوا کرتے ہیں بخلاف سفر کے کہ وہاں تو لوگ قریب موجود ہوتے ہیں وہاں تعدد مؤذنین کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ میں فی السفر کی قید اتفاقی ہے، امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بس ایک مؤذن کافی ہے، گویا اہل حرمین کے عمل کے خلاف ترجمہ منعقد کر رہے ہیں کہ متعدد اذان کی ضرورت نہیں ہے۔

آیا متعدد مؤذن مقرر کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر متعدد مؤذنین اذان یکے بعد دیگرے دیں گے یا ساتھ میں دیں گے؟ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔

اگر ضرورت پیش آجائے تو ایک مؤذن سے زائد مؤذن رکھنا بتصریح حدیث جائز ہے، حضور اکرم ﷺ کی

Maktaba Tul Ishaat.com

مسجد کے دو مؤذن بلالؓ اور ابن ام مکتومؓ تھے، پھر اس کے بعد دو پر اضافہ اگرچہ احادیث مرفوعہ میں وارد نہیں ہوا ہے لیکن جائز ہے، اس لئے کہ مقصود تو ضرورت ہے اور ضرورت اگر دو سے نہ پوری ہو تو اس پر اضافہ کر سکتے ہیں، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے دور میں چار مؤذن تھے، ابو علی طبری فقیہ شافعی کی رائے ہے کہ اس پر اضافہ نہیں کرسکتے ہیں لیکن جمہور شافعیہ اس پر اضافہ کے قائل ہیں اور یہی دوسرے حضرات کا مسلک ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ مؤذنین آگے پیچھے اذان دیں گے یا ایک ساتھ؟ حنفیہ میں سے شامی وغیرہ نے ملا علی قاری سے نقل کیا ہے کہ آگے پیچھے اذان دیں گے، یہی مالکیہ میں سے ابن زرقون کی رائے ہے، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ان کی آواز میں گڑبڑ ہوتی ہو تب تو آگے پیچھے اذان دیں گے ورنہ ایک ساتھ اذان دے سکتے ہیں، جیسے یہاں (سہارنپور) جامع مسجد میں ہوتا تھا کہ جمعہ کی اذان دو طرف ہوتی تھی، اب تو لاؤڈ سپیکر آگیا چاروں طرف آواز پھیل جاتی ہے ورنہ پہلے دو طرف اذان ہوتی تھی۔

(ص ۸۷) باب الْأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً وَالْإِقَامَةِ وَكَذٰلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ

وقول المؤذن "الصلاة في الرحال" في الليلة الباردة أو المطيرة

٦٣٠ . حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ، حَتَّى سَاوَى الظِّلُّ التُّلُولَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

٦٣١ . حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مَالِكِ ابْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ: أَتَى رَجُلَانِ النَّبِيَّ ﷺ يُرِيدَانِ السَّفَرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَأَذِّنَا ثُمَّ أَقِيمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا.

٦٣٢ . حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ:

Maktaba Tul Ishaat.com

حَدَّثَنَا مَالِكٌ قَالَ: أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ يَوْمًا وَلَيْلَةً، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَحِيمًا رَفِيقًا، فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا أَوْ قَدِ اشْتَقْنَا سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا فَأَخْبَرْنَاهُ، قَالَ: ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ- وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا- وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ

٦٣٣. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ: أَذَّنَ ابْنُ عُمَرَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ بِضَجْنَانَ ثُمَّ قَالَ: صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُولُ عَلَى إِثْرِهِ أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ فِي السَّفَرِ.

٦٣٤. حَدَّثَنَا اسحاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِالْأَبْطَحِ فَجَاءَهُ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ خَرَجَ بِلَالٌ بِالْعَنَزَةِ حَتَّى رَكَزَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالْأَبْطَحِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ.

ترجمہ: باب، سفر کرنے والے اگر جماعت کی صورت میں کئی آدمی ہوں تو ان کے لئے اذان واقامت کا حکم ہے، اور اسی طرح عرفہ کے دن اور مزدلفہ میں، اور موذن کا سردی یا بارش کی راتوں میں الصلاۃ فی الرحال کا اعلان کرنا۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، موذن نے ظہر کی اذان کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، پھر (دوبارہ) اذان کا ارادہ کیا تو پھر آپ نے یہی فرمایا وقت کو ٹھنڈا ہونے دو پھر موذن نے (تیسری بار) ارادہ کیا تو آپ نے یہی فرمایا وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی گرمی کے انتشار سے ہے۔

حضرت مالک بن الحویرثؓ سے روایت ہے کہ دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفر کے ارادہ سے آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم دونوں سفر کے لئے نکلو تو دونوں میں سے کوئی ایک اذان دینا پھر اقامت کہنا، پھر تم میں سے جو عمر میں بڑا ہے وہ امامت کرے گا۔

حضرت مالک بن الحویرثؓ نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم سب تقریباً ہم عمر نوجوان تھے تو ہم نے بیس دن اور بیس رات آپ کے پاس قیام کیا اور آپ نہایت نرم رحم دل اور نرم خو تھے، جب آپ نے یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

گمان فرمایا کہ ہم گھر جانے کی خواہش یا اشتیاق رکھتے ہیں تو آپ نے ہم سے پوچھا کہ وطن میں اپنے پیچھے کن لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہو تو ہم نے آپ کو اس کی اطلاع دی، پھر آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس ہو جاؤ، اور وہیں قیام کرنا، اور ان لوگوں کو تعلیم دینا اور اچھے کاموں کی تلقین کرنا، ایوب کہتے ہیں کہ حضرت ابوقلابہ نے یہ فرمایا کہ حضرت مالکؓ نے کچھ اور چیزیں بھی ذکر کی تھیں جن کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ مجھے یاد ہیں یا یاد نہیں ہیں، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھتے رہنا اور جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک اذان دے اور تم میں جو عمر میں بڑا ہے وہ امامت کرے۔

حضرت نافع نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے ضجنان میں ایک ٹھنڈی رات میں اذان دی پھر یہ اعلان کیا صلّوا فی رحالکم اپنی اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھ لو اور پھر ہمارے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ٹھنڈی راتوں میں مؤذن کو یہ حکم دیتے تھے کہ وہ پہلے اذان دے پھر أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ (اپنی اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھ لو) کا اعلان کردے۔

حضرت ابوجحیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ابطح نامی جگہ پر دیکھا کہ آپ کی خدمت میں حضرت بلالؓ حاضر ہوئے اور انہوں نے نماز کی اطلاع دی پھر بلال شیام دار چھڑی لے کر نکلے، یہاں تک کہ انہوں نے چھڑی کو حضور اکرم ﷺ کے سامنے ابطح میں گاڑ دیا اور نماز کے لئے اقامت کہی۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس سے پہلے باب میں جو روایت ذکر کی تھی اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے، اس میں ہے ارْجِعُوا فَكُونُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَصَلُّوا جاؤ اپنے گھر، وہاں رہو اور ان کو تعلیم کرو اور جب نماز کا وقت آئے تو ایک آدمی اذان دے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اس سے تو اذان فی الحضر کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ اذان فی السفر کا، نیز اس سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ حضر میں ایک آدمی اذان دے گا نہ کہ سفر میں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے آئندہ آنے والی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں ہے إذا سافرتما فأذنا ثم أقيما، قصہ ایک ہی ہے فرق اتنا ہے کہ ایک مرتبہ جماعت روانہ ہوئی تو خطاب کیا گیا اور دوبارہ جب مالکؓ اپنے ساتھی کے ساتھ ملنے آئے تو آپ نے ان کو بھی یہی ارشاد فرمایا۔

اَلْأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلہ اختلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سفر میں اذان دی جائے گی یا صرف اقامت پر اکتفاء کیا جائے گا؟

ائمہ ثلاثہ سفر میں بھی اذان کے قائل ہیں، امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر جیش کا امیر اور لشکر کا سپہ سالار

Maktaba Tul Ishaat.com

ساتھ ہو تو اذان واقامت ہوگی ورنہ صرف اقامت پر اکتفاء کیا جائے گا، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کی تائید کی ہے۔

آیا منفرد بھی اذان دے گا یا نہیں؟ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ جیسے جماعت کے لئے اذان ہے ایسے ہی منفرد بھی اذان دے گا، مالکیہ منفرد کی اذان کے قائل نہیں ہیں، ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس مسئلہ میں مالکیہ کی تائید کی ہو کہ اذان جماعت کے لئے ہے منفرد کے لئے نہیں ہے۔

امام ابن خزیمہ نے منفرد کے اذان کے اثبات کے لئے ابو سعید خدریؓ کی وہ روایت ذکر کی ہے جو ص ۸۶ پر گزر چکی ہے فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ بِالصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

وَكَذَلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ: یعنی عرفہ اور مزدلفہ میں بھی اذان واقامت ہوگی، عرفہ میں امام مالک فرماتے ہیں کہ دو اذانیں اور دو اقامتیں ہوں گی ہر نماز کے لئے الگ اذان اور الگ اقامت، حنفیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ ایک اذان اور دو اقامتیں ہوں گی جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث طویل میں مسلم شریف میں وارد ہوا ہے، امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے لیکن وہ اذان کے بارے میں کچھ نرمی کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر وہ چھوڑ دے تو گنجائش ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اذان دی جائے۔

وَجَمْعٍ: مزدلفہ، اس کو جمع اس لئے کہتے ہیں لأن الناس يجتمعون فيه، اور مزدلفہ ازدلاف سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ہیں تقرب کے لأن الناس يتقرّبون فيها۔

مزدلفہ میں اذان واقامت کے مسئلہ میں بھی اختلاف ہے، اس میں چھ قول ہیں۔

(۱) امام مالک تو عرفہ کی طرح یہاں بھی دو اذان اور دو اقامت کے قائل ہیں اس لئے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث صحیح بخاری کی کتاب الحج میں اسی طرح وارد ہوا ہے۔

(۲) حضرت امام شافعی اصح قول میں اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ایک اذان اور دو اقامتیں ہوں گی، یہی امام ابو حنیفہ کی ایک روایت ہے جس کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے، اس لئے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث طویل میں مسلم شریف میں اسی طرح وارد ہوا ہے، اور ابن مسعودؓ کی روایت کا محمل یہ ہے کہ وہاں بیچ میں کچھ فصل واقع ہو گیا تھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۳) امام ابو حنیفہ ظاہر الروایہ میں اور قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ صرف ایک اذان اور ایک اقامت ہوگی، روایتی حیثیت سے اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی وہ حدیث ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے روایت فرمایا ہے لیکن وہ متن غریب ہے اس لئے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث طویل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا پورا قصہ مفصل طور پر مذکور ہے اس میں اور روایات طویلہ میں جو مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہیں ایک اذان اور دو اقامتوں کا ذکر ہے، ویسے اس مسئلہ میں اور بھی اقوال ہیں۔

(۴) حنابلہ اور شافعیہ کا ایک قول صرف دو اقامتوں کا ہے۔

(۵) ایک قول یہاں صرف ایک اقامت کا ہے۔

(۶) ایک قول یہ ہے کہ لا أذان ولا إقامة۔

وَقَوْلِ الْمُؤَذِّنِ الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ: یعنی مؤذن کو یہ چاہئے کہ اگر رات میں سردی زیادہ ہو رہی ہو تو اذان میں الصلاۃ فی الرحال کہہ دے۔

آیا الصلاۃ فی الرحال: حیّ علی الصلاۃ اور حیّ علی الفلاح کے بدلہ میں کہے یا دونوں کو جمع کرے؟ دونوں طرح کی روایات ہیں، ابن عباسؓ کی روایت کتاب الجمعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بدلہ میں کہے گا، کیوں کہ انہوں نے مؤذن سے فرمایا تھا کہ جب أشهد أن محمدًا رسول الله کہہ دو تو حیّ علی الصلاۃ کے بجائے الصلاۃ فی الرحال کہنا، اسی قول کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور محب طبری نے اختیار فرمایا ہے۔

اور عبد الرزاق نے المصنف میں نعیم بن نحام کی روایت میں جمع نقل کیا ہے، امام نووی کے کلام سے جمع ہی معلوم ہوتا ہے، نیز انہوں نے یہ لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا اذان کے اندر کہے یا اذان کے باہر کہے؟ دونوں ہی جائز ہیں کما صرح بذلک الشافعی فی الأم مگر افضل یہ ہے کہ اذان کی تکمیل کے بعد کہے۔

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: اس حدیث پاک سے بعض احناف نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک رہتا ہے اس لئے کہ جب سایہ؛ ٹیلوں کے برابر ہو جانے کے بعد ظہر کی نماز پڑھی گئی تو یقیناً وہ مثل ثانی میں پڑھی گئی، لیکن دوسرے علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اب تک مثل اول باقی تھا، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر یہ سفر کا واقعہ ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث بیان مواقیت کے لئے ذکر نہیں کی گئی، نیز جیسے یہاں ساوى الظِّلُّ التُّلُولَ واقع ہوا ہے ایسے ہی اس میں بعض دوسرے الفاظ بھی وارد

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوئے ہیں، کتاب المواقیت ص ۷۶ کے آخر میں گزر چکا ہے حتی رأینا فیئ التلول ایسے لفظ سے جس میں خود رواۃ کا اختلاف ہے مسئلہ کیوں کر ثابت کیا جاسکتا ہے، جیسے یہ کہا جاسکتا ہے حتی رأینا فیئ التلول یوں ہی اس کا عکس بھی کہا جاسکتا ہے، حق یہ ہے کہ مثلین کی کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَأَذِّنَا ثُمَّ أَقِيمَا: جب تم دونوں نکلو تو اذان اور اقامت کہنا۔

ترجمہ کی غرض تو اس سے ثابت ہوگئی لیکن فَأَذِّنَا (یعنی تم دونوں اذان دو) کا مطلب کیا ہے؟ بعض علماء جیسے علامہ ابوالحسن بن القصار مالکی وغیرہ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دونوں شخصوں کو اذان دینے کا حکم دیا تھا، پھر اس کے بعد اشکال ہوا کہ جب ایک شخص کی اذان کافی ہے تو بھلا دونوں کو اذان دینے کی ضرورت کیا ہے؟ علامہ ابن قصار نے اس کا جواب دیا أراد به الفصل وإلا فأذان الواحد يجزئ، فضیلت کے لئے آپ نے یہ کہہ دیا تھا ورنہ ایک آدمی کی اذان کافی ہے۔

صحیح یہ ہے کہ فَأَذِّنَا کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں اذان دیں بلکہ مطلب یہ ہے فليؤذن أحد كما تم میں سے ایک آدمی اذان دے، یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک اذان دے اور دوسرا اذان کا جواب دے۔

مؤذن اذان دینے والا تو ظاہر ہے کہ واقعۃً اذان دے رہا ہے اور جواب دینے والا اس لئے مؤذن قرار دیا گیا کہ وہ مؤذن کی کلماتِ اذان میں موافقت کر رہا ہے۔

ثُمَّ أَقِيمَا: پھر دونوں اقامت کہیں، اس کا بھی یہی دو مطلب ہے، اگر دوسرا مطلب لیا جائے تو اس سے ایک مسئلہ نکل آیا کہ اقامت کا بھی جواب دینا مستحب ہے، یہی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے، مالکیہ جوابِ اقامت کے قائل نہیں۔

ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا: پھر تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے، اس سے معلوم ہوا کہ درجۂ امامت درجۂ اذان سے بڑھا ہوا ہے، کیوں کہ اذان میں تو آپ نے دونوں کو برابر رکھا اور یہ کہہ دیا أذنا جو چاہے وہ اذان دے لیکن امامت میں آپ نے فرمایا کہ جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ يَوْمًا وَلَيْلَةً: بیس دن ہم نے قیام کیا، رسول اکرم ﷺ بڑے رحیم اور نرم خو تھے، آپ کو ایک دن اندازہ ہو گیا کہ ہمیں اپنے اہل و عیال سے ملنے کی خواہش ہوگئی ہے تو آپ نے فرمایا کہ کون ہیں تمہارے پیچھے؟ تو ہم نے بتلایا کہ ہم اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ: اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹو، وہاں قیام کرو اور ان کو تعلیم دو اور حکم دو۔

وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا: علامہ عینی اور علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ یہ أو شک راوی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہاں کچھ لکھا نہیں لیکن کتاب اخبار الآحاد میں پہنچ کر کے یہ لکھا ہے کہ یہ أو تنویع کے لئے ہے، علامہ قسطلانی کی عادت ہے تقلید کرنے کی، یہاں انہوں نے عینی کی تقلید میں شک کے لئے قرار دے دیا اور خبر واحد میں پہنچ کر حافظ کی اتباع میں تنویع کا ساتھ دے دیا۔

میرے نزدیک أو تنویع ہی کا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اور بھی کچھ اشیاء ذکر کی تھیں جن میں سے بعض تو مجھ کو یاد ہیں اور بعض مجھ کو یاد نہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہی حدیث محدث ابو بکر بن خزیمہ نے اپنی صحیح میں محمد بن بشار سے نقل کی ہے اور وہ عبدالوہاب سے نقل کرتے ہیں اس میں ہے وأشياء أحفظها وأشياء لا أحفظها۔

وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي: اس سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی نماز میں مکمل تقلید واجب ہے، آپ جس طرح رکوع و سجود، قیام و قعود کرتے اور قراءت و تسبیحات ہوتی تھیں اس میں آپ کی تقلید کی جائے گی۔

وَأَقَامَ الصَّلَاةَ: اس روایت میں صرف اقامت کا ذکر ہے اذان کا ذکر نہیں، لیکن یہی حدیث آئندہ ص۵۰۳ پر آئے گی اس میں اسی حدیث میں اذان کا بھی ذکر وارد ہوا ہے، لہذا روایت ترجمہ کے ساتھ منطبق ہوگئی۔

(ص ۸۸) باب هَلْ يَتَتَبَّعُ الْمُؤَذِّنُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا وَهَلْ يَلْتَفِتُ فِي الْأَذَانِ

ويذكر عن بلال أنه جعل إصبعيه في أذنيه، وكان ابن عمر لا يجعل إصبعيه في أذنيه، وقال إبراهيم: لا بأس أن يؤذن على غير وضوء، وقال عطاء: الوضوء حق وسنة، وقالت عائشة: كان النبي ﷺ يذكر الله على كل أحيانه.

Maktaba Tul Ishaat.com

٦٣٥. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ رَأَى بِلالاً يُؤَذِّنُ فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا بِالأَذَانِ.

ترجمہ: باب، کیا مؤذن اپنا منھ اذان کے وقت ادھر ادھر پھیر سکتا ہے؟ اور کیا وہ اذان میں ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے؟ اور حضرت بلالؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنی انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں داخل کیا، اور حضرت ابن عمرؓ اپنی انگلیوں کو کانوں میں نہیں ڈالتے تھے، اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ بے وضو اذان دینے میں مضائقہ نہیں، اور عطاء نے کہا کہ وضو (اذان میں) ثابت شدہ عمل اور سنت ہے، اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

حضرت ابو جحیفہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بلالؓ کو اذان دیتے ہوئے دیکھا تو میں بھی حضرت بلالؓ کے منھ کے ساتھ اپنے منھ کو ادھر ادھر پھیرتا رہا۔

تشریح: ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ جیسے حضرات فقہاء کسی موضوع کی تمام باتیں بیان کرنے کے بعد مسائل شتّٰی کا عنوان کتب فقہ میں منعقد کرتے ہیں ایسے ہی بعض مواقع پر امام بخاری آخر میں چل کر بعض ابواب بطور مسائل شتّٰی کے منعقد کیا کرتے ہیں، یہ باب بھی ابواب اذان کے لئے بطور مسائل شتّٰی کے ہے اور اس میں چند مسائل ایک ہی ساتھ حضرت امام بخاری نے بیان کر دیئے ہیں۔

ان میں سے ایک مسئلہ ہے کہ آیا مؤذن اذان میں اپنا منھ ادھر ادھر پھیرے؟ اور دوسرا مسئلہ ہے وَهَلْ يَلْتَفِتُ فِي الْأَذَانِ کیا اذان میں التفات کرے؟

انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے تتبع الفم اور التفات کے الگ الگ معنٰی مراد لئے ہیں، اور غالباً جو فرق بخاری نے ملحوظ رکھا ہے وہ یہ ہے کہ تتبع فم کے معنٰی تو صرف گردن کو پھیرنا ہے اور التفات سے بظاہر امام بخاری نے پھرنا اور مڑنا مراد لیا ہے یعنی محض گردن نہ پھیری جائے بلکہ سینہ بھی پھر جائے۔

اذان میں التفات: مسئلہ سنئے! اذان میں التفات یعنی گردن ادھر ادھر پھیرنا کیسا ہے؟ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مستحب ہے اور ابن سیرین سے کراہت منقول ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت پیش آئے تو التفات کرے ورنہ التفات نہ کرے، علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی منارہ میں اذان دے رہا ہے اور آواز نہیں پہنچتی ہے تو وہ منارہ میں بھی پھر سکتا ہے، اس کے طاقچوں کی طرف جا کر کے حی علی الصلاۃ اور حی

Maktaba Tul Ishaat.com

علی الفلاح کہہ سکتا ہے۔

اذان میں استدارہ یعنی گھومنے کے بارے میں ترمذی اور ابوداؤد میں دو متعارض روایتیں وارد ہوئی ہیں، ترمذی ومستدرک وغیرہ کی روایات میں ہے یدور واِصبعاہ فی أذنیہ اور ابوداؤد میں ہے ولم یستدر، ترمذی میں یدور کی زیادتی پر محدثانہ حیثیت سے کلام ہے لیکن اگر وہ ثابت ہو تو پھر امام بیہقی نے دونوں میں جمع یہ کیا ہے کہ جہاں استدارہ کا اثبات ہے اس سے مراد التفات یعنی لیّ الوجہ اور چہرہ کا پھیرنا ہو اور جہاں نفی کی گئی ہے وہاں مراد پشت پھیرنا اور گھومنا ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب ضرورت نہ ہو اور جہاں ضرورت پیش آتی ہو وہاں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ گھومنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ مصنف نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مؤذن اپنا منھ ادھر ادھر پھرا سکتا ہے تو پھر امام بخاری نے ترجمہ میں لفظ ھل کیوں ذکر فرمایا ہے؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مسئلہ فقہاء کی رائے میں مختلف فیہا ہے اس واسطے امام نے ترجمہ میں ھل ذکر کر کے اس پر تنبیہ کر دی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے باب کی غرض یہ لکھی ہے کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اذان نماز کے ساتھ احکام میں ملحق نہیں لہذا نماز کے جو شرائط ہیں استقبال وغیرہ وہ اذان کے لئے شرط نہیں ہیں، شاہ صاحب نے یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی سے لی ہے، حافظ نے لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس باب میں جو آثار وضو وغیرہ کے ذکر کئے ہیں اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اذان ارکانِ نماز کے ساتھ ملحق نہیں بلکہ اذکار کے ساتھ ملحق ہے جیسا کہ امام مالک اور کوفیین کا مسلک ہے، لہذا اس کے لئے وہ چیزیں شرط نہیں ہیں جو نماز کے لئے شرط ہیں۔

وَيُذْكَرُ عَنْ بِلَالٍ أَنَّهُ جَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ: حضرت بلالؓ کی یہ روایت سنن ابی داؤد میں موصولاً وارد ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مؤذن کو اذان دیتے ہوئے اپنی انگلی کان میں رکھنا چاہئے، یہ مسئلہ ائمہ اربعہؒ کے یہاں متفق علیہا ہے اور عامۂ اہل علم کا یہی مسلک ہے، پھر اس کے بعد جمہور علماء تو فرماتے ہیں کہ اذان دیتے ہوئے انگلی کان کے سوراخ میں داخل کرلی جائے گی، امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ ہاتھوں کو مٹھی بند کر کے مؤذن کانوں پر رکھ لے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَجْعَلُ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ: مصنف نے یہ اثر ذکر کر کے بتلا دیا کہ جعل

Maktaba Tul Ishaat.com

الإصبعین فی الأذنین صرف رفع صوت کی غرض سے ہے ضروری نہیں ہے۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ لَا بَأْسَ أَنْ يُؤَذِّنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، وقال عطاء: الوضوء حق وسنة:

اذان کے لئے وضو بہر حال مندوب ہے لیکن بے وضو اذان دینا کیسا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، عطاء بن ابی رباح، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ بلا وضو کے اذان دینا مکروہ ہے، امام ابو حنیفہ سے یہی ایک روایت ہے، لیکن حضرت امام نے ظاہر الروایہ میں جواز کو اختیار کیا ہے اور یہی بظاہر امام مالک کا مسلک ہے جیسا کہ مؤطا امام مالک سے معلوم ہوتا ہے۔

کراہت کے قائلین نے ترمذی کی ایک حدیث لا یؤذن إلا متوضئ سے استدلال کیا ہے، اول تو اس کی سند میں کلام ہے محدثین کرام موقوف قرار دیتے ہیں اور اگر ثابت مان لیا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ استحباب ہی ثابت ہوتا ہے ورنہ اگر روایت کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو پھر بلا وضو اذان کا اعتبار ہی نہ ہونا چاہئے۔

امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ اذان کے لئے وضو ضروری نہیں ہے، بے وضو بھی اذان دے سکتا ہے اسی لئے انہوں نے ابراہیم نخعی کا اثر ذکر کیا ہے مگر آگے فرماتے ہیں وَقَالَ عَطَاءُ الْوُضُوءُ حَقٌّ وَسُنَّةٌ یہ ذکر کر کے اس پر تنبیہ کر دی کہ اگرچہ اذان بلا وضو صحیح ہو جائے گی لیکن بہتر یہ ہے کہ اذان کے لئے وضو کیا جائے۔

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: حضرت امام نے اگرچہ عطاء کا اثر ذکر کر کے اولویتِ وضو کی طرف اشارہ کر دیا لیکن ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی نہ سمجھے کہ دونوں تابعی میں سے کس کا قول راجح ہے؟ تو امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت مرفوعہ کو جو مسلم وغیرہ میں موصول ہے معلقاً ذکر کر کے یہ بتلا دیا کہ عطاء بن ابی رباح کا قول اگر اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو حدیث عائشہؓ اس کے مخالف ہے، لہذا ابراہیم کا قول ارجح ہے، اور اگر ظاہر پر نہ رکھا جائے اور وضو کو صرف مستحب قرار دیا جائے اور عطاء کے قول کو استحباب پر محمول کیا جائے تو پھر اس صورت میں بین القولین کوئی معارضہ نہیں ہے اور حضرت عائشہؓ کی یہ روایت اس کے مخالف بھی نہیں ہوگی۔

بہر حال مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کا عمل نقل کرتی ہیں كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ اور اس ذکر کے عموم میں اذان بھی داخل ہے اور علی کل أحیانه میں بے وضو اور باوضو دونوں حالتیں داخل ہیں فثبت أن الأذان بغیر الوضوء جائز۔

أَنَّهُ رَأَى بِلَالًا يُؤَذِّنُ: ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت بلالؓ کو اذان دیتے ہوئے دیکھا پس میں

Maktaba Tul Ishaat.com

ان کے منھ کا دائیں بائیں طرف اتباع کرنے لگا۔

یہ حدیث بظاہر ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے کیوں کہ ترجمہ میں تو تتبع مؤذن کا ذکر ہے اور روایت میں تتبع مؤذن کا ذکر نہیں ہے بلکہ ابو جحیفہؓ کے تتبع کا ذکر ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ترجمہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مؤذن اپنا منھ دائیں بائیں طرف پھیر سکتا ہے اور روایت سے مؤذن کا دائیں بائیں طرف پھیرنا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ راویِ حدیث حضرت ابو جحیفہؓ کا اپنا منھ ادھر ادھر پھیرنا ثابت ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابو جحیفہؓ جو اپنا منھ پھیرتے تھے وہ بلال کی اتباع میں، تو ابو جحیفہؓ کا فم بلالؓ کا اتباع کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ بلالؓ اپنے فم کا ادھر ادھر اتباع کر رہے تھے یعنی ادھر ادھر اپنے منھ کو پھیر رہے تھے فثبتت الترجمة، اور اس روایت میں تو اتنا ہی ہے لیکن ابو عوانہ وغیرہ کی روایات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت بلالؓ اپنا منھ دائیں بائیں طرف پھیر رہے تھے اس کے الفاظ ہیں فجعل يتتبع بفيه يمينًا و شمالًا۔

تنبیہ: اس کے بعد یہ سمجھو کہ یہاں بخاری کے حاشیہ میں ایک عجیب وغریب بات لکھ دی گئی ھل يتتبع المؤذن کے تحت لکھا ہوا ہے والفاعل الشخص ليطابق حديث أتتبع فاه وهو تكلف والمطابقة ليست بلازمة، مجمع البحار، (یعنی روایت میں راوی کا تتبع مذکور ہے نہ کہ صحابی کا، اس اعتبار سے مطابقت نہیں، اور باب اور روایت میں مطابقت ضروری بھی نہیں)۔

مگر یہ غلط ہے، اگر مطابقت لازم نہ ہوتی تو حضرات شراح کرام کو اتنے پاپڑ کیوں بیلنے پڑتے اور اتنی مصیبتیں کیوں اختیار کرنی پڑتیں کہ ترجمہ کے ساتھ مطابقت کے اظہار کے لئے نہ معلوم کہاں سے کہاں سفر کرتے ہیں، کبھی تو کہتے ہیں کہ بخاری نے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کر کے ترجمہ ثابت کیا، کبھی کہتے ہیں کہ بخاری نے دوسری کتابوں کی حدیثوں کی طرف اشارہ کر کے ترجمہ ثابت کیا، کبھی کہتے ہیں کہ بالعموم ثابت کیا، کبھی کہتے ہیں کہ اطلاق سے ثابت کیا، کبھی احتمال سے ثابت کیا، کبھی اولویت سے ثابت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اگر یہ مطابقت مطلوب نہ تھی تو کاہے کو اتنی مصیبت شراح کرام برداشت کرتے۔

مزید یہ ہے کہ اگر مطابقت مطلوب نہیں ہے لازم نہیں ہے تو پھر دعویٰ مصنف کیسے ثابت ہوا؟ ترجمہ تو بمنزلۂ دعویٰ کے ہوتا ہے اور روایت اس کی دلیل بنا کرتی ہے، اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ کلام کے نقل میں لغزش ہوگئی ہے اور نقل کرنے میں ایجاز مخل سے کام لیا گیا، یہ فتح الباری کے کلام سے اختصار کیا گیا مگر اس کی

Maktaba Tul Ishaat.com

پوری مراد ادا نہیں ہو سکی، حاصل کلام فتح یہ ہے کہ ظاہر ترجمہ اور ظاہر الفاظ حدیث میں مطابقت لازم نہیں ہے بلکہ ترجمہ کا جو اصل مقصود ہے اگر روایت سے وہ چیز ثابت ہو جائے تو کافی ہے، ورنہ صورتحال یہی ہے کہ اگرچہ ترجمہ کا ظاہر تو یہ ہے کہ مؤذن ادھر ادھر منھ پھیرے اور روایت کا ظاہر یہ ہے کہ راوی اپنا منھ ادھر ادھر پھرا رہا ہے، لیکن اس کے لئے مؤذن کا اپنی طرف سے پھرانا لازم ہے فثبتت المطابقة وثبتت الترجمة۔

(ص ۸۸) باب قَوْلِ الرَّجُلِ فَاتَتْنَا الصَّلَاةُ

وكره ابن سيرين أن يقول: فاتتنا الصلاة، وليقل: لم ندرك، وقول النبي ﷺ أصح.

٦٣٦. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ سَمِعَ جَلَبَةَ رِجَالٍ، فَلَمَّا صَلَّى قَالَ: مَا شَأْنُكُمْ؟ قَالُوا: اسْتَعْجَلْنَا إِلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا.

ترجمہ: باب، یہ کہنا کہ 'نماز نے ہم کو فوت کر دیا' درست ہے اور ابن سیرین نے 'نماز نے ہم کو فوت کر دیا' کہنے کو مکروہ قرار دیا اور کہا کہ ایسے موقع پر لم ندرک (ہم نے نماز کو نہیں پایا) کہنا چاہئے، اور حضور ﷺ کا قول ہی صحیح ہے۔

حضرت ابو قتادہؓ نے فرمایا کہ اس درمیان کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے کچھ لوگوں کے آنے کا شور سنا، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ یہ تمہاری کیا صورت حال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نے نماز میں شرکت کے لئے جلدی کی تھی، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، جب تم نماز کے لئے آؤ تو سکون واطمینان کا اختیار کرنا ضروری ہے، پھر جو نماز امام کے ساتھ مل جائے، اس کو امام کے ساتھ پڑھ لو اور جتنی نماز فوت ہو جائے اس کو پورا کر لو۔

تشریح: امام بخاری نے اس سے پہلے اذان کے ابواب ذکر کئے، اور اس میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص مؤذن کی اذان سنے گا تو اس کے ذمہ ہے کہ وہ نماز کے لئے چل پڑے، اور جب نماز کے لئے چلے گا تو یا تو اس کو پوری نماز مل جائے گی یا بعضے نماز ملے گی یا کچھ بھی نہیں ملے گا؟ لہٰذا اب یہاں پر تین صورتیں ہو گئیں۔

اگر پوری نماز مل گئی تو ٹھیک ہے، اور اگر بعضے نماز مل گئی تو باقی بعض کا کیا کرے؟ اس کو امام بخاری اگلے

Maktaba Tul Ishaat.com

باب میں بیان کریں گے، اور تیسری صورت یہ ہے کہ نماز بالکل فوت ہوگئی، اس پر آیا فاتتنا الصلاۃ کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ اس لئے امام بخاری نے ابواب اذان کے ختم پر یہ ترجمہ منعقد کیا ہے۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ فاتتنا الصلاۃ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، محمد بن سیرین اس کو مکروہ کہتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ بجائے اس کے لم ندرک کہے، اس لئے کہ فاتتنا الصلاۃ میں فوات کی نسبت بظاہر نماز کی طرف ہو رہی ہے اور ظاہر ہے کہ کوتاہی کی نسبت عبادت خداوندی کی طرف نہ کرنی چاہئے، اپنی طرف آدمی نسبت کرے اور کہے لم ندرک، ہمیں نماز نہیں مل سکی، لیکن امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فوت کی نسبت نماز کی طرف فرمائی ہے، اور فوات کی نسبت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس میں نماز کی کوئی کوتاہی بتلائی جاتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نماز کو نہیں پاسکے، تاخیر کرنے کی وجہ سے نماز ہم سے پہلے ہوچکی۔

وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ: اصح کا یہ مطلب نہیں کہ ابن سیرین کا قول صحیح ہے بلکہ حضرات محدثین اس طرح کی عبارت یہ بتلانے کے لئے گویا کہتے ہیں کہ اس کا مقابل خطا ہے۔

إِذْ سَمِعَ جَلَبَةَ رِجَالٍ: یہ إذْ ہے اور ہندی نسخوں میں إذا سمع چھپ گیا ہے، یہ غلط ہے۔

جَلَبَة: جیم، لام اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے، یہ وہ آوازیں کہلاتی ہیں جو پیروں اور چپلوں کے چلنے کی ہوا کرتی ہیں جسے ہم لوگ شور و شغب کہہ دیتے ہیں۔

قَالَ مَا شَأْنُكُمْ: کیا بات تھی، یعنی کیوں شور ہو رہا تھا۔

قَالُوا اسْتَعْجَلْنَا إِلَى الصَّلَاةِ: نماز کے لئے ہم نے عجلت کی۔

إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ: جب آؤ تو سکون لازم پکڑو۔

فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا: جو مل جائے اس کو تو پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اس کو پورا کرلو، یہاں فاتکم میں فوات کی اضافت نماز کی طرف کی گئی ہے۔

(ص ۸۸) باب مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا

قاله أبو قتادة عن النبى ﷺ

Maktaba Tul Ishaat.com

٦٣٧. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةَ وَالْوَقَارَ وَلَا تُسْرِعُوا فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا.

ترجمہ: باب، جتنی نماز امام کے ساتھ مل جائے اس کو پڑھ لو، اور جتنی فوت ہو جائے اس کو (بعد میں) پورا کرلو، یہ بات حضرت ابو قتادہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم تکبیر کی آواز سنو تو نماز کے لئے معمول کے مطابق چل کر آؤ، اور سکون و وقار کی رعایت کو ضروری سمجھو، اور بہت تیز مت چلو، پھر جتنی نماز مل جائے اتنی پڑھ لو، اور جتنی نماز فوت ہو جائے اس کو پورا کرلو۔

تشریح: یہ ترجمہ اسی طرح ہمارے ہندی نسخوں میں واقع ہوا ہے لیکن اس صورت میں بظاہر کچھ تکرار سا ہو گیا اس لئے کہ اس سے پہلے باب میں ابو قتادہؓ کی روایت گزر چکی ہے تو قالہ أبو قتادۃ عن النبی ﷺ کہنے کی ضرورت کیا تھی؟

حافظ ابن حجر عسقلانی کے نسخہ میں یہاں ترجمہ واقع ہوا ہے باب لَا يَسْعَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلْيَأْتِ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ، وَقَالَ: مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا، قَالَهُ أَبُو قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اس صورت میں ترجمہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور تکرار کا جو صوری اشکال پڑتا ہے وہ وارد نہیں ہو گا اس لئے کہ یہ ایک نیا مضمون آگیا، اور ترجمہ میں دو باتیں آگئیں، ایک تو یہ کہ اگر آدمی نماز کے لئے آئے تو چلنے کا طریقہ یہ ہو گا، دوسرے یہ کہ اگر کوئی آدمی نماز میں مسبوق ہو تو جتنی نماز امام کے ساتھ ملے وہ امام کے ساتھ پڑھ لے اور باقی ماندہ نماز بعد میں پوری کرے۔

اس مسئلہ میں حضرت علامہ عینی نے شرح بخاری میں چار قول نقل کئے ہیں اور حضرت سہارنپوری نے بذل المجہود میں وہ چاروں اقوال ذکر کر دیئے ہیں اور امام محمد کا قول ذرا سا پانچواں بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے، میرے نزدیک کل اقوال دو ہی ہیں یا بہت بہت تو تین ہیں، اس لئے میں مجموعی طور پر چاروں اقوال کو ایک ساتھ ذکر

Maktaba Tul Ishaat.com

کروں گا، حاصل اختلاف یہ ہے کہ مسبوق امام کے ساتھ جو نماز ادا کرتا ہے وہ اس کی اول صلاۃ ہے یا نہیں؟

(۱) امام شافعی، مزنی، اسحاق اور داؤد کہتے ہیں یہ اس کی نماز کا اول حصہ ہے، حنفیہ میں سے صدر الاسلام بزدوی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی بیہقی نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے، عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔

(۲) مجاہد، محمد بن سیرین، امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری کہتے ہیں یہ اس کی نماز کا آخر حصہ ہے۔

(۳) امام مالک اور امام احمد کے دونوں اقوال ہیں۔

(۴) امام مالک کے اکثر متبعین فرماتے ہیں کہ مسبوق کی نماز امام کے ساتھ افعال کے اعتبار سے اول ہے لہذا جس ترتیب سے نماز پڑھی جاتی ہے اسی ترتیب سے باقی ماندہ نماز پڑھی جائے گی، اور اقوال کے اعتبار سے آخر ہے لہذا جو کچھ فوت ہو گیا یعنی قرات جہر وغیرہ اس کو وہ بعد میں پورا کرے گا۔

اس کے بعد پھر مزنی، اسحاق اور داؤد فرماتے ہیں کہ مسبوق اپنی ابتدائی رکعت میں بھی فاتحہ وسورت پڑھے گا، لیکن ائمۂ اربعہ فرماتے ہیں کہ جب اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو گا اس وقت فاتحہ پڑھے گا۔

اس اختلاف کا ثمرہ دو باتوں میں ظاہر ہو گا۔

۱۔ جہر میں، مسبوق جب اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو گا تو اگر جہری نماز میں مسبوق ہے تو اس نماز میں وہ جہر کرے گا، فرض کرو ایک آدمی عشاء میں آکر شریک ہوا اور دو رکعت چھوٹ گئیں تو جب وہ اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو گا تو ان لوگوں کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ مسبوق نے امام کے ساتھ اپنی نماز کا اول پڑھا ہے جہر نہیں کرے گا، اور جو کہتے ہیں کہ اپنی نماز کا آخر پڑھا ہے وہ ان کے یہاں جہر کرے گا۔

۲۔ دوسری چیز جس میں اختلاف ظاہر ہو گا وہ یہ کہ اگر رباعیہ کی آخری رکعت ملی ہے تو اس صورت میں جن لوگوں کے نزدیک مسبوق اول صلاۃ پڑھتا ہے وہ ایک رکعت پڑھ کر تشہد کے لئے بیٹھ جائے گا، اور جن لوگوں کے نزدیک آخر نماز ملی ہے وہ اپنی دو رکعت پڑھ کر تشہد پڑھے گا۔

لیکن حنفیہ کے یہاں اس پر عمل نہیں ہے، حنفیہ کا عمل مالکیہ کے مذہب کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ افعال کے اعتبار سے مسبوق کی نماز اول صلاۃ ہے اور اقوال کے اعتبار سے آخری ہے اس لئے اس کی قضا کرے گا، یہی امام محمد کا مذہب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ محمد اور ابو یوسف دونوں ہی کا مذہب ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسبوق کو امام کے ساتھ اس کی نماز کا اول ملا ہے وہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی مَاأَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا سے استدلال کرتے ہیں، اتمام کہتے ہیں پورا کرنے کو، تو امام کے ساتھ جو نماز پڑھی وہ تو نماز کا اول ہے اور جب امام نے سلام پھیر دیا تو اب مقتدی اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہا ہے۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ مسبوق نے آخرِ نماز پڑھی ہے وہ کہتے ہیں کہ اسی حدیث شریف میں مَاأَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوا وارد ہوا ہے أخرجه أحمد و ابن أبی شیبة۔

لیکن محدثین کرام کی رائے یہ ہے کہ فاقضوا کا لفظ راوی کا وہم ہے اسی لئے امام مسلم نے جب یہ روایت بطریق ابن عیینہ ذکر کی تو حدیث کے الفاظ حذف کر دیئے اور غالب گمان ہے کہ امام مسلم نے یہ جان بوجھ کر کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، مگر دونوں الفاظ میں کوئی تنافی نہیں ہے، یہاں لفظ قضاء متعارف معنٰی میں استعمال نہیں ہوا یعنی چھوٹی ہوئی نماز کو ادا کرنا بلکہ ادا کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے، اور اس کی مثال قرآن کریم میں ہے ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ﴾ اور ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ﴾، ان دونوں آیتوں میں لفظ قضاء ادا کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے، اسی طرح سے مَاأَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوا میں بھی قضاء ادا کے معنٰی میں ہے اور أتموا اور اقضوا میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اصل میں اول و آخر کا یہ اختلاف حدیث مرفوع یعنی فاقضوا اور فأتموا سے نہیں نکلا اور نہ اس سے یہ پیدا ہوا ہے بلکہ صحابہ کے آثار میں اختلاف ہے، اگر حضرت علیؓ کہتے تھے کہ مسبوق کی امام کے ساتھ نماز اول صلاۃ ہے تو ابن مسعودؓ کہتے تھے کہ امام کے ساتھ مسبوق کو جو نماز ملی ہے وہ اس کی آخری صلاۃ ہے أخرجه ابن أبی شیبة۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ ہے، اس کے بعد مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد کو استعمال کر کے کسی ایک جانب کو اختیار کر لیا، سب سے راجح قول مالکیہ کا ہے اور یہی حنفیہ کے یہاں معمول بہا ہے یعنی مسبوق کی نماز اول ہے افعال میں اور آخر ہے اقوال میں، اول ہونے کے اعتبار سے بناء ہوگی اور آخر ہونے کے اعتبار سے قضاء ہوگی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۸) باب مَتَى يَقُومُ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْإِمَامَ عِنْدَ الْإِقَامَةِ

٦٣٨. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي.

ترجمہ: باب، لوگ کب کھڑے ہوں؟ جب لوگ امام کو دیکھ لیں اقامت کے وقت۔

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو تم اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے نہ دیکھ لو۔

تشریح: شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ متی یقوم الناس سوال ہے اور إذا رأوا الإمام عند الإقامة جواب ہے، گویا امام بخاری پہلے یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ لوگ نماز کے لئے صف میں کب کھڑے ہوں؟ اور پھر جواب دیتے ہیں إذا رأوا الإمام عند الإقامة، جب اقامت ہوتے ہوئے لوگ امام کو آتا ہوا دیکھیں تب کھڑے ہو جائیں۔

اور بعض شارحین کہتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری نے اس ترجمہ کو استفہامیہ اس لئے منعقد کیا ہے کہ حدیث میں ہے فلا تقوموا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کے وقت کھڑے ہونا ہی نہیں چاہئے، پھر آگے فرمایا گیا حتی ترونی یہاں تک کہ تم مجھے دیکھ لو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کے وقت کھڑے ہو سکتے ہیں مگر اس میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ کب کھڑے ہوں؟ ابتداء اقامت میں یا وسط اقامت میں یا اختتام اقامت پر اس لئے حضرت امام نے ترجمہ استفہامیہ منعقد کیا ہے۔

اب مسئلہ سمجھو! اگر امام مسجد میں نہیں ہے تب تو جمہور علماء جس میں حنفیہ بھی ہیں یہ فرماتے ہیں کہ جب امام مسجد میں داخل ہوگا اور لوگوں کی اس پر نظر پڑے گی تو جن لوگوں کی نظر پڑتی جائے وہ کھڑے ہوتے چلے جائیں گے، لہذا جن صفوں پر سے اس کا مرور وعبور ہو رہا ہے وہ کھڑی ہوتی چلی جائیں گی، اور اگر امام پہلے سے مسجد میں موجود ہے تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر ہوتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں گے یا اختتام پر کھڑے ہوں گے یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟

امام مالک فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حد بندی نہیں ہے، لوگ مختلف قسم کے ہیں بعض ثقیل، بطیئ

Maktaba Tul Ishaat.com

الحرکات ہوتے ہیں اور بعض خفیف، سریع الحرکات ہوتے ہیں، جس کو جب موقع ہو کھڑا ہو جائے، قاضی عیاض نے شرح مسلم میں امام مالک اور جمہور علماء سے نقل کیا ہے کہ تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جائیں، حضرت امام شافعی اور ان کے عام اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ اختتام تکبیر پر کھڑے ہوں گے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں، اور زفر کہتے ہیں کہ حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں، اور امام محمد کہتے ہیں کہ قد قامت الصلاۃ پر کھڑے ہوں۔

حضرت امام بخاری نے اس میں کوئی تفصیل نہیں کی ہے مگر جو روایت پیش کی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس میں کوئی حد بندی نہیں، جب امام پر نظر پڑ جائے کھڑے ہو جائیں، اگر تکبیر شروع ہوتے ہی امام کو سب نے دیکھ لیا تو فوراً کھڑے ہو جائیں گویا ابتداء اقامت ہی میں کھڑے ہوں گے۔

امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں اور امام قد قامت الصلاۃ پر تکبیر کہہ دے، مگر حضرت امام کی اس میں نظر اجتہادی واقع ہوئی، انہوں نے قد قامت الصلاۃ کے معنیٰ پر نظر کی کہ نماز کھڑی ہوگئی لہٰذا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ فوراً امام نماز کھڑی کر دے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز میں داخل ہو جائے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی کو آدمی لازم پکڑ لے اور قد قامت الصلاۃ کہتے ہی کھڑے ہو جائے اور جہاں اس کے خلاف ہو جائے تو آہ و واویلا اور ایک طوفان بے فائدہ شروع کر دے بلکہ تکبیر ختم ہونے کا انتظار کر کے اس کے بعد شروع کیا جائے جو آج کل کے معمول کے مطابق بھی ہے اور ویسے اس میں نمازیوں کو سہولت بھی ہے۔

(ص ۸۸) باب لَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ مُسْتَعْجِلًا وَلْيَقُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ

۶۳۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ. حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ. تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ.

ترجمہ: باب، نماز کے لئے عجلت سے نہیں اٹھنا چاہئے بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ اٹھنا چاہئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک مجھے نہ دیکھ لو، اور سکون واطمینان کی رعایت ضروری ہے۔

علی بن مبارک نے اس روایت میں شیبان کی متابعت کی ہے۔

تشریح: سکینہ اور وقار بعض حضرات کے نزدیک مترادف المعنیٰ ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سکینہ کا تعلق تو انسان کے افعال سے ہے اور وقار کا تعلق اقوال سے ہے، سکینہ ہی میں یہ داخل ہے کہ آواز بلند نہ کرے، چیخے نہیں، معتدل طریقہ پر گفتگو کرے۔

اگر تکبیر شروع ہو جائے تو اس پر تو سب کا تفاق ہے کہ نماز میں شرکت کرنے کے لئے عجلت نہ کی جائے لیکن اگر تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر تھوڑا سا اختلاف ہے، حضرت امام شافعی اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ تکبیر اولی کے پانے کے لئے بھی عجلت نہ کرے اطمینان کے ساتھ شامل ہو، حضرت امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اگر تکبیر احرام کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تھوڑا اسراع کر سکتا ہے، یہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اسود بن یزید اور عبدالرحمن بن یزید وغیرہ سے منقول ہے۔

(ص ۸۹) باب هَلْ يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِعِلَّةٍ

٦٤٠. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ حَتَّى إِذَا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ انْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ، انْصَرَفَ، قَالَ: عَلَى مَكَانِكُمْ، فَمَكَثْنَا عَلَى هَيْئَتِنَا حَتَّى خَرَجَ إِلَيْنَا يَنْطُفُ رَأْسُهُ مَاءً وَقَدِ اغْتَسَلَ.

ترجمہ: باب، کیا (اذان یا اقامت کے بعد) کسی ضرورت کے تحت مسجد سے نکلنا جائز ہے؟

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نماز پڑھانے کے لئے حجرہ سے باہر نکلے، اور نماز کے لئے اقامت ہو چکی تھی، صفیں بھی سیدھی کر لی گئی تھیں، یہاں تک کہ جب آپ مصلیٰ پر کھڑے ہو گئے، ہم منتظر تھے کہ آپ اللہ اکبر کہیں کہ آپ حجرہ کی طرف واپس ہو گئے اور فرمایا کہ تم اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہنا، چنانچہ ہم اسی حالت میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ آپ ہمارے پاس لوٹ کر آ گئے، اس وقت آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپ نے غسل کیا تھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح: لعلة، أی لضرورۃ۔

اگرچہ روایۃ الباب میں یہ وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ مسجد سے نکل پڑے لیکن پھر بھی حضرت امام نے ترجمہ میں لفظ هل جو تردد پر دلالت کرتا ہے اس لئے ذکر فرمایا کہ امام مسلم نے حضرت ابو الشعثاء سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں أنه رأی رجلا خرج من المسجد بعد الأذان فقال: أما هذا فقد عصی أبا القاسم ﷺ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد جب مسجد میں آجائے تو پھر مسجد سے نہ نکلے یعنی نماز پڑھے بغیر نہ نکلنا چاہیے، نماز پڑھنے سے پہلے نکلنا حضرت ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی ہے۔

امام بخاری نے لفظ هل سے اسی روایت کی طرف اشارہ کرکے غالباً اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ روایت اپنے اطلاق اور عموم پر نہیں ہے بلکہ اس میں تخصیص ہے اور وہ ایسے شخص کے بارے میں ہے جو بلا ضرورت نکلتا ہو اور اگر کوئی ضرورت سے نکلے جیسے کوئی شخص بھول کر بحالت جنابت مسجد میں آجائے وہ نکل سکتا ہے کما ورد فی الحدیث، اور اسی کے حکم میں محدث اور وہ شخص بھی ہے جس کو نکسیر چل جائے یا استنجے کا شدید تقاضہ ہو جائے، یا کسی مسجد کا امام، مؤذن یا متولی ہو اور اس کے بغیر وہاں جماعت کا مسئلہ درست نہ ہوتا ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف نے لفظ هل سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ یہ حکم جنابت کے ساتھ مخصوص ہے قاله شیخنا، یا یہ کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ غیر کے بارے میں تو یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ نماز سے اعراض کر رہا ہے لیکن حضرت والا ﷺ کے بارے میں تو یہ گمان توہم ضعیف کے درجہ میں بھی نہیں ہوسکتا ہے، مگر یہ دونوں وجہیں ضعیف ہیں۔

ہاں ایک وجہ اور میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ شاید امام بخاری نے تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ علت وضرورت کے بھی درجات ہیں، اگر ضرورت شدیدہ ہو کہ بغیر نکلے کام ہی نہ بنتا ہو تو نکل سکتا ہے جیسے حضور اکرم ﷺ کو غسل کی ضرورت تھی بغیر اس کے نماز پڑھنا ہی ناممکن تھا لہذا آپ نکلے، اور اگر ضرورت شدیدہ نہیں ہے بغیر اس کے نماز پڑھی جاسکتی ہے اور آئندہ کوئی نقصان کا خطرہ نہیں تو پھر آدمی محض ضرورت کا بہانہ کرکے اذان کے بعد مسجد سے نہ نکلے۔

اب مسئلہ سنئے! مسجد سے اذان کے بعد جمہور علماء کے نزدیک نکلنا مکروہ ہے، ابو محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ حرام ہے، صاحب منہل نے یہی مسلک حنابلہ سے بھی نقل کیا ہے، لیکن علامہ موفق نے جو شیخ مذہب الحنابلہ ہیں کراہت ہی کو نقل کیا ہے۔

حَتّٰی إِذَا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ انْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ انْصَرَفَ: جب حضور اکرم ﷺ اپنے مصلے پر کھڑے ہوگئے تو ہم نے آپ کی تکبیر تحریمہ کا انتظار ہی کیا تھا کہ آپ لوٹ گئے اور فرمایا علی مکانکم تم اپنی جگہ کھڑے رہو، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت والا غسل کر کے تشریف لائے۔

تکبیر تحریمہ کہی یا نہیں؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اب تک نماز شروع نہیں کی تھی اور یہی حدیث امام مسلم نے تخریج کی ہے اس میں بھی صاف ہے قبل أن یکبر۔

لیکن متعدد روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نماز شروع کر چکے تھے اور تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے، چنانچہ امام ابوداؤد، طحاوی اور ابن حبان نے حضرت ابو بکرہؓ سے نقل کیا ہے دخل فی صلاۃ الفجر فکبر، اسی طرح سے حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ کی احادیث موصولہ اور بکر مزنی کی حدیث مرسل میں دار قطنی میں تکبیر کی تصریح وارد ہوئی ہے، امام ابوداؤد نے محمد بن سیرین اور ربیع بن محمد سے دو مرسل روایتیں اسی طرح نقل کی ہیں، اور امام مالک نے عطاء بن ابی رباح سے ایک مرسل روایت اسی معنٰی کی نقل کی ہے۔

ان سب روایتوں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے بحالت جنابت تکبیر کہہ دی تو کیا اس کے بعد حضرات صحابہ کی نماز شروع ہی نہیں ہوئی؟ کہ وہ کھڑے آپ کا انتظار کرتے رہے، یہ حدیث واقع میں بڑی مشکل بن جاتی ہے، علماء نے اس کے مختلف جوابات دیے۔

۱۔ امام طحاوی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ جن روایتوں میں دخل اور کبر وارد ہوا ہے اس سے مراد أراد أن یدخل اور أراد أن یکبر ہے، کوئی جھگڑا ہی نہیں رہا، ۲۔ قاضی عیاض، نووی اور قرطبی وغیرہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ الگ الگ دو واقعات ہوں، ۳۔ ابن حبان اپنی عادت کے مطابق کہتے ہیں کہ دونوں الگ واقعہ ہیں۔

اس صورت میں بخاری اور مسلم کی روایت پر تو کوئی اشکال نہیں ہے، لیکن سنن وغیرہ کی روایات پر اشکال ہوتا ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے تکبیر کہہ دی، اور یہ اشکال حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے مسلک پر ہوتا ہے، شافعیہ کے مسلک پر نہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مسئلہ کی وضاحت: اس کی وضاحت سے پہلے ائمہ کے مسالک سنو، اگر امام نے بحالت جنابت یا بحالت حدث نماز پڑھادی تو حضرات حنفیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نہ امام کی نماز ہوئی نہ مقتدیوں کی، امام بھی اعادہ کرے اور مقتدی بھی اعادہ کرے، حضرت علی بن ابی طالبؓ، محمد بن سیرین اور عامر شعبی سے یہی منقول ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر امام اور مقتدیوں میں کسی کو پتہ ہی نہیں چلا تو اس صورت میں امام کی نماز باطل ہوئی اور اس کو اعادہ کرنا پڑے گا مقتدیوں کے ذمہ اعادہ نہیں، اور اگر نماز میں امام اور مقتدیوں کو پتہ چل گیا تو پھر کسی کی نماز نہیں ہوئی سب کو اعادہ کرنا پڑے گا لأنهم يقتدون به عالمين بفساد صلاتهم۔

اور اگر بعض کو معلوم ہوا اور بعض کو نہیں تو امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس کو معلوم ہوا اس کی نماز نہیں ہوئی اور جس کو معلوم نہیں ہوا اس کی نماز ہوگئی، ایسی صورتحال پیش آجائے تو قوم کو یہ چاہئے کہ وہ اپنی نماز کو پوری کرلے، چاہے تنہا پوری کرلے چاہے کسی کو آگے بڑھا کر اس کی اقتداء میں پڑھ لے کیوں کہ تحریمہ باقی ہے، امام شافعی کتاب الأم میں یہاں تک لکھتے ہیں کہ اگر امام نے نماز شروع کی اور رکوع اب تک نہیں کیا تھا کہ ایک دم چلا گیا تو اس صورت میں قوم امام کا انتظار کرے گی اگر آنے میں دیر نہ ہو، تو سنن کی روایتیں امام شافعی کے مسلک پر بالکل منطبق ہیں۔

امام احمد سے منصوص تو یہی ہے کہ کسی کی نماز نہیں ہوئی لیکن علامہ موفق اور ان کے تلمیذ شمس الدین بن ابی عمر المقدسی فرماتے ہیں کہ قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ جس کو معلوم نہیں ہوا اس کی نماز تو ہوئی اور جن کو معلوم ہو گیا ان کی نماز ٹوٹ گئی۔

بہرحال ان احادیث میں جو صورت مذکور ہے اس میں حنفیہ کے یہاں تو نماز صحیح ہی نہیں ہوئی، کیوں کہ حضور ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ جنابت سے ہیں، یہی حال حنابلہ اور مالکیہ کے مسلک کا بھی ہے، لہذا ان حضرات کو سنن کی روایات کے جواب کی ضرورت ہے۔

سنن کی روایات کے جوابات: اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱) ایک جواب قرطبی نے امام مالک سے نقل کیا ہے إنه خاص به ﷺ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۲) محقق ابن ہمام کہتے ہیں کہ حضرت والا ﷺ نے تو تکبیر کہہ دی تھی مگر مقتدی ابھی تکبیر نہیں کہہ پائے تھے کہ ایک دم حضرت لوٹ گئے، ابن ہمام کا یہ جواب ایک احتمالِ منطقی کی حیثیت رکھتا ہے ورنہ اصول مسلک حنفی کے مطابق اس جواب میں کھلا ہوا اشکال ہے، اس لئے کہ احناف کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے ساتھ مقارنت کرے گا اور مقارنت اولیٰ ہے اور اس مقارنت کا ثبوت بہر حال حدیث سے دینا پڑے گا بغیر اس کے اس کی اولویت کا اختیار کرنا بے معنیٰ ہو جائے گا، لا محالہ یہ کہنا پڑے گا کہ صحابۂ کرام حضور کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور جب یہ عادت شریفہ تھی تو پھر یہ کہنا کہ کسی نے تکبیر کہی ہی نہیں تھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

لہٰذا اب امام طحاوی ہی کا جواب کچھ دل کو لگتا ہوا معلوم ہوتا ہے، یعنی واقعہ کو ایک تسلیم کیا جائے اور کبّر کے معنیٰ أراد أن یکبر لئے جائیں، اور نہیں تو پھر حضرت امام شافعی کا قول اختیار کیا جائے ورنہ حدیث کی کوئی اور مناسب توجیہ نہیں ہے۔

(۳) امام محمد تشریف لائے انہوں نے مؤطا میں عطاء کی روایت کا ایک عجیب وغریب محمل بتلا دیا، کہنے لگے کہ اس سے مراد وہ مصلی ہے جس کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے وہ جاکر وضو کر کے آئے گا اور نماز پڑھائے گا، حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی نے التعلیق المجد میں اس پر دمادم اشکالات کئے، ایک اشکال تو یہ کیا کہ اس روایت کا تعلق جنابت سے ہے اور جنابت میں بناء جائز نہیں تو پھر اس سے مسئلۃ البناء پر استدلال کیسے صحیح ہوا؟ ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے شرح مؤطا الشہیر باوجز المسالک إلیٰ مؤطا امام مالک میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ وہ واقعہ اور ہے اور صحیحین کا واقعہ اور ہے۔

حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی نے ایک دوسرا اعتراض کیا کہ ایسی صورت میں احناف کے یہاں استخلاف واجب ہے اور اگر استخلافِ امام نہ پایا گیا تو نماز باطل ہو گئی، اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم امام کا انتظار کر رہی ہے پھر بناء کیسے صحیح ہوئی؟ ہمارے حضرت شیخ نے اس کا جواب دیا کہ عدم النقل سے عدم لازم نہیں آتا ہے والحجۃ فی نقل العدم لا فی عدم النقل، لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو صحابی نے جو ساری صورت ذکر کی یہ اتنا ہی جزو کیوں چھوڑ دیا؟

علامہ سندی نے لکھا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام کا مقصود وقائع کے نقل کرنے سے اثبات احکام ہی ہوتا تھا،

Maktaba Tul Ishaat.com

اور اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ ایک راوی نے چھوڑ دیا تو دوسرے رواۃ تو بیان کرتے، حالانکہ عطاء، محمد بن سیرین، ربیع بن محمد اور بکر مزنی ان چاروں تابعین سے مراسیل نقل کی جاتی ہیں مگر کسی کی روایت میں اس کی تصریح نہیں ملتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی کے اعتراضات امام محمد پر قوی معلوم ہوتے ہیں، لہذا امام محمد کا جواب بھی دل کو نہیں لگتا ہے، پس اگر کوئی جواب چل سکتا ہے تو وہ بیرسٹر ایٹ لا امام طحاوی کا جواب چل سکتا ہے۔

(ص ۸۹) باب إذا قال الإمام مكانكم حتى رجع انتظروه

٦٤١. حَدَّثَنَا اسحاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَسَوَّى النَّاسُ صُفُوفَهُمْ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَتَقَدَّمَ وَهُوَ جُنُبٌ ثُمَّ قَالَ: عَلَى مَكَانِكُمْ، فَرَجَعَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءً فَصَلَّى بِهِمْ.

ترجمہ: باب، اگر امام مقتدیوں سے یہ کہے کہ تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے تو مقتدیوں کو امام کا انتظار کرنا چاہئے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ نماز کے لئے اقامت ہوگئی، لوگوں نے صفوں کو بھی درست کرلیا اور حضور پاک ﷺ حجرہ سے باہر نکلے، امامت کے لئے آگے بڑھ گئے اور اس وقت جنابت کی حالت میں تھے (بھول گئے تھے یاد آگیا تو) فرمایا اپنی جگہ ٹھہرے رہنا، پھر آپ واپس ہوگئے غسل فرمایا، پھر آپ حجرے سے باہر نکلے اور اس وقت آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، اور آپ نے نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر اتفاق سے امام مصلے پر آجائے اور اس کو کوئی ضرورت پیش آجائے اور وہ مقتدیوں سے یہ کہہ دے کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ان کو انتظار کرنا چاہئے۔

حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت میں جب لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ امام لوٹ کر کے آئے گا، اور اگر وہ چل دیا اور پتہ نہیں چلا کہ لوٹے گا یا نہیں تو لوگ اپنی نماز پوری کرسکتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس حدیث کے بعد جو مصنف نے اس باب میں نقل کی ہے بعض نسخ میں ایک عبارت محشی نے نقل کی ہے قیل لأبی عبداللہ إن بدا لأحدنا مثل هذا یفعل کما فعل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟ قال: فأی شیئ یصنع؟ فقیل: ینتظرونه قیاما أو قعودا؟ قال: إن کان قبل التکبیر فلا بأس أن یقعدوا وإن کان بعد التکبیر ینتظرونه قیاما، لیکن یہ صرف امام شافعی کے مسلک پر منطبق ہے باقی ائمہ کے یہاں اس صورت میں نماز ہی نہیں ہوئی، لہذا کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے، نہ حنفیہ کے یہاں صحیح اور نہ مالک واحمد کے یہاں جیسا کہ ابھی بیان کیا جاچکا ہے۔

(ص ۸۹) باب قَوْلِ الرَّجُلِ مَا صَلَّيْنَا

٦٤٢. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ: أَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ، وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا أَفْطَرَ الصَّائِمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَاللهِ مَا صَلَّيْتُهَا، فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى بُطْحَانَ وَأَنَا مَعَهُ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ.

ترجمہ: باب، انسان کے 'ماصلینا' کہنے کے جواز کا بیان۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق والے دن حضرت عمر بن خطابؓ حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز کے قریب بھی نہ جاسکا یہاں تک کہ سورج غروب کے قریب ہوگیا، اور حضرت عمرؓ کا یہ عرض کرنا اس وقت کے بعد تھا جب روزہ دار افطار کرلیتا ہے، تو حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بخدا میں نے بھی نماز نہیں پڑھی، پھر حضور ﷺ نے وادی بطحان میں نزول فرمایا اور میں آپ کے ساتھ تھا، آپ نے وضو کیا اور غروب آفتاب کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: حافظ ابن حجر کے نسخہ میں ہے بَاب قَوْلِ الرَّجُلِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَلَّيْنَا، اس ترجمہ کے ذیل میں دو باتیں بیان کرنی ہیں، ترجمہ کی غرض اور پھر ترجمہ کی روایت کے ساتھ مطابقت۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ابراہیم نخعی کے قول کی تردید فرمائی ہے جس کو امام ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے أنه کرہ أن یقول الرجل لم أصل ویقول

Maktaba Tul Ishaat.com

أصلّي، اور وجہ اس تردید کی یہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ سے ماصلّینا یا اس کے ہم معنیٰ ماصلّیتها کہنا ثابت ہے لہٰذا اس کہنے میں کہ میں نے نماز نہیں پڑھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کا یہ قول مخصوص صورت میں ہے کہ جب آدمی نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو کیوں کہ منتظر صلاۃ بنص حدیث نماز میں ہے، لہٰذا اس کا لم أصلّ کہنا گویا اس چیز کی نفی کرنا ہے جو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، حضور تو منتظر صلاۃ کو مصلی بتلا رہے ہیں اور یہ کہہ رہا ہے لم أصلّ تو گویا اس کی نفی کر رہا ہے اس لئے ابراہیم نخعی نے یہ فرمادیا کہ آدمی کو لم أصلّ نہ کہنا چاہئے بلکہ أصلّي کہنا چاہئے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ابراہیم نخعی کے قول کی تردید نہیں کی ہے، اس لئے کہ اگر تردید مقصود ہوتی تو جیسے باب قول الرجل فاتتنا الصلاۃ میں محمد بن سیرین کی تردید کے لئے ان کے نام کی تصریح کردی یہاں پر بھی تصریح فرمادیتے، بلکہ غالباً یہاں ابراہیم نخعی کے قول کی توجیہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان سے جو کراہت منقول ہے وہ علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ منتظر صلاۃ کے بارے میں ہے، اور اگر اتفاق سے کسی نے نماز نہ پڑھی ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے اب تک نماز نہیں پڑھی ہے۔

اب اگر ترجمہ کے الفاظ وہ ہیں جو ہمارے نسخ میں ہے باب قَوْلِ الرَّجلِ مَا صَلَّيْنَا تو وہ صریح لفظ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ماصَلَّيْتُهَا فرمایا، معلوم ہوا کہ آدمی ماصلّینا، ماصلّیت کہہ سکتا ہے۔

اور اگر ترجمہ کا وہ لفظ ہے جو حافظ ابن حجر نے اختیار کیا ہے یعنی بَاب قَوْلِ الرَّجُلِ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَا صَلَّيْنَا تو اشکال یہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کا مطلب تو یہ نکلا کہ آدمی نے نبی پاک ﷺ سے ماصلّینا کہا تھا، حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے ماصلّیت فرمایا نہ کہ رجل یعنی حضرت عمرؓ نے، انہوں نے تو مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ کہا تھا۔

بعض علماء علامہ کرمانی وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ: ماصلّیت ہی کے معنیٰ میں ہے، علامہ عینی، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری نے یہی جواب اختیار کیا، لیکن اس پر وہ اشکال ہے جو میں بیان کرچکا ہوں کہ کاد عام افعال کے بالکل خلاف ہے، عام افعال کا قاعدہ تو یہ ہے کہ مثبت اثبات کا فائدہ دیتا ہے اور منفی نفی کا، لیکن کاد جب منفی ہوتا ہے تو ثبوت کا فائدہ دیتا ہے اور جب مثبت ہوتا ہے تو نفی کا فائدہ دیتا ہے، لہٰذا ما كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ کے معنیٰ ماصلّیت ہو ہی نہیں سکتے بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ میں نماز پڑھنے کے قریب نہیں تھا مگر پڑھ چکا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس لئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے روایت الباب کے بعض دیگر طرق کی طرف اشارہ کر کے اپنا مدعا ثابت فرمایا ہے، یہی روایت کتاب المغازی میں آرہی ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ماصلّیت ارشاد فرمایا تھا، لہذا اب ترجمہ ثابت ہو گیا۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ اس جواب پر دو اشکال ہے۔

اول تو یہ کہ امام بخاری نے پوری الجامع الصحیح میں روایۃ الباب پانچ جگہ روایت کی ہے، دو جگہ مواقیت میں گزری، تیسری جگہ یہاں ہے، چوتھی جگہ صلاۃ الخوف میں اور پانچویں جگہ مغازی میں آئے گی، کتاب المواقیت کے دونوں مواقع اور یہاں اور کتاب المغازی میں تو مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ ہی ہے ماصلّیت نہیں، لہذا حافظ کا کتاب المغازی سے ماصلّیت نقل کرنا صحیح نہیں بلکہ یہ لفظ ابواب صلاۃ الخوف میں وارد ہوا ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ عام الفاظ میں مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ ہے، صرف ایک لفظ میں ماصلّیت ہے تو بھلا امام بخاری اپنا مدعا ایک لفظ سے جو صرف ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ امام بخاری مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ کو ماصلّیت کے معنیٰ میں قرار دے رہے ہیں اور بات وہی نکل آئی جو علامہ کرمانی نے کہی تھی جس سے حافظ ابن حجر نے اعراض کیا ہے اور اس پر قاعدۂ کلیہ سے اعتراض وارد ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کو اس سے کیا بحث کہ یہ کاد ایسا ہے اور وہ کاد ایسا ہے، ان کے سامنے تو یہ ہے کہ روایات کے الفاظ ایک دوسرے کی تفسیر و شرح کیا کرتے ہیں، جب کسی روایت میں ایک جگہ لفظ مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ آیا ہے اور ایک جگہ ماصلّیت آیا ہے تو لامحالہ یہ کہا جائے گا کہ مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ کے معنیٰ ماصلّیت ہے اسی لئے تو امام بخاری نے ایک کی جگہ دوسرا لفظ استعمال کر لیا۔

اس کے بعد پھر ایک اور اشکال ہے کہ اگر ترجمہ ہو بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَلَّيْنَا تو اس صورت میں ترجمہ بہت بے وزن سا ہو جاتا ہے کیوں کہ اس صورت میں مطلب یہ نکلتا ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے ماصلّینا کہا تھا حالانکہ مقصود مسئلہ بیان کرنا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ترجمہ کے الفاظ وہ ہوں جو ہمارے ہندی نسخوں میں واقع ہوئے ہیں یعنی بَاب قَوْلِ الرَّجُلِ مَا صَلَّيْنَا، بخاری کہتے ہیں کہ ماصلّینا کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ جو ہندی نسخوں سے مسئلہ ثابت ہوتا ہے وہی حافظ کے نسخہ سے بھی، اس لئے کہ جب آدمی نے نبی پاک ﷺ سے ماصلّینا کہہ دیا اور آپ نے اس پر نکیر نہیں کی تو معلوم

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوا کہ اس طرح کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس کے باوجود میرا رجحان ہندی نسخہ کے ترجیح کی طرف ہی ہے اس لئے کہ اس صورت میں ترجمہ حضور اکرم ﷺ کے قول مرفوع سے ثابت ہوگا۔

(ص ۸۹) باب الْإِمَامِ تَعْرِضُ لَهُ الْحَاجَةُ بَعْدَ الْإِقَامَةِ

٦٤٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ - هُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ - عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يُنَاجِي رَجُلًا فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ فَمَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ حَتَّى نَامَ الْقَوْمُ.

ترجمہ: باب، امام کو اقامت کے بعد کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس کا حکم۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (عشاء میں) نماز کی اقامت ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں ایک شخص سے آہستہ آہستہ بات فرماتے رہے، پھر نماز کے لئے کھڑے نہیں ہوئے یہاں تک کہ لوگ سونے لگے۔

تشریح: تعرض راء کے کسرہ کے ساتھ تظہر کے معنی میں ہے۔

فرماتے ہیں اگر تکبیر ہونے کے بعد امام کو کوئی حاجت پیش آجائے تو وہ اپنی ضرورت میں مشغول ہوسکتا ہے، تکبیر کے فوراً بعد اللہ أکبر کہنا ضروری نہیں ہے یہی جمہور علماء کا مسلک ہے، امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ جب مکبر قد قامت الصلاۃ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کردے، امام بخاری نے اس ترجمہ سے اس کی تردید فرمائی ہے۔

مگر میں یہ پہلے بتاچکا ہوں کہ اس میں احناف حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں، جہاں تکبیر ختم ہوئی تو امام صاحب اللہ أکبر کردیتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا جو مسلک ہے وہ صرف استحباب سے تعلق رکھتا ہے ورنہ امام محمد نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر امام تکبیر مؤخر کردے حتی کہ اقامت پوری ہوجائے اور اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہے یہ بھی جائز ہے، امام محمد فرماتے ہیں کلّ حسن یعنی قد قامت الصلاۃ پر تکبیر کہنا بھی جائز اور اقامت کے بعد تکبیر کہنا بھی جائز ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کے بعد یہ سمجھو اگر تکبیر ہو جانے کے بعد امام کسی ضرورت میں مشغول ہو گیا اور فصل یسیر ہے پھر تو تکبیر کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے اور اگر فصل طویل ہے تو اس صورت میں امام احمد اور امام ابن حزم کے یہاں تکبیر کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ اعادۂ تکبیر کے قائل ہیں، امام بخاری کے یہاں تکبیر کا اعادہ نہیں اسی لئے انہوں نے اعادۂ تکبیر کے متعلق کوئی لفظ ذکر نہیں فرمایا ہے۔

باقی ترجمہ میں مصنف نے امام کی تصریح اس لئے فرمائی ہے کہ امام ہی کا مسئلہ غور طلب ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ساری قوم کی نماز متعلق ہے اور مقتدیوں میں سے اگر کسی کو ضرورت پیش آجائے تو اس پر کوئی حد اور پابندی نہیں ہے وہ اپنی ضرورت کی وجہ سے نکل کر جا سکتا ہے۔

یہاں زین بن منیر نے ایک الگ بات شروع کر دی، وہ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے ترجمہ میں امام کی جو تخصیص کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ آدمی سے جو بات کر رہے تھے اس میں آپ کی اپنی حاجت تھی اسی لئے راوی کہتے ہیں وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاجِي رَجُلاً، اور اگر اس آدمی کی حاجت ہوتی تو حدیث میں ہوتا وَرَجل يُناجيه ایک آدمی حضور ﷺ سے بات چیت کر رہا تھا، لیکن ان کی یہ تقریر بے معنٰی ہے کیوں کہ مسلم شریف میں تصریح ہے کہ آدمی نے کھڑے ہو کر حضور ﷺ سے کہا یارسول اللہ! إن لی حاجة مجھ کو ضرورت ہے۔

أُقِيمَتُ الصَّلَاةُ: مسند احمد اور صحیح مسلم میں اسی حدیث میں وارد ہوا ہے أقيمت صلاة العشاء، اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ نماز عشاء کا واقعہ ہے۔

وَالنَّبِيُّ ﷺ يُنَاجِي رَجُلاً: یہ رجل کون ہے؟ بعض روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبیر القوم تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی فرشتہ تھا لیکن حافظ ابن حجر نے اس کو بعید قرار دیا، علامہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں ارشاد فرمایا ہے أما الرجل فلم يدر كه الشارحان یعنی اس کے دونوں شارح حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کو پتہ نہیں چل سکا کہ یہ کون آدمی ہے؟ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی تعیین معلوم ہو گئی الأدب المفرد للبخاری میں اس کی تعیین و تصریح وارد ہوئی ہے، بھئی! ہم نے الأدب المفرد کو دو مرتبہ اسی مقصد کے لئے دیکھا اور اپنے بعض دوستوں سے بھی دکھوایا کہیں بھی ادب مفرد میں اس شخص کے نام کی تصریح وارد نہیں ہوئی ہے بلکہ ادب مفرد میں یہ روایت صرف ایک جگہ ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ وہ اعرابی تھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۸۹) باب الكلام إذا أقيمت الصلاة

٦٤٤. حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى قَالَ: ثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ: سَأَلْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ عَنِ الرَّجُلِ يَتَكَلَّمُ بَعْدَ مَا تُقَامُ الصَّلَاةُ فَحَدَّثَنِي عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَعَرَضَ لِلنَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ فَحَبَسَهُ بَعْدَ مَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ.

ترجمہ: باب، نماز کے لئے اقامت کہنے کے بعد کلام کے حکم کا بیان۔

حمید طویل سے روایت ہے کہ میں نے ثابت بنانی سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جو نماز کی اقامت کے بعد گفتگو کرے تو انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ کی یہ روایت سنائی، انہوں نے فرمایا کہ نماز کے لئے تکبیر کہہ دی گئی، پھر آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص آیا جس نے آپ کو نماز کی اقامت ہو جانے کے بعد نماز شروع کرنے سے روکے رکھا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر تکبیر ہو جائے تو اس کے بعد بات چیت کی جا سکتی ہے۔

امام نووی نے لکھا ہے کہ امور مہمہ میں کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، غیر مہم امور میں کلام کرنا مکروہ ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب سے ان لوگوں پر رد کیا ہے جو مطلقاً کلام کرنے کو مکروہ کہتے ہیں، جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ امور مہمہ میں کلام کر سکتے ہیں اور غیر مہم امور میں نہیں، ابراہیم نخعی، ابن شہاب زہری اور حنفیہ کی طرف ابن ملقن نے مطلقاً کراہت کا قول منسوب فرمایا ہے، لیکن علامہ عینی نے اس پر تنقید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ حنفیہ بلاضرورت بات چیت کرنے کو مکروہ کہتے ہیں اور اگر بضرورت ہو تو ان کے یہاں بھی مکروہ نہیں، تو اب حاصل یہ نکلا کہ حضرات احناف بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں ان سے الگ نہیں ہیں، لہٰذا خواہ مخواہ حنفیوں کو مطعون قرار دینا ناانصافی ہے۔

واللہ تعالی أعلم وعلمه أتم وأحكم

Maktaba Tul Ishaat.com

(أبواب صلاة الجماعة و الإمامة)

(ص ۹۰) باب وُجوبِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

وقال الحسن: إن منعته أمه عن العشاء في الجماعة شفقة لم يطعها.

٦٤٥. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ لِيُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلاً فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ.

ترجمہ: باب، جماعت کی نماز کے واجب ہونے کا بیان، اور حسن بصری نے فرمایا کہ اگر کسی کی والدہ عشاء کی نماز کے باجماعت پڑھنے سے ازراہ شفقت منع کرے تو اس کی اطاعت نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے یہ پختہ ارادہ کیا کہ لکڑیوں کو جمع کرنے کا حکم دوں، انہیں جمع کر لیا جائے تو پھر نماز کے قائم کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لئے اذان دی جائے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ امام بن کر نماز پڑھائے پھر ان نمازیوں کو اپنی جگہ چھوڑ کر ان لوگوں کے پاس پہنچوں (جو جماعت میں نہیں آتے) اور ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگادوں، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر ان نہ آنے والوں میں سے کسی کو یہ علم ہو جائے کہ اس کو مسجد میں آنے سے ایک پُر گوشت ہڈی یا دو اچھے کُھر ملیں گے تو وہ عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہو جائے۔

تشریح: صلاۃ الجماعۃ کا مسئلہ مختلف فیہ مسائل میں سے ہے اور حضرت امام بخاری کی عادت شریفہ ہے کہ جب مسئلہ مختلف فیہ ہو تو وہ بت القول اور حتمی فیصلہ نہیں کیا کرتے ہیں بلکہ ترجمہ گول مول رکھا کرتے ہیں، مگر یہ بھی ان کی عادت مبارکہ ہے کہ جہاں اختلاف شدید ہو اور کسی ایک جانب کی دلیل قوی ہو اور دوسری

Maktaba Tul Ishaat.com

طرف کی دلیل اس کی مقاومت نہ کر سکتی ہو تو پھر حضرت امام بخاری کسی کی پرواہ کئے بغیر صاف صاف دوٹوک فیصلہ صادر فرمادیا کرتے ہیں، اور یہاں بھی مصنف نے یہی کیا ہے فرمادیا کہ صلاۃ الجماعۃ واجب ہے اور بظاہر اس سے مصنف نے وجوبِ عینی مراد لیا ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ جماعت فرض عین ہے یا فرض کفایہ، واجب ہے یا سنت؟

عطاء بن ابی رباح، اوزاعی، احمد بن حنبل، ابو ثور، ابن منذر، ابن خزیمہ، ابن حبان فرماتے ہیں کہ فرض عین ہے، داؤد ظاہری بھی فرضیت عینی کے قائل ہیں، اور ایک قدم آگے یہ بڑھایا کہ یہ شرطِ صحتِ صلاۃ ہے۔

امام شافعی کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ فرض کفایہ ہے، اسی کو امام نووی نے شرح مسلم میں مختار قرار دیا ہے، ابن الہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے عامة مشائخنا علیٰ أنها واجبة اور اس وجوب سے مراد احناف کا وجوب ہے جو فرض اور سنت کے درمیان کا درجہ ہے، ویسے مالکیہ، شافعیہ اور حنفیہ کا ایک ایک قول یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے۔

تو اب کل مجموعہ اقوال پانچ ہوگئے (۱) فرض عین ہے لیکن شرطِ صحتِ صلاۃ نہیں قاله أحمد وغیرہ (۲) فرض عین ہے لیکن شرطِ صحتِ صلاۃ ہے قاله داؤد (۳) فرض کفایہ ہے قاله الشافعي وأكثر أصحابه وبعض الحنفية والمالكية (۴) واجب ہے قاله عامة الحنفية (۵) سنت مؤکدہ ہے قاله الشافعية والمالكية والحنفية، ویسے حضرات مالکیہ میں سے ابن رشد اور ابن بشیر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ شہر میں جماعت فرض کفایہ ہے اور ہر مسجد میں سنت ہے اور ہر شخص کے حق میں مندوب ہے۔

امام بخاری جماعت کے فرض عین ہونے کے قائل ہیں اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ، حاصل استدلال یہ ہے کہ جناب رسول پاک ﷺ نے جماعت میں شرکت نہ کرنے والوں کے مکانات جلادینے کا ارادہ فرمایا، اگر جماعت فرض نہ ہوتی تو آپ ان لوگوں کے مکانات اور خود ان کو جلادینے کا ارادہ کیوں فرماتے؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر کے اعتبار سے بڑی قوی دلیل ہے۔

لیکن جو حضرات جماعت کو فرض عین نہیں کہتے ہیں وہ اس کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۱) حضور اکرم ﷺ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ایک آدمی کو کہوں کہ نماز کو قائم کرو اور میں ان کے مکان جلادوں تو آپ خود جماعت چھوڑ رہے ہیں، معلوم ہوا کہ جماعت واجب نہیں، مگر یہ جواب ضعیف ہے کیوں کہ یہ کیا ضروری ہے کہ آپ دوبارہ جماعت سے نماز نہیں پڑھیں گے۔

(۲) حضور پاک ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا لیکن کیا تو نہیں، معلوم ہوا کہ جماعت واجب نہیں ہے، اگر واجب ہوتی تو آنحضور ﷺ ایسا کر گزرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا ارادہ فرمانا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت واجب ہے، اور آپ کا سزا نہ دینا ممکن ہے اس وجہ سے ہو کہ آپ کا ارادہ فرمانا ہی ان کے حق میں تازیانہ عبرت بن گیا ہو اور وہ لوگ ترک جماعت سے باز آگئے ہوں۔

(۳) اگر جماعت واجب ہوتی تو حضور پاک ﷺ صراحۃً فرمادیتے لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ تثبیتِ وجوب کے لئے یہ کیا ضروری ہے کہ خاص طور سے وجوب کا لفظ ہی استعمال کیا جائے بلکہ معنیً ایسا قول بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے جو وجوب کے غیر پر محمول نہیں ہوسکتا ہے۔

(۴) حضور اکرم ﷺ نے اس سے مسلمانوں کو نہیں بلکہ منافقین کو مراد لیا ہے۔

علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بھلا حضور اکرم ﷺ کی مراد منافقین ہی ہوں اور مؤمنین مراد نہ ہوں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ نیز دوسرا اشکال یہ ہے کہ روایات میں یہ تصریح ہے کہ یہ لوگ اپنے مکانوں پر نماز پڑھتے تھے، ابوداؤد میں ہے یصلّون فی بیوتھم اور یہ ظاہر بات ہے کہ منافقین نہ اپنے گھروں پر نماز پڑھتے تھے اور نہ مسجد میں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا رجحان یہ ہے کہ اس سے مراد منافقین ہی ہیں، آئندہ یہی روایت ص ۹۰ پر باب فضل صلاۃ العشاء میں آرہی ہے قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، اس میں منافقین کے نام کی تصریح ہے لہٰذا انہیں پر محمول کرنا چاہئے، پھر حافظ فرماتے ہیں کہ یہاں منافقین سے مراد وہ منافقین ہیں جو نفاق عملی میں مبتلا تھے، اب اس صورت میں یہ حدیث جمہور کے قریب ہوجاتی ہے۔

مگر پھر یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ نفاق عملی کا ارتکاب کرنے والے کون لوگ تھے؟ وہی مؤمنین تھے جن سے عملی کوتاہیاں ہورہی تھیں، ظاہراً وہ مؤمنین کے ساتھ تھے اور عملی حیثیت سے ان سے چونکہ کوتاہیاں ہوتی تھیں تو گویا وہ منافقین کے ساتھ تھے اسی لئے تو نفاق عملی میں مبتلا سمجھے گئے، اور جس پر اتنی شدید سزا کا

Maktaba Tul Ishaat.com

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا وہ اس روایت کے طرز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جماعت چھوڑنا ہے اور ان کے جماعت چھوڑنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احراق بالنار کا ارادہ فرمایا۔

(۵) پانچواں جواب بعض علماء نے یہ دیا کہ یہ حدیثیں ابتداء امر کی ہیں اور وہ منسوخ ہو گئیں، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس میں احراق بالنار کا ذکر ہے جو منسوخ ہو چکا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لایعذّب بالنار إلا اللہ، پہلے جلانے کا حکم دیا تھا اور پھر یہ حکم لایعذب بالنار إلا اللہ کہہ کر منع فرما دیا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دعویٰ نسخ کمزور ہے اس لئے کہ نسخ صرف احتمال ہے، قاضی ابو الولید باجی کی رائے یہ ہے کہ احراق بالنار توبیخ کے طور پر ارشاد فرمایا تھا مقصود جلانا نہیں تھا۔

اور شرح ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ ہمارے عامۂ مشائخ اس کے وجوب کے قائل ہیں، تو یہ روایت عین مسلک حنفی کے مطابق ہے۔

البتہ ان روایتوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تارک جماعت کی نماز نہیں ہوگی اس لئے کہ دوسری روایتیں اس کی دلیل ہیں کہ منفرد کی نماز ہو جائے گی لہٰذا داؤد ظاہری کا قول مشکل ہے، مثلاً باب فضل صلاۃ الجماعۃ میں جو روایت آرہی ہے صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ ضِعْفًا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صلاۃ منفرد بھی صحیح اور صلاۃ الجماعۃ بھی صحیح، مگر صلاۃ الجماعۃ کو صلاۃ المنفرد پر فضیلت حاصل ہے، اور قاعدہ فضیلت کا یہ ہے کہ مفضل اور مفضل علیہ نفس فضیلت میں شریک ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ جیسے جماعت کی نماز صحیح ایسے ہی منفرد کی نماز بھی صحیح۔

ابو داؤد کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے صلاۃ الرجلین أزکی من صلاۃ رجل واحد، معلوم ہوا کہ دو کی نماز کو فضیلت ہے ایک کی نماز پر لیکن ایک کی نماز بھی صحیح ہے ورنہ أزکی کہنے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ: ان کے اوپر ان کے مکانات جلا دوں، یعنی وہ اندر ہوں اور اوپر سے آگ لگا دوں مکانوں کے اندر وہ جل جائیں۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم نے یہاں پہنچ کر ارشاد فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکان جلانے کا ارادہ فرمائیں تو وہ کیسے بچ سکتا ہے؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ جماعت کا اہتمام کرنا چاہئے۔

أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا: عرق وہ ہڈی کہلاتی ہے جس پر سے گوشت کا زیادہ حصہ اتار لیا گیا ہو اور کچھ

Maktaba Tul Ishaat.com

تھوڑا سا گوشت رہ گیا ہو۔

أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ: یا اچھے دو تیر ملیں گے یا دو اچھے کھر، اصل میں مرماۃ وہ جگہ کہلاتی ہے جس پر تیر اندازی کی جاتی ہے، اور ایک تفسیر اسکی کی گئی ہے ھی مابین ظلفی الشاۃ بکری کے دونوں کھروں کے مابین جو تھوڑا سا گوشت ہوتا ہے۔

لَشَهِدَ الْعِشَاءَ: اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے جس نماز میں شرکت نہ کرنے پر آگ سے جلانے کا ارادہ فرمایا تھا وہ نماز عشاء تھی، اور بعض روایات میں صبح و عشاء دونوں کا تذکرہ وارد ہوا ہے، مسلم کی ایک روایت میں جمعہ کا ذکر ہے، حضرت امام بیہقی کی رائے ہے کہ وہاں جمعہ بول کر جماعت ہی مراد ہے، امام نووی کی رائے ہے کہ وہ ایک مستقل حدیث ہے اور حضور پاک ﷺ نے ممکن ہے کہ تینوں نمازوں کے اندر شرکت نہ کرنے پر الگ الگ یہ ارادہ فرمایا ہو۔

(ص ۸۹) باب فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

وكان الأسود إذا فاتته الجماعة ذهب إلى مسجد آخر، وجاء أنس بن مالك إلى مسجد قد صلّي فيه فأذّن وأقام وصلّى جماعة.

٦٤٦ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً.

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيْدُ ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً.

٦٤٧ . حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اسمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي

Maktaba Tul Ishaat.com

الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسَةً وَعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذَٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ.

ترجمہ: باب، جماعت کی نماز کی فضیلت کا بیان۔

حضرت اسود بن یزید نخعی کی جماعت رہ جاتی تو وہ دوسری مسجد میں جاتے، حضرت انس بن مالکؓ اس مسجد میں آئے جہاں نماز ہو چکی تھی، تو انہوں نے اذان دی، اقامت کی اور جماعت سے نماز پڑھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا آدمی کی نماز سے ستائیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز، تنہا آدمی کی نماز سے پچیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز اپنے گھر کی یا اپنے بازار کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ وضو کرتا ہے اور اچھی طرح سے وضو کرتا ہے پھر مسجد میں آتا ہے تو وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ معاف کرتا ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، اے اللہ! اس پر اپنی رحمت نازل فرما، اے اللہ! اس پر رحم کر، اور تم میں سے کوئی بھی انسان جب تک نماز کا انتظار کر رہا ہے وہ برابر نماز ہی کے حکم میں ہے۔

تشریح: علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ ترجمۂ سابقہ کے منافی ہے اس لئے کہ گزشتہ ترجمہ میں مصنف نے یہ تصریح کی ہے کہ صلاۃ جماعت واجب ہے اور یہاں فرما رہے ہیں کہ صلاۃ جماعت فضیلت والی چیز ہے اور فضیلت والی چیز کے لئے واجب ہونا کیسے ضروری ہے؟

پھر خود اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کسی شیٔ کا واجب ہونا اس کے ذوالفضیلۃ ہونے کے منافی نہیں ہے، لہٰذا اب امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نماز با جماعت کو صلاۃ المنفرد پر فضیلت حاصل ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ علامہ زین بن منیر کا اشکال سخت تعجب خیز ہے، امام بخاری کی یہ عادت مطردہ ہے کہ وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

جہاں احکام بیان کرتے ہیں وہیں تشویق وترغیب کے لئے فضائل بھی ذکر فرمایا کرتے ہیں، چنانچہ ماقبل میں اس کی بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں اور آئندہ بھی آرہی ہیں، پھر اس ترجمہ کو ترجمۂ گزشتہ کے معارض قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا، بات یہ ہے کہ اوّلاً امام بخاری نے صلاۃ الجماعۃ کا حکم بیان فرمایا کہ یہ واجب ہے اور اس کے بعد پھر ترغیب کے لئے یہ باب منعقد فرمایا اور یہ بتلادیا کہ اس میں بہت بڑی فضیلت ہے۔

وَكَانَ الْأَسْوَدُ إِذَا فَاتَتْهُ الْجَمَاعَةُ: اسود کی جب جماعت فوت ہو جاتی تھی تو دوسری مسجد تشریف لے جایا کرتے تھے، علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ اسود کا دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے جانا؛ جماعت کی بڑی فضیلت کی دلیل ہے، ورنہ وہ اول وقت کی فضیلت اور براءت ذمہ کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانے کی تکلیف کیوں گوارا فرماتے۔

وَجَاءَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ: یہ اثر ابن ابی شیبہ اور ابو یعلیٰ نے موصولاً روایت کیا ہے، حضرت انسؓ مسجد میں تشریف لائے وہاں اذان اور جماعت ہو چکی تھی، پھر اذان واقامت کہی اور باجماعت نماز ادا کی، اس حدیث سے بھی ابن منیر وغیرہ فرماتے ہیں کہ جماعت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے ہے کہ حضرت امام بخاری نے یہ دونوں آثار ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جماعت کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی جبکہ مسجد میں نماز ادا کی جائے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور میں ماقبل میں بیان بھی کر چکا ہوں کہ اگر کوئی آدمی خارج مسجد نماز باجماعت ادا کرے تو وہ جماعت کی فضیلت موعودہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ فضیلت موعودہ مسجد میں نماز ادا کرنے پر موقوف ہے اور اگر خارج مسجد نماز ادا کی جائے تو اس پر فضیلت تو ضرور حاصل ہوگی کیوں کہ صلاۃ الرجلین أزکی من صلاۃ رجل واحد لیکن موعود فضیلت حاصل نہیں ہوگی، اور ایسا ہی شمس الائمہ حلوائی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

ان حضرات کے کلام سے یہ نکلتا ہے کہ اگر بلا عذر کوئی آدمی اپنے مکان میں نماز کی جماعت کر لے تو اس کی یہ نماز تو ہو جائے گی مگر اس کو فضیلتِ جماعت حاصل نہیں ہوگی، اور امام اُبّی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، متاخرین احناف میں سے علامہ ابراہیم حلبی، علامہ شرنبلالی اور علامہ طحطاوی وغیرہ نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت انسؓ کی حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔

مسجد میں جماعت ثانیہ: ۱۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک جماعت ثانیہ کی کراہت کے قائل ہیں، ۲۔ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ کوئی مضائقہ نہیں، ۳۔ حضرت امام شافعی سے دونوں روایتیں نقل کی گئی ہیں، ایک اباحت کی اور دوسری روایت امام ترمذی نے نقل کی ہے یصلون فرادی، یہی ان کا مشہور قول ہے، ۴۔ حضرات شافعیہ، امام نووی وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ جماعت ثانیہ ایسی مسجد میں جہاں امام راتب ہو مکروہ ہے ہاں البتہ اگر امام اجازت دے دے تو پھر مضائقہ نہیں، ۵۔ صاحب در مختار نے یہ لکھا ہے کہ جماعت ثانیہ مسجد محلہ میں اذان واقامت کے ساتھ مکروہ ہے اور اگر مسجد محلہ نہ ہو بلکہ راستہ کی مسجد ہو یا ایسی مسجد ہو جہاں امام ومؤذن نہ ہوں وہاں جماعت ثانیہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، ۶۔ قاضی ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر ہیئت اولیٰ پر جماعت کی جائے تب تو ہے مکروہ اور اگر ہیئت بدل کر دوبارہ جماعت کی جائے تو کوئی کراہت نہیں، مثلاً مسجد کے ایک کونہ میں نماز پڑھ لی جائے۔

یہ اثر ان لوگوں کی دلیل ہے جو مسجد میں جماعت ثانیہ کی اباحت کے قائل ہیں، اس کی دوسری دلیل ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے أن رجلا دخل المسجد وقد صلّى النبي ﷺ فقال: ألا رجل يتصدق على هذا فيصلي معه، فقام رجل فصلّى معه، رواه الترمذی اور بیہقی وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رجل کا مصداق حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جماعت ثانیہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لیکن جو حضرات کراہت کے قائل ہیں ان کے اصول پر یہ جواب ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ تغیر ہیئت کے ساتھ ہو، یہ جواب قاضی ابو یوسف کی اصل پر ہے، اور صاحب در مختار کے بیان پر یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ جماعت ثانیہ ضرور ہوئی تھی لیکن اذان واقامت کے ساتھ نہیں ہوئی تھی اور کراہت اذان واقامت کے ساتھ ہے، تیسرا جواب شافعیہ کے اصول پر یہ دیا جاسکتا ہے کہ جماعت ثانیہ ہوئی تھی لیکن باذن الامام اور اس کے بعد کراہت باقی نہیں رہتی ہے۔

صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ: آدمی کی باجماعت نماز کو اس کے گھر میں یا بازار میں نماز پڑھنے پر پچیس گنا بڑھا دیا جاتا ہے، اس حدیث کا مشہور مطلب تو یہی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دوسرا مطلب علامہ ابن رسلان نے رمادی سے نقل کیا ہے کہ تضعف کے معنیٰ ہیں دوچند کر دینا اور خمسۃ وعشرین ضعفاً کا مطلب ہے پچیس مرتبہ دوچند کرنا، تو اس لحاظ سے صلاۃ جماعت کی فضیلت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے کہ ایک مرتبہ دوچند کیا تو دو ہو گیا اور دوبارہ کیا تو چار ہو گیا اور سہ بارہ کیا تو آٹھ ہو گیا اور چوتھی مرتبہ کیا تو سولہ ہو گیا اور پانچویں مرتبہ کیا تو بتیس ہو گیا، غرضیکہ اسی طرح سے ہر درجہ پر دگنا کرتے چلے جائیں گے تو بہت زیادہ ہو جائے گا، اس لحاظ سے جماعت کی نماز کا ثواب ہزاروں ہزار درجہ ہو جاتا ہے۔

بہر حال اگر مشہور مطلب لیا جائے تو پھر اس صورت میں یہاں دو قسم کی روایتیں ہیں، ایک تو ابن عمرؓ کی روایت ہے اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ صلاۃ جماعت کو صلاۃ منفرد پر ستائیس درجہ فضیلت ہے، اور دوسری ابو سعیدؓ اور ابو ہریرہؓ کی روایتیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پچیس درجہ فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ ان روایتوں میں ترجیح دی جائے یا جمع کیا جائے یا کیا کیا جائے؟

بعض حضرات نے تو ستائیس والی روایت کو لاشتمالها على الزيادة راجح قرار دیا، اور بعضوں نے پچیس والی روایت کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ عام صحابۂ کرام نے پچیس ہی کا قول نقل کیا ہے، چنانچہ بخاری شریف میں ابو ہریرہؓ، ابو سعیدؓ سے پچیس کی تعداد وارد ہے، مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے اور سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ابی بن کعبؓ سے اور ابو العباس سراج کے مسند میں حضرت انسؓ اور عائشہؓ سے، اور اسی طرح سے طبرانی میں تقریباً ایک درجن اور صحابۂ کرام سے یہی مضمون نقل کیا گیا۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں ذكر العدد لاينفي غيره ایک عدد کے ذکر کرنے سے دوسرے کی نفی تھوڑے لازم آتی ہے؟

بعضوں نے یہ کہا ہے کہ آنحضور ﷺ کو ابتداءً پچیس درجہ ثواب بتلایا گیا تھا اور پھر اس کے بعد ستائیس کا ثواب بتلا دیا گیا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اصل میں نماز جماعت کے دو ثواب ہیں ایک ثواب اصلی اور دوسرا ثواب فضلی، ثواب اصلی تو یہ ہے کہ ایک عمل پر ایک ثواب اور ثواب فضلی پچیس ہے تو جس روایت میں پچیس کا ذکر ہے اس میں صرف ثواب فضلی کا ذکر ہے اور جس میں ستائیس کا ذکر ہے اس میں ثواب اصلی وفضلی دونوں کا ذکر ہے، اس لئے کہ اقل جماعت دو ہے اور دو آدمیوں کی نماز کے الگ الگ دو ثواب ہو گئے اور پھر مزید جماعت کا

Maktaba Tul Ishaat.com

ثواب اس پر پچیس درجہ بڑھ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس جواب پر دل کو تشفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ اگر اصلی و فضلی کی رعایت ملحوظ تھی تو دونوں کے اصلی و فضلی کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہئے تھی، یہ کیا کہ اصلی میں تو دونوں کی رعایت کی گئی اور فضلی میں صرف فضیلت کو بیان کر دیا گیا۔

بعض علماء نے اختلاف احوال مصلین وغیرہ کے اعتبار سے جواب دیا ہے۔

اب میں مختصر طور پر کئی جوابوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں مثلاً یہ کہ ا۔ نماز پڑھنے والا اعلم ہو یا اخشع ہو، ۲۔ یا یہ کہ دور سے آتا ہو، ۳۔ یا یہ کہ جماعت زیادہ ہو، ۴۔ یا یہ کہ داخل مسجد جماعت کی نماز ادا کرتا ہو، ۵۔ یا یہ کہ نماز کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہو، ۶۔ یا یہ کہ صرف فجر کی نماز ہو، ۷۔ یا یہ کہ صرف فجر وعصر کی نماز ہو، ۸۔ یا یہ کہ فجر وعشاء کی نماز ہو، ان سب صورتوں میں ستائیس درجہ اور اس کے مقابل میں پچیس درجہ حاصل ہوگا، یہ بہت سے جوابات ہوگئے اور یہی ہے وہ مضمون جس کا میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں آئندہ قدرے تفصیل ووضاحت سے بیان کروں گا۔

تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ ضِعْفًا: اس روایت میں صلاۃ فی الجماعۃ کو صلاۃ فی البیت وفی السوق پر فضیلت دی گئی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ صلاۃ فی البیت وفی السوق دونوں ثواب میں برابر ہوں اگرچہ مفضولیت میں تو دونوں برابر ہیں، لیکن جب ان دونوں میں موازنہ کیا جائے گا تو صلاۃ فی البیت کو صلاۃ فی السوق پر ترجیح حاصل ہوگی کیوں کہ سوق تو شر البقاع ہے۔

(ص ۹۰) باب فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي جَمَاعَةٍ

٦٤٨. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: تَفْضُلُ صَلَاةُ الْجَمِيعِ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ جُزْءً وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: واقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿إِنَّ قُرْءَانَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾.

Maktaba Tul Ishaat.com

قَالَ شُعَيْبٌ: وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: تَفْضُلُهَا بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً.

٦٤٩. حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمًا قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِ تَقُولُ: دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ، فَقُلْتُ: مَا أَغْضَبَكَ؟ قَالَ: وَاللهِ مَا أَعْرِفُ مِنْ أَمْرِ مُحَمَّدٍ ﷺ شَيْئًا إِلاَّ أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا.

٦٥٠. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى، وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ.

ترجمہ: باب، فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی فضیلت۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز، تم میں سے کسی کی تنہا نماز سے پچیس حصہ افضل ہے، اور یہ کہ فجر کی نماز میں دن کے اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، پھر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو اس آیت کو پڑھو ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ بیشک فجر کی قرآن کی تلاوت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

شعیب نے کہا کہ مجھ سے حضرت نافع نے ابن عمرؓ سے یہ روایت کیا کہ یہ نماز ستائیس درجہ افضل ہے۔

حضرت ام درداءؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابودرداءؓ میرے پاس آئے تو وہ بڑے غصہ میں تھے میں نے کہا کہ آپ کو کس بات پر غصہ آیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں محمد ﷺ کی شریعت کے احکام میں کسی چیز کو اپنے حال پر باقی نہیں پاتا ہوں الا یہ کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کے سب سے زیادہ ثواب کا مستحق وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آئے، اور وہ انسان جو نماز کے انتظار میں رہتا ہے تاکہ اس کو امام کے ساتھ پڑھے وہ ثواب میں اس انسان سے زیادہ ہے جو نماز پڑھے اور سو جائے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے پہلے تو مطلقاً صلاۃ الجماعۃ کی فضیلت بیان کی، اب اس باب میں خاص طور سے صلاۃ فجر کے بالجماعۃ ادا کرنے کی فضیلت بیان فرماتے ہیں، اور اس فضیلت میں حافظ ابن حجر کے طرز کے مطابق یا تو نفس فضیلت کا بیان کرنا مقصود ہے یا افضلیت کا بتلانا مقصود ہے، میرے نزدیک دوسرا احتمال محض احتمال ہی ہے، امام بخاری کا طرز اس بات پر دال ہے کہ وہ فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں چاہے وہ فضیلت کسی انداز

Maktaba Tul Ishaat.com

کی ہو، افضلیت کے درجہ کی ہو یا اور کچھ۔

امام بخاری نے اس باب میں تین روایتیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی روایت میں تو فجر کا صراحۃً ذکر ہے لہذا اس سے تو ترجمۃ الباب صراحۃً ثابت ہوتا ہے، اور دوسری روایت میں صلاۃ فجر کا کوئی تذکرہ نہیں مگر اس کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صلاۃ الجماعۃ کو صلاۃ المنفرد پر فضیلت حاصل ہے، اسی لئے حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا وَاللّٰہِ مَا أَعْرِفُ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا اور اس کے عموم میں صلاۃ فجر بھی داخل ہے، اور تیسری روایت سے امام بخاری نے اپنا ترجمہ استدلالی طور پر ثابت کیا ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد صلاۃ عشاء ہے۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کا تعلق صلاۃ فجر سے ہے اور روایت کا تعلق صلاۃ عشاء سے ہے تو پھر مصنف علامہ نے اپنا ترجمہ کیسے ثابت کیا؟

علامہ زین بن منیر نے اس کا جواب یہ دیا کہ جب صلاۃ عشاء کو باجماعت ادا کرنے میں فضیلت ہے تو صلاۃ فجر کو باجماعت ادا کرنے میں بدرجۂ اولیٰ فضیلت ہوگی، اس لئے کہ ایک بات میں تو دونوں شریک ہیں کہ جیسے عشاء کی نماز میں آدمی تاریکی میں چل کر مسجد میں آتا ہے ایسے ہی فجر کی نماز میں بھی تاریکی میں چل کر مسجد میں آتا ہے، لیکن ایک چیز میں نماز فجر عشاء سے بڑھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی میٹھی نیند چھوڑ کر نماز جماعت کے لئے حاضر ہوتا ہے، تو گویا حضرت امام بخاری نے پہلی حدیث سے ترجمہ نصاً، دوسری سے عموماً اور تیسری سے استدلالاً ثابت فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى: امام مسلم نے بھی یہ حدیث اسی سند سے تخریج کی ہے، تو حضرات شیخین اس روایت کی تخریج کرنے میں ایک ہی سند اور ایک ہی استاذ میں متفق ہیں۔

(ص ۹۰) باب فَضْلِ التَّهْجِيرِ إِلَى الظُّهْرِ

٦٥١. حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ

Maktaba Tul Ishaat.com

السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَه. ثُمَّ قَالَ: الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ: الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِيقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَقَالَ: لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا لَاسْتَهَمُوا عَلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا.

ترجمہ: باب، ظہر کی نماز کے اول وقت مسجد میں جانے کی فضیلت۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک شخص نے راستہ طے کرتے ہوئے کانٹوں کی ایک شاخ کو راستہ میں پڑا ہوا پایا تو اس کو ہٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبولیت عطا کی اور اس کی مغفرت فرمادی، پھر آپ نے فرمایا کہ شہید پانچ ہیں، ایک طاعون کی وبا سے مرنے والا، دوسرا پیٹ کے مرض میں مرنے والا، تیسرا ڈوب کر مرنے والا، چوتھے دب کر مرنے والا، پانچویں اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو وہ ثواب معلوم ہو جائے جو اذان دینے اور نماز کی صف اول کو حاصل کرنے میں ہے اور پھر وہ قرعہ اندازی کے علاوہ کوئی صورت نہ پائیں تو ضرور قرعہ اندازی کریں، اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ظہر کے لئے سویرے جانے میں کیا ثواب ہے تو وہ اس کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں، اور اگر لوگوں کو عشاء اور فجر کی نماز میں آنے کا ثواب معلوم ہو جائے تو ان دونوں نمازوں میں ضرور حاضر ہوں خواہ انہیں گھٹنوں کے بل آنا پڑے۔

تشریح: ابوعبید ہروی فرماتے ہیں کہ تهجير إلى الظهر سے مراد تبكير إلى الظهر ہے یعنی سویرے ظہر کی نماز میں شرکت کی نیت سے چلنے کی فضیلت۔

خلیل بن احمد کی رائے یہ ہے کہ یہ اپنے ظاہری مراد پر محمول ہے اور اس سے مراد صلاۃ ظہر میں اول وقت میں آنا ہے، اس لئے کہ تہجیر ماخوذ ہے ہاجرہ سے اور ہاجرہ کہتے ہیں اس سخت گرمی کو جو نصف النہار میں ہوتی ہے، اس کو ہاجرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس وقت لوگ چلنا پھرنا ترک کر دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مصنف کے نزدیک اول وقت میں ظہر کی نماز ادا کرنا افضل ہے۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ماقبل میں مصنف نے ابراد بالظہر کا ترجمہ منعقد کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ ظہر کی نماز کو گرمی کے زمانہ میں ٹھنڈے وقت میں پڑھنا افضل ہے۔

اس کا جواب حافظ ابن حجر اور ان کی اتباع میں علامہ عینی نے یہ دیا کہ اصل میں دو چیزیں ہیں، ایک عزیمت اور دوسرے رخصت، حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے درجۂ عزیمت کو بیان فرمایا ہے اور باب الابراد سے درجۂ رخصت کو بیان فرمایا ہے، یہ جواب حافظ ابن حجر عسقلانی کے اصول پر تو صحیح ہے کیوں کہ حضرات شافعیہ کے یہاں اصلاً اولیٰ یہی ہے کہ نماز ظہر کو اس کے اول وقت میں ادا کیا جائے مخصوص قیود کے ساتھ، وہ لوگ ابراد کو مستحب قرار دیتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک تہجیر والی روایت تو اصل ٹھہرے گی اور باقی روایتوں کی وہ تاویل کریں گے، اس کو رخصت پر محمول کریں گے اور امر ارشادی قرار دیں گے۔

لیکن حضرت علامہ عینی کا یہ جواب دینا ان کے مسلک کے پیش نظر صحیح نہیں ہے کیوں کہ حنفیہ اور باقی ائمہ امام مالک اور امام احمد کی طرح سے ابراد کو افضل قرار دیتے ہیں، لہٰذا ابراد کو رخصت کہنا اور تہجیر کو عزیمت کہنا جمہور اور حنفی مسلک کے خلاف ہے۔

ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ تہجیر ہاجرہ سے ماخوذ ہے اور ہاجرہ نصف النہار کی گرمی کو کہا جاتا ہے لیکن نصف النہار تو ایک عام چیز ہے ہاجرہ میں اس کے اطراف بھی شامل ہوں گے، لہٰذا مابعد کے وقت کو بھی ہاجرہ میں شامل کر لیا گیا ہے اور وہ وقت اگرچہ ابراد کے حدود سے پہلے ختم ہو جاتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ابراد کے حدود پر بھی اس کا اطلاق بایں معنیٰ کر دیا جائے کہ اگر کوئی مسجد میں نماز کے لئے دور سے آئے تو وقت ابراد میں نماز پڑھنے کا موقع ملنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے چل کر آئے اور جب وہ پہلے سے چل کر آئے گا تو یقیناً گرمی میں چل کر آئے گا، لہٰذا ایسے شخص کے حق میں بھی تہجیر کی وارد فضیلتیں حاصل ہوں گی۔

یہی وہ بات ہے جس پر میں نے ماقبل میں متنبہ کیا تھا کہ علامہ عینی کہیں تو حافظ کی کاٹ کر دیتے ہیں اور کہیں ایسا ہوتا ہے کہ وہ سوچ نہیں پاتے اور نقل کر لیتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ حافظ نے شرح لکھی ہے جوانی کے زمانہ میں اور ادھیڑ عمر تک پوری کر دی، اور علامہ نے لکھی بڑھاپے کے زمانہ میں، حافظ کے تلامذہ موجود تھے ان سے بحث ہوا کرتی تھی اور علامہ عینی کو یہ صورتحال نصیب نہیں ہو سکی اس لئے شرحِ حافظ؛ شرحِ عینی پر فائق ہے، اگرچہ نقول فقہیہ کے لحاظ سے عینی کو فتح الباری پر بہت سی جگہوں میں فوقیت ہو جاتی ہے لیکن جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے وہ حافظ ہی کو حاصل ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ: شہداء پانچ ہیں، مطلب یہ ہے کہ شہید کے متعلق یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ وہ قتیل المعرکہ ہی پر بولا جاتا ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی کچھ حکمی شہداء ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ شہید کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو دنیا اور آخرت دونوں میں شہید ہے اور دوسرا وہ جو صرف حکم آخرت کے لحاظ سے ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شہید کی تین قسمیں ہیں، شہید فی الدنیا والآخرۃ، شہید فی الدنیا لا الآخرۃ اور شہید فی الآخرۃ لا الدنیا، اول تو وہ شخص ہے جو معرکۂ جہاد میں اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبہ سے شامل ہوا اور قتل ہو گیا، اور دوسرا وہ شخص ہے جو معرکہ میں نام آوری کی غرض سے یا کسی نیت فاسدہ سے شامل ہوا اور قتل ہو گیا، اور تیسرے وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں احادیث میں خاص خاص امور پر ان کو درجۂ شہادت حاصل ہونے کی خبر دی گئی ہے، ایسے لوگ بہت سے ہیں اور ان کی تعداد روایات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پچاسی (۸۵) سے متجاوز ہے۔

اَلْمَطْعُوْنُ: مطعون وہ شخص کہلاتا ہے جو طاعون میں وفات پا جائے۔

وَالْمَبْطُوْنُ: اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ جس کو استسقاء کی بیماری ہو، بعضوں نے کہا ہے کہ جس کو اسہال کا مرض ہو، اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس کو پیٹ کا کوئی بھی مرض ہو، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جس کے پیٹ میں تکلیف رہتی ہو، اخیر کے دونوں قول میں فرق یہ ہے کہ قول نمبر تین پر مطلقاً پیٹ کا مرض مراد ہے چاہے وقتی ہی سہی اور قول نمبر چار پر پیٹ کا وہ مرض مراد ہے جو اکثری یا لازمی ہو۔

وَصَاحِبُ الْهَدْمِ: وہ شخص جو دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر کے مر جائے۔

(ص ۹۰) باب اِحْتِسَابِ الْآثَارِ

٦٥٢ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا بَنِي سَلِمَةَ أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ.

وَزَادَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسٌ أَنَّ

Maktaba Tul Ishaat.com

بَنِي سَلِمَةَ أَرَادُوا أَنْ يَتَحَوَّلُوا عَنْ مَنَازِلِهِمْ فَيَنْزِلُوا قَرِيبًا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فَكَرِهَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُعْرُوا الْمَدِينَةَ، فَقَالَ: أَلاَ تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ.

قَالَ مُجَاهِدٌ: خُطَاهُمْ آثَارُ الْمَشْيِ فِي الأَرْضِ بِأَرْجُلِهِمْ.

ترجمہ: باب، نشانات قدم پر ثواب کی امید رکھنا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے بنو سلمہ! کیا تم اپنے نشانات قدم پر ثواب کی توقع نہیں رکھتے؟ اور دوسری سند سے حضرت انسؓ ہی سے یہ اضافہ منقول ہے کہ بنو سلمہ نے یہ چاہا کہ وہ اپنے گھروں کو تبدیل کرلیں اور رسول اللہ ﷺ سے قریب رہنے لگیں تو حضور پاک ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ وہ مدینہ (کے اس حصہ) کو خالی کردیں اور فرمایا کہ کیا تم اپنے نشانات قدم پر ثواب کی توقع نہیں رکھتے، مجاہد نے کہا کہ (سورۂ یٰسین میں) واثارھم سے قدم مراد ہے یعنی پیروں سے زمین پر چلنے کے نشانات۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے فضل تہجیر کا ترجمہ منعقد کیا تھا، اب یہ ترجمہ منعقد کرکے اس بات پر متنبہ کرتے ہیں کہ جب آدمی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گرمی میں آئے تو گھبرانا نہ چاہئے بلکہ اپنے اس فعل کو محض اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے سمجھنا چاہئے تاکہ اس پر اس کو اجر و ثواب ملے، اس لئے کہ یہ اقدام اس کے حق میں طاعت بنے گا اور حسنات لکھی جائیں گی۔

ہر طاعت کے لئے چلنا موجب اجر ہے: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے مطلقاً احتساب الآثار فرمایا تاکہ اس میں ہر طاعت میں ہر چلنا داخل ہو جائے، چاہے وہ چلنا طلب علم کے لئے ہو یا جہاد کے لئے ہو اور چاہے کسی مسلمان کی مدد کرنے کے لئے ہو یا اور کسی نیک کام کے لئے ہو۔

چھوٹے قدم اور لمبے قدم کا فرق: احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی مسجد کی طرف جو قدم اٹھاتا ہے وہ سارے قدم اس کے لئے حسنات بن جاتے ہیں اور نیکی بنا کر لکھے جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا مکان مسجد سے دور ہے تو اس کے اقدام زیادہ ہوں گے لہٰذا اس کی حسنات زیادہ ہوں گی، لیکن اگر کوئی شخص مسجد کے قریب رہتا ہے اور وہ ثواب کی تکثیر کی نیت سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہے حتی کہ اس کے اقدام کی تعداد بعید الدار کے برابر ہو جاتی ہے تو کیا اجر و فضیلت میں یہ قریب الدار

Maktaba Tul Ishaat.com

اس بعید الدار کے برابر ہو جائے گا؟

ابن جریر طبری کی رائے ہے کہ ہو جائے گا، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہاں ایک فیصلہ کن بات کہی ہے فرماتے ہیں کہ تعداد میں تو برابری ہو جائے گی لیکن یہ ظاہر ہے کہ دور سے آنے والے کے خطوات واقدام چونکہ وسیع ہوں گے لہذا اس پر مشقت زیادہ ہوگی اور قریب سے آنے والے کے اقدام چھوٹے ہیں اس میں مشقت کم ہوگی لہذا کیفیت کے اعتبار سے ان حسنات میں فرق ہو جائے گا۔

فَكَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعْرُوا الْمَدِينَةَ: دوسری روایات میں یہ تصریح ہے کہ بنو سلمہ؛ مدینہ کے ایک طرف رہا کرتے تھے انہیں معلوم ہوا کہ مسجد نبوی کے قریب میں کچھ جگہ خالی ہوگئی ہے تو وہاں منتقل ہونے کا ارادہ کیا، اس پر آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا دیار کم تکتب اثار کم اور آنحضور ﷺ نے یہ پسند نہیں کیا کہ بنو سلمہ اپنی جگہ سے منتقل ہو کر مسجد نبوی کے قریب آجائیں، گویا حضور ﷺ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اطراف مدینہ میں آباد رہیں تاکہ اگر مسلمانوں کے خلاف کفار کوئی سازش کریں تو سرکار دوعالم ﷺ کو اس کی اطلاع ملتی رہے، آپ نے اس کے ساتھ بنو سلمہ کو یہ کہہ دیا کہ اگرچہ تمہارا مکان دور ہے لیکن تمہارے حق میں تمہارے اقدام حسنات بنیں گے۔

حضرت گنگوہی کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں علتوں کی وجہ سے حضور ﷺ نے ان کو مسجد کے قریب منتقل ہونے سے منع کیا، ایک تو یہ کہ مدینہ کا کوئی حصہ مسلمانوں سے خالی نہ ہو جائے اور دوسرے یہ بات تھی کہ ان کی حسنات میں کمی نہ ہو جائے۔

مگر مجھے اس ارشاد میں تھوڑا سا اشکال ہے (کہ دو علتوں کی وجہ سے آپ ﷺ نے منع فرمایا)۔

اور وہ یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک دار قریبہ من المسجد؛ دار بعیدہ من المسجد سے افضل ہے، صرف ابن سید الناس اور ابن عماد دار بعیدہ کو افضل قرار دیتے ہیں اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ کی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو ابھی گزری ہے أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى، اور حضرت انسؓ کی اس روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے بنو سلمہ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ، بعض دیگر الفاظ میں ہے دیار کم تکتب اثار کم۔

لیکن جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ مکان جو مسجد کے قریب ہو اس مکان سے افضل ہے جو مسجد سے بعید ہو اس

Maktaba Tul Ishaat.com

لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان مسجد سے بالکل متصل تھا، نیز مسجد اللہ تعالیٰ شانہ کا گھر ہے تو قرب من بیت اللہ بُعد من بیت اللہ سے افضل ہو گا، نیز ہر وقت اذان کی آواز مکان تک پہنچتی رہے گی، نیز جماعت کے ملنے کے زیادہ امکانات ہیں، خیر کی مجالس میں شرکت زیادہ ہو سکتی ہے، لہٰذا دار قریبہ دار بعیدہ سے افضل ہو گا، نیز ایک حدیث میں یہ تصریح وارد ہوئی ہے کہ دار قریبہ کو دار بعیدہ پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے غازی کو قاعد پر حاصل ہے فضل الدار القريبة على الدار البعيدة كفضل الغازي على القاعد، رواه أحمد بإسناد فيه مقال۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ دار قریبہ دار بعیدہ سے افضل ہے تو پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انتقال کو اس وجہ سے کیوں ناپسند فرمائیں گے کہ نیکیوں میں کمی ہو جائے گی؟ اس لئے کہ اگر اقدام کی نیکیاں کم ہو جائیں تو ہو جائیں اس سے بڑی فضیلت ان کو حاصل ہو جائے گی کہ وہ مسجد کے قریب ہو جائیں گے۔

لہٰذا اصل علت وہی ایک علت ہے جو بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتی ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے ناپسند فرمایا تھا تاکہ مدینہ کا کوئی جانب مسلمانوں سے خالی نہ ہونے پائے تاکہ مسلمانوں کے خلاف کفار و منافقین اگر کوئی سازش کریں تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملتی رہے، اور اس کے ساتھ آپ نے یہ فرمادیا کہ تمہارا وہاں دور رہنا تمہارے حق میں اس معنیٰ کر مفید ہے کہ تم جب مسجد آؤ گے تو تمہارے اقدام تمہارے لئے حسنات بنتے چلے جائیں گے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: خُطَاهُمْ آثَارُ الْمَشْيِ فِي الْأَرْضِ بِأَرْجُلِهِمْ: ابو محمد اصیلی کی روایت میں اسی طرح سے واقع ہوا ہے، اور دوسری روایات میں ہے وَقَالَ مُجَاهِدٌ فِي قَوْلِهِ ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ﴾ قَالَ: خُطَاهُمْ، اور مجاہد کا یہ اثر عبد بن حمید وغیرہ نے روایت فرمایا ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہی بنو سلمہ کا قصہ ہے اور اس کی تصریح سنن ابن ماجہ اور تفسیر ابن جریر طبری اور طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں وارد ہوئی ہے، مگر حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس باب میں کوئی شئی مرفوع منقول نہیں ہے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ امام ترمذی نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک روایت کتاب التفسیر میں نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو سلمہ کا قصہ معلوم ہوا اور آیت کا نزول ہوا، حافظ ابن کثیر کی رائے ہے کہ وہ متن غریب ہے اس واسطے کہ پوری سورت مکی ہے، ابو حیان بھی فرماتے ہیں کہ پوری سورت مکی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے، لیکن بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس سے یہ آیت مستثنیٰ ہے، حافظ ابن کثیر اس استثناء کے دعویٰ پر مطمئن نہیں ہیں مگر اس کی سند چونکہ صحیح ہے اس لئے اگر استثناء کا دعویٰ کیا جائے تو کوئی بعید بات نہیں ہے۔

(ص ۹۰) باب فَضْلِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ

٦٥٣. حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيمَ ثُمَّ آمُرَ رَجُلاً يَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ آخُذَ شُعَلاً مِنْ نَارٍ فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ.

ترجمہ: باب، عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنے کی فضیلت۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافقین پر فجر اور عشاء سے بھاری کوئی نماز نہیں ہے اور اگر انہیں ان نمازوں میں پائی جانے والی فضیلت کا علم یعنی مشاہدہ ہو جائے تو وہ ان دونوں نمازوں میں ضرور آئیں، خواہ انہیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے، اور میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں موذن کو حکم دوں کہ وہ اقامت کہے اور پھر ایک اور شخص کو حکم دوں کہ وہ امامت کرے، اور پھر میں آگ کے شعلے لے لوں اور ان لوگوں کو جلادوں جو اذان سننے کے بعد بھی مسجد میں نہیں آتے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس سے پہلے باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ کا ترجمہ منعقد کیا تھا اور اب یہاں فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ کا ترجمہ منعقد کر دیا، گویا امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جیسے نماز فجر کو باجماعت ادا کرنے کی فضیلت ہے ایسے ہی نماز عشاء باجماعت ادا کرنے کی بھی فضیلت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس فضل میں دو احتمال ہیں، یا تو نفس فضیلت مراد ہے یا افضلیت مراد ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہی دوسرا احتمال ظاہر ہے اس واسطے کہ حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ نماز عشاء نماز فجر کے برابر ہے اور نماز فجر کی افضلیت ثابت ہو چکی ہے تو نماز عشاء کی بھی افضلیت ثابت ہو گی۔

میری سمجھ میں حافظ کی یہ تقریر نہیں آئی، اس طرح کے احتمالات حافظ نے کئی جگہ پیدا کئے ہیں اور میں

Maktaba Tul Ishaat.com

بار بار یہ بتلا چکا ہوں کہ حضرت امام بخاری کی یہ عادت مطردہ ہے کہ احکام کے بیان کے ساتھ ساتھ فضیلت بھی بیان کرتے چلتے ہیں، یہاں بھی یہی امام بخاری نے کیا ہے، پہلے مطلق نماز جماعت کی فضیلت بیان کی اور اس کے بعد خاص خاص نمازوں کے باجماعت ادا کرنے کی خصوصی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔

نیز یہ بات سمجھو کہ حضرت امام بخاری نے ابواب المواقیت میں ایک ترجمہ منعقد کیا تھا باب فضل صلاۃ العشاء، اس کا تعلق مطلقاً نماز عشاء سے ہے اور اس باب کا تعلق عشاء کے باجماعت ادا کرنے سے ہے۔

فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ: ای بعد سماع النداء۔

(ص ۹۰) باب اثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ

٦٥٤. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا.

ترجمہ: باب، دو یا دو سے زیادہ سے جماعت کا بیان۔

حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کا وقت آجائے تو دونوں میں کوئی ایک اذان دے اور اقامت کہے، اور تم دونوں میں جو بڑا ہے وہ نماز کی امامت کرے۔

تشریح: یہ بات بھی میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ یہ امام بخاری کی عادت شریفہ ہے کہ جب کوئی روایت ان کی شرط کے مطابق نہ ہو اور اس کا مضمون صحیح ہو تو وہ اس روایت کو ترجمہ بنا دیتے ہیں اور اپنی روایت سے اس کو مؤید فرما دیتے ہیں، یہاں بھی یہی صورتحال ہے کہ ایک حدیث ہے اثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ یہ حدیث متعدد صحابۂ کرام سے منقول ہے، ابن ماجہ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے اور ابو القاسم بغوی نے حکم بن عمیرؓ سے، دار قطنی نے السنن میں بطریق عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہٖ اور امام بیہقی نے حضرت انسؓ سے اور طبرانی نے حضرت ابو امامہؓ سے تخریج کی ہے۔

دو سے جماعت کا تحقق: اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے متحقق ہونے کے لئے دو آدمی کافی ہے، اگر دو آدمی نماز پڑھ لیں تو جماعت متحقق ہو گئی اور جو صلاۃ الجماعۃ کی فضیلت ہے وہ اس پر مرتب ہو گی اس

Maktaba Tul Ishaat.com

میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، شیخ ابو حامد وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

البتہ ایک مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جو صلوات خمسہ کا حکم ہے وہی نماز جمعہ کا بھی حکم ہے یا نماز جمعہ کے لئے کوئی مخصوص عدد ضروری ہے؟ ظاہر یہ تو کہتے ہیں کہ کوئی فرق نہیں ہے، جیسے صلوات خمسہ میں دو آدمیوں سے جماعت متحقق ہو جاتی ہے ایسے ہی صلاۃ جمعہ بھی متحقق ہو جائے گی، لیکن باقی ائمہ فرماتے ہیں کہ دیگر نمازوں میں اور نماز جمعہ میں فرق ہے، دیگر نمازوں میں تو جماعت کے لئے دو آدمی کافی ہیں ایک امام اور دوسرا مقتدی۔

نماز جمعہ کیلئے کتنا عدد مطلوب ہے؟ مگر نماز جمعہ کے لئے مزید عدد ضروری ہے، اب کے بعد پھر حضرت امام ابو حنیفہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ تین آدمی چاہیئے، صاحبین فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ دو آدمی چاہیئے، امام مالک سے منقول ہے کہ جمعہ کے لئے بیس کی جماعت شرط ہے اور بقولے تیس کی، حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ نماز جمعہ میں چالیس آدمی ہونے چاہئیں اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے، امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ پچاس آدمی ہونے چاہئیں۔

حضرت امام بخاری نے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کہی، یہاں تو یہ مسئلہ میں نے ضمناً بیان کر دیا ہے اصل تو ابواب جمعہ کا ہے لیکن ابواب جمعہ میں بھی امام بخاری نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے اور ان کے ترجمہ سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے۔

اقل جمع کیا ہے؟ ایک اور مسئلہ ہے کہ اقل جمع کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، بعض علماء جس میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد شامل ہیں فرماتے ہیں کہ اقل جمع تین ہے، امام مالک اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ اقل جمع دو ہے، اس مسئلہ کو علامہ ابن بطال نے یہاں ذکر کر دیا، علامہ زین بن منیر نے تردید کی اور یہ لکھا کہ اس مسئلہ کا تعلق یہاں نہیں ہے اس لئے کہ نماز کا تعلق تو جماعت سے ہے نہ کہ جمع سے ہے، لہٰذا اس کو یہاں پر ذکر کرنا بظاہر بے محل ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حضرت امام بخاری نے اس روایت سے اپنا مدعا یوں ثابت فرمایا ہے کہ اگر رسول پاک ﷺ کے نزدیک دو آدمیوں کی نماز الگ الگ نماز کے برابر ہوتی تو پھر آنحضور ﷺ جماعت کا مکلف کیوں قرار دیتے؟ جیسے یہ فرمادیا تھا فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا ایسے ہی یہ فرمادیتے ثم صلیا پھر تم دونوں نماز پڑھ لینا، یہ کیوں

Maktaba Tul Ishaat.com

فرمایا کہ جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے؟ معلوم ہوا کہ دو آدمی اگر ہوں تو جماعت متحقق ہو جاتی ہے ایک امام بن جائے اور دوسرا مقتدی بن جائے گا۔

(ص ۹۰) باب مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ

٦٥٥. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا دَامَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ لَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْقَلِبَ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا الصَّلَاةُ.

٦٥٦. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ إِخْفَاءً حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ.

٦٥٧. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سُئِلَ أَنَسٌ: هَلِ اتَّخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَاتَمًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، أَخَّرَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ بَعْدَ مَا صَلَّى فَقَالَ: صَلَّى النَّاسُ وَرَقَدُوا وَلَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوهَا، قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ.

ترجمہ: باب، مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والوں کے ثواب اور مسجدوں کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے تم میں سے ہر کسی کو اس وقت تک نزول

Maktaba Tul Ishaat.com

رحمت کی دعائیں دیتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ میں بیٹھا رہتا ہے اور جب تک کہ وہ اپنا وضو برقرار رکھتا ہے کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرمادے، اے اللہ اس پر رحم فرما، تم میں ہر کوئی نماز ہی میں رہتا ہے جب تک کہ وہ نماز کے لئے رکا رہے، اور اس کو اپنے گھر لوٹنے سے نماز کے علاوہ اور کوئی چیز روکنے والی نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات طرح کے افراد ایسے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن خدا کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ایک انصاف کرنے والا امام، دوسرے وہ جوان جس نے اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہوئے نشو ونما پائی ہو، تیسرے وہ انسان جس کا دل مسجدوں ہی میں پڑا رہتا ہے، چوتھے وہ دو انسان جنہوں نے اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کی، اسی کے نام پر وہ جمع ہوتے ہیں اور اسی کے نام پر وہ علاحدہ ہوتے ہیں، پانچویں وہ انسان جس کو کسی مرتبہ اور حسن والی عورت نے بلایا تو اس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو گناہ سے بچالیا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں، چھٹے وہ انسان جس نے پردہ داری کے ساتھ صدقہ دیا حتی کہ اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے، ساتویں وہ انسان جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی دونوں آنکھیں بہنے لگیں۔

حضرت انسؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا رسول پاک ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تھی؟ جواب میں فرمایا کہ جی ہاں، ایک رات میں عشاء کی نماز آدھی رات تک مؤخر ہوگئی، نماز کے بعد رسول پاک ﷺ نے روئے مبارک ہماری طرف کیا اور فرمایا کہ سب لوگ نماز پڑھ چکے اور سو گئے اور تم لوگ برابر نماز ہی میں شمار کئے جاؤ گے، جب تک کہ نماز کے انتظار میں رہو گے، حضرت انسؓ نے فرمایا (کہ وہ بات مجھ کو پوری طرح یاد ہے) گویا میں آپ کی انگوٹھی کی چمک کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مقتدیوں کو تنبیہ کی ہے کہ اگر اتفاق سے مسجد میں کچھ دیر ہو جائے تو اکتانا اور گھبرانا نہ چاہئے اس لئے کہ ایسا شخص بہر حال نماز کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے اور جو آدمی نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو اس کو فضیلت حاصل ہوتی ہے، اس سے اشارۃً یہ بات نکلتی ہے کہ حدیث باب میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ اس شخص کے لئے ہے جو نماز کے انتظار میں بیٹھے، اور اگر کسی اور مقصد کے تحت بیٹھا ہو تو پھر اس کو کوئی فضیلت حاصل نہیں مثلاً ویسے ہی جا کر آرام کی نیت سے بیٹھ گیا یا کسی سے بات کرنے کے لئے بیٹھ گیا ایسے شخص کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ اس جزء کو ذکر کر کے میرے نزدیک امام بخاری نے ایک خاص امر پر تنبیہ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو فضیلت حدیث پاک میں ذکر کی گئی ہے کہ ایسا شخص جو انتظار میں بیٹھا ہوا ہو جب تک وہ اپنے مصلے پر رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہتے ہیں یہ اسی وقت حاصل ہوگی جبکہ

Maktaba Tul Ishaat.com

آدمی مسجد میں بیٹھا ہوا ہو، اس فضیلت میں مسجد کو دخل ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ: یہ حدیث ما قبل میں گزر چکی ہے اور میں مفصلاً اس پر کلام کر چکا ہوں اور امام ابوداؤد نے بھی اسی سند سے یہ روایت نقل کی ہے۔

سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِي ظِلِّہٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّہٗ: سات آدمی ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ شانہ ایسے دن اپنے سایہ میں رکھیں گے جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔

اس میں دو بحثیں ہیں، اول تو یہ کہ ظلّ اللہ سے کیا مراد ہے؟ اور دوسرے یہ کہ سبعۃ کا عدد کیسا ہے تحدید کے لئے ہے یا نہیں؟

ظلّ سے کیا مراد ہے؟ ظلّ کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ اس سے ظلِ طوبیٰ مراد ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ظلِ جنت مراد ہے، مگر ان دونوں پر اشکال یہ ہے کہ پھر اس میں ان سات کی کیا خصوصیت ہے بلکہ جتنے بھی جنت میں ہوں گے سب کو جنت کا سایہ حاصل ہوگا۔

بعض حضرات کی رائے ہے کہ اللہ کے عرش کا سایہ مراد ہے جو قیامت کے دن ہوگا، امام قرطبی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی راجح بھی ہے، اس لئے کہ سعید بن منصور نے سلمان فارسیؓ سے نقل کیا ہے اس میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے، نیز یہ روایت آئندہ کتاب المحاربین میں آرہی ہے اس میں ہے یظلھم اللہ یوم القیامۃ فی ظلہ اس سے بھی بظاہر یہی معنیٰ نکلتے ہیں نہ کہ جنت کا سایہ، اس لئے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو قیامت کا دن تو ختم ہو چکا ہوگا پھر قیامت کے دن سایہ حاصل ہونے کے کیا معنیٰ؟

یہ سارا اختلاف اس صورت میں ہے جب ظل کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے، لیکن بعضے علماء جیسے عیسیٰ بن دینار وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ مجاز پر محمول ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ شانہ کی کرامت اور حمایت ہے۔

سات کا عدد حصر کے لئے ہے؟ دوسری بحث یہ ہے کہ یہ سات کا عدد حصر کے لئے ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ سات کا عدد حصر کے لئے نہیں ہے، اس لئے کہ اس روایت میں ان سات اشخاص کا ذکر ہے جو سایۂ عرش کے تحت ہوں گے اور دوسری احادیث سے اور بھی لوگوں کا پتہ چلتا ہے جن کو عرش کا سایہ حاصل ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ چودہ آدمی ایسے ہیں جن کو مزید عرش الٰہی کا سایہ

Maktaba Tul Ishaat.com

حاصل ہوگا اور اس سلسلہ میں احادیث حسان وجیاد وارد ہوئی ہیں، اور پھر حافظ نے یہ لکھا ہے کہ مزید سات اشخاص کے بارے میں بھی ذکر ہے مگر اس کی اسانید ضعیف ہیں، اب کل مجموعہ اٹھائیس ہو گیا، حافظ ابن حجر نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے معرفة الخصال الموصلة إلى الظلال، اور علامہ جلال الدین سیوطی کا بھی ایک رسالہ ہے تمهيد الفرش في الخصال الموجبة لظل العرش، اس میں انہوں نے ستر اشخاص کا ذکر کیا ہے، علامہ شمس الدین سخاوی نے چورانوے (۹۴) آدمیوں کا نام لیا ہے لیکن یہ بھی ساتھ ساتھ لکھ دیا ہے کہ بعض کی اسانید ضعیف ہیں اور بعض کی موضوع ہیں۔

بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فردائے قیامت میں بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جن کو عرش الٰہی کا سایہ حاصل ہوگا نیز یہ بھی سمجھ لو کہ اس سے مراد صرف اشخاص نہیں ہیں بلکہ یہ اوصاف والے لوگ ہوں گے جو جماعت در جماعت ہوں گے۔

مثال کے طور پر یہ سمجھو کہ الإمام العادل یہ پہلا شخص ہے، اس کے بارے میں سایۂ عرش کا وعدہ کیا گیا ہے، امام عادل کسی خاص فرد میں منحصر نہیں بلکہ جو امام عادل ہوگا وہ سایۂ عرش کا مستحق ہوگا، لہٰذا ائمۂ عادلین کی ایک جماعت الگ ہوگی، اسی طرح اس کے بعد فرمایا وَشَابٌ نَشَأَفِي عِبَادَةِ رَبِّهِ اور وہ نوجوان جس نے اپنے خدا کی عبادت میں نشو ونما پایا ہے، اس کی بھی کسی خاص فرد میں تخصیص نہیں ہے تحدید نہیں ہے کوئی خاص فرد مراد نہیں ہے بلکہ ایسے جوانوں کی ایک جماعت ہوگی وھکذا۔

وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ: اور تیسرا وہ شخص ہے جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہو، معلق یا تو تعلیق سے ماخوذ ہے یا علاقہ سے، اگر تعلیق سے ماخوذ ہو تب تو مطلب یہ ہے کہ بس وہ ہر وقت مسجد ہی میں رہا کرتا ہے جیسے کوئی چیز مسجد میں لٹکا دی جائے تو وہ مسجد ہی میں پڑی رہتی ہے، مقصد یہ بتلانا ہے کہ مسجد سے اس کا بہت قوی تعلق ہے کہ اکثر وہ اسی میں رہتا ہے اور اگر یہ علاقہ سے ماخوذ ہو جس کے معنیٰ محبت کے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ رہے تو وہ کہیں لیکن دل اس کا مسجد ہی میں رہتا ہے، یہی جزء ہے جس کی وجہ سے مصنف نے یہ حدیث اس باب میں ذکر فرمائی ہے۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس سے جلوس فی المسجد لانتظار الصلاۃ کا ثبوت نہیں ہوتا ہے اس واسطے کہ جس آدمی کا دل مسجد میں اٹکا ہو یہ ضروری نہیں کہ وہ مسجد میں ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شخص اگرچہ اپنے

Maktaba Tul Ishaat.com

جسم کے اعتبار سے مسجد میں نہیں لیکن دل کے اعتبار سے مسجد میں ہے اور دل ہی کا اعتبار ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص جسم و قلب دونوں اعتبار سے مسجد میں ہوگا تب تو مخصوص فضیلت کا مستحق ہوگا جو حدیث اول میں گزر چکی ہے اور اگر جسم سے مسجد میں نہیں ہے بلکہ دل کے ساتھ مسجد میں ہے تو اس فضیلت کا مستحق ہوگا جو اس روایت میں مذکور ہے، بہر حال اس فضیلت میں مسجد کو دخل ضروری ہے۔

وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ: دو آدمی ایسے ہیں جو محض اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں اسی پر جمع ہوتے ہیں اور اسی پر الگ ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ پاس رہیں یا جدا ہو جائیں ان کی جو محبت اللہ کی وجہ سے ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے، دور ہو جانے کی وجہ سے ختم اور کم نہیں ہو جاتی ہے۔

وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ: اور پانچواں وہ شخص ہے جس کو ایک عورت نے جو حسن و جمال والی اور خاندانی شرافت والی تھی اپنی طرف طلب کیا۔

اس میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ زنا کے لئے طلب کیا اور دوسرا یہ کہ نکاح کے لئے طلب کیا تو اس نے کہہ دیا إِنِّي أَخَافُ اللهَ، پہلی صورت میں تو إِنِّي أَخَافُ اللهَ کا معنیٰ ظاہر ہے، اور دوسری صورت میں إِنِّي أَخَافُ اللهَ کے معنیٰ یہ ہیں کہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں میں حقوق زوجیت اور تیرے حقوق سے عہدہ برآنہ ہو سکوں، مگر مطلب اول ہی ارجح ہے، امام قرطبی نے اسی کو بیان کیا ہے اور امام نووی فرماتے ہیں وھو الصواب۔

وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ، أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ: ایک آدمی چھپا کر صدقہ کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے بائیں کو پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس کے دائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ سر کو صدقۂ علانیہ پر فضیلت حاصل ہے، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، بعض نے علی الاطلاق صدقۂ سر کو اور بعض نے صدقۂ علانیہ کو افضل قرار دیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فرض میں اظہار اولیٰ ہے اور نفل میں اخفاء اولیٰ ہے، یہ مسئلہ کتاب الزکاۃ کا ہے اور میں وہیں اس کی وضاحت کروں گا۔

یہاں اس حدیث میں حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ اسی طرح سے اس روایت کے عام طرق میں وارد ہوا ہے، لیکن یہی حدیث حضرت امام مسلم نے نقل کی ہے اس میں ہے حَتَّى لَا تَعْلَمَ يَمِينُهُ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهُ، اس کے یمین کو پتہ نہیں چلتا کہ اس کے یسار اور شمال نے کیا خرچ کیا ہے، قاضی عیاض ابوالفضل فرماتے ہیں کہ اسی طرح سے مسلم کے تمام نسخ میں جو ہم تک پہنچے ہیں واقع ہوا ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ مقلوب ہے اور صحیح حَتَّى

Maktaba Tul Ishaat.com

لَاتَعْلَمَ شِمَالُهُ مَاتُنْفِقُ يَمِينُهُ ہے جو مؤطا اور امام بخاری کی الجامع الصحیح میں واقع ہوا ہے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ مسلم کی روایت میں قلب کس سے واقع ہوا ہے؟ قاضی عیاض کی رائے تو یہ ہے کہ بظاہر امام مسلم کے کسی راوی اور شاگرد سے واقع ہو گیا ہے، اور اس کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ حضرت امام مسلم نے یہ روایت دو طریقوں سے نقل کی ہے، ایک عبید اللہ کے طریق سے اور دوسرے امام مالک کے طریق سے، پہلے عبید اللہ کا طریق ذکر کیا ہے اور پھر بعد میں مالک کا طریق کا ذکر کیا ہے اور مالک کے طریق کو جب ذکر فرمایا تو اس میں تھوڑا سا اختلاف لفظی بھی ذکر کیا ہے، اور وہ یہ کہ عبید اللہ تو کہتے ہیں وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ اور مالک کے طریق میں ہے وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اگر مالک اور عبید اللہ کی روایت میں اور کوئی فرق ہوتا تو امام مسلم بیان کرتے حالانکہ بیان نہیں کیا، اور مالک کی روایت میں حَتّٰى لَاتَعْلَمَ شِمَالُهُ مَاتُنْفِقُ يَمِينُهُ واقع ہوا ہے تو یقیناً عبید اللہ کی روایت میں امام مسلم کے سامنے بھی یہی واقع ہوا تھا جبھی تو فرق نہیں بیان کیا ورنہ صاف بیان کر دیتے۔

ابو حامد بن الشرقی اور ابن خزیمہ کی رائے یہ ہے کہ یہ وہم امام مسلم کے استاذ الاستاذ یحییٰ القطان کو ہوا ہے، امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے قد خولف فيها يحيى بن سعيد فقال من رواه غيره لاتعلم شماله ماتنفق يمينه، اور ابو بکر جوزقی نے یہی حدیث اپنے مستخرج میں ابو حامد بن الشرقی سے نقل کی ہے وہ عبد الرحمٰن بن حکم سے نقل کرتے ہیں وہ یحییٰ القطان سے نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں قال أبو حامد بن الشرقي: يحى القطان عندنا واهم۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے یہ ہے کہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یحییٰ القطان ہی کو وہم ہوا ہے اس لئے کہ یہ حدیث امام مسلم نے زہیر بن حرب اور ابن نمیر سے نقل کی ہے اور وہ دونوں یحییٰ القطان سے نقل کرتے ہیں، طرز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام مسلم نے زہیر کے طریق کو لیا ہے اور زہیر ہی کے طریق سے ابو یعلیٰ نے تخریج فرمائی ہے، اب ابو حامد بن الشرقی نے یہ دیکھ لیا کہ زہیر بن حرب اور عبد الرحمٰن بن حکم دونوں یحییٰ القطان سے حَتّٰى لَاتَعْلَمَ يَمِينُهُ مَاتُنْفِقُ شِمَالُهُ نقل کرتے ہیں تو ان کی سند میں یہ آ گیا کہ عبد الرحمٰن متابع ہیں زہیر کے، لہٰذا اگر وہم ہوا ہے تو یحییٰ القطان ہی کو ہوا ہے۔

مگر یہ کچھ ضروری نہیں ہے اس لئے کہ ان کے دو تلمیذ تو حَتّٰى لَاتَعْلَمَ يَمِينُهُ مَاتُنْفِقُ شِمَالُهُ نقل کرتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن ان کے عام تلامذہ حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَاتُنْفِقُ يَمِينُهُ نقل کرتے ہیں، امام احمد نے اسی طرح سے اپنی مسند میں اور محمد بن بشار اور مسدد بن مسرہد، یعقوب دورقی، حفص بن عمر نے اسی طرح نقل کیا ہے، امام احمد کی روایت ان کی مسند میں ہے، محمد بن بشار کی روایت سامنے موجود ہے، مسدد کی روایت کتاب الزکاۃ میں آرہی ہے اور یعقوب دورقی اور حفص بن عمر کی روایت اسماعیلی کی مستخرج میں ہے۔

اب ہو سکتا ہے کہ یحیٰ القطان نے جب اپنے ان دو تلامذہ زہیر بن حرب اور عبدالرحمٰن بن حکم سے بیان کیا ہو تو ان کو وہم ہو گیا، اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے علی الصواب بیان کیا ہو لیکن ان دونوں کو توارد علی الوہم ہوا ہو، بہر حال حافظ ابن حجر محقق کی رائے یہ ہے کہ یہ وہم مسلم کے نیچے نہیں ہوا ہے بلکہ مسلم کے اوپر ہوا ہے، یا تو ان کے استاذ کو ہوا ہے یا ان کے استاذ الاستاذ یحیٰ القطان کو ہوا ہے۔

وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ: ساتواں وہ شخص ہے جس نے تنہائی میں اللہ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اس میں دو احتمال ہیں، یا تو مطلب یہ ہو کہ اللہ کے خوف کی وجہ سے آنسو جاری ہو گئے یا مطلب یہ ہو کہ اللہ کی ملاقات کے شوق میں آنسو جاری ہو گئے، لیکن احتمال اول ہی امام بخاری نے اختیار کیا ہے چنانچہ کتاب الرقاق میں اس حدیث پر ترجمہ منعقد کیا ہے باب البکاء من خشیۃ اللہ تعالیٰ اور یہی روایتی حیثیت سے ثابت بھی ہے، ابو بکر جوزقی کی روایت میں ہے ففاضت عیناہ من خشیۃ اللہ۔

(ص ۹۱) باب فَضْلِ مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ

٦٥٨. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَرَاحَ أَعَدَّ اللهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ.

ترجمہ: باب، مسجد میں آنے اور جانے والے کی فضیلت۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح وشام مسجد جائے گا تو جب بھی وہ صبح وشام کو مسجد جائے گا خدا اس کے لئے جنت میں اس کی مہمان داری کا سامان تیار فرمادیگا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح: یہاں پر تین نسخے ہیں، ایک من خرج، دوسرا من یخرج اور تیسرا من غدا۔

یہی تیسرا نسخہ اکثر رواۃ بخاری نے نقل کیا ہے اور اس نسخہ کے پیش نظر روایۃ الباب ترجمۃ الباب کے لفظاً و معناً مطابق ہو جاتی ہے۔

امام بخاری کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ مسجد کی طرف جانا ہر حال میں فضیلت رکھتا ہے چاہے صبح کا جانا ہو اور چاہے شام کا جانا ہو، غَدَا ماخوذ ہے غُدُوّ سے اور غُدُوّ کہتے ہیں سیر اول النہار کو، صبح سے زوالِ آفتاب تک جانے کو، اور رواح کہتے ہیں سیر آخر النہار یعنی زوال کے بعد سے دن کے آخر تک جانے کو، اور خرج اور یخرج بھی بظاہر اسی معنٰی میں ہے، یعنی خروج بول کر صبح کا نکلنا مراد لیا گیا ہے۔

مگر ہمارے حضرت شیخ نے پہلا نسخہ یعنی من خرج کو راجح قرار دیا ہے، اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے باوجودیکہ حدیث میں غَدَا أَوْ رَاحَ کا لفظ وارد ہوا تھا لیکن قصداً غَدَا کی جگہ خَرَجَ رکھ دیا، اور جب غَدَا، خَرَجَ کے معنٰی میں ہو گیا تو تقابل کی وجہ سے رَاحَ، رَجَعَ کے معنٰی میں بن گیا، اور امام بخاری کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت کی طرف اشارہ کرنا ہے جو ابی بن کعبؓ سے مروی ہے۔

ابیؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی مسجد نبوی سے بہت دور رہتے تھے لیکن ان کی کوئی نماز فوت نہیں ہوتی تھی ہمیشہ مسجد نبوی میں آتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے، ایک مرتبہ ان سے کہا گیا لو اشتریت حماراً ترکبہ فی الظلماء و الرمضاء اگر تم کوئی گدھا خرید لیتے اور اس پر رات کی تاریکی اور دن کی گرمی میں سوار ہو کر آجاتے تاکہ دھوپ کی گرمی سے بچ جاتے، اس کے جواب میں انہوں نے یہ فرمایا مَا أُحِبُّ أَنَّ مَنْزِلِي إِلَى جَنْبِ الْمَسْجِدِ مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میرا مکان مسجد نبوی کے پاس ہوتا، ابوداؤد شریف کی روایت ہے فَنُمِيَ الْحَدِيثُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، یہ قصہ حضور ﷺ سے نقل کیا گیا، صورۃً وواقعۃً یہ جملہ بڑا ثقیل تھا، آنحضور ﷺ نے ان صحابی کو بلا بھیجا، سوال کیا کہ تم نے ایسا کیوں کہا؟ جواباً عرض کیا إِنِّي أُرِيدُ أَنْ يُكْتَبَ لِي إِقْبَالِي إِلَى الْمَسْجِدِ وَرُجُوعِي میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا مسجد آنا پھر وہاں سے واپس ہونا دونوں میرے لئے لکھا جائے، آپ نے فرمایا جمع اللّٰہ لک ذلک کلہ، اور ابوداؤد کی روایت میں ہے أَعْطَاكَ اللّٰهُ ذٰلِكَ كُلَّهُ أَنْطَاكَ اللّٰهُ جَلَّ وَعَزَّ مَا احْتَسَبْتَ كُلَّهُ أَجْمَعَ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کا جانا جیسے ثواب اور فضیلت کا سبب ہے ایسے ہی مسجد سے لوٹنا بھی ثواب اور فضیلت کا سبب ہے، امام بخاری نے اس روایت کی طرف اشارہ کر کے اپنی روایت سے مدعا ثابت کیا ہے کہ غَدَا کو خَرَجَ کے معنٰی میں اور رَاحَ کو رَجَعَ کے معنٰی میں لے لیا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر رَاحَ؛ رَجَعَ کے معنٰی میں ہو تو اس رجوع پر ثواب کیوں مرتب ہو؟ مسجد کی طرف جانا تو خیر وطاعت کی طرف جانا ہے لہذا اس کا حسنہ ہونا اور اس پر ثواب کا ترتب ظاہری بات ہے لیکن مسجد سے لوٹنا تو کوئی حسنہ ہے نہیں کہ اس پر ثواب مرتب ہو۔

حضرت علامہ سندی نے باب کے تحت تو کوئی بات کہی نہیں ہے البتہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ غَدَا اور رَاحَ کی تفسیر میں ایک قول ہے ذھب ورجع، پھر اس کے بعد یہی اشکال بالا کیا ہے اور لکھا ہے کہ ثواب کا ترتب رجوع پر بظاہر بعید ہے الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ چونکہ یہ لوٹنا امر صلاۃ کا تتمہ ہے آدمی اپنی بہت سی ضرورتوں سے فارغ ہو جاتا ہے اور اگلی نماز کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو گویا مسجد سے لوٹ کر جانا بھی مسجد میں آنے ہی کی طرح سے ہوا اس لئے اس لوٹنے پر بھی اجر وثواب مرتب ہو گا۔

علامہ سندی کی اس تقریر سے جواب ظاہر ہو گیا اور خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوٹنا مقدمہ ہے مسجد کی طرف لوٹ کر آنے کا اس واسطے مسجد سے لوٹنا بھی موجب اجر وثواب ہے۔

أَعَدَّ اللهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ: اللہ تعالیٰ تیار کریں گے اس کے لئے اس کا سامانِ ضیافت جنت میں۔

(ص ۹۱) باب إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ

٦٥٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا مِنَ الْأَزْدِ يُقَالُ لَهُ مَالِكُ ابْنُ بُحَيْنَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ

Maktaba Tul Ishaat.com

لَاثَ بِهِ النَّاسُ، وَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: آلصُّبْحَ أَرْبَعًا.

تَابَعَهُ غُنْدَرٌ وَمُعَاذٌ عَنْ شُعْبَةَ فِي مَالِكٍ، وَقَالَ ابْنُ اسحَاقَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ حَفْصٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، وَقَالَ حَمَّادٌ: أَخْبَرَنَا سَعْدٌ عَنْ حَفْصٍ عَنْ مَالِكٍ.

ترجمہ: باب، جب نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے تو فریضہ کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مالک ابن بحینہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے، دوسری سند میں حضرت حفص بن عاصم سے روایت ہے کہ میں نے قبیلۂ ازد کے ایک شخص سے جن کا نام مالک ابن بحینہ تھا یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اقامت کے وقت دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا، پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے اس کو گھیر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کیا صبح کی چار رکعت پڑھتے ہو؟

شعبہ سے روایت میں غندر اور معاذ نے بہز بن اسد کی متابعت کی اور ابن اسحاق نے اس حدیث کو سعد سے اور انہوں نے حفص سے اور انہوں نے عبد اللہ ابن بحینہؓ سے روایت کیا ہے، اور حماد بن سلمہ نے کہا کہ مجھ سے سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے حفص سے اور حفص نے مالک ابن بحینہ سے حدیث بیان کی۔

تشریح: حضرت امام بخاری کی عادت مبارکہ یہ ہے کہ جب کوئی روایت ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی اور اس کا مضمون صحیح ہوتا ہے تو وہ اس روایت کو اپنا ترجمہ بنالیتے ہیں اور اپنی روایت سے جو ان کی شرط کے مطابق صحیح ہوتی ہے اس کو مؤید فرمایا کرتے ہیں، یہاں پر بھی امام بخاری نے ایسا ہی کیا ہے۔

ترجمہ کے الفاظ وہ ہیں جو امام مسلم، اصحاب سنن اربعہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بطریق عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن أبي ہریرۃؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے، مگر چونکہ اس میں رفعًا ووقفًا اختلاف ہے ایک جماعت اس کو مرفوعًا نقل کرتی ہے تو دوسرے بعض رواۃ اس کو موقوفًا بھی نقل کرتے ہیں، چنانچہ موقوف روایت مصنف عبد الرزاق میں موجود ہے، اس اختلاف کی بناء پر حضرت امام بخاری نے اس روایت کو اپنی کتاب میں تخریج نہیں فرمایا البتہ اپنی روایت پیش کر کے اس کی تائید فرمادی۔

ترجمہ عام روایت خاص: اشکال یہ ہے کہ مسلم کی روایت کا تعلق صلاۃ فجر سے ہے اور حدیث وارد إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ عام ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں صلاۃ میں الف لام عہد کا ہے اور مراد صلاۃ الفجر ہے، اور بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ والی حدیث کو تو اپنے عموم ہی پر باقی رکھا جائے اور

Maktaba Tul Ishaat.com

مصنف نے اپنی روایت سے ترجمہ والی روایت کی تائید اس طرح فرمائی کہ جب صلاۃ فجر کے وقت سنت فجر کی گنجائش نہیں ہے حالانکہ سنت فجر بہت اہم ہے تو باقی اور نمازوں میں کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

ماسوی الفجر کا حکم: ویسے یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ ماسوی الفجر میں جب اقامت ہو جائے تو سنت یا نوافل میں مصروف رہنے کی اجازت نہیں ہے، اور اگر کوئی آدمی پہلے سے مشغول ہو تو جمہور علماء جس میں ائمہ اربعہ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ اپنی وہ نماز پوری کرلے اور جلد سے جلد فرض میں شریک ہو جائے، ظاہریہ سے منقول ہے کہ اس کا نفل باطل ہو گیا اور تکبیر ہو جانے کے بعد اس کو فرض میں شریک ہونا ضروری ہے۔

سنتِ فجر کا حکم: البتہ سنت فجر کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر فجر کی نماز ہو رہی ہو تو آیا وہ سنتیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ان کے متبعین کی رائے تو یہ ہے کہ سنتیں پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے، فرض میں شرکت کرنا ضروری ہے۔

حضرت امام مالک اور ان کے اصحاب ارشاد فرماتے ہیں کہ دو شرطوں کے ساتھ پڑھ سکتا ہے، اول تو یہ کہ دونوں رکعت کے ملنے کا امکان ہو اور دوسرے یہ کہ مسجد سے باہر پڑھے۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ ایک شرط یہ ہے کہ جماعت یعنی صرف قعدہ کے مل جانے کا امکان ہو تب بھی سنت پڑھے، اگرچہ صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک رکعت مل سکتی ہو تو سنت پڑھے، اور دوسری شرط کے بارے میں ہمارے فقہاء لکھتے ہیں کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو ان صفوں میں سنت ادا نہ کرے بلکہ اگر بابِ مسجد کے پاس کوئی جگہ ہو تو وہاں ادا کرے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اگر مسجد کے دو حصے ہوں شتائی حصہ، صیفی حصہ، (اندر کا مسقف حصہ اور باہر والا حصہ) تو سردی کے زمانہ میں صیفی حصہ میں اور گرمی کے زمانہ میں شتائی حصہ میں سنت ادا کرلے، اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو تو کسی ستون کے پیچھے ادا کرلے، ویسے جہاں پر نماز ہو رہی ہو متصلاً بالصفوف سنت ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے اس سے بہت اجتناب کرنا چاہئے۔

مطلقاً ممانعت کے دلائل: جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً سنت پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے وہ حدیث إذا أُقِيمَتُ الصَّلاةُ فلا صَلاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ اور عبد اللہ بن مالک ابن بحینہؓ کی حدیث آلصُّبحَ أَرْبَعًا اور اسی طرح سے محمد بن ابراہیم عن جدہ قیس کی حدیث أصلاتان معاً، رواہ الترمذی سے استدلال کرتے ہیں،

Maktaba Tul Ishaat.com

عبداللہ ابن بحینہؓ کی روایت سامنے بخاری شریف میں موجود ہے۔

اثبات کے دلائل: اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ سنتِ فجر پڑھ لینا چاہئے وہ یہ کہتے ہیں کہ اصل میں سنتِ فجر بنسبت اور سنن کے زیادہ مؤکد ہے، حضور اکرم ﷺ سے اس کے سلسلہ میں قولی و عملی تاکید نقل کی گئی ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُداً مِنْهُ عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ، رواه الشيخان، ابوہریرہؓ فرماتے ہیں قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تَدَعُوهُمَا وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ، رواه أبو داؤد، اس لئے سنتِ فجر کا اہتمام کرنا چاہئے اور صحابہ کی جماعت سے بھی یہ عمل منقول ہے، چنانچہ امام طحاوی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ابو درداءؓ سے مختلف اسانید سے نقل کیا ہے کہ وہ لوگ فجر کی فرض شروع ہو جاتی اور سنت پڑھتے تھے اور پھر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔

حنفیہ کی طرف سے روایۃ الباب کے جوابات:

(۱) ایک جواب تو بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اس روایت کے رفع و وقف میں اختلاف ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے اس لئے کہ محض رفع و وقف کا اختلاف حضرات فقہاء کے یہاں قادح نہیں ہے، اگر راوی ثقہ ہے تو اس کا رفع معتبر ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیں کہ یہ روایت اصلاً و بالذات موقوف ہے تو یہ صحابی کا قول غیر مدرک بالرای ہوگا اور جب صحابی کوئی غیر مدرک بالرای بات کہیں گے تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوگی جیسا کہ اصحاب اصول نے تصریح کی ہے، لہذا احناف کے اصول پر یہ روایت حجت ہوگی اور یہ جواب حنفی مسلک کے قانون کے سامنے بالکل بے حقیقت ہے۔

(۲) بعض مالکیہ نے یہ جواب دیا کہ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ کا مطلب ہے إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ، لہذا اگر سنت پڑھی جائے تو مسجد سے باہر پڑھی جائے۔

(۳) امام طحاوی وغیرہ نے جواب دیا ہے لا صلاۃ مع الصف صف کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے، اور حضور ﷺ سے جو نکیر نقل کی گئی ہے بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن مالک ابن بحینہؓ نے وہیں سنت پڑھنی شروع کردی اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا آلصُّبْحَ أَرْبَعًا؟ وہ اس لئے کہ صف کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۴) بعض علماء احناف نے ایک اور جواب دیا، وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث إِذَا أُقِيمَتُ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ کا سنتِ فجر سے کوئی تعارض ہی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حدیث مختصر ہے اسی روایت میں آگے إلا رکعتی الفجر کا استثناء بھی وارد ہوا ہے رواہ البیہقی۔

لیکن میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ إلا رکعتی الفجر کا استثناء اسنادی حیثیت سے ثابت ہی نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا دار و مدار عباد بن کثیر اور حجاج بن نصیر پر ہے اور یہ دونوں بالکل ضعیف راوی ہیں، بلکہ امام ابن عدی نے الکامل میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں اسی حدیث إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ میں ایک زیادتی نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت فجر پڑھنے کی بھی گنجائش نہیں، اس میں ہے قیل یارسول اللہ ولا رکعتی الفجر؟ قال: ولا رکعتی الفجر، حافظ ابن حجر عسقلانی جو اپنے عصر کے امام المحدثین ہیں وہ اس حدیث کو مع اس زیادتی کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں إسنادہ حسن اس کی سند حسن ہے، اب اس زیادتی کے آجانے کے بعد اور اس کی سند بھی ابن حجر جیسے محقق کی رائے میں حسن ہے یہ گنجائش باقی نہیں رہتی ہے کہ فرض ہوتے ہوئے آدمی سنت فجر میں مشغول ہو جائے۔

حافظ پر تعاقب: لیکن حافظ ابن حجر کا یہ فیصلہ کہ اس کی سند حسن ہے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، اس کی دو وجہیں ہیں۔

اول تو اس لئے کہ جس روایت میں قیل یارسول اللہ ولا رکعتی الفجر؟ قال: ولا رکعتی الفجر وارد ہوا ہے اس کا دار و مدار مسلم بن خالد زنجی پر ہے جو یہ زیادتی عمرو بن دینار سے نقل کرتا ہے، اور مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ضعیف راوی ہے، بھلا جو راوی خود حافظ کی رائے میں ضعیف ہو گا اس کی روایت حسن کیسے ہو گی؟

دوسرے یہ کہ مسلم بن خالد زنجی کا تلمیذ نصر بن حاجب قرشی ہے وہ بھی متکلم فیہ ہے، حافظ ابن حجر نے مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں تقریب التہذیب میں لکھا ہے صدوق کثیر الأوهام، زکریا ساجی نے لکھا ہے صدوق کثیر الخطأ یا کثیر الغلط، جو راوی کثیر الغلط یا کثیر الخطا ہو اس کی سند حسن کیسے ہو سکتی ہے؟ مزید یہ ہے کہ عمرو بن دینار سے تنہا یہ شخص یہ زیادتی نقل کرتا ہے، باقی میرے شمار میں ان کے نو تلامذہ ہیں اور وہ ثقات

Maktaba Tul Ishaat.com

اثبات ہیں ان میں سے کوئی بھی یہ زیادتی نقل نہیں کرتا، اور محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ جب کوئی راوی ایسا آئے جو ضعیف ہو اور وہ ثقاتِ اثبات کی مخالفت کرے تو اس صورت میں اس کی روایت منکر ہوگی، لہذا حافظ ابن حجر کا اس زیادتی کے بارے میں حسن ہونے کا فیصلہ کرنا حدیث کے قانون سے ہٹا ہوا ہے۔

انصاف کی اور سچی بات یہ ہے کہ نہ احناف والا استثناء إلا رکعتی الفجر ثابت ہے اور نہ مسلم کی وہ زیادتی جس سے فریق مخالف استدلال کرتا ہے ثابت ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ کچھ نظری سا بن گیا ہے، اور میرے نزدیک منشاءِ اختلاف اصل میں حضرات صحابہ کرام کے عمل کا اختلاف ہے، ایک جماعت سنت کو فرض کے ہوتے ہوئے ادا کر لیتی تھی اور پھر فرض میں شریک ہوتی تھی، لیکن دوسری جماعت کا معمول اس کے خلاف نقل کیا گیا ہے جس میں ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ بھی ہیں، اور چونکہ علماء کوفہ کے پیش رو عام طور سے مسائل میں عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں اور ان کا معمول نقل کر دیا گیا ہے اس لئے اہل کوفہ نے اس کو معمول بہا بنایا، اور جو مرفوع روایتیں نقل کی جاتی ہیں چونکہ ان میں کسی درجہ میں ان حضرات کی نگاہ میں احتمال ہے اس لئے انہوں نے اس کو مؤول قرار دیا ہے، ورنہ ظاہرِ حدیث شافعی واحمد کے ہاتھ میں ہے۔

بنیادی طور پر یہ سمجھ لیا جائے کہ اول تو سنت فجر کا فعلی اور قولی تاکد اور ثانی صحابہ کی ایک جماعت کا سنت پر اہتمام اور فرض ہوتے ہوئے سنت کا پڑھنا یہ ہے حضرات احناف کے پیش نظر اور انہوں نے اس کو تو اصل بنیاد بنایا، اور حدیث ممانعت کی تاویل وتوجیہ کی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَالِکٍ اِبْنِ بُحَيْنَةَ: مالک: عبد اللہ کے والد ہیں اور بحینہ: عبد اللہ کی والدہ اور مالک کی بیوی ہیں، اس لئے مالک کے بعد جو ابن ہے اس کا الف لکھنا واجب ہے اور مالک چونکہ منصرف ہے اس لئے اس پر تنوین پڑھنا بھی واجب ہے، اسی لئے میں نے پڑھا تھا عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَالِکٍ اِبْنِ بُحَيْنَةَ، قاعدہ یہی ہے کہ جب 'ابن' بین العلمین المتماثلین واقع ہوتا ہے تب اس کا ہمزہ حذف کر دیا جاتا ہے ورنہ نہیں بشرطیکہ 'ابن' سطر کے ابتداء میں نہ ہو۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ: اس رجل مبہم کا مصداق خود راویِ حدیث حضرت عبد اللہ بن مالکؓ ہیں جیسا کہ مسند احمد میں تصریح وارد ہوئی ہے۔

سَمِعْتُ رَجُلًا مِنَ الْأَزْدِ يُقَالُ لَهُ مَالِكُ ابْنُ بُحَيْنَةَ: شعبہ کی روایت میں اسی طرح سے مالک

Maktaba Tul Ishaat.com

ابن بحینہ واقع ہوا ہے لیکن اس سے پہلے ابراہیم بن سعد کی روایت گزری ہے اس میں عبداللہ بن مالک ابن بحینۃ ہے اور وہی روایت صواب ہے، شعبہ کی یہ روایت وہم ہے اگرچہ ابوعوانہ اور حماد بن سلمہ نے شعبہ کی متابعت کی ہے۔

شعبہ کا وہم: حفاظ حدیث امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، نسائی، اسماعیلی، دار قطنی، ابوحامد بن الشرقی اور ابو مسعود دمشقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس جگہ شعبہ کو دو وہم ہوگئے۔

۱۔ اول تو یہ کہ انہوں نے صاحبِ حدیث مالک کو قرار دیا حالانکہ مالک کو کسی شخص نے صحابی شمار نہیں کیا، صرف حافظ ابن عبدالبر نے محض اس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے کتاب الاستیعاب میں ان کا تذکرہ کردیا ہے لیکن ابن عبدالبر کا یہ قول وہم ہے، ۲۔ دوسرے یہ کہ شعبہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ؛ مالک کی والدہ ہیں حالانکہ وہ مالک کی بیوی ہیں۔

لَاثَ بِهِ النَّاسُ: لوگوں نے اس کا احاطہ کرلیا، گھیر لیا۔

وَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصُّبْحَ أَرْبَعًا: کیا صبح کی نماز تم چار رکعت پڑھ رہے ہو؟ آپ نے فرض شروع کرتے ہوئے سنت میں اشتغال پر نکیر کی، شافعیہ وحنابلہ تو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ سنت میں اشتغال غلط تھا اس لئے نکیر فرمائی تھی، مالکیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں تھا اس لئے نکیر کی، اور حنفیہ کہتے ہیں کہ متصلاً بالصفوف تھا اس لئے نکیر کی وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا۔

تَابَعَهُ غُنْدَرٌ وَمُعَاذٌ عَنْ شُعْبَةَ فِي مَالِكٍ: مقصد یہ ہے کہ جیسے بہز بن اسد نے شعبہ سے روایت نقل کی ہے اور راویِ حدیث مالک ابن بحینہ کو قرار دیا ایسے ہی غندر اور معاذ نے بھی کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ وہم ان کے اوہام میں سے نہیں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ اسحاقَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ حَفْصٍ: ابن اسحاق کی روایت صحیح ہے اور اس سے وضاحت ہوگئی کہ انہوں نے بجائے باپ کی طرف عبداللہ کو منسوب کرنے کے ماں کی طرف منسوب کردیا۔

وَقَالَ حَمَّادٌ: یہ حماد بن سلمہ ہیں جیسا کہ طحاوی میں تصریح وارد ہوئی ہے وجزم بہ الحافظ المزی اور میں بتلا چکا کہ حماد کی روایت میں وہم ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۹۱) باب حَدِّ الْمَرِيضِ أَنْ يَشْهَدَ الْجَمَاعَةَ

٦٦٠. حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: ثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ الأَسْوَدُ: كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ فَذَكَرْنَا الْمُوَاظَبَةَ عَلَى الصَّلَاةِ وَالتَّعْظِيمَ لَهَا، قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأُذِّنَ فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، وَأَعَادَ فَأَعَادُوا لَهُ، فَأَعَادَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلَّى فَوَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رِجْلَيْهِ تَخُطَّانِ الأَرْضَ مِنَ الْوَجَعِ، فَأَرَادَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ: مَكَانَكَ، ثُمَّ أُتِيَ بِهِ حَتَّى جَلَسَ إِلَى جَنْبِهِ، فَقِيلَ لِلأَعْمَشِ: وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاتِهِ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ؟ فَقَالَ بِرَأْسِهِ: نَعَمْ.

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الأَعْمَشِ بَعْضَهُ، وَزَادَ أَبُو مُعَاوِيَةَ جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا.

٦٦١. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الأَرْضَ وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَبَيْنَ رَجُلٍ آخَرَ، قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ، فَقَالَ لِي: وَهَلْ تَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ.

ترجمہ: باب، بیمار کے لئے جماعت میں حاضری کی حد کا بیان۔

اسود بن یزید نخعی سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں تھے وہاں ہم نے نماز کی پابندی اور نماز کی تعظیم

Maktaba Tul Ishaat.com

کا ذکر کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب حضور پاک ﷺ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ کی وفات ہوئی ہے اور نماز کا وقت ہوا اور نماز کے لئے اذان دی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر سے کہا جائے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، اس پر آپ سے عرض کیا گیا کہ ابو بکرؓ دل کے کمزور انسان ہیں جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، پھر آپ نے دوبارہ وہی حکم دیا تو پھر وہی بات عرض کی گئی، پھر آپ نے تیسری بار وہی حکم دیا اور ارشاد فرمایا (ازواج مطہرات سے) کہ تم حضرت یوسف علیہ السلام والی عورتوں کی طرح ہو، ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ ابو بکرؓ لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے نکلے، اس کے بعد حضور پاک ﷺ نے اپنی طبیعت میں افاقہ محسوس فرمایا تو آپ دو آدمیوں کے سہارے سے باہر تشریف لائے، (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) گویا میں حضور ﷺ کے دونوں پاؤں دیکھ رہی ہوں کہ زمین پر لکیر کھینچ رہے ہیں، حضرت ابو بکرؓ نے یہ دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا تو حضور ﷺ نے اشارے سے فرمایا کہ اپنی جگہ رہیں، پھر حضور ﷺ کو لایا گیا حتیٰ کہ آپ حضرت ابو بکرؓ کے برابر بیٹھ گئے۔

(جب اعمش نے یہ حدیث بیان کی) تو اعمش سے کہا گیا (اس کا مطلب تو یہ ہوا) کہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابو بکرؓ آپ کی اقتداء کر رہے تھے اور باقی حضرات ابو بکرؓ کی اقتداء کر رہے تھے تو اعمش نے سر ہلا کر جواب دیا کہ ہاں۔

اس حدیث کا بعض حصہ ابو داؤد طیالسی نے بروایت شعبہ اعمش سے روایت کیا ہے اور ابو معاویہ نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا کہ حضور ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے اور حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ نے ازواج مطہرات سے یہ اجازت لی کہ آپ کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے، چنانچہ سب نے اجازت دے دی، پھر آپ دو آدمیوں کے سہارے گھر سے نکلے جبکہ آپ کے دونوں پیر زمین پر خط کھینچ رہے تھے اور آپ حضرت عباسؓ اور ایک آدمی کے بیچ میں تھے، عبید اللہ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی بات حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کیا تم جانتے ہو وہ آدمی کون ہے جس کو حضرت عائشہؓ نے نامزد نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا نہیں، تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ دوسرے آدمی حضرت علیؓ تھے۔

تشریح: قابسی کے نسخہ میں یہاں پر بجائے 'حدّ' بالحاء المہملہ کے بالجیم 'جدّ' واقع ہوا ہے مگر یہ نسخہ مرجوح ہے، مشہور حدّ بالحاء المہملہ ہے، اگر جیم کے ساتھ ہو تو اس کے معنیٰ ہوں گے جد و اجتہاد کے، اور ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ مریض کو حضور جماعت میں ہر حال میں جد و اجتہاد کرنا چاہئے۔

اور اگر یہ حدّ بالحاء المہملہ ہے تو پھر اس کی مراد میں اختلاف ہے۔

(۱) ابن بطال اور ابن التین فرماتے ہیں کہ یہ حد: حدت کے معنیٰ میں ہے جس کے معنیٰ لغت میں آتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

تیزی کے، اور مقصد حضور جماعت پر حثّ اور ترغیب ہے اور یہ بتلانا ہے کہ مریض کو حضور جماعت کا اہتمام کرنا چاہئے، حضور اکرم ﷺ باوجودیکہ خود مسجد میں چل کر جا نہیں پاتے تھے دو آدمیوں کے سہارے ہی چل کر کے آئے لیکن شریک جماعت ہوئے۔

(۲) یہ حد اپنے مشہور معنیٰ یعنی غایت کے معنیٰ میں ہے اور اس کے بعد ترجمہ کی شرح میں اختلاف ہے، علامہ ابن رشد، علامہ عینی اور علامہ سندی وغیرہم کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے بیان کرتے ہیں کہ کب تک مریض کو مسجد میں جانا مستحب ہے اور اس کے بعد استحباب منقطع ہو جاتا ہے، اور وہ حد حدیث سے معلوم ہوئی کہ آدمی اگر سہارے سے بھی مسجد جا سکتا ہو تو اس کے لئے جماعت میں شرکت مستحب ہے۔

(۳) علامہ قسطلانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری نے یہ لکھا ہے کہ امام بخاری ترجمہ سے وہ حد بیان کرتے ہیں جہاں تک مسجد میں جانا جائز ہے، گویا حدِ جواز بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد پھر جانا گویا ان لوگوں کے بیان پر جائز نہیں رہتا ہے۔

مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ مسجد میں جانا تو ایک امر خیر ہے پھر مریض کو کسی حال میں جانا ناجائز کیسے ہو جائے گا؟ اس لئے ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ ان کی مراد جواز سے استحباب ہی ہے، اور ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مریض کی بعض حالت غیر مناسب ہو جاتی ہے کچھ اعتبار نہیں رہتا، پیشاب نکل جاتا ہے کھانا نکل جاتا ہے، اگر مریض اس حالت میں پہنچ گیا ہے تو پھر مسجد میں جانا جائز نہیں۔

(۴) بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ حد بمعنی الغایۃ ہے اور مطلب یہ بتلانا ہے کہ کتنی دور سے مریض کو مسجد میں شرکت کرنے کے لئے حاضر ہونا چاہئے۔

لَمَّا مَرِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ: حضور اکرم ﷺ کے مرض الوفات کی ابتداء حضرت میمونہؓ کے مکان سے ہوئی ہے جیسا کہ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ کس دن مرض کی ابتداء ہوئی ہے، ۱۔ بعض کہتے ہیں کہ یوم السبت، ۲۔ بعض کہتے ہیں کہ یوم الاثنین، ۳۔ اور بعضوں کی رائے ہے کہ یوم الاربعاء بدھ کے دن، اسی کو واقدی، ابن سعد اور ابن حبان نے اختیار کیا ہے، ۴۔ علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے کہ یوم الخمیس میں ابتداء ہوئی ہے۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ کتنے دن بیمار رہے؟ بارہ دن، تیرہ دن، چودہ دن، مختلف اقوال ہیں،

Maktaba Tul Ishaat.com

علامہ ابن حبان نے لکھا ہے کہ بدھ کے دن حضور اکرم ﷺ اٹھائیس (۲۸) صفر کو بیمار ہوئے اور بارہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن آپ کی وفات ہوئی ہے، یعنی کل چودہ دن آپ کی کل مدت بیماری بنتی ہے اگر یوم المرض ویوم الوفات کو شمار کرلیا جائے۔

علامہ ابن حبان نے وفات کا قصہ تفصیل سے بیان کیا ہے میں اس کی بعض ضروری باتوں کو مختلف لفظوں میں یہاں نقل کردیتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ حضرت میمونہؓ کے مکان میں ان کی باری میں بیمار ہوئے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں کے یہاں ایام گزارے لیکن جب بیماری شدید ہوگئی تو آپ نے حضرت عائشہؓ کے مکان جانے کی خواہش ظاہر کی، ابن حبان کہتے ہیں کہ خود حضرت عائشہؓ نے ازواج مطہرات سے اجازت چاہی، ازواج مطہرات کو منشاء نبوی معلوم ہوا تو بخوشی اجازت دے دی، آپ بیت عائشہؓ میں تشریف لائے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کا کاندھے پر سہارا دے کر جیسا کہ مسلم وغیرہ کی روایات میں ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیا نماز لوگوں نے پڑھ لی؟ آپ سے کہا گیا کہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ کے لئے برتن میں پانی رکھا گیا، غسل کیا اور پھر اس کے بعد آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی، ایسا کئی مرتبہ ہوا، آپ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تم امامت کرلینا اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے فرمادیا، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ زیادہ مستحق ہیں، صدیق اکبرؓ نے نماز شروع کرادی، عشاء کی نماز تھی، حضور اکرم ﷺ کو کچھ سہولت محسوس ہوئی تو آپ مسجد تشریف لے آئے اور صدیق اکبرؓ کے بائیں طرف بیٹھ گئے، اس کے بعد پھر باقی ایام صدیق اکبرؓ ہی نے نماز پڑھائی۔

باقی جو ضروری چیزیں آئیں گی وہ میں بتلاتا رہوں گا۔

فَحَضَرَتُ الصَّلَاۃُ: یہ نماز عشاء ہے جیسا کہ اسی روایت میں عنقریب چار صفحات کے بعد آرہا ہے۔

فَقَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ: آپ نے فرمایا کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، آپ سے عرض کیا گیا إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، اسیف بمعنی رقیق القلب۔

إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ: اگر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو قراءت بھی نہ کرپائیں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

وَأَعَادَفَأَعَادُوالَهُ: مگر حضرت والا ﷺ نے دوبارہ حکم فرمایا تو دوبارہ یہی عذر پیش کیا گیا، سہ بارہ حکم فرمایا تو سہ بارہ یہی عذر پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ تم تو یوسف کی سہیلیاں ہو۔

صواحب جمع کا صیغہ ہے لیکن مراد اس سے فقط زلیخا ہے، اور مقصود یہ ہے کہ جیسے زلیخا نے مصر کی عورتوں کو دعوت کی تھی صورۃً تو دعوت تھی لیکن حقیقتاً یہ بتلانا تھا کہ حضرت یوسفؑ جو میرے محبوب ہیں انتہائی حسین وجمیل ہیں تم لوگ میرے عشق میں مجھے معذور سمجھو۔

ایسے ہی حضرت عائشہؓ وغیرہ نے صورۃً تو یہ عذر پیش کیا کہ حضرت ابو بکرؓ اپنے رقتِ قلب کی وجہ سے امامت نہیں کر پائیں گے مگر دل میں کچھ اور بات مضمر تھی جو دوسری روایات میں مصرح ہے، بخاری کی کتاب المغازی میں آئے گا حضرت عائشہ فرماتی ہیں لَمْ يَقَعْ فِي قَلْبِي أَنْ يُحِبَّ النَّاسُ بَعْدَهُ رَجُلاً قَامَ مَقَامَهُ أَبَدًا، میرے دل میں یہ بات آئی ہی نہیں تھی کہ آج جو شخص آپ کے مصلے پر کھڑا ہو جائے گا لوگ اس سے محبت کرنے لگیں گے، مطلب یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے، یہ کہیں گے کہ کیسا نحس آدمی تھا کہ آپ کے مصلے پر قدم رکھا کہ آپ کو دوبارہ اس مصلے پر قدم رکھنے کی نوبت ہی نہ آسکی۔

اور حضرت حفصہؓ کے دل میں اور بات تھی وہ یہ سمجھتی تھیں کہ جو آپ کے مصلے پر پہنچ گیا کل کے دن بھی وہی مصلے کا مالک ہوگا، ہر ایک کا اپنا اندرونی عندیہ اور تھا، آپ نے نور نبوت سے سمجھ لیا تھا اس لئے فرمایا إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ ابو بکر کو حکم دو فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، ابو بکر صدیقؓ نماز پڑھانے کے لئے نکلے حضور کو تخفیف محسوس ہوئی تو تشریف لائے۔

فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ: دو آدمیوں کے سہارے سے تشریف لائے، مہاداۃ کہتے ہیں ٹیک لگا کر چلنے کو۔

آیا آپ ﷺ کی اسی نماز میں شرکت ہوئی یا کسی اور نماز میں بھی ہوئی؟

اس روایت کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف صلاۃ عشاء ہی میں شرکت ہوئی لیکن آئندہ ایک روایت ص ۹۵ پر آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور دن بھی حضرت سرور عالم ﷺ کو تخفیف محسوس ہوئی تو آپ تشریف لائے اور جماعت میں شرکت کی، میں اس کو تفصیلاً آگے بیان کروں گا۔

كَأَنِّي أَنْظُرُ رِجْلَيْهِ تَخُطَّانِ مِنَ الْوَجَعِ: بیماری کی وجہ سے قدم پوری طرح نہیں پڑ رہے تھے گھسٹ

Maktaba Tul Ishaat.com

رہے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، آپ نے اشارہ سے منع فرمادیا أَنْ مَكَانَكَ! یہ اس اشارہ کی شرح ہے یعنی اپنی جگہ ثابت قدم رہو اور پھر آپ کو لاکر ان کے پہلو میں بٹھادیا گیا۔

قِيلَ لِلْأَعْمَشِ وَكَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي: یعنی اعمش سے پوچھا گیا کہ کیا اصل امام نبی کریم ﷺ تھے اور صدیق اکبرؓ ان کا اتباع کر رہے تھے اور لوگ ابو بکر صدیقؓ کی تکبیرات پر اپنی نماز ادا کر رہے تھے؟ تو انہوں نے سر کے اشارہ سے فرمایا کہ ہاں، یہ روایت بظاہر منقطع ہے لیکن آئندہ یہی روایت مسنداً و متصلاً ص ۹۹ پر آئے گی۔

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ بَعْضَهُ: یہ روایت ابوداؤد طیالسی نے شعبہ سے نقل کی مگر مختصراً، ابوداؤد نے شعبہ سے کیا نقل کیا ہے؟ اس میں بڑا اختلاف ہے۔

امام بزار نے بطریق ابوداؤد طیالسی یہی روایت نقل کی ہے اس میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المقدم بین یدی أبی بکر، اور یہی روایت ابن جارود نے المنتقی میں ابوداؤد طیالسی کے طریق سے نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ ابو بکر صدیقؓ امام تھے اور رسول پاک ﷺ ان کا اقتداء کر رہے تھے۔

اب ابوداؤد طیالسی کی روایت کا تو کوئی فیصلہ کیا ہی نہیں جا سکتا ہے اس لئے کہ اس میں تو اختلاف ہو گیا لہذا شعبہ کے کسی اور تلمیذ کی روایت لاکر دیکھنی پڑے گی، ابن منذر اور بیہقی نے مسلم بن ابراہیم کے طریق سے یہی روایت نقل کی ہے اور وہ شعبہ سے نقل کرتے ہیں اس میں یہ وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور صدیق اکبرؓ اقتداء کر رہے تھے، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں إسناده جید۔

امام ابو بکرؓ تھے یا حضور ﷺ؟ روایات میں بڑا اختلاف ہے، ابن عباسؓ کی آئندہ روایت آرہی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ امام تھے اور اس سے ہٹ کر دیکھا جائے تو روایتوں میں اختلاف ملتا ہے، اس لئے بعض علماء نے تو ان روایات مختلفہ میں ترجیح کا طریق اختیار کیا۔

(۱) وجہ ترجیح یہ ہے کہ جن روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ امام تھے اور صدیق اکبرؓ مقتدی تھے وہ روایتیں ارجح ہیں، بھلا صدیق اکبرؓ حضور کے ہوتے ہوئے کیا آگے بڑھ سکتے تھے؟

جب حضور اکرم ﷺ صلح کرانے کے لئے قبا تشریف لے گئے اور یہ کہہ گئے کہ ابو بکر سے کہہ دینا کہ وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز پڑھادے اور ادھر نماز شروع ہوگئی اور اتنے میں آپ تشریف لائے اور آپ نے حضرت صدیقؓ کو اشارہ بھی کیا أن مکانک! لیکن حضرت صدیقؓ اپنی جگہ ٹھہر نہ سکے اور پیچھے آگئے اور بعد میں حضور اکرم ﷺ کے پوچھنے پر کہ تم اپنی جگہ کیوں ثابت قدم نہیں رہے یہ جواب دیا مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(۲) دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ یہ روایت اعمش سے ابو معاویہ نقل کرتے ہیں اور ابو معاویہ ان کے احفظ تلامذہ میں ہیں اور ان کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ صدیق اکبرؓ کے بائیں طرف بیٹھے تھے وھو محل الإمام، اس لئے اس کو ترجیح حاصل ہے۔

طریقِ جمع: اور بعض علماء نے ان دونوں روایتوں میں جمع کیا ہے اور وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے مرض الوفات میں ایک سے زائد نمازوں میں شرکت کی ہے، بعض میں آپ امام تھے اور بعض میں مقتدی تھے، نعیم بن ہند کی یہی رائے ہے اور اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے امام شافعی سے نقل کیا ہے، اور بھی بعض دیگر حفاظ ابن حبان، بیہقی اور ابن حزم وغیرہ کی یہی رائے ہے۔

پھر امام بیہقی یہ کہتے ہیں کہ جس نماز میں آپ امام تھے وہ شنبہ یا یک شنبہ کی ظہر کی نماز تھی، اور جس میں آپ مقتدی تھے وہ دوشنبہ کے دن کی فجر کی نماز تھی۔

مگر امام بیہقی کا یہ کہنا (کہ جس میں آپ امام تھے وہ شنبہ یا یک شنبہ کی نماز تھی) وہم ہے، بخاری شریف میں حضرت انس کی روایت میں آئندہ آئے گا کہ تین دن تو حضور اکرم ﷺ مکان سے نکلے ہی نہیں تھے پھر آنحضور ﷺ شنبہ یا یک شنبہ کو مسجد میں آکر امامت کہاں سے کرسکتے ہیں؟

بعض علماء ابن ناصر وغیرہ کی رائے یہ ہے اور یہی حافظ ضیاء مقدسی نے اختیار کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے تین نمازوں میں شرکت کی، علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے ہے کہ آپ نے چار نمازوں میں شرکت فرمائی ہے عشاء کی نماز میں، اور ظہر کی نماز میں، اور ایک دن مغرب کی نماز میں، اور یوم وفات کو صبح کی نماز میں۔

وَزَادَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: ابو معاویہ کی یہ روایت آئندہ مفصلاً آرہی ہے۔

اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ: اس سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر قسم یعنی اپنی

Maktaba Tul Ishaat.com

ازواج کی باری مقرر کرنا واجب ہے۔

یہ مسئلہ مسائل اختلافیات میں سے ہے، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے دودو قول ہیں، حنابلہ اور شافعیہ کا مشہور قول وجوب کا ہے، اور مالکیہ کا راجح قول جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں نقل کیا ہے عدم الوجوب کا ہے اور یہی حضرات حنفیہ کا قول واحد ہے، اور شافعیہ میں سے ابو سعید اصطخری اور امام غزالی نے اسی کو اختیار کیا ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں وھو المختار للأدلة الصحیحة الصریحة، اگر آپ پر باری مقرر کرنا واجب تھی تب تو اجازت لینا کھلی ہوئی بات ہے اور اگر واجب نہیں تھی تو آپ نے تطییب خاطر کے لئے ایسا کیا تھا۔

وَ كَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَرَجُلٍ آخَرَ: حضرت عائشہؓ نے دوسرے شخص کا نام کیوں نہیں لیا:

حضرت عائشہؓ نے دوسرے شخص کا نام نہیں لیا جبکہ حضرت ابن عباسؓ نے بتلادیا کہ وہ دوسرے شخص علی بن ابی طالبؓ تھے، حضرت عائشہؓ نے عباسؓ کے ساتھ علیؓ کا نام کیوں نہیں لیا؟ امام نووی نے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اصل میں حضور اکرم ﷺ کئی بار باہر تشریف لائے ہیں، حضرت عباسؓ تو بظاہر ایک جانب کے لئے متعین تھے یا یہ کہ اکثر حضور ﷺ کے اٹھانے میں رہا کرتے تھے اس لئے ان کا تو نام لے لیا، اور دوسری جانب کے لئے کوئی متعین نہیں تھا کبھی حضرت علیؓ ہوتے تھے اور کبھی حضرت فضل بن عباسؓ اور کبھی کوئی اور ہوتا تھا اس واسطے ان کا نام نہیں لیا گیا۔

مگر امام نووی کی اس بات پر اشکال یہ ہے کہ اگر ابن عباسؓ کی اس روایت میں یہ ہے کہ آپ عباسؓ و علیؓ کے سہارے سے نکلے تو دار قطنی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ اسامہؓ اور فضلؓ کے سہارے سے نکلے، وہاں عباسؓ کا کوئی ذکر ہی نہیں، اور ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فضل بن عباسؓ اور ثوبانؓ کے سہارے سے نکلے وہاں بھی حضرت عباسؓ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اور اسی طرح سے ابن ابی شیبہ اور ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ آپ بریرۃؓ اور نوبہ جو ایک عبد حبشی تھے ان کے سہارے سے نکلے وہاں بھی عباسؓ کا کوئی ذکر نہیں، پھر امام نووی کا یہ کہنا کہ عباسؓ ایک جانب کے لئے متعین تھے اور دوسری جانب کے لوگ تبدیل ہوتے رہتے تھے سمجھ میں نہیں آتا، مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فضلؓ اور علیؓ کے درمیان نکلے، آپ کی رائے ہے کہ بیت عائشہؓ کی منتقلی کے وقت یہ پیش آیا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بندہ کا خیال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے چونکہ ناراض تھیں اس واسطے ان کا نام نہیں لیا، واقعۂ افک میں جب حضرت رسول پاک ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے سلسلہ میں مشورے کئے تو حضرت علیؓ سے بھی مشورہ کیا تھا تو حضرت علیؓ نے جو مشورہ دیا وہ حضرت عائشہؓ کو گراں گزرا اور اس میں واقعۃً ان کی کچھ رعایت ملحوظ نہیں رکھی گئی، حضرت علیؓ نے صاف کہہ دیا تھا وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں ہیں آپ باندی سے مسئلہ معلوم کر لیجئے کہ کیا صورت حال ہے وہ سچ سچ بتا دے گی، حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ بات گرہ گئی اور گرہ جانی چاہئے تھی اس لئے کہ حضور جیسے محبوب خاوند، اللہ کے رسول، آخری پیغمبر جس کا قرآن میں تذکرہ کیا جارہا ہے پھر اگر حضرت علیؓ سے ساری عمر کے لئے حضرت عائشہؓ ناراض ہو جائیں تو کوئی بعید نہیں۔

مگر حضرت علیؓ بھی مجبور تھے، وہ حضور ﷺ کا رنج و غم دیکھ نہیں سکتے تھے وہ اپنی مجبوری میں تھے انہوں نے سوچا کہ جب تک مرض کی جڑ نہیں کاٹ دی جائے گی یہ رنج و غم دور نہیں ہو سکے گا، اس لئے انہوں نے یہ قاسی اور سخت مشورہ دے دیا، ہر ایک اپنی جگہ معذور ہے، اگر حضرت عائشہؓ کسی جگہ پر حضرت علیؓ کا نام نہ لیں اور ناراض ہوں تو وہ حق بجانب ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں، اور میں نے جو یہ جواب دیا ہے اس کی تائید طبقات ابن سعد کی روایت سے ہوتی ہے اس میں ہے ولکن عائشة لاتطيب نفسا له بخير، یہی اسماعیلی کی روایت میں واقع ہوا ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانی کا رجحان بھی اسی جواب کی طرف ہے۔

(ص ۹۲) باب الرُّخصَةِ فِي الْمَطَرِ وَالعِلَّةِ أَنْ يُصَلِّيَ فِي رَحْلِهِ

٦٦٢. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيحٍ ثُمَّ قَالَ: أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُولُ: أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ.

٦٦٣. حَدَّثَنَا اسماعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يَؤُمُّ قَوْمَهُ وَهُوَ أَعْمَى وَأَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللهِ،

Maktaba Tul Ishaat.com

إِنَّهَا تَكُونُ الظُّلْمَةُ وَالسَّيْلُ وَأَنَا رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ فَصَلِّ، يَا رَسُولَ اللهِ، فِي بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى، فَجَاءَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ؟ فَأَشَارَ إِلَى مَكَانٍ مِنَ الْبَيْتِ فَصَلَّى فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: باب، بارش یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھ لینے کی رخصت کا بیان۔

حضرت نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے ایک سردی اور آندھی کی رات میں اذان دی پھر (پکار کر) یہ کہا کہ اے لوگو: اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو، اس کے بعد یہ فرمایا کہ رسول پاک ﷺ سردی اور بارش کی رات میں مؤذن کو یہ حکم دیتے تھے کہ وہ یہ اعلان کر دے کہ لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔

حضرت محمود بن ربیع انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضرت عتبان بن مالکؓ اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے اور وہ نابینا تھے اور انہوں نے حضور پاک ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کبھی اندھیرا ہوتا ہے اور پانی بہنے لگتا ہے اور میں نابینا انسان ہوں تو آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ دیں تاکہ میں اس جگہ کو نماز کے لئے مقرر کرلوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس جگہ میرا نماز پڑھنا پسند کرتے ہو؟ انہوں نے اپنے گھر میں ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا تو حضور پاک ﷺ نے اسی جگہ نماز پڑھی۔

تشریح: فی المطر یعنی بارش کا ہونا ترکِ جماعت کے اعذار میں سے ہے۔

والعلّة بمعنی بیماری، عذر، یہ تعمیم بعد التخصیص ہے اور اپنے عموم کی وجہ سے ان تمام موانع کو شامل ہے جس کی وجہ سے ترکِ جماعت کی اجازت مل جاتی ہے جیسے ریح شدید ہو یا ظلمتِ شدیدہ یا اور کوئی عذر ہو۔

أن یصلّی فی رحله یہاں رحل بمعنی المنزل ہے، صلاۃ فی الرحل اپنے اطلاق کی وجہ سے جماعت اور انفراد دونوں کو شامل ہے لیکن گھر میں نماز پڑھنا بمنزلہ انفراد ہے، اور امام بخاری کا مقصودِ اصلی یہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے لیکن اعذار کی صورت میں جماعت چھوڑنے کی گنجائش ہے، ترکِ جماعت کے اعذار حضرات فقہاء نے اپنی کتابوں میں بیان کئے ہیں وہاں ان کو تلاش کرلیا جائے۔

لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ: بردِ شدید حضرات حنفیہ بلکہ شوافع کے یہاں بھی عذر ہے، اسی طرح سے شدید بارش ائمۂ اربعہ کے یہاں ترک جماعت کا عذر ہے، آدمی کو اس کی وجہ سے جماعت چھوڑنے کی گنجائش ہے۔

مگر ہم جس مدرسہ (ضیاء العلوم) میں پڑھتے تھے وہاں کوئی گنجائش نہیں، بارش ہوتی رہتی تھی، گھٹنوں تک

Maktaba Tul Ishaat.com

مدرسہ اور مسجد کے درمیان پانی ہوتا تھا اسی میں اساتذہ اور تلامذہ سارے مسجد کو جاتے اور اسی میں نماز پڑھ کر واپس آتے، وجہ اس کی یہ ہے کہ سامنے ہی مسجد ہے، جوان جوان لوگ ہیں کیا جماعت کا چھوڑنا، اور یہاں (مظاہر علوم) جہاں آپ حضرات اور ہم لوگ رہتے ہیں وہاں تو جماعت چھوڑنے کی کوئی وجہ ہے ہی نہیں، سایہ سایہ چلے جائیں گے اور سایہ سایہ چلے آئیں گے (دارالحدیث سے مسجد کا راستہ کمروں کے مسقف صحن سے ہی تھا) اور تھوڑی بہت اگر بارش پڑ بھی جائے تو کیا حرج ہے۔

أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ: اس جملہ کو وسط اذان کہا جائے یا اذان سے فراغت پر؟ اس میں دو روایتیں ہیں، ایک ابن عباسؓ کی اور دوسری ابن عمرؓ کی، ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ وسط اذان میں اور ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ آخر اذان میں، امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں جائز ہیں مگر اولیٰ یہ ہے کہ اذان کے بعد کہے۔

پھر اگر وسط اذان میں کہا جائے گا تو حی علی الصلاۃ کے بجائے کہا جائے گا یا اس کے ساتھ؟ بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بجائے کہا جائے گا، ابن خزیمہ، ابن حبان اور محب طبری نے اسی کو اختیار کیا ہے، عبدالرزاق نے نعیم بن نحام سے جو روایت نقل کی ہے اس میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔

كَانَ يَؤُمُّ قَوْمَهُ وَهُوَ أَعْمَى: اس روایت میں تو یہ ہے کہ جب وہ اپنی قوم کی امامت کرتے تھے تو اندھے تھے لیکن یہی روایت ماقبل میں ابواب مساجد میں ص ۶۰ پر گزر چکی ہے اس میں ہے قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں کمی آگئی تھی بالکل نابینا نہیں ہوئے تھے، وہاں میں ان دونوں روایتوں میں جمع کر آیا ہوں، حاصل یہ ہے کہ وَهُوَ أَعْمَى سے مراد ممکن ہے قرب اعمیٰ مراد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکار بصر بول کر اعمیٰ مراد لیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکار بصر ابتدائی امر ہو اور اعمیٰ پوری طرح سے بعد میں ہوا ہو، اور یہ وَهُوَ أَعْمَى، يَؤُمُّ سے متعلق نہ ہو، لیکن یہ توجیہ سیاق حدیث کے ساتھ کچھ جوڑ نہیں کھاتی ہے۔

إِنَّهَا تَكُونُ الظُّلْمَةُ وَالسَّيْلُ: تاریکی ہوتی ہے، بیچ میں رو آجاتی ہے اور ساتھ ساتھ میں ضریر البصر بھی ہوں، حضرت عتبانؓ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ یہ تینوں چیزیں مل کر پورا مجموعہ ایک عذر ہے بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ میرے اعذار متعدد ہیں لہٰذا آپ اگر میرے مکان پر آکر کسی جگہ نماز پڑھ دیں تو میں اس کو مصلیٰ بنادوں گا آپ نے اس کو منظور فرمالیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۹۲) باب هَلْ يُصَلِّي الْإِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ وَهَلْ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَطَرِ

٦٦٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَارِثِ قَالَ: خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ ذِي رَدْغٍ فَأَمَرَ الْمُؤَذِّنَ لَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: قُلِ الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ، فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ كَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا، فَقَالَ: كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمْ هٰذَا، إِنَّ هٰذَا فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي - يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ - إِنَّهَا عَزْمَةٌ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُخْرِجَكُمْ.

٦٦٥. وَعَنْ حَمَّادٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: كَرِهْتُ أَنْ أُؤَثِّمَكُمْ فَتَجِيئُونَ تَدُوسُونَ الطِّينَ إِلَى رُكَبِكُمْ.

٦٦٦. حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فَقَالَ: جَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ حَتَّى سَالَ السَّقْفُ، وَكَانَ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ.

٦٦٧. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ الصَّلَاةَ مَعَكَ، وَكَانَ رَجُلًا ضَخْمًا، فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا فَدَعَاهُ إِلَى مَنْزِلِهِ فَبَسَطَ لَهُ حَصِيرًا وَنَضَحَ طَرَفَ الْحَصِيرِ صَلَّى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ آلِ الْجَارُودِ لِأَنَسٍ: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَ: مَا رَأَيْتُهُ صَلَّاهَا إِلَّا يَوْمَئِذٍ.

ترجمہ: باب، بارش کے موقع پر امام کے صرف حاضرین کو نماز پڑھانے کا کیا حکم ہے، اور بارش میں جمعہ کے دن خطبہ دینے کا کیا حکم ہے؟

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت عبداللہ بن حارث سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بہت کیچڑ والے دن خطبہ دیا اور جب موذن حی علی الصلاۃ پر پہنچا تو انہوں نے حکم دیا کہ الصلاۃ فی الرحال (قیام گاہ پر نماز کی اجازت ہے) کا اعلان کردو، اس حکم پر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے گویا انہوں نے اس حکم کو قابل اعتراض سمجھا تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ شاید تم لوگوں نے اس بات کو قابل اعتراض سمجھا ہے، بے شک یہ وہ چیز ہے جس کو اس ذات نے کیا تھا جو مجھ سے زیادہ بہتر ہے یعنی نبی کریم ﷺ نے اور بے شک جمعہ واجب ہے اور یہ کہ میں نے تم کو مشقت میں مبتلا کرنا پسند نہ کیا۔

حماد نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح کی روایت کی ہے مگر اس میں یہ فرق یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ فرمایا کہ میں نے تم کو اثم (گناہ) کی طرف منسوب کرنا برا سمجھا کہ تم آؤ اور گھٹنوں تک کیچڑ میں گزرتے ہوئے آؤ۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک بادل اٹھا اور برسا یہاں تک کہ چھت بہت زیادہ ٹپکنے لگی اور چھت کھجوروں کی شاخ کی تھی پھر نماز کی اقامت کہی گئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے یہاں تک کہ مٹی کا اثر میں نے آپ کی پیشانی پر دیکھا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز میں شرکت سے معذور ہوں اور یہ عرض کرنے والے بھاری بدن کے تھے، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا اور آپ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک بوریا بچھایا اس کے کنارے پر پانی چھڑکا، پھر آپ نے اس بوریے پر دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک شخص نے جو جارود کی اولاد میں سے تھا حضرت انسؓ سے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو اس دن کے علاوہ آپ کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

تشریح: امام بخاری نے پہلے یہ بتایا کہ بارش کی وجہ سے ترکِ جماعت کی اجازت ہے، اب اگر بارش کے وقت کچھ لوگ قریب میں ہوں اور مسجد میں آجائیں تو آیا امام حاضرین کو نماز پڑھا سکتا ہے؟ اور اسی طرح اگر جمعہ کا دن ہو تو خطبہ دے کر جمعہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ روایات باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہاں! امام حاضرین کو نماز بھی پڑھا سکتا ہے اور حاضرین کے سامنے خطبہ بھی دے سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں لفظ ھل کیوں ذکر کر دیا جبکہ روایات سے ترجمہ صاف طور سے ثابت ہوتا ہے؟ علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ھل، قد کے معنیٰ میں ہے، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہ ھل تردد کے لئے ہے، اصل میں نماز کے اندر روح خشوع و خضوع ہے ﴿قَدْ

Maktaba Tul Ishaat.com

أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ اب اگر کوئی آدمی بارش میں باہر سے مسجد میں چل کر آئے گا اس کے کپڑے بھیگ گئے ہوں گے اگر وہ نماز بھی پڑھے گا تو طبیعت میں انتشار ہوگا پورا خشوع حاصل نہیں ہوگا جو روح صلاۃ ہے، اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اگر حاضرین آئیں پھر بھی امام خطبہ اور نماز پڑھانے کا اہتمام نہ کرے، لہٰذا امام بخاری نے یہ بتلادیا کہ یہ دیکھنا ہے کہ شارع علیہ السلام نے کیا کیا؟ احادیث باب یہ بتلاتی ہیں کہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے بارش کے موقع پر حاضرین کو نماز پڑھائی ہے اور اگر جمعہ کا دن ہوا ہے تو اس دن کر خطبہ بھی دیا گیا ہے، لہٰذا اگر لوگ آجائیں تو ان کو نماز پڑھائی جائے اور اگر جمعہ کا دن ہو تو خطبہ بھی دیا جائے۔

بعض کبار علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں لفظ 'هل' ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہے اختلاف کہ جو لوگ معذور سمجھے جاتے ہیں اور ان کو ترک جمعہ کی اجازت ہے اگر وہ لوگ مسجد میں آجائیں تو ان کی موجودگی میں خطبہ معتبر ہوگا یا نہیں؟ امام بخاری نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ترجمہ میں لفظ هل ذکر کیا، اور اس کے بعد ان علماء نے اس اختلاف کو بیان کرنے کے لئے علامہ موفق بن قدامہ حنبلی کی کتاب المغنی سے ایک عبارت نقل کی، لیکن میں نے جہاں تک غور کیا ہے علامہ موفق نے المغنی میں اور اسی طرح سے امام نووی نے شرح مہذب میں اگرچہ اس مسئلہ سے تعرض کیا ہے اور اس میں تفصیلات ذکر کی ہیں لیکن جس مسئلہ کا ترجمہ سے تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ملتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لوگ چند طرح کے ہیں، ۱ اول تو صبیان، نسواں، مجانین، مغمی علیہم اور خناثیٰ ان کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ان کے حضور سے جمعہ منعقد ہوگا اس میں سب کا اجماع ہے، ۲ دوسرے مرضیٰ ان سے اگرچہ جمعہ ساقط ہے لیکن اگر حاضر ہو جائیں تو بالاتفاق اعتبار ہے، ۳ اور تیسرے عبید و مسافرین ان کے مسئلہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر وہ حاضر ہو جائیں تو جمعہ منعقد ہو جائے گا، باقی ائمہ کہتے ہیں کہ نہیں ہوگا، ۴ اور چوتھے وہ جس کے راستہ میں بارش ہے اس کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ اگر وہ مسجد میں آجائے تو اس کا جمعہ منعقد ہو جائے گا، ترجمہ کا تعلق اسی مسئلہ سے ہے کہ اگر وہ مسجد میں آتا ہے تو بالاتفاق اس کا جمعہ معتبر اور اس کا حضور معتبر، تو پھر کون سا اختلاف ہے جس کی طرف امام بخاری نے اشارہ فرمایا ہے الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ اس سے عبید و مسافرین کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ: امام بخاری نے اس سے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ اس سے

Maktaba Tul Ishaat.com

معلوم ہوا کہ منع کے باوجود کچھ لوگ آ گئے تھے اور حضرت ابن عباسؓ نے اذان بھی دلوائی تو معلوم ہوا کہ جو لوگ آ جائیں ان کو نماز جمعہ پڑھائی جائے گی اور ان کے سامنے خطبہ دیا جائے گا۔

إِنَّهَا عَزْمَةٌ: إِنَّهَا عَزْمَةٌ کے معنیٰ ہیں إِنَّ الْجُمْعَةَ عَزْمَةٌ، مگر میں ماقبل میں بتلا چکا ہوں کہ حضرت امام اسماعیلی فرماتے ہیں لاأخاله صحیحا صحیح نہیں، میرا گمان یہ ہے کہ یہ لفظ ثابت نہیں ہے اس لئے کہ اکثر رواۃ إِنَّ الْجُمْعَةَ عَزْمَةٌ کے بجائے إِنَّهَا عَزْمَةٌ نقل کرتے ہیں اور إِنَّهَا عَزْمَةٌ کا اشارہ کلمات اذان کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلمات اذان ہیں لوگ سن کر کے ایک دم نکل پڑیں گے اور راستہ میں بارش کی وجہ سے پریشان ہوں گے، چنانچہ فرما بھی دیا کَرِهْتُ أَنْ أُؤَثِّمَكُمْ فَتَجِيئُونَ تَدُوسُونَ الطِّينَ إِلَى رُكَبِكُمْ میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ تم لوگوں کو گناہ میں مبتلا کروں اور گھٹنوں تک کیچڑ میں آؤ، گناہ میں مبتلا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جب اس طرح سے تکلیف میں چلتا ہے تو دل میں خدا جانے طرح طرح کے خیالات آتے ہیں اور ایسے وقت زبان پر ناگواری کی بات آتی ہے جو بندہ کے لئے مناسب نہیں ہے۔

جَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ: عادت یہ ہے کہ بارش میں کچھ لوگ رہ جاتے ہیں اور کچھ آ جاتے ہیں، روایت میں ہے کہ حاضرین کے ساتھ حضور نے نماز پڑھائی فثبتت الصلاۃ بمن حضر۔

فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ: یہ صلاۃ صبح ہے جیسا کہ اسی حدیث میں ابواب اعتکاف میں آ رہا ہے، بعض لوگوں نے بخاری کے ترجمہ پر نظر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ یہ نماز جمعہ تھی یہ غلط ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر ہر روایت پورے ترجمہ کے لئے مثبت ہو۔

فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا: یہ روایت اصل میں مختصر ہے، یہ وہی قصہ ہے کہ ایک صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت والا شان میں حاضر ہوئے اور یہ عذر کیا کہ میں بارش وغیرہ میں مسجد نہیں آسکتا ہوں لہذا آپ میرے مکان تشریف لے آئیں اور نماز پڑھ دیں تاکہ میں اسے مصلّٰی بنالوں۔

ظاہر ہے کہ بارش کے ایام میں یہ صحابی جماعت میں شرکت نہیں کرتے ہوں گے اور بقیہ حضرات شرکت کرتے ہوں گے اور ان کو امام نماز پڑھاتے ہوں گے فثبتت الصلاۃ بمن حضر۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۹۲) باب إذا حضَرَ الطَّعامُ وأُقِيمَتْ الصَّلاةُ

وكان ابن عمر يبدأ بالعشاء، وقال أبو الدرداء: من فقه المرء إقباله على حاجته حتى يقبل على صلاته وقلبه فارغ.

٦٦٨. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي سَمِعْتُ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَابْدَؤُوا بِالْعَشَاءِ.

٦٦٩. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَؤُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلاَةَ الْمَغْرِبِ وَلاَ تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ.

٦٧٠. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ اسمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَابْدَؤُوا بِالْعَشَاءِ وَلاَ يَعْجَلْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلاَةُ فَلاَ يَأْتِيهَا حَتَّى يَفْرُغَ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الإِمَامِ.

٦٧١. وَقَالَ زُهَيْرٌ وَوَهْبُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَلاَ يَعْجَلْ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ وَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ وَهْبِ بْنِ عُثْمَانَ، وَوَهْبٌ مَدَنِيٌّ.

ترجمہ: باب، جب کھانا سامنے آجائے اور نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو کیا صورت اختیار کرے۔

حضرت ابن عمرؓ شام کا کھانا پہلے کھا لیتے تھے، حضرت ابو الدرداءؓ نے فرمایا کہ انسان کی سمجھ داری کی بات یہ ہے کہ پہلے اپنی ضرورت کی طرف متوجہ ہو تا کہ جب وہ نماز کی طرف توجہ کرے تو اس کا دل فارغ ہو۔

حضرت عائشہؓ حضور پاک ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب شام کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت

Maktaba Tul Ishaat.com

کہہ دی جائے تو کھانا پہلے کھالیا جائے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب شام کا کھانا رکھ دیا جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے ہی کھالیا جائے اور کھانے کو چھوڑ کر نماز میں عجلت مت کرو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا شام کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت ہو جائے تو کھانا پہلے کھالیا جائے اور جلدی بھی نہ کی جائے یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو جائے، اور ابن عمرؓ کا عمل یہ تھا کہ کھانا سامنے آجاتا اور نماز کی اقامت ہوتی تو وہ کھانے سے فراغت سے پہلے نماز میں نہ آتے اور امام کی قرأت کی آواز سنتے رہتے۔

زہیر اور وہب بن عثمان نے اپنی سند سے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے بیٹھا ہو تو جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنی ضرورت پوری کرلے خواہ نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے، امام بخاری نے فرمایا کہ مجھ سے ابراہیم بن المنذر نے وہب بن عثمان کی یہی روایت بیان کی، اور وہب، مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے۔

تشریح: اگر سامنے کھانا موجود ہو اور اتفاق سے نماز کے لئے تکبیر ہونے لگے تو آدمی کیا کرے؟

حضرت امام بخاری نے اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی بلکہ شرط ذکر کرکے جواب شرط کو حذف فرما دیا اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے آثار ذکر کر دیئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں آدمی کو کھانے میں مصروف ہو جانا چاہئے۔

علامہ انور شاہ کشمیری نے کئی مقام پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ امام بخاری مواقع جزم میں شرط ذکر کرکے اپنی طرف سے کوئی جواب نہیں دیتے بلکہ مادۃ الجواب؛ آثار کی روشنی میں پیش کر دیتے ہیں، یہاں بھی امام بخاری نے یہی کیا ہے، بہر حال إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتُ الصَّلَاةُ شرط ہے اور ابن عمرؓ اور ابو درداءؓ کے اثر سے اس کا جواب معلوم ہو گیا کہ ایسے وقت میں آدمی کو بجائے نماز کے کھانے میں مصروف ہو جانا چاہئے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حکم إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتُ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ مطلق ہے یا مقید ہے یا کیا ہے؟ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم مقید بالتوقان ہے، اگر آدمی کو کھانے کی سخت حاجت ہو اور طبیعت کا شدید تقاضہ ہو تو پھر اس کو نماز کے بجائے کھانے میں مصروف ہونا چاہئے، ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ علی الاطلاق کھانے میں مصروف ہو جانا چاہئے توقان وغیرہ کی کوئی قید نہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ قول امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کی طرف منسوب کیا ہے، امام ترمذی نے حضرت ابو بکر صدیقؓ، ابن عمرؓ

Maktaba Tul Ishaat.com

اور اسی طرح سے احمد و اسحاق سے یہ قول نقل فرمایا ہے، اور باقی ائمہ کے متعلق تو مجھے کچھ کہنا نہیں لیکن امام احمد بن حنبل کے مسلک کے بڑے محقق عالم علامہ موفق بن قدامہ اور ان کے تلمیذ شمس الدین بن ابی عمر المقدسی نے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور ان حضرات نے حنبلی مسلک یہ نقل کیا ہے کہ اگر کھانے کا توق اور اشتیاق شدید ہو تب کھانے کو نماز پر ترجیح دی جائے، امام وکیع سے امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ اگر کھانے کے فاسد ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو مقدم کر دینا چاہئے، امام غزالی سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ نماز کو مقدم کیا جائے گا الا یہ کہ کھانا تھوڑا سا ہو، یہ قول حضرت امام مالک سے نقل کیا گیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے مالکیہ سے اس میں تفصیل نقل کی ہے کہ اگر کھانے کی طرف رغبت ہو لیکن اتنی شدید نہ ہو کہ آدمی نماز میں پریشان ہو جائے اور اس کی وجہ سے نماز کو مختصر کر دے، یا کھانے کی رغبت بالکل نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں نماز کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر کھانے کی شدید رغبت ہو کہ اس کی وجہ سے آدمی نماز کو مختصر کر دے گا تو پھر کھانے کو مقدم کیا جائے گا۔

علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ ہر حال میں کھانے کو مقدم کیا جائے گا اور اگر کسی آدمی نے کھانا سامنے ہوتے ہوئے نماز شروع کر دی تو اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی، میرا گمان یہ ہے کہ ابو محمد بن حزم ظاہری کے علاوہ کوئی بھی اس قول کا قائل نہیں ہے اس لئے کہ علامہ موفق بن قدامہ نے حافظ ابن عبد البر سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر ایسی صورت پیش آجائے اور کوئی نماز پڑھ لے تو بالاجماع اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، مگر علامہ شوکانی نے بہت سوں سے بطلان صلاۃ کا قول نقل کیا ہے، میرا گمان یہ ہے کہ علامہ شوکانی کا کلام غیر مہذب ہے، ہاں البتہ کھانے کا شدید قسم کا تقاضہ ہو تو یہ چیز غور طلب بن سکتی ہے، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ نماز میں خشوع فرض ہے، اب اگر یہ تقاضہ اتنا شدید ہو گیا کہ خشوع و خضوع فی الصلاۃ فوت ہے تو جو لوگ خشوع کو شرط اور ضروری قرار دیتے ہیں ان کی رائے پر نماز نہیں ہونی چاہئے۔

وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ مِنْ فِقْهِ الْمَرْءِ إِقْبَالُهُ عَلَى حَاجَتِهِ: ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کے تفقہ اور عقل کی بات یہ ہے کہ آدمی اپنی حاجت پوری کر کے فارغ قلب کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ ہو۔

حضرت سہارنپوری کہیں تشریف لے گئے، مغرب کی نماز کا وقت بھی ہو گیا تھا، اب یہ گفتگو تھی کہ کھانا پہلے کھایا جائے یا نماز پڑھی جائے؟ حضرت نے فرمایا کہ لاؤ کھانا جلدی جلدی کھالیں بعد میں اطمینان سے نماز

Maktaba Tul Ishaat.com

پڑھیں گے، اور حضرت ہی کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت سہارنپوری الٰہ آباد کے سفر میں تھے نماز میں مصروف تھے ایک صاحب آئے اور حضرت کا لوٹا اٹھا کر جانے لگے تو حضرت نے نماز توڑ دی اور پوچھا کہاں لے جا رہے ہو؟ وہ صاحب کہنے لگے کہ واہ صاحب! نماز بھی توڑ دی، حضرت نے فرمایا کہ اس وقت تو میں نے ایک نماز توڑی ہے اگر آج تو میرا لوٹا اٹھا کر لے جاتا تو معلوم نہیں کتنی نمازیں تو میری توڑ دیتا، حضرت بڑے فقیہ تھے۔

وَأُقِيمَتُ الصَّلَاةُ: ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ اس سے صلاۃ مغرب مراد ہے اس لئے کہ حضرت انسؓ کی روایت میں قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ آرہا ہے، امام طحاوی کا رجحان بھی اسی طرف ہے اس لئے کہ انہوں نے اس کو صائم پر محمول کیا ہے، علامہ فاکہانی عموم کے قائل ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ بعض وقت غیر صائم کو بھی بھوک کا برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے، حنفیہ میں سے علامہ شرنبلالی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ ظاہر روایت تو ابن دقیق العید کی مؤید ہے اور اگر معنیٰ پر نظر کی جائے تو اس سے فاکہانی کی بات ثابت ہوتی ہے۔

إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوا بِهِ: اس روایت میں ہے کہ جب کھانا سامنے ہو تو کھانے سے ابتداء کرو، لیکن اگر اتفاق سے نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو کیا کرے؟ جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے وقت میں نماز کو مقدم کیا جائے گا، اور ظاہر ہے کہ احوط یہی ہے کہ آدمی نماز کا خشوع و خضوع تو فوت کر دے لیکن نماز کو فوت نہ کرے، صرف بعض شافعیہ یہ نقل کرتے ہیں کہ کھانے کو مقدم کیا جائے گا۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُؤَخِّرِ الصَّلَاةَ لِطَعَامٍ وَلَا لِغَيْرِهِ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو کسی وجہ سے بھی مؤخر نہیں کیا جائے گا، معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہیں کیا جائے گا تو یہ روایت؛ بخاری کی اس روایت کے معارض ہو گئی۔

(۱) اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بخاری کی روایت کا ابوداؤد کی روایت معارضہ کہاں کر سکتی ہے؟

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ لا تؤخر الصلاۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس کے وقت سے مؤخر نہیں کیا جائے گا یعنی اگر اتفاق سے فوات وقت کا اندیشہ ہو تو پھر اس صورت میں کھانے کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہیں کیا جائے گا بلکہ طعام کو مؤخر کیا جائے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کھانا ابھی سامنے نہیں آیا ہے اور نماز کا وقت ہو گیا تو پھر خواہ مخواہ کھانے کے انتظار میں نماز کو مؤخر نہیں کیا جائے گا، پہلے نماز پڑھی جائے گی اور پھر اس کے بعد کھانا کھایا جائے گا۔

(ص ۹۳) باب إِذَا دُعِيَ الْإِمَامُ إِلَى الصَّلَاةِ وَبِيَدِهِ مَا يَأْكُلُ

۶۷۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ ذِرَاعًا يَحْتَزُّ مِنْهَا، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَامَ فَطَرَحَ السِّكِّينَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

ترجمہ: باب، جب امام کو نماز کے لئے بلایا جائے اور اس کے ہاتھ میں کھانے کی کوئی چیز ہو (تو کیا کرے)۔

حضرت عمرو بن امیہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ دست کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے، اسی وقت آپ کو نماز کے لئے بلایا گیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور چھری کو رکھ دیا، پھر آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کی غرض میں کئی احتمالات ہیں یا یوں کہئے کہ کئی قول ہیں۔

(۱) حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلایا ہے کہ ما قبل باب إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ میں اقامت کے وقت کھاتے رہنے کا حکم ایجابی نہیں ہے بلکہ استحبابی ہے، اس لئے کہ حضور پاک ﷺ کے ہاتھ میں گوشت کا ٹکڑا تھا آپ کو نماز کی طرف بلایا گیا تو چھوڑ کر چل دیئے، معلوم ہوا کہ اگر کھانا سامنے موجود ہو تو پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہو کہ بداءت بالاکل کا حکم اس شخص کے حق میں ہے جس نے اب تک کھانا شروع نہ کیا ہو، اور جو پہلے سے کھا رہا ہو اور تکبیر ہو جائے تو اب اسے کھانے میں مشغول نہ رہنا چاہئے بلکہ نماز میں جلدی سے مشغول ہو جانا چاہئے، اس واسطے کہ کھانے سے ابتداء کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ آدمی کا دل بجائے نماز کے کھانے کی طرف نہ لگا رہے، اب جب کھا لیا اور طبیعت میں کچھ سکون حاصل ہو گیا تو نماز کو مقدم کرنا چاہئے، چنانچہ بعض حنابلہ اور شافعیہ کی یہی رائے ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۳) ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ترجمۃ الباب سے امام کا حکم بیان کیا ہو کہ اگر امام نے اتفاق سے کھانا شروع کر دیا ہو اور نماز کے لئے اس کو بلایا جائے تو کھانے ہی میں وہ مشغول نہ رہے بلکہ نماز کے لئے چلا جائے بر خلاف مقتدیوں کے کہ ان کی بات اور ہے۔

(۴) بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمع بین الروایات فرمایا ہے، فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ والی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو کھانے سے ابتداء کرنا چاہئے اور عمرو بن امیہ ضمریؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے ابتداء کرنی چاہئے، حتی کہ اگر کھانا ہاتھ میں ہو تو چھوڑ دینا چاہئے، امام بخاری نے دونوں روایتوں میں جمع فرمایا ہے یا تو اس طور پر کہ پہلا حکم مقتدیوں سے متعلق ہے اور یہ امام سے، یا یہ کہ پہلا حکم اس شخص کے حق میں ہے جس نے اب تک کھانا شروع نہ کیا ہو اور جو کھانا شروع کر چکا تھا اور اس کے بعد تکبیر ہو گئی تو اب اس کو کھانے میں مشغول نہ رہنا چاہئے بلکہ نماز کے لئے چلنا چاہئے۔

(ص ۹۳) باب مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَهْلِهِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَخَرَجَ

۶۷۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ - تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ - فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

ترجمہ: باب، وہ شخص جو گھر کے کام میں مشغول ہو اور نماز کی تکبیر ہو جائے تو نماز کے لئے نکل جائے۔

اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ رسول اکرم ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنے گھر کا سب کام، یعنی اپنے گھر سے متعلق ہر خدمت خود انجام دیتے تھے، پھر جب نماز کا وقت آتا تو آپ نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بداءت بالاکل کا حکم صرف اکل کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ کھانے کا قاعدہ یہ ہے کہ جتنی تاخیر ہوتی ہے اتنا ہی تقاضہ بڑھتا جاتا ہے بر خلاف دیگر ضروریات کے، مزید یہ ہے کہ دیگر ضروریات کی وجہ سے اگر نماز کو مؤخر کر دیا گیا تو شاید نماز کی نوبت ہی نہ آئے اس لئے

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ ضروریات کا سلسلہ تو لگا ہوا ہی ہے، اب یہ ضرورت ہے اور اس کے بعد وہ ضرورت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف کھانے کو نماز پر مقدم کیا جائے گا تاکہ جب آدمی نماز میں مشغول ہو تو نماز کی طرف دل رہے کھانے کی طرف دل نہ رہے، باقی حاجات کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہیں کیا جائے گا بلکہ حاجات کو مؤخر اور نماز کو مقدم کیا جائے گا۔

قَالَتْ كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ: یعنی حضرت والا صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

یہاں اشکال یہ ہے کہ ترجمہ خاص ہے اور روایت عام ہے، ترجمہ میں ہے فَأُقِيمَتُ الصَّلَاةُ اور روایت میں ہے حَضَرَتْ الصَّلَاةُ، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور سے مراد حضور خاص ہے یعنی جب نماز قریب ہونے لگے اور اس کے لئے تکبیر ہونے لگے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ص ۸۷ پر گزری ہے اس میں اقامت کی تصریح وارد ہوئی ہے اس کے الفاظ ہیں حتی یأتیہ المؤذن للإقامة۔

(ص ۹۳) باب مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ وَهُوَ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يُعَلِّمَهُمْ صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَّتَهُ

٦٧٤ . حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اسمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: جَاءَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا فَقَالَ: إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ، أُصَلِّي كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي، فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ: كَيْفَ كَانَ يُصَلِّي؟ قَالَ: مِثْلَ شَيْخِنَا هٰذَا، قَالَ: وَكَانَ الشَّيْخُ يَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ قَبْلَ أَنْ يَنْهَضَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى.

ترجمہ: باب، اس شخص کا حکم جس نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس کا ارادہ صرف یہ ہو کہ وہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور آپ کے طریقہ کی تعلیم دے گا۔

ابو قلابہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہماری مسجد میں حضرت مالک بن حویرثؓ آئے اور انہوں نے یہ فرمایا کہ میں تمہارے سامنے نماز پڑھوں گا یا میں تمہیں نماز پڑھاؤں گا اور یہ کہ میرا ارادہ نماز پڑھنے کا نہیں ہے، (یہ بتانے کے لئے) نماز پڑھوں گا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہ سے پوچھا کہ حضرت مالک بن حویرثؓ کس طرح نماز پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے شیخ (عمرو بن سلمہؓ) کی طرح، اور عمرو بن سلمہؓ پہلی رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بیٹھتے تھے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی صرف تعلیم سنت کے لئے نماز پڑھاتا ہے تا کہ حاضرین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مسنون طریقہ معلوم ہو جائے تو یہ شرک فی العبادۃ کے باب میں داخل نہیں ہے، یا یہ کہ یہ نماز صلاۃ المرائی نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کو صلاۃ کے ساتھ تعلیم کا بھی ثواب ملے گا۔

فَقَالَ إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ: میں تمہیں نماز پڑھانا چاہتا ہوں لیکن میرا نماز کا کوئی ارادہ نہیں ہے، بظاہر ان دونوں جملوں میں تعارض ہے لیکن حقیقت اور مطلب کے اعتبار سے تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت مالک بن حویرثؓ نے إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ سے تو حقیقتاً نماز پڑھانے ہی کے متعلق خبر دی ہے اور وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ کا مطلب یہ ہے کہ میں اس وقت امامت نہیں کرنا چاہتا ہوں بلکہ میں صرف نماز کو فعلی طور پر سکھلانا چاہتا ہوں، یا مطلب یہ ہے کہ میرے ذمہ کوئی نماز وقتی نہیں ہے، یا مجھ پر کسی نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے میں نماز پڑھنا چاہوں بلکہ میں تو صرف تم کو نماز پڑھ کر دکھلانا چاہتا ہوں کہ نماز کیسے پڑھی جائے گی۔

غالباً حضرت مالک بن حویرثؓ نے تعلیم فعلی کا اہتمام اس لئے کیا تھا کہ یہ أوقع فی القلب ہوتی ہے، اور تعلیم کا خاص طور سے اہتمام اس لئے کیا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا امر فرمایا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ جاؤ اپنے اہل وعیال میں رہو وعلموهم اور تم ان کو سکھلاؤ۔

قَالَ مِثْلَ شَيْخِنَا هٰذَا: شیخ کا مصداق حضرت عمرو بن سلمہ جرمیؓ ہیں جیسا کہ ص ۱۱۳ پر باب المكث بين السجدتين میں آرہا ہے۔

وَكَانَ شَيْخًا يَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ: یعنی جلسۂ استراحت کرتے تھے۔

جلسۂ استراحت کا حکم: جلسۂ استراحت کا مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرات حنفیہ اس کو مستحب نہیں مانتے ہیں، حضرت امام مالک اور امام شافعی اس کے استحباب کے قائل ہیں، امام احمد بن حنبل کی اس مسئلہ میں دونوں روایتیں ہیں، بعض علماء یوں کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص معذور یا بیمار ہو تو اس کے حق میں مستحب ہے اور

Maktaba Tul Ishaat.com

اگر کوئی شخص تندرست ہو یا قوت والا ہو تو اس کے حق میں مستحب نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے جلسۂ استراحت مالک بن حویرثؓ اور ابوحمید ساعدیؓ نقل کرتے ہیں لیکن عامۃً صحابۂ کرام صراحۃً تمام افعال صلاۃ کا تذکرہ کرتے اور اس جزء کا خاص طور سے ذکر نہیں کرتے ہیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلسۂ استراحت سنت مقصودہ نہیں ہے کسی عذر کی بناء پر حضور پاک ﷺ نے کیا تھا۔

(ص ۹۳) باب أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ

٦٧٥. حَدَّثَنَا اسحاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ: ثَنَا حُسَيْنٌ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ فَاشْتَدَّ مَرَضُهُ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّهُ رَجُلٌ رَقِيقٌ إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، قَالَ: مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَعَادَتْ، فَقَالَ: مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ.

٦٧٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَهْ إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا.

٦٧٧. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ وَكَانَ تَبِعَ النَّبِيَّ ﷺ وَخَدَمَهُ وَصَحِبَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ النَّبِيِّ

Maktaba Tul Ishaat.com

ﷺ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الاِثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلاَةِ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ سِتْرَ الْحُجْرَةِ يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ، فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ وَظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَارِجٌ إِلَى الصَّلاَةِ، فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أَتِمُّوا صَلاَتَكُمْ، وَأَرْخَى السِّتْرَ فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ ﷺ.

٦٧٨. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ ﷺ ثَلاَثًا، فَأُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ بِالْحِجَابِ فَرَفَعَهُ، فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ وَضَحَ لَنَا، فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ، وَأَرْخَى النَّبِيُّ ﷺ الْحِجَابَ فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ حَتَّى مَاتَ.

٦٧٩. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ ابْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَجَعُهُ، قِيلَ لَهُ فِي الصَّلاَةِ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ إِذَا قَرَأَ غَلَبَهُ الْبُكَاءُ، قَالَ: مُرُوهُ فَيُصَلِّ، فَعَاوَدَتْهُ فَقَالَ: مُرُوهُ فَيُصَلِّ إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ.

تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى الْكَلْبِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

وَقَالَ عُقَيْلٌ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حَمْزَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، علم اور فضل رکھنے والا امامت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ نے فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ابو بکرؓ نرم دل انسان ہیں جب وہ آپ کے مصلے پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، آپ نے ارشاد فرمایا ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت

Maktaba Tul Ishaat.com

عائشہؓ نے پھر وہی بات دہرائی تو آپ نے پھر یہی ارشاد فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، بے شک تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کی ساتھ والی عورتوں کی طرح ہو، بالآخر حضور ﷺ کا پیغام لانے والا حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچا اور حضرت ابو بکرؓ نے رسول پاک ﷺ کی حیات طیبہ میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا، ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ابو بکرؓ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرآن کی آواز نہیں سنا سکیں گے اس لئے آپ حضرت عمرؓ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت حفصہؓ سے بھی یہ کہا کہ آپ بھی حضور پاک ﷺ سے یہ عرض کریں کہ ابو بکرؓ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرآن کی قرات نہ سنا سکیں گے اس لئے آپ عمرؓ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ حضرت حفصہؓ نے یہ بات پیش کی، اس پر حضور ﷺ نے یہ فرمایا تم (اپنا مشورہ) رہنے دو، بیشک تم حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ والی عورتوں کی طرح ہو، ابو بکر ہی سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پھر حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مجھے آپ کی طرف سے خیر پہنچی ہو۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے اور حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے، آپ کی خدمت کرنے والے، اور آپ کے ساتھ رہنے والے صحابی تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ رسول پاک ﷺ کے مرض الوفات کے دنوں میں ان لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے یہاں تک کہ جب پیر کا دن ہوا اور اس وقت لوگ نماز میں صف باندھے کھڑے تھے تو نبی کریم ﷺ نے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کھڑے ہو کر آپ ہماری طرف دیکھنے لگے اس وقت آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک گویا قرآن کریم کا ایک ورق تھا، پھر آپ مسکرا کر ہنسنے لگے چنانچہ ہمیں رسول پاک ﷺ کی اس دن کی زیارت سے اتنی خوشی ہوئی کہ ہم نے آزمائش میں پڑنے کا خیال کیا اور ابو بکرؓ الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے تاکہ پچھلی صف سے مل جائیں اور انہوں نے یہ سمجھا کہ حضور ﷺ نماز کے لئے باہر تشریف لا رہے ہیں پھر حضور ﷺ نے ہمیں اشارہ سے بتا دیا کہ تم لوگ اپنی نماز کو پوری کر لو اور پردہ ڈال دیا، اسی دن حضور ﷺ کی وفات ہوئی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ (بیماری کے سبب) رسول اللہ ﷺ تین دن تک باہر نہیں نکلے، (ایک دن) نماز کے لئے اقامت ہوئی تو ابو بکرؓ نے آگے بڑھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ رسول پاک ﷺ نے (کمرہ کا) پردہ اٹھا دیا جب آپ کا روئے انور سامنے آیا تو ہم نے رسول پاک ﷺ کی روئے مبارک کی زیارت سے پسندیدہ کوئی منظر کبھی نہیں دیکھا، پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے حضرت ابو بکرؓ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور پردہ گرا لیا، پھر وفات تک ہمیں آپ کی زیارت مقدر نہ ہو سکی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول پاک ﷺ کی بیماری نے شدت اختیار کر لی تو آپ سے نماز کے بارے میں عرض کیا گیا آپ نے فرمایا ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ابو بکرؓ نرم دل انسان

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں جب قرآن پڑھیں گے تو گریہ طاری ہو جائے گا، آپ نے فرمایا انہی سے کہو وہی نماز پڑھائیں گے، حضرت عائشہؓ نے پھر وہی بات دہرائی پھر آپ نے یہی فرمایا، انہی سے کہو نماز پڑھائیں، تم تو یوسف علیہ السلام کے ساتھ والی عورتوں کی طرح ہو۔

اس حدیث کی روایت میں محمد بن ولید زبیدی نے اور زہری کے بھتیجے نے اور اسحاق بن یحیٰ کلبی نے زہری سے روایت میں یونس کی متابعت کی ہے، عقیل اور معمر نے اس حدیث کو زہری سے روایت کیا اور زہری نے حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے اور انہوں نے آں حضرت ﷺ سے (مرسلاً) روایت کیا ہے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کی غرض میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ یا تو امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ علم و فضل میں تفوق رکھتے ہیں ان کو امامت کا زیادہ حق پہنچتا ہے لہذا اعلم و افضل عالم و فاضل سے بھی مقدم ہو گا، ۲۔ یا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اعلم مقدم ہے اقرأ پر، اور مصنف کی ترتیب سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ حضرت امام بخاری نے یہاں تو ترجمہ منعقد کیا ہے أهل العلم و الفضل أحق بالامامة اور اسکے بعد ص ۹۴ کے آخر پر ترجمہ منعقد کیا ہے بَاب إِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَةِ فَلْيَؤُمَّهُم أَكْبَرُهُمْ، تو قرأت کے متعلق ترجمہ بعد میں ذکر فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ اعلم مقدم ہے اقرأ پر۔

اعلم مقدم یا اقرأ؟ بہر حال اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ امامت کے لئے اعلم مقدم ہے یا اقرأ؟

ائمہ ثلاثہ مالک، ابو حنیفہ، شافعی فرماتے ہیں کہ اعلم مقدم ہے اور یہی محمد بن حسن شیبانی کی رائے ہے، قاضی ابو یوسف، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اقرأ مقدم ہے اس لئے کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ وَأَقْدَمُهُمْ قِرَاءَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَلْيَؤُمَّهُمْ أَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ سِنًّا، رواہ مسلم و أصحاب السنن۔

اور جو حضرات اعلم کے مقدم ہونے کے قائل ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں حضرت صدیق اکبرؓ کو امامت کا حکم دیا، ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں و کان أبو بکر أعلمنا حالانکہ ابی بن کعبؓ وہاں موجود تھے جن کے بارے میں وارد ہے أقرؤهم أبی، ابیؓ سب سے بڑے قاری ہیں تو اقرأ کے ہوتے ہوئے اعلم کو مقدم کیا گیا، معلوم ہوا کہ اعلم کو اقرأ پر تقدم حاصل ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ کا کیا جواب ہو گا؟ علماء نے اسکے دو جواب دیئے ہیں۔

(۱) ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صدیق اکبرؓ کے واقعہ سے منسوخ ہو گئی، اس واسطے کہ حضرت صدیق

Maktaba Tul Ishaat.com

اکبرؓ کا یہ واقعہ بالکل مرض الوفات کا ہے اور یَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ والی روایت ظاہر ہے کہ اس سے پہلے کی ہے، ورنہ اگر بعد کی ہوتی تو بجائے حضرت صدیق اکبرؓ کے حضرت ابی بن کعبؓ کو امامت کا حکم دیا گیا ہوتا، لیکن امام احمد بن حنبل ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو حضرت ابی بن کعبؓ پر جو مقدم کیا گیا تھا وہ خلافت کی وجہ سے، چونکہ آئندہ حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفہ بننا تھا اس لئے عملی طور پر حضور اکرم ﷺ نے اسی وقت سے امامت کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا تھا تاکہ یہ امامت صغریٰ امامت کبریٰ کے واسطے اشارہ اور علامت بن جائے۔

(۲) دوسرا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اصل میں اُس زمانہ میں جو اقرأ ہوتا تھا وہی اعلم بھی ہوا کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک ایک سورت کو کئی کئی سال میں سیکھا کرتے تھے، مگر حضرت علامہ سندی فرماتے ہیں کہ پھر تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ أقرؤهم أبي کے معنٰی یہ ہوئے أعلمهم أبي لہٰذا سارا استدلال ختم ہو گیا، اس لئے کہ جو لوگ تقديم الأعلم على الأقرأ کے قائل ہیں وہ لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اقرأ تو اُبیؓ تھے اور صدیقؓ اعلم تھے اور اعلم کو اقرأ پر مقدم کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ جب جب اعلم و اقرأ جمع ہو جائیں تو اعلم کو تقدم حاصل ہوگا۔

اب جب يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ میں اقرأ سے مراد اعلم ہوا تو أقرؤهم أبيّ میں بھی اقرأ سے مراد اعلم ہوگا، لہٰذا صدیق اکبرؓ اور اُبیؓ کے بارے میں جو روایتیں وارد ہوئی ہیں ان کو سامنے رکھ کر تقديم الأعلم على الأقرأ پر استدلال کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ میں اقرأ سے مراد تو ہو أعلمهم، اور أقرؤهم أبيّ کے یا تو معنی ہیں أجودهم قراءة یا معنی ہیں أحفظهم للقرآن یا معنی ہیں أكثرهم قراءة للقرآن۔

إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ: میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں اور دوبارہ کچھ تفصیل عرض کرتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ کے مرض کی ابتداء حضرت میمونہؓ کے مکان پر ہوئی تھی جیسا کہ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے، ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ یہ بدھ کے دن کا قصہ ہے، ابن حبان نے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ صفر کی صرف دو راتیں باقی رہ گئی تھیں یعنی اٹھائیس تاریخ کا واقعہ ہے، ابن حبان نے لکھا ہے کہ اسی دن لدود کا قصہ پیش آیا جو آئندہ بخاری میں کتاب المغازی میں آرہا ہے، اس کے بعد جب مرض زیادہ اور شدید ہو گیا تو صحیحین کی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ صدیق اکبرؓ کی

Maktaba Tul Ishaat.com

صاحبزادی حضرت عائشہؓ کے مکان پر آپ کی تمریض یعنی تیارداری کی جائے، ابن حبان کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے خود ازواج مطہرات سے اس کی اجازت چاہی چنانچہ سب نے انہیں اجازت دے دی اور آپ حضرت عائشہؓ کے یہاں منتقل ہوئے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ بیت عائشہؓ کی منتقلی کے وقت حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپ کو سہارا دے رہے تھے، اس کے بعد حضور اکرم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ضعوا لي ماءً في المخضب، پانی رکھ دیا گیا اور آنحضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر غشی طاری ہوگئی پھر حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو غسل دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ آپ کا لوگ مسجد میں انتظار کر رہے ہیں، حضور اکرم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کہا کہ ابو بکر صدیق کو کہو کہ وہ امامت کرے، حضرت عائشہؓ نے کہا إِنَّهُ رَجُلٌ رَقِيقٌ، حضور پاک صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دوبارہ امر فرمایا پھر ان حضرات نے وہی بات دہرائی آپ نے سہ بارہ امر فرمایا پھر جب انہوں نے اپنی بات دہرائی تو آپ نے فرمایا إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، چنانچہ صدیق اکبرؓ کو اطلاع کی گئی، حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہہ دیا کہ تم امامت کرلو، وہ یہ سمجھے ہوں گے کہ حضور پاک صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صرف میری تکریم کی نیت سے مجھے امامت کا امر فرما دیا ہے اور یہ خیال فرمایا ہو گا کہ عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے جلالت وشان اور قوت عطا فرمائی ہے لہذا وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں، انہیں غالباً حضور اکرم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور ازواج مطہرات کی گفتگو کا علم نہیں تھا بلکہ یقیناً نہیں تھا ورنہ وہ حضور اکرم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اس شدید فرمان کے بعد حضرت عمرؓ سے کیوں کہتے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے چند دن تک نماز پڑھائی، اس کے بعد ایک دن آنحضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو خفت محسوس ہوئی اور ظہر کی نماز میں آپ شریک ہوئے اور صدیق اکبرؓ کی بائیں جانب آکر بیٹھ گئے۔

یہ کس دن کا قصہ ہے؟ بیہقی کی رائے تو یہ ہے کہ یہ شنبہ یا یک شنبہ کا قصہ ہے لیکن روایات کی روشنی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پنج شنبہ کا قصہ ہے اور اسی دن آنحضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے منبر پر خطبہ دیا تھا، مسلم شریف میں حضرت جندبؓ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ وفات سے پانچ دن پیشتر حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا، اور ابن حبان نے یہ لکھا ہے کہ یہ آنحضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا آخری خطبہ تھا، اور اسی دن حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے فضائل إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبَا بَكْرٍ وغیرہ بیان فرمائے تھے اور اسی دن آنحضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس تحریر کو لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا جس کا ابن عباسؓ کی روایت میں تذکرہ ہے جس کو انہوں

Maktaba Tul Ishaat.com

نے بڑے رنج و غم کے ساتھ ذکر کیا ہے یَوْمُ الْخَمِيسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ؟ فَقَالَ: اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَجَعُهُ يَوْمَ الْخَمِيسِ فَقَالَ ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا الحدیث، یہ روایت کتاب العلم میں گزر چکی ہے اور آئندہ بھی خمس اور مغازی میں آئے گی نیز دوسرے مواقع میں آئے گی۔

اس کے بعد پھر سرکار دوعالم ﷺ مکان میں تشریف لائے اور حضرت انسؓ کی روایت میں صحیحین میں یہ تصریح ہے کہ تین دن تک حضور اکرم ﷺ نکل نہیں سکے یعنی جمعہ، شنبہ، یک شنبہ اور دوشنبہ کے دن سرکار دوعالم ﷺ نے حجرۂ شریفہ کے پردہ کو اٹھاکر دیکھا تو نماز ہورہی تھی، چہرۂ انور ایسے چمک رہا تھا جیسے قرآن کا ورق ہو، اول تو حسن و جمال ظاہری خدا نے عطا فرمایا تھا اور پھر نور نبوت اس وقت چہرۂ انور میں اجاگر ہورہا تھا کیوں کہ اللہ کے یہاں جانے کا وقت تھا اور آخری زمانہ میں جب حضرات اولیاء پر انوار کی کثرت ہوجاتی ہے تو انبیاء اور سید الانبیاء ﷺ کا کیا حال ہوگا؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت والا ﷺ نے اشارہ فرمادیا، حضرت انسؓ کہتے ہیں فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ ما نظرنا منظرًا كان أعجب إلينا من وجه النبی ﷺ حين وضح لنا جب چہرۂ انور پر نظر پڑی تو ہم بالکل بے قابو ہوگئے اور ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا، اس کے بعد پھر آنحضور ﷺ کی اسی دن وفات ہوگئی۔

ابن حبان نے لکھا ہے کہ پیر کے دن آپکی وفات ہوئی ہے اور یہی تاریخی حیثیت سے ثابت ہے، صحیحین کی روایت تو اس سے ساکت ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ نے کتاب المغازی میں یہ لکھا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فجر کی نماز میں شرکت فرمائی ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی نفی اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت مثبتہ میں جمع کی صورت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حجرۂ شریفہ سے اقتداء فرمائی، مسجد تشریف نہیں لائے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ رکعت اولیٰ میں شرکت کی نوبت نہ آسکی رکعت ثانیہ میں آپ نے شرکت فرمائی، بہرحال ابن سعد کی ایک مرسل روایت میں یہ ہے کہ اس دن حضور اکرم ﷺ کا مرض ہلکا تھا حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! آج طبیعت مبارکہ کچھ اچھی معلوم ہوتی ہے اور آج بنت خارجہ کی باری ہے جو بنو الحارث بن خزرج میں ہے اگر اجازت ہو تو میں وہاں ہو آؤں، یہ لوگ مقام سُنُح میں رہتے تھے، صدیق اکبرؓ وہاں چلے گئے، ابھی تو اپنے مکان ہی پر تھے کہ ادھر رسول پاک ﷺ کا انتقال ہوگیا، جب صدیقؓ کو اطلاع ہوئی تو وہ وہاں سے تشریف لے آئے، یہاں صورتحال ہی دِگرگوں تھی، حضرت

Maktaba Tul Ishaat.com

عمرؓ صاف کہہ رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ سے ملنے تشریف لے گئے ہیں اور اس وقت تک آپ وفات پا ہی نہیں سکتے جب تک بہت سے لوگوں کے یعنی منافقین کے ہاتھ پاؤں کاٹ نہ دیں اور جو آدمی کہے گا کہ آپ کی وفات ہوگئی اسکی ایسی تیسی، حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے عمر کو فرمایا اسکت! لیکن کون سنتا تھا صدیق اکبرؓ منبر پر تشریف لے گئے اور وہاں جاکر ایک مختصر سا خطبہ دیا اور اس میں یہ آیت شریفہ پڑھی ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا﴾ اور فرمایا أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، اس وقت لوگوں کے ہوش اڑ گئے اور سب کو یہ یقین ہو گیا کہ رازدار نبوت جو کہہ رہا ہے وہ صحیح کہہ رہا ہے، اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے فانی کو چھوڑ گئے ہیں، یہ قصہ میں نے تفصیلی حیثیت سے بیان کردیا۔

بہرحال اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء کس دن ہوئی ہے؟ کوئی کہتا ہے شنبہ کے دن، کوئی کہتا ہے دوشنبہ کے دن اور ابن حبان اور ان سے پہلے واقدی اور ابن سعد کی رائے یہ ہے کہ بدھ کے دن، حضرت علامہ ابن تیمیہ کی رائے ہے کہ پنج شنبہ کے دن ابتداء ہوئی ہے اور پھر اگلے پنج شنبہ تک آپ بیمار رہے اور پھر دوشنبہ کے دن آپ کی وفات ہوئی ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے دنوں تک بیمار رہے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ دس دن، بعض کہتے ہیں کہ بارہ دن، بعض کہتے ہیں تیرہ دن اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چودہ دن، ابن حبان کے بیان پر کل چودہ دن بنتے ہیں اور حافظ ابن تیمیہ کے بیان پر بارہ دن بنتے ہیں پنج شنبہ پنج شنبہ آٹھ دن، جمعہ نو، شنبہ دس، یک شنبہ گیارہ اور دوشنبہ بارہ اگر یوم الوفات کو شمار کرلیا جائے۔

آپ کی وفات بالاتفاق ربیع الاول میں ہوئی ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کس تاریخ میں وفات ہوئی ہے، ابن حبان وغیرہ کی رائے تو یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے، اس کے علاوہ دو قول اور ہیں، بعض تو کہتے ہیں کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو اور بعضوں نے کہا ہے کہ دوسری ربیع الاول کو وفات ہوئی ہے اور اسی کو امام ابوالقاسم سہیلی نے اختیار فرمایا ہے۔

مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا: کا مطلب یہ ہے کہ تو ہمیشہ مجھے ایسی باتوں میں پھنسا دیا کرتی ہے۔

وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ: اس صلاۃ سے مراد نماز فجر ہے جیسا کہ ص ۶۴۰ پر اسی روایت میں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ: گویا کہ آپ کا چہرۂ انور قرآن پاک کا ورق ہے یعنی بالکل سفید روشن۔

فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ: آپ نے اشارہ کیا کہ تم لوگ اپنی نماز پوری کرلو۔

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: یہاں اس روایت میں ہے فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِيَدِهِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ اس میں اختصار ہے زہری کی حدیث سے جو ابھی ص ۹۴ پر گزری ہے، حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو چہرۂ انور جب نظر آیا تو انہوں نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا، یہ جو پردہ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا غالباً اس لئے دیکھا تھا کہ آپ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے اس امام کے پیچھے مجتمع ہو کر نماز ادا فرما رہے ہیں اور آپ کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

قِيلَ لَهُ فِي الصَّلَاةِ: یعنی نماز کے سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی گئی کہ آپ نماز پڑھائیں گے؟

وَقَالَ عُقَيْلٌ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ یہ مقاولہ ہے اور زبیدی وغیرہ کی روایتیں متابعت، یہ علامہ کرمانی کی خود ساختہ اصطلاح ہے، حضرات اہل اصول نے اصول حدیث میں مقاولہ نام کی کوئی خاص چیز نہیں لکھی ہے، علامہ کرمانی نے اس کو قال کی وجہ سے مقاولہ کہہ دیا، جیسے تابعہ کی وجہ سے متابعت کہلاتی ہے، اصل بات یہ ہے کہ ابن شہاب زہری سے نقل کرنے میں یہ سارے حضرات متفق ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ زبیدی اور ان کے رفقاء تو موصولاً نقل کرتے ہیں اور عقیل اور معمر اس روایت کو مرسلاً نقل کرتے ہیں، اسی لئے مصنف نے عقیل اور معمر کی روایت کو الگ اور مستقل ذکر فرمایا ہے یعنی ان کی متابعت کو الگ ذکر کیا ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں کتنی نمازیں مسجد میں ادا فرمائی ہیں؟

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ مرض الوفات میں صرف ایک نماز میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر لوگوں کی امامت فرمائی ہے، اور نعیم بن ہند، طحاوی، ابن حبان، بیہقی اور محمد بن حزم ظاہری وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی نمازوں میں شریک ہوئے ہیں، بعض میں آپ امام تھے اور بعض میں مقتدی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام شافعی سے بھی اسی طرح سے نقل کیا ہے، باقی ان حضرات نے نمازوں کی کوئی تعیین نہیں کی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حافظ ضیاء الدین مقدسی اور ابن ناصر کہتے ہیں کہ تین نمازیں آپ نے مسجد میں پڑھی ہیں اور علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے ہے کہ چار نمازیں پڑھی ہیں، ۱۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ظہر کی نماز میں شرکت کرنا تو بخاری میں مصرح ہے، ۲۔ اور عشاء کی نماز میں شرکت بخاری کی روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے، اس سے مراد وہ روایت ہے جو ماقبل میں ص ۹۱ پر گزری ہے، ۳۔ پھر حضور ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی ہے جیسا کہ نسائی میں حضرت انسؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ یہ دو نماز تو مکان کے اندر ادا ہوئی ہیں، ۴۔ چوتھی نماز فجر کی ہے اور وہ مختلف فیہ نماز ہے۔

بہر حال ظہر کی نماز تو قطعی ہے اور فجر کی نماز میں شرکت فرمانا موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں وارد ہوا ہے، عشاء کی نماز میں شرکت ظاہر روایتِ بخاری سے معلوم ہوتی ہے، لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ کی رائے ہے کہ عشاء میں آپ نے شرکت نہیں کی ہے اور اس روایت میں جو ص ۹۱ پر گزری ہے اختصار ہے، دوسری روایت سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ اگلے دن کسی اور نماز کی شرکت مراد ہے، ابن حبان کے طرز سے بھی کچھ یہی معلوم ہوتا ہے انہوں نے ظہر میں تو شرکت نقل کی لیکن عشاء میں شرکت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، رہا مغرب کا قصہ تو حافظ نے روایت پیش کی ہے اور فی بیتہ کی اس میں تصریح وارد ہوئی ہے اس لئے حافظ ہی کی بات ارجح معلوم ہوتی ہے۔

صدیق اکبرؓ نے کتنی نمازیں پڑھائی ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ قطعی طور پر تو کوئی بات نہیں کہی جاسکتی ہے کہ کتنی نمازیں حضرت صدیق اکبرؓ نے پڑھائی ہیں اس لئے کہ ابتداء کا تو کسی کو پتہ ہی نہیں کہ کب سے صدیق اکبرؓ نے بالاستقلال امامت شروع کی ہے، البتہ روایات کی روشنی سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جس دن حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے بائیں طرف بیٹھے اور بیٹھ کر آپ نے امامت کی وہ پنج شنبہ کا دن تھا اور ظہر کی نماز تھی، اس کے بعد باقی جتنی نمازیں ہیں وہ ساری حضرت صدیقؓ نے پڑھائی ہیں، صرف یوم الوفات کی فجر کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس میں حضور شریک ہوئے ہیں یا نہیں؟

بہر حال چاہے آپ نے شرکت کی ہو یا نہ کی ہو لیکن پنج شنبہ کی ظہر کے بعد سے لیکر جتنی نمازیں ادا ہوئی ہیں وہ ساری کی ساری حضرت صدیقؓ نے پڑھائی ہیں، لہذا جمعہ، شنبہ اور یک شنبہ تین دن کی پندرہ نمازیں ہو گئیں اور

Maktaba Tul Ishaat.com

پنج شنبہ کے دن کی عصر، مغرب، عشاء تین نمازیں، اور دوشنبہ کے دن کی صبح کی نماز، یہ کل مجموعہ انیس (۱۹) نمازیں بنتی ہیں۔

(ص ۹۴) باب مَنْ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْإِمَامِ لِعِلَّةٍ

٦٨٠. حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِي مَرَضِهِ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ، قَالَ عُرْوَةُ: فَوَجَدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ يَؤُمُّ النَّاسَ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ اسْتَأْخَرَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ كَمَا أَنْتَ، فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِذَاءَ أَبِي بَكْرٍ إِلَى جَنْبِهِ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ.

ترجمہ: باب، جو شخص کسی عذر کے سبب امام کے پہلو میں کھڑا ہو جائے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری میں حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، حضرت عروہؓ نے فرمایا کہ ایک دن حضور پاک ﷺ کو اپنے مرض میں تخفیف محسوس ہوئی اور آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں، پھر جب ابو بکرؓ نے آپ کو دیکھا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے، آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ آپ اپنی جگہ رہیں، پھر حضور پاک ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے برابر ان کے پہلو میں بیٹھ گئے، اور حضرت ابو بکرؓ نے نماز میں حضور پاک ﷺ کی اقتداء کی، اور لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کی اقتداء کی۔

تشریح: علت کہتے ہیں سبب کو، اصل یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کھڑا ہو گا لیکن تین صورتوں میں امام کے برابر کھڑا ہو سکتا ہے، اول تو یہ کہ مقتدی ایک ہو، دوسرے یہ کہ جگہ تنگ ہو، تیسری صورت یہ ہے کہ عراۃ یعنی ننگوں کی جماعت ہو۔

امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی سبب اور عذر پیش آجائے تو اس کی وجہ سے مقتدی اپنا موقف چھوڑ کر امام کے پہلو میں کھڑا ہو سکتا ہے، مثلاً امام خفی الصوت ہو اور اس کی آواز قوم تک نہ پہنچ پاتی ہو تو کوئی مقتدی برابر میں اس لئے کھڑا ہو جائے تاکہ امام کی تکبیرات وغیرہ کو قوم تک منتقل کرے، یا

Maktaba Tul Ishaat.com

جگہ تنگ ہو اور کھڑا ہو جائے تو اس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مقتدی اگر امام کے بالکل برابر کھڑا ہو جائے اور امام ذرا بھی آگے نہ ہو تب بھی اس مقتدی کی نماز صحیح ہو جائے گی کذا قالہ الکرمانی۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہ مسئلہ یہاں کا نہیں ہے، اس کے لئے ایک ورق بعد ص ۹۷ پر ایک مستقل ترجمہ بَاب يَقُومُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ بِحِذَائِهِ سَوَاءً إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ منعقد فرمایا ہے اور یہ مسئلہ وہیں کا ہے، بہر حال امام ابو حنیفہ اور امام مالک تو مساوات کے قائل ہیں اور امام شافعی اور امام احمد کہتے ہیں کہ اگر مقتدی تنہا ہو تو امام سے ذرا کچھ پیچھے کھڑا ہو گا۔

فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِذَاءَ أَبِي بَكْرٍ إِلَى جَنْبِهِ: یہاں سوال یہ ہے کہ ترجمہ تو ہے من قام إلى جنب الإمام یعنی امام کے پہلو میں کھڑا ہو اور روایت میں ہے فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِذَاءَ أَبِي بَكْرٍ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ کے پہلو میں بیٹھے، اس میں قیام کا ذکر نہیں۔

علامہ کرمانی نے اس کے تین جواب دیئے ہیں، ۱۔ امام بخاری نے اپنا ترجمہ یوں ثابت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بیٹھ گئے لیکن ابتداء امر میں تو آپ قائم تھے، ۲۔ امام بخاری نے جلوس پر قیام کو قیاس فرمایا ہے، ۳۔ اصل میں امام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور صدیق اکبرؓ ان کے پہلو میں برابر میں کھڑے تھے، میرے نزدیک یہی صحیح جواب ہے اور باقی پہلے دونوں جواب محض احتمالات کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کا ضعف کھلا ہوا ہے۔

(ص ۹۴) باب مَنْ دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ فَجَاءَ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ فَتَأَخَّرَ الْأَوَّلُ أَوْ لَمْ يَتَأَخَّرْ جَازَتْ صَلَاتُهُ

فيه عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم.

۶۸۱ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ، فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ،

Maktaba Tul Ishaat.com

فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ، فَصَفَّقَ النَّاسُ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ، فَرَأَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللهَ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ.

ترجمہ: باب، اگر کسی شخص نے نماز میں لوگوں کی امامت شروع کر دی پھر امام معین بھی آگیا پھر یہ پہلا شخص پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے اس کی نماز درست ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بنو عمرو بن عوف میں گئے تا کہ ان کے درمیان صلح کرا دیں کہ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا تو موذن حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہا کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں گے تو میں اقامت کہہ دوں؟ انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے چنانچہ ابو بکرؓ نے نماز شروع کر دی، اتنے میں حضور پاک ﷺ بھی تشریف لے آئے اور لوگ نماز میں تھے، آپ صف چیرتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ پہلی صف میں ٹھہر گئے پھر لوگوں نے تصفیق (بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو مارنا) کا عمل شروع کیا، اور حضرت ابو بکرؓ کا حال یہ تھا کہ وہ نماز میں کسی جانب التفات نہیں فرماتے تھے لیکن جب لوگوں نے تصفیق کا عمل بہت زیادہ کیا تو انہوں نے التفات کیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ آ گئے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو اشارہ کیا کہ آپ اپنی جگہ رہیں تو حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور رسول اللہ ﷺ نے جو ان کو اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کی اجازت دی تھی اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر وہ پیچھے ہٹ گئے اور پہلی صف میں شامل ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ امام کی جگہ آگے بڑھ گئے اور نماز پڑھائی، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے ابو بکر جب میں نے تم کو مامور کیا تھا تو تمہیں اپنی جگہ ٹھہرے رہنے سے کیا چیز مانع ہوئی؟ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ ابن ابی قحافہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے امام بن کر نماز پڑھانا مناسب نہیں تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے نمازیوں کو مخاطب کر کے فرمایا تم نے تصفیق کا عمل بہت زیادہ کر دیا، دیکھو اگر کسی کو نماز کے دوران کوئی بات پیش آ جائے تو

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کو سبحان اللہ کہنا چاہئے، اس لئے کہ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو اس کی طرف توجہ کی جائے گی اور یہ کہ تصفیق کا عمل تو صرف عورتوں کے لئے ہے۔

تشریح: میں اس باب کا لفظی ترجمہ تحت اللفظ کرتا ہوں، جو شخص داخل ہوا لوگوں کی امامت کرنے کے لئے امامِ راتب کی نیابت میں، پس آ گیا امام اول یعنی امام راتب پھر امام اول یعنی نائب پیچھے ہٹ گیا یا پیچھے نہیں ہٹا اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، امام راتب کو امام اول کہا گیا ہے اس واسطے کہ وہی اول امر سے امام چل رہا ہے اور امام نائب کو اول اس لئے کہا گیا کہ وہ اس نماز میں اول ہے۔

امام بخاری کے فرمانے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی امام راتب کی طرف سے نیابۃً نماز شروع کرادے اور نماز کے بیچ میں امام راتب آجائے تو اختیار ہے چاہے یہ امام نائب ہٹ جائے اور امام راتب آکر نماز پڑھادے اور چاہے امام نائب اپنی جگہ پر پڑھاتا رہے، اس لئے کہ سرور عالم ﷺ جب بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے تو بلالؓ سے یہ کہہ گئے تھے کہ تم ابو بکر سے یہ کہہ دینا کہ وہ نماز پڑھادے، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ عصر کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے، اتنے میں حضور پاک ﷺ تشریف لائے اور صفیں چیرتے ہوئے آپ صف اول میں پہنچ گئے، حضرت صدیق اکبرؓ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو حضور نے ان کی طرف اشارہ کیا أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ کہ اپنی جگہ پر رہو لیکن صدیق اکبرؓ نہیں مانے پیچھے آ گئے، پھر حضور اکرم ﷺ آگے بڑھ گئے اور آپ نے امامت فرمائی تو صدیق اکبرؓ امام نائب تھے حضور اکرم ﷺ امام راتب تھے، نائب نے راتب کی جگہ امامت شروع کی تھی اور جب امام راتب تشریف لائے تو امام نائب نے ہٹنا چاہا مگر آپ نے اشارہ کیا، معلوم ہوا کہ اگر امام نائب نہ ہٹے تو جائز ہے مگر وہ پیچھے ہٹ گئے تو حضور اکرم ﷺ آگے بڑھ گئے اور نماز پڑھائی، معلوم ہوا کہ اگر امام نائب پیچھے ہٹ جائے اور راتب آگے بڑھ کر امامت شروع کرادے تو اس صورت میں بھی نماز جائز ہے۔

اس مسئلہ میں بخاری کی رائے تو معلوم ہو گئی، یہی امام شافعی کا مسلک ہے انہوں نے کتاب الأم میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور شافعیہ کے یہاں مشہور بھی یہی ہے، اور حنابلہ کی ایک بہت بڑی جماعت اسی کی قائل ہے، مالکیہ میں سے ابن قاسم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن جریر کا مسلک بھی یہی ہے۔

لیکن دوسرے حضرات یہ صورت جائز قرار نہیں دیتے ہیں، یہی حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ہے، امام طحاوی اور

Maktaba Tul Ishaat.com

حافظ ابن عبد البر نے روایت الباب کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حضور پاک ﷺ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ آپ کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا لہذا آپ کے ہوتے ہوئے کسی اور کی امامت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

صاحب بدائع نے ایک جواب یہ دیا کہ حضور اکرم ﷺ کے ہوتے ہوئے صدیق اکبرؓ کی ہمت ہی نہ پڑی کہ وہ آگے کھڑے رہیں چنانچہ بعد میں سوال کرنے پر صاف کہہ دیا مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

تیسرا جواب صاحب بدائع ہی نے دیا ہے کہ اصل میں صدیق اکبرؓ پر حصر طاری ہو گیا، یہی جواب صاحبِ در مختار نے دیا ہے اور اس کی علت ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ صدیق اکبرؓ کو حضور ﷺ کی آمد کی وجہ سے انتہائی مسرت ہوئی تھی جس کی وجہ سے حصر طاری ہو گیا۔

فِيهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: یعنی اس بات کے دعویٰ کے اثبات کے لئے حضرت عائشہؓ کی روایت بھی ہے، حضرت عائشہؓ کی روایت اس سے پہلے باب میں گزری ہے اس میں ہے فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ اسْتَأْخَرَ پس جب حضور اکرم ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے، اس سے معلوم ہوا کہ امام نائب پیچھے ہٹ سکتا ہے اور حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ص ۹۱ پر گزری ہے اس میں یہ گزرا ہے فَأَرَادَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ مَكَانَكَ اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام نائب نہ ہٹے تو بھی گنجائش ہے۔

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ: بنو عمرو بن عوف ایک قبیلہ ہے جو قباء میں رہتا تھا ان میں باہم اختلاف ہو گیا حتیٰ کہ ایک دوسرے پر سنگ باری ہوئی، حضور اکرم ﷺ ہی حَکَم تھے اس لئے آنحضور ﷺ صلح کرانے کے لئے وہاں تشریف لے گئے اور حضرت بلالؓ سے یہ فرما گئے تھے کہ اگر نماز کا وقت آجائے تو ابو بکر سے کہہ دینا کہ وہ امامت کر لیں، چنانچہ نماز کا وقت آگیا، اس نماز سے مراد نماز عصر ہے جیسا کہ بخاری شریف میں کتاب الاحکام میں اس کی تصریح آرہی ہے، حضرت بلالؓ صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، حضرت صدیق اکبرؓ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہی ہوئے تھے کہ حضور پاک ﷺ تشریف لائے فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ، حضور پاک ﷺ صفیں چیرتے ہوئے آگے نکل گئے یہاں تک کہ صف اول میں جا کر کھڑے ہو گئے، صدیق اکبرؓ کی عادت یہ تھی کہ نماز میں ادھر ادھر التفات نہیں فرماتے تھے، لوگوں نے تالیاں بجانی شروع کیں تب صدیقؓ متوجہ ہوئے،

Maktaba Tul Ishaat.com

دیکھا کہ حضور پاک ﷺ ہیں آپ نے اشارہ کیا أنْ امْکُثْ مَکَانَکَ، یعنی اشارہ کی تعبیر امْکُثْ مَکَانَکَ سے کی، فَرَفَعَ أَبُو بَکْرٍ رضی اللہ عنہ یَدَیْهِ، حضرت ابو بکرؓ نے ہاتھ اٹھائے اللہ کی حمد کی اور پھر پیچھے ہٹ گئے، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے یہ نماز ہی میں کیا تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر ہاتھ اٹھائے تھے اور اللہ کی حمد وثنا کی تھی پھر صدیق پیچھے ہٹ گئے اور صف میں آکھڑے ہوئے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امامت کا حکم دیا اور وہ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے تھے پھر آپ کے آنے پر ابو بکر صدیقؓ کیوں پیچھے ہٹ گئے، جبکہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ آنحضور ﷺ کے آنے میں دیر ہوئی تو لوگوں نے عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو امامت کے لئے آگے بڑھا دیا، حضور اکرم ﷺ جب استنجاء اور وضوء سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو عبد الرحمٰن بن عوفؓ اپنی جگہ نماز پڑھاتے رہے، تو کیا وجہ ہے کہ صدیقؓ تو پیچھے ہٹ گئے اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ اپنی جگہ قائم رہے؟

بعض شراح نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مقام صدیقی ہے اور وہ مقام عبد الرحمٰن بن عوفؓ ہے، حضرت صدیقؓ پر حسنِ ادب کا غلبہ تھا اس لئے وہ تو اپنی جگہ پر کھڑے رہ ہی نہ سکے مجبور ہو کر پیچھے آگئے، اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ پر امتثال امر کا غلبہ تھا لہذا حضور اکرم ﷺ کے اشارہ کو انہوں نے اپنی جگہ پر حکم کا درجہ سمجھا۔

لیکن اس سے بہتر توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اصل میں صورت حال یہ ہوئی تھی کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ نے امامت شروع کی تھی تو ابھی رکعت اولیٰ ہی تھی کہ آپ تشریف لے آئے، اور جب عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے نماز پڑھائی تھی تو اس وقت ایک رکعت ہو چکی تھی اور دوسری رکعت میں حضور اکرم ﷺ آکر شامل ہوئے، لہذا صدیق اکبرؓ کے پیچھے ہٹنے میں تو کوئی اشکال نہیں تھا کہ دوبارہ سلام کے لئے استخلاف کی ضرورت پیش آتی، اور اگر عبد الرحمٰن بن عوفؓ پیچھے ہٹ جاتے اور حضور اکرم ﷺ نماز پڑھاتے تو پھر دوبارہ قوم کے ساتھ سلام پھیرنے کے لئے استخلاف کی ضرورت پیش آتی، اس لئے عبد الرحمٰن بن عوفؓ اپنی جگہ پر نماز پڑھاتے رہے اور حضور پاک ﷺ پڑھتے رہے۔

مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ: یہ ایک قاعدہ ہے کہ اگر نماز میں کوئی بات پیش آجائے اور امام کو مطلع کرنا ہو تو تسبیح کے ذریعہ اطلاع دی جائے، یہ حکم جمہور علماء کے نزدیک مردوں کا ہے اور عورتیں تالی بجائیں

Maktaba Tul Ishaat.com

گی، حدیث میں ہے وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ تالی عورتوں کا کام ہے یعنی عورتیں تالی بجائیں گی، وہ تالی کے ذریعہ اطلاع کریں گی، مالکیہ فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں ہی تسبیح پڑھیں گے اور إِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورتوں کی عادت ہے کہ وہ تالی بجایا کرتی ہیں، روایت کے الفاظ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور ہی کی بات صحیح ہے۔

(ص ۹۴) باب إِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ

٦٨٢. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ فَلَبِثْنَا عِنْدَهُ نَحْوًا مِنْ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ رَحِيمًا فَقَالَ: لَوْ رَجَعْتُمْ إِلَى بِلَادِكُمْ فَعَلَّمْتُمُوهُمْ، مُرُوهُمْ فَلْيُصَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا وَصَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ.

ترجمہ: باب، اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو عمر میں بڑے کو امام بنانا چاہیے۔

حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم سب جوان تھے اور ہم لوگوں نے آپ کے پاس بیس دن تک قیام کیا اور رسول اللہ ﷺ رحیم اور مہربان تھے اور آپ نے فرمایا کہ تم اپنے وطن واپس جانا چاہتے ہو تو لوٹ جاؤ اور لوگوں کو دین کی تعلیم دو، اور ان کو حکم دو کہ وہ فلاں نماز ایسے وقت اور فلاں نماز ایسے وقت پڑھا کریں، اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی بھی اذان دے اور جو عمر میں بڑا ہو اس کو امام بنایا جائے۔

تشریح: یہ وہ دوسرا باب آگیا جس میں اقرأ کی تقدیم کا ذکر ہے۔

امام بخاری نے اس باب سے حضرت ابو مسعودؓ کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو میں باب أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ کے ذیل میں بیان کر آیا ہوں یعنی يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَقْدَمُهُمْ قِرَاءَةً فَإِنْ كَانَتْ قِرَاءَتُهُمْ سَوَاءً فَلْيَؤُمَّهُمْ أَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ سِنًّا، رواه مسلم وأصحاب السنن من طريق إسماعيل بن رجاء عن أوس بن ضمعج عن أبي مسعود، اسماعیل بن

Maktaba Tul Ishaat.com

رجاء اور اوس بن ضمعج امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے اس لئے امام بخاری نے ان کی روایت کی تخریج نہیں فرمائی مگر مضمون چونکہ امام بخاری کی روایت سے مؤید تھا اس لئے ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ فرمادیا اور آئندہ چل کر اس کا ایک ٹکڑا بھی بصیغۂ جزم ذکر کیا ہے جیسا کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ متنبہ کروں گا، ویسے امام بخاری کا قرأت کے باب کو اہل العلم والفضل أحق بالإمامة کے بعد ذکر کرنا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ امام بخاری تقدیم الاقرأ والاعلم کے مسئلہ میں جمہور کے قول کی طرف مائل ہیں یعنی أعلم اقرأ پر مقدم ہوگا۔

فَلَبِثْنَا عِنْدَهُ نَحْوًا مِنْ عِشْرِينَ لَيْلَةً: اس روایت میں یہاں نَحْوًا مِنْ عِشْرِينَ لَيْلَةً ہے لیکن یہی روایت ص ۸۷ پر گزری ہے اس میں عِشْرِينَ لَيْلَةً بالجزم واقع ہوا ہے اور اسی طرح سے ص ۸۸ پر بھی واقع ہوا ہے۔

امام بخاری نے اس روایت سے استواء فی القرأة کو کیسے اخذ فرمایا؟ علامہ زین بن منیر وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ اس طرح سے کہ یہ سارے حضرات جوان تھے ہم عمر تھے ایک ہی مقصد یعنی علم حاصل کرنے کے لئے آئے تھے اور ایک ہی مدت تک سب کا برابر قیام رہا تو ظاہر ہے کہ علم میں سارے برابر رہے ہوں گے اور ابوداؤد کی ایک حدیث میں اس کی تصریح بھی وارد ہوئی ہے کنا متقاربین فی العلم اور مسلم میں ہے وقال الحذاء وكانا متقاربين في القراءة۔

(ص ۹۵) باب إِذَا زَارَ الْإِمَامُ قَوْمًا فَأَمَّهُمْ

۶۸۳. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ: اسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ، فَقَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ، فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أُحِبُّ، فَقَامَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا.

ترجمہ: باب، جب امام کچھ لوگوں سے ملاقات کے لئے جائے تو اس کے لئے امامت کرنا جائز ہے۔

محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے میرے گھر میں آنے کی اجازت طلب فرمائی، میں نے اجازت دے دی، پھر آپ نے فرمایا کہ تم کس جگہ چاہتے ہو کہ میں وہاں

Maktaba Tul Ishaat.com

تمہارے گھر میں نماز پڑھوں؟ چنانچہ جس جگہ کو پسند کرتا تھا میں نے اس کا اشارہ کر دیا، پھر آپ وہیں نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی پھر آپ نے نماز کے بعد سلام پھیرا اور ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔

تشریح: اگر امام کسی قوم کی زیارت کے لئے جائے تو امام ہی امامت کرے گا اور صاحب بیت سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ امام بخاری کی اس ترجمۃ الباب سے غرض کیا ہے؟ مشہور تو یہ ہے کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ زائر؛ ربّ المنزل کے ہوتے ہوئے امامت کا حق نہیں رکھتا ہے، اس کا تعلق امام اعظم کے غیر سے ہے، امام اعظم اس حکم میں داخل نہیں بلکہ وہ اگر پہنچے گا تو ربّ المنزل پر مقدم ہو گا۔

حضرت علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ امام اعظم بھی رب المنزل سے اجازت لے کر امامت کرے گا، چنانچہ روایت الباب میں یہ وارد ہے کہ حضرت عتبان بن مالکؓ کے مکان پر جب حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے تو آپ نے ان سے اجازت طلب کی اور پوچھا کہ کہاں تم چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ انہوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر دیا تو حضور اکرم ﷺ نے وہاں نماز پڑھ دی، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت عتبانؓ سے اس لئے اجازت مانگی تھی کہ عتبانؓ اپنے گھر میں ایک ایسی جگہ مقرر کرنا چاہتے تھے جس کو وہ مصلیٰ اور جائے نماز بنائے، اب اگر رسول اکرم ﷺ اپنی سلطنت عامہ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے مکان پر کسی جگہ بھی نماز پڑھ دیتے تو ہو سکتا ہے کہ بعد میں ان کو دشواری پیش آتی اور وہ جگہ ان کے لئے مناسب موقع نہ ہوتی، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ تمہارے مکان میں کہاں پسند ہے کہ میں وہاں پر نماز پڑھوں؟

بہر حال حضرت امام بخاری جمہور ہی کے ہم خیال ہیں کہ رب المنزل اور امام اگر جمع ہو جائیں تو امام کو سلطنت عامہ کی وجہ سے رب المنزل پر تقدم حاصل ہو گا۔

اس مسئلہ میں جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ سلطان المسلمین یا اس کا نائب قاضی یا امیر البلد وغیرہ صاحب البیت سے احق بالامامۃ ہے، اسی کو خرقی حنبلی نے اختیار کیا ہے، لیکن قاضی ماوردی نے یہ لکھا ہے کہ صاحب البیت احق بالامامۃ ہے، ابن حامد حنبلی نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس لئے کہ مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يَؤُمَّهُمْ وَلْيَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ، رواہ أبو داؤد والترمذی وقال حسن۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اول تو مالک بن حویرثؓ کی حدیث متکلم فیہ ہے اس کا راوی مجہول الحال ہے اور اگر اس کو ثابت مان لیا جائے تو حدیث باب کا تعلق امامِ اعظم سے ہے اور مالکؒ کی روایت مشار الیہا کا تعلق غیر امام اعظم سے ہے۔

بخاری نے ترجمہ میں إذا زار الإمام کا لفظ لا کر اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے گویا امام بخاری نے بتا دیا کہ زائر اگر امام (سلطان) ہو تب وہ امامت کا حقدار ہے اور اگر غیر امام ہو تو وہ امامت کا حقدار نہیں بلکہ صاحب البیت امامت کا حقدار ہے۔

اور اگر صاحب البیت زائر کو اجازت دے دے تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ پھر زائر امامت کر سکتا ہے کیوں کہ ابو مسعود بدریؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَجْلِسْ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، رواہ مسلم، لیکن اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اجازت کے بعد بھی امامت نہیں کر سکتا اور غالباً وہ إِلَّا بِإِذْنِهِ کے استثناء کو وَلَا يَجْلِسْ عَلَى تَكْرِمَتِهِ کے ساتھ خاص مانتے ہیں اور مالک بن حویرثؓ کی حدیث کو باب امامت میں مقدم کرتے ہیں۔

لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ اگر استثناء چند امور کے بعد آئے تو اس کا سب سے تعلق ہوتا ہے، حنفیہ کے اصول کے مطابق اور شافعیہ کے قواعد کا بھی مقتضیٰ یہی ہے اور امام احمد نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔

اور مالکؒ کی روایت کا اول جواب تو یہ ہے کہ اس کی سند میں کلام ہے ابو عطیہ جو اس کا راوی ہے علی بن مدینی، ابو حاتم رازی، ابن القطان فاسی اور امام ذہبی اس کو مجہول قرار دیتے ہیں لہذا وہ ابو مسعودؓ کی روایت کے درجہ کی نہیں ہے، اور اگر اس کو ثابت تسلیم کر لیا جائے تو اس کا تعلق عدم الاذن سے ہے اور ابو مسعودؓ کی حدیث میں اذن کی صورت کا استثناء وارد ہوا ہے۔

امام بخاری نے صرف امام کو زیارت کے وقت امامت کی اجازت دے کر غالباً یہ اشارہ کیا ہے کہ کوئی بھی زائر علی الاطلاق امامت نہیں کر سکتا ہے اور اپنے استاذ اسحاق بن راہویہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری حضرت ابو مسعودؓ کی حدیث کو حجت مانتے ہیں اسی لئے ان کی روایت کا ایک ٹکڑا باب گزشتہ میں ترجمہ بنا آئے ہیں اور آئندہ اس کا ایک ٹکڑا مستقل ترجمہ میں ذکر فرمائیں گے، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ استثنائی صورت کے قائل ہوں گے، الا یہ کہ کہا جائے کہ ان کے نزدیک یہ استثناء جلوس علی التکرمہ سے تعلق

Maktaba Tul Ishaat.com

رکھتاہے امامت سے تعلق نہیں رکھتا جیسا کہ ان کے استاذ اسحاق بن راہویہ کا خیال ہے۔

سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ: حضرت عتبانؓ کی یہ روایت ما قبل ابواب مساجد میں گزر چکی ہے اور میں وہاں کلام بھی کر چکا ہوں، ویسے یہاں مصنف نے بہت مختصر نقل کی ہے اور اسی سند سے کتاب الرقاق میں اس کا ایک ٹکڑا آرہا ہے۔

(ص ۹۵) باب إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ

وصلى النبي ﷺ في مرضه الذي توفي فيه بالناس وهو جالس. وقال ابن مسعود: إذا رفع قبل الإمام يعود فيمكث بقدر ما رفع ثم يتبع الإمام. وقال الحسن فيمن يركع مع الإمام ركعتين ولا يقدر على السجود: يسجد للركعة الآخرة سجدتين ثم يقضي الركعة الأولى بسجودها، وفيمن نسي سجدة حتى قام: يسجد.

٦٨٤. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: أَخْبَرَنَا زَائِدَةُ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ: أَلَا تُحَدِّثِينِي عَنْ مَرَضِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَتْ: بَلَى، ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ؟ قُلْنَا: لَا، وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ، قَالَتْ: فَفَعَلْنَا، فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ ﷺ: أَصَلَّى النَّاسُ؟ قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ، قَالَتْ: فَفَعَلْنَا، فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ؟ قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ؟ قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، وَالنَّاسُ عُكُوفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُونَ النَّبِيَّ ﷺ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أَبِي بَكْرٍ بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ

Maktaba Tul Ishaat.com

يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ - وَكَانَ رَجُلاً رَقِيقًا -: يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَنْتَ أَحَقُّ بِذَلِكَ، فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ تِلْكَ الأَيَّامَ ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ: أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ، لِصَلاَةِ الظُّهْرِ، وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِأَنْ لاَ يَتَأَخَّرَ، فَقَالَ: أَجْلِسَانِي إِلَى جَنْبِهِ، فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: فَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي وَهُوَ يَأْتَمُّ بِصَلاَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسُ بِصَلاَةِ أَبِي بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ ﷺ قَاعِدٌ، قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَدَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهُ: أَلاَ أَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: هَاتِ، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيثَهَا، فَمَا أَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: أَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ؟ قُلْتُ: لاَ، قَالَ: هُوَ عَلِيٌّ.

٦٨٥. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ، فَصَلَّى جَالِسًا وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ.

٦٨٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الأَيْمَنُ، فَصَلَّى صَلاَةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ.

Maktaba Tul Ishaat.com

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: قَالَ: الْحُمَيْدِيُّ قَوْلُهُ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ، فَالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، امام کو امام بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے مرض الوفات میں لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی امام سے پہلے (رکوع یا سجدے میں) سر اٹھالے تو پھر اسی حالت پر لوٹ جائے اور جتنی دیر سر اٹھائے رہا تھا اتنی ہی دیر ٹھہرا رہے پھر امام کی پیروی کرے۔

حسن بصری نے فرمایا کہ اگر کسی نے امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور وہ سجود پر قادر نہ ہوسکا تو وہ آخری رکعت کے لئے دو سجدے کرے پھر رکعت کو مع سجدوں کے قضا کرے، اور اگر کوئی سجدہ کو بھول کر کھڑا ہوجائے تو وہ لوٹ کر سجدہ کرے۔

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، کیا آپ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی تفصیلات نہیں بیان فرمائیں گی؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں؟ (پھر بیان کیا کہ) رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، فرمایا تو میرے لئے لگن (بڑے برتن) میں پانی رکھ دو، عائشہ کہتی ہیں چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا، پھر آپ نے غسل فرمایا پھر بمشقت اٹھنے کی کوشش کی تو آپ بے ہوش ہوگئے، پھر ہوش میں آئے تو پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، (یہ سوال وجواب کئی مرتبہ ہوا) اور لوگوں کا یہی حال تھا کہ وہ مسجد میں جمع تھے اور عشاء کی نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے، تب آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ آپ کا فرستادہ گیا اور اس نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم ہے کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت ابو بکرؓ نے اور وہ نرم دل انسان تھے فرمایا اے عمر! آپ نماز پڑھادیں، حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ ہی اس کے زیادہ حقدار ہیں، چنانچہ ان دنوں حضرت ابو بکر صدیقؓ نماز پڑھاتے رہے، پھر یہ کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے بیماری میں ہلکا پن محسوس کیا تو آپ دو آدمیوں کے سہارے سے ظہر کی نماز کے لئے نکلے ان میں سے ایک عباسؓ تھے، اس وقت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے جب ابو بکرؓ نے آپ کو دیکھا تو انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا، آپ نے ان کو اشارہ کردیا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کے پہلو میں بٹھادو، چنانچہ ان دونوں نے آپ کو حضرت ابو بکرؓ کے برابر میں بٹھادیا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابو بکرؓ کی اقتداء کر رہے تھے اور رسول پاک ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔

عبید اللہ بن عبد اللہ راوی کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ میں آپ کے سامنے وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث پیش کروں جو حضرت عائشہؓ نے حضور پاک ﷺ کی بیماری کے سلسلے میں بیان کی ہے، انہوں نے فرمایا پیش کرو، چنانچہ میں نے حدیث پیش کی تو انہوں نے کسی بات کا انکار نہیں کیا، بس یہ فرمایا کہ انہوں نے اس دوسرے شخص کا نام بھی بتایا تھا جو حضرت عباسؓ کے ساتھ تھا؟ میں نے عرض کیا نہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ دوسرے شخص حضرت علیؓ تھے۔

حضرت عائشہؓ ام المؤمنین نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور آپ بیمار تھے تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو آپ نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائیں، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام کو امام بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے پس جب وہ رکوع کرے تو رکوع میں جاؤ اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ایک گھوڑے پر سواری کی اور آپ گر گئے اور آپ کا داہنا پہلو چھل گیا تو آپ نے نمازوں میں سے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھی، ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز ادا کی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام کو امام بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

ابو عبد اللہ یعنی امام بخاری کہتے ہیں کہ حمیدی نے فرمایا کہ یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ 'جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو' یہ پرانی بیماری کے موقع پر فرمایا تھا، پھر اس کے بعد مرض الوفات میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی جبکہ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور رسول اللہ ﷺ کے افعال میں سے اس فعل کو معمول بنایا جاتا ہے جو آخری اور سب سے آخری ہو۔

تشریح: یہ حدیث کا لفظ ہے جس کو اختصار اور واضح المراد ہونے کی وجہ سے امام بخاری نے ترجمہ کا عنوان بنا دیا، مصنف جب امامت کے متعلق مسائل ذکر کر چکے تو اب یہاں سے مقتدی کے متعلق تراجم ذکر کر رہے ہیں، اس باب کی غرض میں تین قول ہیں۔

(۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ کے ترجمہ میں وصلی النبی ﷺ فی مرضه الذی توفی فیه بالناس وهو جالس لا کر اشارہ فرمایا ہے کہ اصل تو یہ ہے کہ مصلی امام کی اقتداء کرے، لیکن اگر کوئی ضمنی صورت استثنائی ہو تو مقتدی اقتداء کے حکم سے خارج ہو جائے گا، دیکھو نبی اکرم ﷺ نے مرض الوفات میں بیٹھ کر امامت کی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر اقتداء فرمائی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۲) شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جلوس والا جزء چونکہ منسوخ ہو چکا اس لئے امام بخاری نے جزء منسوخ کو پہلے ذکر کیا اور جزء ناسخ کو بعد میں تاکہ یہ بتادیں کہ اس جزء منسوخ میں اقتداء نہیں ہوگی۔

(۳) حضرت گنگوہی کہتے ہیں کہ بخاری نے اشارہ کیا ہے کہ امام کی متابعت مطلوب ہے، لیکن اگر امام کوئی رکن عذر سے یا بلاعذر چھوڑ دے تو مقتدی اس میں امام کی اقتداء نہیں کرے گا۔

باقی تمام امور میں اقتداء ضروری ہے اس لئے کہ یہ ایک قاعدۂ کلیہ ہے کہ مقتدی کا وظیفہ اتباعِ امام ہے، اور جب مقتدی متبعِ امام ہوا تو اس کو نہ امام کی مساوات جائز اور نہ مسابقت و مخالفت جائز ہے **إلا مادل دلیل شرعی علیه۔**

یہ مسئلہ شرعی طور پر مختلف فیہا ہے کہ آیا نماز کے افعال میں امام کی متابعت مطلوب ہے یا مقارنت؟ یعنی پہلے امام اس فعل اور رکن کو ادا کرے پھر مقتدی ادا کرے گا یا مقتدی امام کے ساتھ ساتھ افعال ادا کرے گا، اس کو فقہاء مختصر لفظوں میں اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ مقتدی امام کی مقارنت کرے گا یا متابعت و معاقبت؟

ائمۂ ثلاثہ مالک، شافعی، احمد، ابویوسف و محمد کہتے ہیں کہ مقتدی کے لئے متابعت و معاقبت مطلوب ہے اور امام کے افعال مقتدی کے افعال سے مقدم ہوں گے، امام ابو حنیفہ کہتے ہیں مقارنت مقصود ہے یعنی امام سے پہلے مقتدی کوئی فعل تو نہیں کر سکتا لیکن جوں ہی امام شروع کر دے مقتدی بھی اس کے ساتھ فعل کا آغاز کر دے گا۔

بعض علماء احناف کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا یہ اختلاف افضلیت کا ہے، امام ابو حنیفہ مقارنت کو افضل کہتے ہیں اور صاحبین متابعت کو، اگر صاحبین کے یہاں کسی نے مقارنت کرلی یا امام ابو حنیفہ کے یہاں متابعت کرلی تو دونوں جائز ہے، لیکن ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ متابعت و معاقبت واجب ہے۔

لہٰذا امام سے تقدم کی تین صورتیں ہیں، یا تقدم تکبیر تحریمہ میں ہے یا سلام میں یا بقیہ ارکان میں۔

۱۔ اگر مقتدی نے امام سے تکبیر تحریمہ میں تقدم کر لیا تو باتفاقِ ائمۂ اربعہ یہ مبطل ہے، ۲۔ اور اگر سلام میں تقدم کیا تو ائمۂ ثلاثہ کے یہاں مبطل اور حنفیہ کے یہاں مکروہ ہے، ۳۔ اور باقی ارکان میں تقدم اکثر علماء کے یہاں مکروہ ہے، یہی احمد کی ایک روایت ہے اور ایک روایت میں مبطل قرار دیتے ہیں، یہی ظاہریہ کا قول ہے۔

اور مساوات کے مسئلہ میں اگر تحریمہ میں مساوات ہے تو ائمۂ ثلاثہ کے یہاں مبطل ہے اور امام ابو حنیفہ کے یہاں مندوب ہے، اور اگر سلام میں مساوات ہے تو مالکیہ کے یہاں مبطل اور شافعیہ و حنابلہ کے یہاں مکروہ اور

Maktaba Tul Ishaat.com

حنفیہ کے یہاں مندوب ہے۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِذَا رَفَعَ قَبْلَ الإِمَامِ يَعُودُ: ابن مسعودؓ کے قول کو عبد الرزاق نے مصنف میں اور بخاری نے اپنی تاریخ میں موصولاً ذکر کیا ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر مقتدی نے امام سے پہلے سر اٹھالیا تو پھر رکوع یا سجود میں چلا جائے اور اتنی دیر تک رکوع سجود میں رہے جتنی دیر میں اس تعجیل کا تدارک ہو جائے۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے، لیکن اگر مقتدی نے سر اٹھالیا اور اس کے فوراً بعد امام نے سر اٹھالیا تو ایسی صورت میں مقتدی رکوع و سجود میں نہیں جائے گا اس لئے کہ یہ صراحۃً امام کی مخالفت ہوگی، بہر حال مقتدی کو عود کا جو امر کیا جارہا ہے یہ فرع ہے ائتمام بالامام کی جس کا مقتدی مامور ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ فِيمَنْ يَرْكَعُ مَعَ الإِمَامِ رَكْعَتَيْنِ: حسن بصری کا یہ اثر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ اثر سعید بن منصور نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور اصل میں اس اثر کا تعلق صلاۃ جمعہ سے ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر جمعہ کے دن کوئی آدمی نماز میں شریک ہو اور ازدحام کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ حسن بصری اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تو یہ شخص سجدہ کرے رکعت اولیٰ کے لئے اور پھر اس کے بعد کھڑا ہو کر دوسری رکعت پڑھے۔

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے سعید بن منصور کا جو یہ اثر نقل کیا ہے اس میں یہ ہے إذا فرغوا من صلاتهم سجد سجدتين لركعته الأولى ثم يقوم فيصلي ركعة وسجدتين، اور ہمارے نسخوں میں جو اثر ذکر کیا ہے اس میں ہے يَسْجُدُ لِلرَّكْعَةِ الآخِرَةِ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَقْضِي الرَّكْعَةَ الأُولَى بِسُجُودِهَا اور یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے، تو بخاری کا اثر اور ہوا اور سعید بن منصور کا اثر اور ہوا، البتہ اگر سعید بن منصور کے اثر میں لركعته الأولى کے بجائے لركعته الثانية ہوتا جیسا کہ محشی نے بحوالۂ خیر الجاری کے اور صاحب خیر الجاری نے فتح الباری اور عینی کے حوالہ سے نقل کیا ہے تو پھر کوئی اشکال نہ ہوتا، اس لئے حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کو یہ چاہئے تھا کہ بجائے سعید بن منصور کے حوالہ کے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دیتے۔

ہمارے نسخوں میں ابن ابی شیبہ کا جو اثر ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر جمعہ میں کوئی شخص شریک ہوا اور رکعت اولیٰ کا سجدہ نہیں کر سکا تو اس صورت میں وہ رکعت ثانیہ کی طرف منتقل ہو جائے گا، جب امام سلام پھیر

Maktaba Tul Ishaat.com

دے گا تو پہلے یہ اپنی رکعت ثانیہ کا سجدہ کرے گا اس کے بعد رکعت اولیٰ کی قضا کرے گا، یہی امام مالک، امام احمد کا مذہب اور امام شافعی کا اصح قول ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی فی قول فرماتے ہیں کہ امام کی فراغت کے بعد یہ شخص پہلے اپنی رکعت اولیٰ کا سجدہ کرے گا اور اس کے بعد رکعت ثانیہ ادا کرے گا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں حسن کا جو اثر سعید بن منصور کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ اسی قول کے مطابق ہے۔

بہر حال یہ اثر إِنَّمَا جعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ سے یہ مناسبت رکھتا ہے کہ دیکھو اگر جمعہ کے دن رکعت اولیٰ کا سجدہ مصلی کو نہیں ملتا تو وہ رکعت اولیٰ کی تکمیل کے بغیر رکعت ثانیہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے محض اسی وجہ سے کہ مقتدی امام کی اقتداء کا مامور ہے، اب جب امام رکعت ثانیہ کی طرف منتقل ہو گیا تو مقتدی بھی رکعت ثانیہ کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اس میں اس کی اقتداء کرے گا۔

وَفِيمَنْ نَسِيَ سَجْدَةً حَتَّى قَامَ، يَسْجُدُ: اگر کوئی آدمی سجدہ بھول جائے حتی کہ کھڑا ہو جائے تو بعد میں سجدہ کرلے، امام ابو حنیفہ کا تو علی الاطلاق یہی مذہب ہے، دوسرے ائمہ کے یہاں بڑا اختلاف اور بڑی تفصیل ہے، شافعیہ کہتے ہیں اگر رکعتِ ثانیہ میں یاد آئے تو علی الاطلاق سجود کی طرف لوٹ جائے، حنابلہ کہتے ہیں قرأت سے پہلے اگر یاد آیا تو لوٹے گا، مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر رکوع سے پہلے یاد آیا ہے تو پھر عود کرے گا، ولهم فيه تفاصيل يعرف من كتبهم۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: یہ مرض الوفات والی روایت دوسرے طریق سے گزر چکی ہے اور اس پر کلام ہو چکا ہے، البتہ چند ضروری نکات پر کلام کروں گا۔

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ: حضرت ابو بکرؓ نے یہ سوچا کہ عمرؓ زیادہ جری اور طاقتور ہیں اور شاید حضور اس امامت سے خلافت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تو عمرؓ اس کے لئے زیادہ مناسب ہیں، ان کے دل میں کچھ اور بات نہیں تھی، یا پھر جو کہا وہ بر سبیل تواضع کہا، یا اس لئے کہا کہ میں رقیق القلب ہوں اپنے اوپر قابو نہ پاؤں گا، عمرؓ کے اندر یہ بات نہیں ہے وہ قابو پا جائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ کہنے کی تین وجہ ہو سکتی ہیں، ۱۔ یا تو اپنا رقیق القلب ہونا جو مانع ہو گا نماز پوری کرنے سے اور عمرؓ میں اس درجہ کی رقت کا نہ ہونا، ۲۔ یا بر بناء تواضع تھا،

Maktaba Tul Ishaat.com

۳ یا صدیق اکبرؓ نے اس امامت صغریٰ کو امامت کبریٰ کا پیش خیمہ سمجھا تو انہوں نے سوچا اس مقام کے مناسب عمرؓ زیادہ ہوں گے، بہر حال صدیق اکبرؓ نے اور کوئی بات دل میں نہیں رکھی تھی جو عورتوں کے ذہن میں تھی کہ جو آج اس مقام پر آجائے گا لوگ اس سے تشاؤم کریں گے اور بظاہر صدیق اکبرؓ کو اس پوری تفصیل کا علم نہیں تھا جو پہلے آچکی کہ آپ بار بار مروا أبابکر فلیصل بالناس کہتے رہے اور حضرت عائشہؓ بار بار مر عمر کہتی رہیں، ورنہ حضور کے اصرار اور منشاء مبارک سمجھ لینے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمرؓ سے ہرگز نہیں فرماتے صَلِّ بِالنَّاسِ۔

فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ: جنب سے مراد جنب ایسر ہے جیساکہ اس قصہ میں ابو معاویہ کی روایت میں جو انہوں نے اعمش سے نقل کی ہے تصریح وارد ہوئی ہے اور یہ مقام مقام امام ہے لہذا صحیح یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے باقی نماز میں امامت فرمائی۔

فَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي وَهُوَ يَأْتَمُّ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ:

يَأْتَمُّ بمعنی یقتدی، اور حاشیہ کا نسخہ ہے جو کشمیہنی کی روایت ہے وهو قائم بصلاة النبی ﷺ۔

ابو بکرؓ حضور ﷺ کی نماز کے ساتھ قائم تھے اور لوگ ابو بکر صدیقؓ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے، یعنی اصلاً حضور امام تھے اور صدیق اکبرؓ نماز کے انتقالات کو قوم تک رفع صوت کے ذریعہ پہونچا رہے تھے، یعنی لوگوں کو حضور اکرم ﷺ کی آواز پہنچ نہیں رہی تھی وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آواز پر نماز میں رکوع اور سجود وغیرہ کرتے تھے۔

امام قاعد کی اقتداء درست ہے؟ یہاں پر دو مسئلے ہیں، روایت سے معلوم ہوا کہ امام اگر قاعد ہو تو اس کی اقتداء جائز ہے خواہ مقتدی قائم ہو یا قاعد، اس میں دو قول ہیں، ۱ امام مالک اور محمد بن حسن کہتے ہیں کہ قاعد قائمین کی امامت نہیں کر سکتا ہے، محمد بن حسن نے ایک مرسل حدیث شعبی سے نقل کی ہے لا یؤمن أحد بعدی جالسا، ۲ لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ قاعد امامت کر سکتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مرض قدیم میں بیٹھ کر امامت کی اور مرض الوفات میں بھی بیٹھ کر امامت کی۔

مالکیہ وغیرہ یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ آپ کی خصوصیت تھی، بعض کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے لیکن نہ دعویٰ خصوصیت ثابت اور نہ نسخ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بعضوں نے کہا ہے کہ حضور کے سامنے کون امامت کر سکتا تھا اس لئے مجبوری کی وجہ سے ہر حال میں آپ ہی امامت کرتے۔

بعض کہتے ہیں کہ ائمہ شفعاء ہوتے ہیں حضور ﷺ کا کوئی شفیع نہیں ہو سکتا، لیکن ان دونوں جوابوں پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا قصہ وارد ہوتا ہے، صحیح یہ ہے کہ عامر شعبی کی روایت اول تو مرسل ہے، دوسرے اس کا راوی جابر جعفی ہے جو ضعیف ہے اس لئے وہ صحیحین کی روایت کا معارضہ نہیں کر سکتی ہے۔

امام جالسًا ہو تو مقتدی جالسًا اقتداء کریں یا قائمًا؟

یہ دوسرا مسئلہ ہے، اس میں تین قول ہیں۔

(۱) امام اوزاعی، اسحاقؒ، ابن خزیمہ، ابن منذر، ابن حبان اور ابن حزم کہتے ہیں کہ امام جالسًا نماز پڑھا رہا ہو تو مقتدی بھی بیٹھ کر اقتداء کریں گے۔

(۲) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ قاعد کا امامت کرنا دو شرطوں سے جائز ہے، ۱۔ امام راتب ہو جیسے حضور ﷺ، ۲۔ مرض مرجوّ الزوال ہو یعنی جس کے زوال کی امید کی جاتی ہو جیسے بخار آگیا کمزوری آگئی موچ آگئی، جیسے حضور کی امامت کے قصہ میں پیش آیا، اور اگر امام راتب نہیں ہے یا مرض مرجوّ الزوال نہیں تو امام بیٹھ کر امامت نہیں کر سکتا ہے، اور جب بیٹھنے کے جواز کی دونوں شرطیں پائی جائیں گی تو امام بیٹھ کر امامت کرے گا اور قوم کھڑے ہو کر اقتداء کرے گی، اگرچہ مقتدیوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر اقتداء کریں، حضور اکرم ﷺ نے اپنے مرض قدیم میں صحابۂ کرام کو اشارہ کیا تھا اجلسوا جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آگے آرہا ہے اسی طرح انسؓ کی روایت میں بھی آرہا ہے۔

لیکن اگر امام نے کھڑے ہو کر امامت شروع کی اور پھر عذر پیش آجانے پر امام بیٹھ گیا تو مقتدی کھڑے ہو کر ہی اقتداء کریں گے جیسا کہ مرض الوفات میں ہوا، صدیق اکبرؓ نے نماز شروع کرائی کھڑے ہو کر اور حضور اکرم ﷺ آکر امامت فرمانے لگے اور بیٹھ گئے، تو چونکہ نماز قیامًا شروع ہوئی تھی اس لئے مقتدی کھڑے ہو کر اقتداء کریں گے۔

(۳) امام ابو حنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام کو اگر عذر پیش آجائے تو وہ بیٹھ کر امامت کر سکتا ہے اور

Maktaba Tul Ishaat.com

قوم بلاعذر نہیں بیٹھ سکتی، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جس مرض میں بیٹھ کر امامت کی گئی وہ مرض قدیم ہے جو سنہ ۵ ہجری میں پیش آیا، اور مرض الوفات میں جو آپ نے بیٹھ کر امامت کی تو قوم قائم تھی اس لئے امامتِ قاعد جائز ہے مگر مقتدیوں کا جلوس منسوخ ہو چکا وہ بلاعذر بیٹھ کر اقتداء نہیں کر سکتے۔

امام بخاری کا رجحان بھی اسی بات کی طرف ہے، امام شافعی نے کتاب الام، کتاب الرسالۃ، کتاب اختلاف الحدیث اور اسی طرح مسند میں اس کے نسخ کی تصریح کی ہے اور ان کے تلمیذ امام حمیدی نے بھی، چنانچہ باب کے اختتام پر امام حمیدی کا کلام ذکر فرمائیں گے کہ مرض قدیم کا قصہ منسوخ ہے اور اس کے لئے ناسخ مرض الوفات کا قصہ ہے۔

لیکن امام احمد فرماتے ہیں کہ دعویٰ نسخ کی ضرورت اس وقت ہے جب روایات کا محل متعین نہ ہو اور جب محل متعین ہو تو پھر دعویٰ نسخ کی ضرورت نہیں، حضور اکرم ﷺ نے مرض قدیم میں بیٹھ کر نماز پڑھائی وہاں اول ہی سے آپ جالس تھے اور قوم کو جلوس کا اشارہ کیا کہ بیٹھ کر پڑھو، اور مرض الوفات میں نماز قائماً شروع ہوئی تھی بیچ میں حضور اقدس ﷺ کے تشریف لانے سے صورت بن گئی کہ حضور اقدس ﷺ جالس تھے اور قوم قائم تھی، اور جب نماز قائماً شروع ہو جائے تو بیچ میں امام کے معذور ہو جانے سے مقتدی مامور بالجلوس نہ ہوں گے، اس لئے ہر روایت کا محمل متعین ہے اور آپ امام راتب تھے اور مرض مرجوّ الزوال تھا اس لئے دعویٰ نسخ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد نے یہاں پر اپنی حدیث دانی اور اتباع حدیث کا زبردست ثبوت دیا ہے اور سب سے بڑا موفّق وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو ہر چیز میں اپنا امام بنالے اور جو کچھ آپ علیہ السلام سے ثابت ہے اس پر عمل کرے۔

وَالنَّبِيُّ ﷺ قَاعِدٌ: اس روایت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ معذور شخص امامت کر سکتا ہے چاہے مقتدی معذور ہوں یا غیر معذور، اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

جمہور علماء کی تو یہی رائے ہے، لیکن امام مالک فی المشہور اور امام محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ معذور؛ غیر معذور کی امامت نہیں کر سکتا ہے اس لئے کہ معذور کا حال ادنیٰ ہے اور غیر معذور کا حال اعلیٰ ہے۔

ان لوگوں نے دلیل یہ پیش کی کہ شعبی مرسلاً نقل کرتے ہیں قال رسول اللہ ﷺ **لا يؤمَنّ أحد بعدى**

Maktaba Tul Ishaat.com

جالسًا، رواه محمد بن الحسن فی الموطأ والدار قطنی والبیهقی۔

اس حدیث کا مختلف طور پر جواب دیا ہے۔

(۱) امام محمد اور بعض مالکیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ خصائص نبویہ محمدیہ میں سے ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ادھر تو بیٹھ کر امامت فرمائی اور ادھر یہ فرمادیا لایؤمّنّ أحد بعدی جالسًا۔

مگر یہ جواب صحیح نہیں ہے اس لئے کہ لایؤمّنّ أحد بعدی جالسًا والی روایت قابل اعتماد اور استدلال کے لائق نہیں ہے، امام شافعی، ابن حبانؒ، دار قطنی، بیہقی اور ابن القطان فاسی وغیرہ نے اس روایت کو دو وجہ سے معلول قرار دیا ہے، اول تو یہ مرسل ہے اور اگر یہ تسلیم کرلیں کہ روایت مرسلہ مالک وابو حنیفہ کے یہاں حجت ہے تو پھر دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس کی سند میں جابر جعفی ہے اس کو حضرت امام ابو حنیفہ نے ضعیف قرار دیا ہے، فرماتے ہیں مارأیت أکذب من جابر الجعفی میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر کوئی دروغ گو دیکھا نہیں ہے۔

بعض مالکیہ نے خصوصیت کی دلیل یہ پیش کی کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات دلیل خصوصیت ہے آپ کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا ہے، لیکن صرف اتنا دعویٰ کردینا دلیل خصوصیت نہیں بن سکتا ہے جبکہ حضور اکرم ﷺ کا اصل فعل اتباع کے واسطے ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾، حضور اکرم ﷺ کے افعال جیسے اقتداء کے لئے ہیں ایسے ہی انبیاء کے افعال بھی اقتداء کے لئے ہیں ﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾، لہٰذا جب تک کوئی صریح دلیل نہ ہو تب تک خصوصیت پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب بعض مالکیہ نے یہ دیا ہے کہ مرض الوفات والی حدیث منسوخ ہے لیکن اس کے لئے ناسخ اگر تلاش کرو تو وہی شعبی کی مرسل روایت ملتی ہے۔

(۳) بعض حضرات مالکیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی امامت کا کسی کو حق پہنچتا ہی نہیں قال تعالیٰ ﴿لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾، تو بھلا حضور کے ہوتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ کیسے امامت کر سکتے ہیں اس لئے وہاں تو صدیق اکبرؓ کو بہر حال مقتدی بننا تھا اور حضور ﷺ کو امام بننا تھا۔

(۴) چوتھا جواب بعض مالکیہ نے یہ دیا ہے کہ ائمہ شفعاء ہوتے ہیں اور کوئی شخص حضور ﷺ کا شفیع نہیں بن سکتا ہے، ان دونوں جواب پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ حضرت رسول پاک ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن

Maktaba Tul Ishaat.com

عوفؓ کی اقتداء میں غزوۂ تبوک سے واپسی پر صلاۃ فجر ادا فرمائی ہے، اور ائمہ اس شخص کے حق میں شفیع ہوتے ہیں جو شفاعت کا محتاج ہو اور رسول پاک ﷺ کو یہ احتیاج ہے نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت کا قانون وہاں جاری ہوتا ہے جہاں ضرورت ہو اور کوئی مانع نہ ہو، اور یہاں مانع موجود ہے رسول تو خود شفیع ہوتا ہے امتی کے لئے، نہ کہ امتی رسول کے واسطے شفیع ہوا کرتا ہے۔

صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِي بَیْتِہٖ وَھُوَ شَاکٍ: یہ وہ واقعہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے جارہے تھے اور گھوڑا پھسلا جس کی وجہ سے آپ کھجور کے ایک تنے کی جڑ پر گر گئے اور آپ کے پاؤں مبارک میں موچ آگئی تھی اور آپ نے بیت عائشہؓ میں قیام فرمایا تھا، ابو حاتم بن حبان البستی نے کتاب الأنواع والتقاسیم میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ ذی الحجہ سنہ ۵ ہجری میں پیش آیا ہے۔

إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ: امام اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے۔

یہ جملہ اپنے عموم کی وجہ سے جیسے افعال کو شامل ہے ایسے ہی نیات کو بھی شامل ہے، لہٰذا مقتدی کو چاہئے کہ امام کی نیت سے مخالفت نہ کرے، لہٰذا اگر امام نمازِ ظہر پڑھ رہا ہے تو مقتدی پیچھے آکر کوئی اور نماز عصر وغیرہ نہ شروع کردے، یہ مسئلہ ہے مختلف فیہا اور تفصیل طلب ہے، جمہور علماء تو یہی کہتے ہیں، البتہ اس میں حضرت امام شافعی کا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔

یہ ایک مستقل مسئلہ ہے کہ آیا امام کی نماز مقتدی کے ساتھ اور مقتدی کی نماز امام کے ساتھ کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اس میں تین قول علامہ ابن تیمیہ نے نقل کئے ہیں۔

(۱) حضرت امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جماعت کا فائدہ صرف تکثیرِ ثواب ہے، باقی مقتدیوں کی نماز کا امام کی نماز کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہوتا ہے، حتی کہ اگر امام کی نماز میں کوئی خرابی آجائے تو اس سے مقتدی کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، فرماتے ہیں کہ یہی امام شافعی کی اصل ہے غالب۔

(۲) اس کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ بالکلیہ مربوط ہوتی ہے حتی کہ اگر امام کی نماز میں کوئی خرابی آگئی تو مقتدی کی نماز کی طرف سرایت کر جائے گی، یہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے اور امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ہے جس کو ابو الخطاب نے اختیار کیا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے، اگر مقتدی معذور ہے تب تو امام کی نماز کی خرابی مقتدی کی

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز کی طرف منتقل نہیں ہوگی اور وہ صحیح ہو جائے گی، مثال کے طور پر یہ سمجھو کہ امام نے نماز پڑھائی اور اس نے کوئی ایسا کام کرلیا جس سے اس کی نماز باطل ہوگئی لیکن مقتدی کو پتہ ہی نہیں چلا اور نماز پڑھ لی گئی تو اب مقتدی کی نماز ہوگئی، یہی امام مالک، امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے، لہٰذا اگر امام نے حدث یا جنابت کی حالت میں نماز پڑھادی اور پتہ چلا نہیں اور بعد میں معلوم ہوا تو اس صورت میں امام کے ذمہ تو اعادہ ہے، باقی مقتدیوں کے ذمہ کوئی اعادہ نہیں ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: مطلب یہ ہے کہ إذا صَلّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا کا قصہ یہ پرانی بیماری کا ہے جبکہ حضور اکرم ﷺ سنہ ۵ ہجری میں گھوڑے سے گر گئے تھے اور اس کے بعد آنحضور ﷺ نے مرض الوفات میں بیٹھ کر امامت فرمائی اور قوم نے کھڑے ہو کر اقتداء کی لہٰذا اس کی وجہ سے مرض قدیم والی حدیث منسوخ ہوگئی۔

(ص ۹۶) باب مَتَى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ

قال أنس عن النبي ﷺ: فإذا سجد فاسجدوا.

٦٨٧. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو اسحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ، وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَقَعَ النَّبِيُّ ﷺ سَاجِدًا، ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ.

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي اسحَاقَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: باب، جو لوگ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہوں وہ کب سجدہ میں جائیں۔

حضرت انسؓ نے حضور پاک ﷺ سے نقل کیا کہ جب امام سجدہ میں جائے تو تم بھی سجدہ میں جاؤ۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے اور وہ جھوٹ بیان کرنے والے نہیں تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی بھی اپنے کمر کو سجدہ کے لئے ٹیڑھا نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ آپ سجدہ میں چلے جاتے تھے، پھر

Maktaba Tul Ishaat.com

آپ کے بعد ہم لوگ سجدہ میں جاتے۔

تشریح: یہ بھی مسئلۂ ائتمام کی ایک فرع ہے کہ مقتدی لوگ کب سجدہ کریں گے؟ روایت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مقتدی امام کے تابع ہو کر سجدہ کرے گا، نہ اس کے ساتھ کرے گا نہ اس سے پہلے کرے گا۔

حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ مقتدی کا فعل امام کے بعد واقع ہوگا، لیکن یہ بعدیت متصلہ ہوگی ان دونوں میں کوئی فصل نہیں ہوگا الا یہ کہ امام کبیر السن بطیئ الحرکات ہو تو اس صورت میں مقتدی کو ابتداء میں اتنی دیر تاخیر کرنی چاہئے کہ آخر میں جاکر بعدیت متحقق ہو جائے اور دونوں کے دونوں ایک ساتھ نماز سے فارغ ہوں۔

حضرت امام بخاری نے اول امر کی طرف حضرت انسؓ کی روایت معلقہ فَإذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا سے اشارہ کیا ہے اور امر ثانی کی طرف حضرت براءؓ کی روایت موصولہ سے اشارہ فرمایا ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی حدیث فَإذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کا سجدہ امام کے سجدہ کے بعد واقع ہونا چاہئے اس لئے کہ سجدۂ مقتدی کو سجدۂ امام پر مرتب فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ نکلا کہ پہلے امام سجدہ کرے گا اور اسکی فراغت کے بعد مقتدی سجدہ کرے گا، لہٰذا امام بخاری نے اس کو دفع فرمادیا اور یہ بتلادیا کہ حدیث کا یہ مقصد نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد تعقیب فی الشروع ہے، یعنی مقتدی کا فعل امام کے فعل کے بعد شروع ہوگا یہ نہیں کہ امام جب فارغ ہو جائے اس کے بعد پھر مقتدی شروع کرے گا۔

میرے نزدیک ترجمہ کی غرض بھی وہی ہے جس کی طرف میں نے اولاً اشارہ کیا ہے، اور حاصل اس کا یہ ہے کہ مَتَى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ قاعدۂ کلیہ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ کے ایک فرع کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس سے امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ پہلے امام سجدہ میں جائے گا، جب زمین پر اس کی پیشانی پڑ جائے پھر اس کے بعد مقتدی سجدہ میں جائیں گے۔

حضرت امام بخاری نے حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کے ذریعہ سے اس بات کو واضح فرمایا ہے، اور انسؓ کی روایت معلقہ ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کی ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے یعنی جب امام سجدہ میں پہنچ جائے

Maktaba Tul Ishaat.com

فَاسْجُدُوا پھر تم سجدہ میں جاؤ۔

باقی اس پر اشکال یہ ہے کہ فَاسْجُدُوا سے یہ تعقیب کیسے سمجھ میں آئی؟ بعض علماء جیسے علامہ ابن بطال اور ابن دقیق العید نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ فاء تعقیبیہ ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ فاء تعقیبیہ تو فاء عاطفہ ہوتی ہے اور یہ فاء عاطفہ نہیں بلکہ فاء رابطہ ہے اور جوابِ شرط ہے پھر اس کو فاء تعقیبیہ کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ امام بخاری نے یہ تعقیب یوں اخذ فرمائی ہے کہ جزاء شرط پر مرتب ہوتی ہے، پہلے شرط آتی ہے پھر اس کے بعد جزاء آتی ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ شرط کا تقدم جزاء پر شرطِ شرعی میں ہے باقی شرط نحوی میں یہ بات نہیں، ہو سکتا ہے کہ شرط نحوی میں شرط و جزاء دونوں زماناً متحد ہوں جیسے کہا جاتا ہے **إذا تحرکت الید تحرک المفتاح**، جب ہاتھ میں حرکت ہوتی ہے تو کنجی میں بھی حرکت ہو جاتی ہے، یہ دونوں شرط و جزاء ہیں لیکن ظاہر ہے کہ دونوں کا زمانہ حرکت متحد ہے دونوں میں کوئی فصل نہیں، ہاں ذاتی طور پر حرکت ید کو حرکت مفتاح پر تقدم حاصل ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس روایت سے تنہا مراد متعین نہیں ہوتی بلکہ دوسری روایات پر نظر کرنی پڑے گی اسی لئے میں نے یہ کہا تھا کہ حضرت امام بخاری نے اصل تو اپنا مدعا حضرت براء بن عازبؓ کی روایت سے ثابت کیا ہے وہ فرماتے ہیں **لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَقَعَ النَّبِيُّ** ﷺ **سَاجِدًا ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ**۔

قَالَ: حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ: کَذُوب صیغہ مبالغہ کا ہے لیکن یہاں مراد غیر ذی کذب ہے، جیسے آیت کریمہ ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾ میں ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب نفی متوجہ ہوتی ہے قید و مقید کی طرف تو مقصود قید ہوا کرتی ہے، لیکن گاہے قید کے ساتھ مقید کی نفی بھی مطلوب ہوا کرتی ہے، اسی طرح سے یہاں پر بھی ہے کہ جہاں مبالغہ فی الکذب کی نفی مطلوب ہے ایسے ہی نفس کذب اور ذات کذب کی نفی بھی مطلوب ہے۔

یہاں یہ بحث ہو رہی ہے کہ یہ کس کا مقولہ ہے اور ھو کی ضمیر کس کی طرف عائد ہے؟

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ابو اسحاق کا مقولہ ہے اور ھو کی ضمیر عبد اللہ بن یزید کی طرف لوٹ رہی ہے اس لئے کہ براءؓ تو صحابی ہیں وہ تزکیہ کے محتاج نہیں۔

امام خطابی، حمیدی صاحب الجمع بین الصحیحین، حافظ عبد الغنی صاحب العمدۃ وغیرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

مقولہ عبداللہ بن یزید کا ہے اور ھو کی ضمیر براء بن عازبؓ کی طرف عائد ہے، اور اس طرح کا کلام صرف تزکیہ کے لئے ہی استعمال نہیں ہوتا ہے اور نہ راوی سے تہمت کا دور کرنا مقصود ہوتا ہے بلکہ تاکید فی الصدق کے بیان کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ابوہریرہؓ نے فرمایا سمعت خلیلی الصادق المصدوق ﷺ یا عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تھا سمعت الصادق المصدوق ﷺ۔

قاضی عیاض اور امام نووی نے اس پر اضافہ کیا کہ جیسے براءؓ صحابی ہیں عبداللہ بن یزید بھی صحابی ہیں، لیکن یہ اعتراض یحیٰ بن معین پر وارد نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ عبداللہ بن یزید کی صحبت کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں، امام یحیٰ بن معین اور مصعب زبیری انکار کرتے ہیں، ابن بُرقی اور دار قطنی اثبات کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل، ابوحاتم رازی اور ابوداؤد سجستانی نے اس میں توقف کیا ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ: جب حضور اکرم ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں کوئی شخص اپنی پشت نہیں جھکاتا تھا، حنا-یحنو اور حنا-یحنی دونوں صحیح ہیں۔

حَتَّى يَقَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یہاں تک کہ حضور ﷺ سجدہ میں پہنچ جاتے پھر ہم سجدہ میں جاتے، معلوم ہوا کہ پہلے امام سجدہ میں جائے گا اور پھر قوم سجدہ میں جائے گی۔

(ص ۹۶) باب إِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ

۶۸۸۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ أَوْ لَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ.

ترجمہ: باب، اس شخص کے گناہ کا بیان جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھالے۔

حضرت ابوہریرہؓ حضور پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی جب اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے تو کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو کہیں گدھے کے سر سے نہ بدل دے یا اس کی صورت کو گدھے کی صورت میں تبدیل کر دے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح: امام بخاری کا یہ ترجمہ بھی اقتداء سے متعلق ہے، اور مقصود یہ ہے کہ شروع فی الفعل میں جیسے امام کی اقتداء کی جائے گی ایسے ہی فعل کے ختم کرنے میں بھی امام کی اقتداء مطلوب ہے، لہٰذا امام سے پہلے کوئی مقتدی سجود سے سر نہیں اٹھا سکتا ہے، بلکہ امام سے پہلے رکوع وسجود سے سر اٹھانا گناہ ہے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسا کرنے والے کے متعلق وعید بیان فرمائی ہے۔

اگر کسی شخص نے امام سے پہلے رکوع یا سجود سے اپنا سر اٹھالیا تو اس کی نماز کا کیا ہوگا؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس شخص نے حرام کا ارتکاب کیا، گنہگار ہوگا مگر نماز صحیح ہو جائے گی، امام احمد ایک روایت میں اور ظاہر یہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز باطل ہوگئی اور یہی حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے۔

غالباً امام بخاری نے بَاب إِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ فرما کر جمہور کی تائید کی ہے کیوں کہ بخاری نے صرف اثم کی تصریح فرمائی بطلان وفساد کا کوئی ذکر نہیں کیا، مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا لیکن نماز فاسد نہیں ہوگی۔

أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ أَوْ أَلَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ: شراح حدیث فرماتے ہیں کہ أما اور ألا حرفِ افتتاح ہے اور یہاں استفہامِ توبیخ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

علامہ سندی فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں، کیوں کہ اس صورت میں مطلب یہ نکلے گا کہ ایسا کرنے والا خاشی ہے اور اس سے خشیت کا تحقق ہو رہا ہے حالانکہ اس کی عدم خشیت پر نکیر مقصود ہے، اس لئے صحیح یہ ہے کہ ہمزہ حرف استفہام ہے اور "ما" یا "لا" نافیہ ہے اور عدم خشیت پر انکار کیا جا رہا ہے کہ ایسا شخص جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے وہ کیوں نہیں ڈرتا اس بات سے کہ کہیں اس کا سر اللہ حمار کا سر بنا دے۔

أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ: یہ أو شک راوی ہے اور یہ شک راویٔ حدیث شعبہ کو واقع ہوا ہے، اس حدیث کو شعبہ کے ساتھ محمد بن زیاد سے حماد بن زید، حماد بن سلمہ، یونس بن عبید اور ربیع بن مسلم بھی نقل کرتے ہیں، حماد بن زید اور حماد بن سلمہ تو أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ نقل کرتے ہیں، حماد بن زید کی روایت مسلم میں ہے اور حماد بن سلمہ کی روایت مسند طیالسی میں ہے، اور یونس بن عبید أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ نقل کرتے ہیں أخرجه مسلم، اور ربیع بن مسلم أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ

Maktaba Tul Ishaat.com

وَجْهُهُ وَجْهَ حِمَارٍ نقل کرتے ہیں أخرجه مسلم۔

اب گویا اس حدیث پاک میں تین لفظ ہو گئے، ۱۔ رأسه، ۲۔ صورته، ۳۔ وجهه۔

قاضی عیاض نے ان سب روایتوں میں یوں جمع کیا ہے کہ راس میں وجہ ہے اور اسی میں معظم صورۃ بھی، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ بعض لوگ صورۃ بول کر وجہ مراد لیتے ہیں، گویا دو روایتیں ہو گئیں ایک رأس کی اور دوسری صورۃ کی جس کو دوسرے راوی نے وجہ سے تعبیر کر دیا، حافظ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں روایتی حیثیت سے رأس کا لفظ راجح ہے کیوں کہ اکثر رواۃ نے یہی نقل کیا ہے۔

پھر سر کو حمار جیسا سر کر دینے سے کیا مراد ہے؟ آیا مسخ ظاہری مراد ہے یا مسخ معنوی؟ بعض تو کہتے ہیں کہ مسخ ظاہری مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کا چہرہ بدل جائے گا، گدھے کی شکل میں ہو جائے گا، اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ مسخ ظاہری مراد نہیں، اس واسطے کہ بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں اور کچھ بھی واقع نہیں ہوتا، لیکن اس میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ ایسا کرنے والے کا چہرہ یقیناً گدھے جیسا ہو جائے گا بلکہ اس کو ڈرایا گیا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے، تو اس میں کیا استعجاب ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ ایسا کر دے، چنانچہ اس امت میں مسخ کا بعض حالات میں واقع ہونا روایت سے ثابت ہے، سیکون فی أمتی مسخ و خسف ارشاد نبوی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مسخ معنوی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کے فہم و عقل کو سلب کر لے، بلید بنا دے کیوں کہ اس نے جو کام کیا ہے وہ بلادت کا ہے، بھلا جس شخص نے کسی کو امام بنا دیا تو پھر اس کی اقتداء کرنا چاہئے یا اس سے پہلے فعل کو شروع کر دینا چاہئے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے مسخ ظاہری بھی مراد ہو اور مسخ معنوی بھی، شکل بھی محول و مبدل ہو جائے اور عقل بھی چھین لی جائے اور سلب ہو جائے، لیکن مسخ معنوی کے مراد ہونے پر اشکال یہ ہے کہ ابن حبان کی روایت میں وارد ہوا ہے أن یحول اللہ رأسه رأس کلب اور یہاں یہ معنیٰ چل نہیں سکتے ہیں اس لئے بظاہر مسخ ظاہری ہی مراد ہے۔

بہر حال یہ وعید بڑی شدید ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے، امام نووی وغیرہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور میں بتلا چکا کہ اس میں اختلاف ہے کہ ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو گی یا فاسد نہیں ہو گی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۹۶) باب إِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلَى

وكانت عائشة يؤمّها عبدها ذكوان من المصحف، وولد البغي والأعرابي والغلام الذي لم يحتلم لقول النبي ﷺ: يؤمهم أقرؤهم لكتاب الله، ولا يمنع العبد من الجماعة بغير علة.

٦٨٩. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الأَوَّلُونَ الْعُصْبَةَ - مَوْضِعًا بِقُبَاءٍ - قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا.

٦٩٠. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ.

ترجمہ: باب، غلام اور آزاد شدہ غلام کی امامت کا بیان۔

اور حضرت عائشہؓ کی امامت ان کے ذکوان نامی غلام؛ قرآن سے کیا کرتے تھے۔ اور ولد الزنا، اور گنوار اور ایسے لڑکے کی امامت کا بیان جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، اس لئے کہ حضور پاک ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ قوم کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ قاری ہو۔ اور غلام کو کسی شرعی ضرورت کے بغیر جماعت میں شرکت سے روکا نہیں جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب حضور پاک ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے مہاجرین اولین ہجرت کر کے عُصبہ پہنچے جو قباء میں ایک جگہ کا نام ہے تو حضرت ابو حذیفہؓ کے غلام حضرت سالمؓ ان کی امامت کیا کرتے تھے، اور ان کو قرآن کریم سب سے زیادہ حفظ تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ حضور پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ (امراء کی بات) سنو اور ان کی اطاعت کرو خواہ ایسے حبشی غلام کو تم پر عامل (حاکم) بنا دیا جائے جس کا سر گویا کہ منقی کی طرح ہو۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے عبد و مولیٰ کی امامت کا مسئلہ بیان کیا ہے، عبد غلام کو اور مولیٰ آزاد شدہ غلام کو کہتے ہیں، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ عبد و مولیٰ کی امامت جائز ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

غلام؛ احرار کی امامت نہیں کر سکتا ہے الا یہ کہ سارے احرار امی اور صرف وہ قاری ہو تو غیر جمعہ میں امامت کر سکتا ہے، جمعہ میں اگر اتفاق سے عبد قاری آجائے اور احرار سارے کے سارے امی ہوں تو وہاں امامت کا حق نہیں پہنچتا ہے اس لئے کہ غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے تو وہ امامت کیسے کر سکتا ہے؟ اشہب فرماتے ہیں کہ اگر اتفاق سے وہ جمعہ میں پہنچ جائے تو امامت کر سکتا ہے، امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور کے ہم خیال ہیں۔

وَ كَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ: حضرت عائشہؓ کا یہ اثر ابو بکر بن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں موصولاً روایت فرمایا ہے، فتح الباری کے موجودہ نسخوں میں وصله أبو داؤد فی کتاب المصاحف واقع ہوا ہے، یہ غلط ہے، ابو داؤد کی کتاب المصاحف نہیں ہے بلکہ ان کے صاحب زادے ابو بکر بن ابی داؤد کی ہے، اور اس اثر کو علامہ موفق الدین بن قدامہ نے المغنی میں اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں ابن ابی داؤد کی طرف منسوب کیا ہے۔

مِنَ الْمُصْحَفِ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سامنے کھلا ہوا ہوتا تھا اور ذکوان اس کو نماز میں دیکھ کر پڑھتے جاتے تھے، اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، چار قول ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ مفسد صلاۃ ہے، اس لئے کہ یا تو یہ عمل کثیر ہو جائے گا اگر مصلی خود ہاتھ سے ورق پلٹ رہا ہے اور بار بار کھول رہا ہے یا تلقن من الخارج ہے۔

(۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے باقی نماز فاسد نہیں ہو گی۔

(۳) امام شافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقاً بلا کراہت جائز ہے اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے۔

(۴) امام مالک فرماتے ہیں کہ نفل میں تو جائز ہے فرض میں جائز نہیں، اور یہی امام احمد کی دوسری روایت ہے، غالباً ان حضرات نے ذکوان کی امامت کو تراویح پر محمول کیا ہو گا، یہ اثر جمہور کے تو موافق ہے صرف امام ابو حنیفہ کے خلاف پڑتا ہے اس لئے کہ وہی تنہا اس کو مفسد قرار دیتے ہیں۔

احناف نے اس اثر کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ من المصحف کا مطلب ہے من بعض المصحف یعنی قرآن پاک کے بعض حصے نماز میں پڑھا کرتے تھے، مگر میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ چیز محتاج بیان نہیں، احادیث صحیحہ شہیرہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ فلاں نماز میں فلاں سورت پڑھتے تھے

Maktaba Tul Ishaat.com

اور فلاں نماز میں فلاں سورت پڑھتے تھے، کیا یہ چیز بھی محتاج بیان ہو گی؟

(۲) دوسرا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ذکوان پہلے قرآن پاک دیکھ لیتے تھے اور پھر اس کے بعد نماز پڑھایا کرتے تھے، جیسا کہ بعض کچے حافظوں کا دستور ہے کہ وہ تراویح میں قرآن کھول کر دیکھ لیتے ہیں اور پھر اس کے بعد آگے پڑھتے ہیں، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ تبادر کے خلاف ہے۔

(۳) تیسرا جواب بعض احناف نے یہ دیا ہے کہ یہ عمل توارث کے خلاف ہے لہذا یہ حجت نہیں، یہ جواب اگرچہ علامہ انور شاہ کشمیری جیسے کبار ائمہ نے دیا ہے لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ توارث سے ایک چیز ثابت تو کی جاسکتی ہے لیکن ایک ثابت چیز کو اس سے رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(۴) چوتھا جواب میرے خیال میں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ رہ چکا ہے، حضرت عائشہؓ تو اباحت کی قائل ہیں اور بعض سلف بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ ابن شہاب زہری سے نقل کیا گیا ہے، لیکن ابن ابی داود ہی نے کتاب المصاحف میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے نھانا أمیر المؤمنین أن نؤمّ الناس فی المصحف و أن یؤمّنا المحتلم، اگر اس کی سند قوی ہو تو پھر یہ حضرت عائشہؓ کے اثر کا معارض ہو سکتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت عمرؓ کی نہی کو قابل ترجیح تسلیم فرمایا۔

بعض علماء نے قراءۃ من المصحف کے عدم جواز پر ایک عجیب وغریب دلیل پیش کی اور وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اعرابی مسیئ فی الصلاۃ سے یوں ارشاد فرمایا تھا فإنْ کَانَ مَعَکَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَإلاَّ فَاحْمَدِ اللّٰہَ أو کما قال، رواہ أبو داؤد، اگر قرآن یاد ہو تو پڑھنا ورنہ اللہ کی حمد وغیرہ کرنا، اگر قراءۃ من المصحف جائز ہوتی تو آپ فرمادیتے کہ قرآن کھول کر دیکھ کر پڑھ لینا، یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ اگر قرآن یاد نہ ہو تو اس کے بجائے تسبیح وغیرہ پڑھ لینا؟

میرے نزدیک یہ استدلال ضعیف ہے اس واسطے کہ قرآن کتابی شکل میں سب سے پہلے صدیق اکبرؓ کے دور میں جمع کیا گیا اور پھر دور عثمانی میں، تو عہد نبوت میں قرآن اس مجموعی شکل میں موجود ہی نہیں تھا، اور مزید یہ کہ ہر شخص پڑھا لکھا نہیں تھا، جب یہ بیچارا اعرابی ہے تو ظاہر ہے کہ ناخواندہ ہو گا، اس کو حضور ﷺ کیا کہتے کہ مصحف میں دیکھ کر پڑھ لینا، بالفرض اگر ہم یہ مان لیں کہ بعض آیات وسور لکھی ہوئی بھی تھیں اور اس سے یہ کہا جاتا کہ بعض سورتیں دیکھ کر پڑھ لینا مگر وہاں وہی اشکال ہو گا کہ وہ تو اعرابی تھا اور عام طور سے اعراب ناخواندہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتے تھے اس لئے اس کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ قرآن دیکھ کر پڑھ لینا، سورت دیکھ کر پڑھ لینا۔

وَوَلَدِ الْبَغِيِّ: ولد الزنا کی امامت امام احمد کے یہاں مکروہ نہیں اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کہتے ہیں کہ مکروہ ہے، اور حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کا امام راتب بنا مکروہ ہے کبھی امامت کرلے تو حرج نہیں۔

وَالْأَعْرَابِيِّ: اعرابی کی امامت کا مسئلہ مختلف فیہا ہے، امام شافعی اور امام احمد ارشاد فرماتے ہیں کہ بلا کراہت جائز ہے، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے یہاں مکروہ ہے اگرچہ نماز صحیح ہوجائے گی، امام مالک ارشاد فرماتے ہیں کہ لَا يَؤُمُّهُمْ وَإِنْ كَانَ أَقْرَأَهُمْ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ﴾، لہذا اعرابی اقرأ ہو تو وہ بھی امامت کرسکتا ہے۔

فریق اول یہ کہتا ہے قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ، اور امام بخاری بھی اسی بات کے قائل ہیں، بعض متاخرین احناف نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اس روایت کو بالکل عام مان لیا جائے تب تو کافر کی، مجنون کی اور عورت کی بھی امامت صحیح ہونا چاہئے، عبد ضعیف کہتا ہے کہ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ کا مطلب یہ ہے کہ ولم یکن فیہ مانع، اور کافر میں اس کا کفر مانع موجود ہے اور مجنون میں اس کا جنون مانع موجود ہے اور عورت کی امامت سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، ابن ماجہ کی روایت ہے لَا تَؤُمَّنَّ امْرَأَةٌ رَجُلًا لہذا یہ معارضہ صحیح نہیں۔

متاخرین احناف اپنی کتابوں میں کراہت لکھتے ہیں مگر امام محمد کی کتاب الاصل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامتِ اعرابی وغیرہ سب خلاف اولیٰ ہے، اس لئے کہ انہوں نے یہ لکھ کر کہ فلاں، فلاں، فلاں امامت کرسکتے ہیں لکھا ہے وغیر ہؤلاء أحب اور ان کے غیر زیادہ اچھے ہیں، اور زیادہ اچھے ہیں کا مقابل ہوسکتا ہے بہت اچھے نہ ہوں تو خلاف افضل نکلا، اب یہ کہا جائے گا کہ ہمارے فقہاء نے یہاں جو کراہت کا قول ذکر کیا ہے اس سے مراد کراہت تنزیہی ہوگی، یہ میرا اپنا خیال ہے۔

وَالْغُلَامِ الَّذِي لَمْ يَحْتَلِمْ: اور نابالغ بچہ کی امامت، اس مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں۔

(۱) امام شافعی فرماتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے چاہے فرض نماز ہو یا نافلہ۔

(۲) داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ مطلقاً ناجائز ہے چاہے فرض ہو یا نافلہ، امام ابو حنیفہ سے یہی ایک روایت ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۴) امام ابو حنیفہ دوسری روایت میں اور امام مالک فرماتے ہیں کہ فرض میں تو جائز نہیں البتہ نفل تراویح وغیرہ میں جائز ہے، امام احمد سے بھی اسی طرح دو روایتیں نقل کی گئی ہیں ایک مطلقاً عدم جواز کی اور ایک فرض و نفل کے فرق کی۔

امام بخاری اس مسئلہ میں امام شافعی کے ہم خیال ہیں، امام نے اس کی دلیل يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ پیش کی ہے رواہ مسلم، مزید اس کی خاص دلیل بھی ہے اور وہ دلیل تم لوگ عنقریب ابوداؤد میں پڑھو گے اور انشاء اللہ بخاری شریف کتاب المغازی میں آئے گی کہ عمرو بن سلمہ جرمیؓ فرماتے ہیں کہ میں سات آٹھ سال کا تھا اور قوم کی امامت کرتا تھا۔

مانعین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کیا پتہ حضور اکرم ﷺ کو صورتحال معلوم نہ ہوئی ہو، اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تو نزول قرآن کا زمانہ تھا، اگر اس طرح کی بات ہوتی اور بچہ کی امامت ناجائز ہوتی تو قرآن منع کر دیتا تاکہ آئندہ امت خرخشہ میں نہ پڑے، حضرت جابرؓ وغیرہ نے اس طرح کے استدلالات کئے ہیں فرماتے ہیں کنا نعزل والقرآن ینزل، ہم عزل کرتے تھے اور قرآن اترتا تھا یعنی یہ فعل اگر ناجائز ہوتا تو قرآن پاک ہمیں منع کر دیتا۔

لیکن اس روایت سے استدلال میں بہر حال کچھ خدشہ ہے، حسن بصری اس کی تضعیف کرتے تھے، امام احمد نے اس میں توقف کیا ہے، مزید یہ کہ روایت میں یہ ہے کہ وہ جب نماز پڑھاتے تھے تو نماز میں ان کا سرین نظر آتا تھا، قبیلہ کی ایک عورت نے کہا أَلَا تُغَطُّونَ عَنَّا اسْتَ قَارِئِكُمْ بھلا اس طرح کی نماز اب کہاں جائز ہو سکتی ہے، بات یہ ہے کہ وہ لوگ ناواقف تھے اور ناواقفیت کی وجہ سے معذور سمجھے گئے۔

يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ: یہ آگیا وہ ٹکڑا جس کی طرف میں نے بَابُ إِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ میں اور اسی طرح سے اس سے پہلے بَابُ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ میں اشارہ کیا تھا، میں نے کہا تھا کہ اس حدیث کا ایک ٹکڑا امام بخاری نے بالجزم نقل کیا ہے وہ یہی ہے۔

ولا یمنع العبد من الجماعة بغیر علة: اور جب غلام کو بغیر سبب کے جماعت سے روکا نہیں جاسکتا ہے تو جب وہ جماعت میں آئے گا تو امامت بھی کر سکے گا۔

الْعُضْبَةَ: بضم العین وسکون الصاد، والعَضبة بفتح العین وسکون الصاد، والعَصَبة بفتحتین۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مَوْضِعاً بِقُبَاءٍ: اس کا یہی مطلب ہے أی کان موضعا بقباء یہ قباء میں ایک جگہ کا نام ہے، اور دوسری روایت میں ہے مَوْضِعٍ بِقُبَاءٍ أی ھو موضع بقباء۔

قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے یعنی ہجرت سے پہلے۔

كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ: سالم مولیٰ ابی حذیفہ ان کی امامت کرتے تھے، یہ روایت آئندہ بخاری کتاب المغازی میں آئے گی اس میں یہ ہے کہ اس میں ابو بکرؓ و عمرؓ بھی ہوتے تھے، اس پر اشکال یہ ہے کہ ابو بکرؓ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے حضرت سالمؓ، ابو بکرؓ کی امامت کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مطلب یہ کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تب تک ان کی امامت کا سلسلہ جاری تھا حتی کہ بعض اوقات ابو بکرؓ بھی اگر وہاں پہنچے تو انہوں نے سالمؓ کی اقتداء میں نماز ادا کی اور سالمؓ نے ان کی امامت فرمائی، اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہو گیا کہ مولیٰ کی امامت میں کوئی اشکال نہیں، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے امامت میں ان کو اپنے اوپر مقدم فرمایا ہے۔

اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا: تم لوگ بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر کوئی عبد حبشی ہی عامل اور امیر بنا دیا جائے اور وہ ایسا حقیر ہو کہ اس کا سر اتنا چھوٹا ہو کہ گویا کشمش کا دانہ، امام بخاری نے اس روایت سے اپنا مدعا یوں ثابت کیا ہے کہ اطاعت کے عموم میں نماز کی امامت بھی داخل ہے اس لئے کہ معمول یہ تھا کہ جو امیر ہوتا تھا وہی امام بھی بنا کرتا تھا۔

(ص ۹٦) باب إِذَا لَمْ يُتِمَّ الْإِمَامُ وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ

٦٩١. حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسَى الْأَشْيَبُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يُصَلُّونَ لَكُمْ فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَإِنْ أَخْطَؤُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ.

ترجمہ: باب، جب امام نماز کو مکمل ادا نہ کرے اور مقتدی مکمل ادا کرے تو کیا حکم ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ائمہ تم کو نمازیں پڑھائیں گے، پس اگر وہ ٹھیک

Maktaba Tul Ishaat.com

طور پر نماز پڑھائیں تو یہ تمہارے لئے نفع کی بات ہے، اور اگر وہ غلطی کرتے ہیں تو تمہارا نفع ہے اور ان (ائمہ) کا نقصان ہے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کی غرض میں دو قول ہیں۔

بعض حضرات کے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اتمام فی الوقت ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر امام وقت کی رعایت کر کے نماز نہ پڑھے لیکن پیچھے والے رعایت کر لیں تو کیا حکم ہے؟ مگر امام بخاری کا یہ مقصود نہیں ورنہ اس کے بجائے کوئی اور ایسا لفظ ذکر فرماتے جس سے یہ پتہ چل جاتا کہ اس سے مراد اصابت وقت کو بیان کرنا ہے۔

بظاہر دوسری غرض ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر امام نماز میں کوئی کمی کر دے اور مقتدی کمی نہ کرے تو آیا امام کی نماز کی کمی مقتدیوں کی نماز کی طرف سرایت کرے گی یا نہیں؟ مثال کے طور یہ سمجھئے کہ امام رکوع و سجود میں طمانینت نہ کرتا ہو، کوتاہی کرتا ہو تو کیا اس سے مقتدیوں کی نماز پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ بعض روایات سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے، گویا اگر امام کی نماز فاسد ہوئی تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

ابن سیرین، عامر شعبی، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر امام کی نماز فاسد ہوگئی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

حضرات ائمۂ ثلاثہ کی رائے ہے کہ اگر امام سے کوئی گڑبڑ صادر ہوگئی اور مقتدیوں کو پتہ ہی نہ چلے تو اس کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کی طرف منتقل نہیں ہوگا اور ان کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

مثال کے طور پر یہ سمجھو کہ اگر امام نے حالتِ حدث یا حالتِ جنابت میں نماز پڑھا دی تو حنفیہ کے یہاں تو سب کی نماز واجب الاعادہ ہوگی، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر مقتدیوں کو پتہ نہیں چلا تو صرف امام پر اعادہ واجب ہوگا اور اگر پتہ چل گیا تو مقتدیوں پر بھی اعادہ واجب ہوگا۔

امام مالک نے اس میں تھوڑی سی تفصیل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر امام نے عمداً کیا ہے تب تو اس کی امامت ہی صحیح نہیں اس لئے کہ وہ اپنے فعل کے عمداً ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہو گیا اور فاسق کی امامت صحیح نہیں لہٰذا سب پر اعادہ واجب ہوگا، اور اگر عمداً نہیں کیا ہے تو صرف امام پر اعادہ ہے مقتدیوں پر اعادہ نہیں ہے، یہی حضرت امام شافعی کا ایک قول ہے۔

اصل میں اس مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد اور اصل کلی کی طرف ابھی اشارہ کر آیا ہوں کہ امام شافعی کے

Maktaba Tul Ishaat.com

یہاں تو امام کی نماز کا مقتدی کی نماز سے صرف معمولی تعلق ہے اور تکثیر ثواب اس کا مقصد ہے، اور امام ابوحنیفہ کے یہاں امام کی نماز مقتدی کی نماز سے بالکلیہ مربوط ہوتی ہے صحۃً وفساداً لقول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الإمام ضامن، امام مالک اور امام احمد سے علامہ ابن تیمیہ نے تفصیل نقل کی ہے، اگر مقتدی معذور ہے تو امام کی نماز کا اثر مقتدی کی نماز کی طرف منتقل نہیں ہوگا بلکہ اگر امام معذور ہے تب بھی منتقل نہیں ہوگا۔

فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَإِنْ أَخْطَئُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ: اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ مسائل اجتہادیہ میں جہاں مجتہدین کا اختلاف ہو وہاں نماز میں ایک دوسرے کا اقتداء جائز ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور اس کا تعلق اصول فقہ کی کتابوں اور فروع سے ہے، باقی میں مختصر طور پر چند اقوال جو بہت مشہور ہیں بیان کردیتا ہوں۔

(۱) ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً اقتداء بالمخالف جائز ہے، یہی امام احمد بن حنبل کا مشہور مسلک ہے جس کو علامہ موفق الدین بن قدامہ اور ان کے تلمیذ شمس الدین بن ابی عمر المقدسی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے، شافعیہ میں سے قفال شاشی کا یہی مختار ہے، حنفیہ میں سے ابوبکر جصاص رازی، سراج الدین، صاحبِ ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، بلکہ صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں کہ فساد صلاۃ اور کراہت وغیرہ کا قول ہمارے ائمۂ قدماء سے منقول نہیں۔

ابن ہمام نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صاحب! اگر قبلہ مشتبہ ہوجائے اور تحری کی جائے تو وہاں پر ہمارے فقہاء نے جو تفصیل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد کے اختلاف کی صورت میں دوسرے کی اقتداء نہیں کرنا چاہئے، علامہ انور شاہ کشمیری نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مسئلہ قبلہ قطعی ہے اور مسائلِ نماز ظنی ہیں تو ظنی کو قطعی پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے، لیکن شاہ صاحب کے اس جواب پر اشکال یہ ہے کہ جو مسئلہ فقہاء ذکر کرتے ہیں وہ تو اجتہاد سے متعلق ہے اور وہ یہ کہ اشتباہ ہوجائے کہ کدھر قبلہ تھا تو وہاں پر لوگ تحری کرتے ہیں اور ان کی تحری میں اختلاف ہوجائے تو وہ ایک دوسرے کا اتباع نہیں کریں گے بلکہ ہر ایک اپنی تحری پر نماز پڑھے گا مگر اس کے باوجود اس مسئلہ کو ہر جگہ چالو کرنا بہت مشکل ہے۔

شیخ الہند، علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب وغیرہ کی رائے ہے کہ مخالف کے فروع کی اقتداء بغیر کسی کراہت کے مطلقاً جائز ہے اور یہی بندہ کے نزدیک راجح ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ مقتدی کے اقتداء بالمخالف سے نماز باطل ہو جائے گی، احناف میں سے ابوالیسر بزدوی نے اور شافعیہ میں سے ابو اسحاق اسفرائینی نے اسی کو اختیار کیا ہے، ابوالیسر بزدوی نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ مکحول نسفی کی کتاب الشعاء میں یہ لکھا ہے کہ شافعیہ کا اقتداء نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ وہ رفع یدین کرتے ہیں، ہم ان کے دین پر تو نقد نہیں کریں گے لیکن ان کا اقتداء نہیں کریں گے، مگر یہ دلیل بھی بعید ہے نہ کتاب الشعاء مستند کتاب ہے اور نہ اس کے مصنف کا حال معلوم، علماء نے قدیماً وحدیثاً اس روایت مجہولہ کی تردید فرمائی ہے حتی کہ ابن ہمام، صاحب نہایہ اور فلاں فلاں وغیرہ سب نے تردید کی ہے وھو حقیق بذلک اور سوائے تعصب کے اور کسی وجہ سے یہ قول صادر نہیں ہوا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اگر امام مسائل خلافیہ میں مقتدیوں کی رعایت کرے تب صحیح اور اگر رعایت نہیں کرے تو صحیح نہیں اور اگر شک ہو تو کراہت ہوگی، یہ صاحب بحر نے لکھا ہے، اسی کے قریب قریب امام نووی نے لکھا ہے کہ اگر رعایت نہ کرے تو اقتداء صحیح نہیں اور اگر رعایت کرتا ہے یا شک ہے تو اقتداء صحیح ہے۔

(۴) چوتھا قول ابن الملک کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مکروہ ہے، میں نے یہ بتلا دیا کہ راجح یہ ہے کہ مخالف امام کے فروع کی اقتداء نماز میں مطلقاً جائز ہے چاہے وہ مسائل خلافیہ کی رعایت کرتا ہو اور چاہے نہ کرتا ہو، اور اس کی دلیل حضرات صحابہ کا باوجودیکہ باہم ان میں اختلاف تھا ایک دوسرے کی اقتداء اور اتباع کرنا ہے۔

(ص ۹٦) باب إِمَامَةِ الْمَفْتُونِ وَالْمُبْتَدِعِ

وقال الحسن: صلّ وعليه بدعته.

٦٩٢. وَقَالَ لَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، وَهُوَ مَحْصُورٌ، فَقَالَ: إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرَى وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ: الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ، فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ، وَإِذَا أَسَاؤُوا فَاجْتَنِبْ اساءَتَهُمْ.

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا نَرَى أَنْ يُصَلَّى خَلْفَ الْمُخَنَّثِ إِلَّا مِنْ ضَرُورَةٍ لَا بُدَّ مِنْهَا.

Maktaba Tul Ishaat.com

۶۹۳. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي ذَرٍّ: اسْمَعْ وَأَطِعْ وَلَوْ لِحَبَشِيٍّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ.

ترجمہ: باب، فتنہ پرداز اور بدعتی کی امامت کا بیان۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا تم نماز پڑھو، اور بدعت کا وبال اسی پر ہے۔

عبید اللہ بن عدی بن الخیار سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں پہنچے اور اس وقت حضرت عثمانؓ باغیوں کے حصار میں تھے، عبید اللہ نے عرض کیا کہ آپ عام مسلمانوں کے امام ہیں اور اس وقت آپ جس مصیبت میں مبتلا ہیں وہ آپ جانتے ہیں اور ہمیں فتنہ کا امام نماز پڑھا رہا ہے جبکہ ہم اس کے پیچھے نماز ادا کرنے میں گناہ میں مبتلا ہونے کا ڈر محسوس کرتے ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نماز لوگوں کے عمل میں سب سے اچھا عمل ہے، پس جب لوگ یہ اچھا کام کریں تو تم بھی اچھے کام میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ اور جب وہ برے کام کریں تو ان کی برائی سے الگ رہو۔

زبیدی نے کہا کہ زہری نے فرمایا کہ مخنث کے پیچھے نماز پڑھنے کو ہم صحیح نہیں سمجھتے الا یہ کہ کوئی ایسی شرعی مجبوری ہو کہ جس سے کوئی چارہ نہ ہو۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ (حاکم) کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو خواہ وہ ایسا حبشی ہو جس کا سر گویا منقّی ہو۔

تشریح: مفتون وہ شخص کہلاتا ہے جو فتنہ میں مبتلا ہو جائے مثلاً امام برحق کے خلاف بغاوت کرے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ مفتون مبتدع کو کہتے ہیں، لیکن حضرت امام بخاری نے اس کے آگے المبتدع کا لفظ لکھا ہے اس لئے اول معنی راجح ہے، مبتدع بدعت میں مبتلا ہونے والے کو کہتے ہیں چاہے وہ بدعت اعتقادی ہو یا عملی ہو، بدعت اعتقادی جیسے خوارج اور روافض کی بدعتیں ہیں اور بدعت عملی جیسے آج کل کے مبتدعین کرتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ مصنف نے المفتون کے بعد المبتدع کا لفظ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو کہ مفتون سے مراد وہ شخص ہے جو بدعت اعتقادی میں مبتلا ہو۔

امام بخاری نے ترجمہ کو تو مجہول رکھا ہے لیکن حسن بصری کا قول صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایسے شخص کی امامت میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

مبتدع کی اقتداء میں تفصیل ہے، بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت مکفّرہ اور بدعت غیر مکفّرہ، بدعت مکفّرہ وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

بدعت کہلاتی ہے جس کے ارتکاب سے مبتدع دین اسلام سے خارج اور دائرۂ کفر میں داخل ہو جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ شانہ کے لئے تجسیم کا قول یعنی اللہ کے لئے جسم ثابت کرنا، اسی طرح سے اللہ کے لئے علم جزئیات کا انکار کرنا، ایسے شخص کی امامت جائز نہیں اور اگر اس کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوگی۔

اس کے علاوہ جو بدعتیں ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی نماز جائز ہے اور اس کی اقتداء میں جو نماز ہوگی وہ صحیح ہو جائے گی، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے کتاب الفصل فی الملل والأهواء والنحل میں لکھا ہے کہ یہی جمیع صحابہ اور جمیع فقہاء تابعین اور جمیع اصحاب حدیث اور مالک، ابو حنیفہ، شافعی اور احمد کا قول ہے، امام مالک سے دو روایتیں نقل کی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اگر پڑھی گئی تو نماز صحیح نہیں ہوگی، دوسری روایت جس کو عام طور سے ہمارے احناف نے اختیار کیا ہے کہ اگر اس کے پیچھے نماز پڑھی گئی تو صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ اس کی بدعت اور فسق کا تعلق نماز سے نہ ہو۔

مثلاً اگر کوئی امام اس وجہ سے امامت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کوئی شخص میرے ہوتے ہوئے مستحق امامت نہیں تو پھر اس کی اقتداء میں مالکیہ کے یہاں نماز نہیں پڑھنی چاہئے، امام احمد بن حنبل کے مسلک میں تفصیل ہے، مبتدع اگر معلن فی البدعۃ ہے یعنی علی الاعلان بدعت کا ارتکاب کرتا ہے تب تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی صورت میں بلا کسی اختلاف کے ان کے یہاں اعادہ ہے، اور اگر معلن نہیں ہے تو پھر اعادہ میں ان کی دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں اعادہ واجب ہے اور ایک روایت میں واجب نہیں ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ: حضرت امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور علماء کے ہم خیال ہیں کہ اگر مبتدع امامت کر رہا ہو، مفتون امام بنا ہوا ہو تو تمہیں کیا لینا، تم تو نماز پڑھ لو، اس کی بدعت کا گناہ اور اس کا وبال خود مبتدع پر ہوگا۔

أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: عبید اللہ بن عدی بن خیار حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے، جس زمانہ میں حضرت عثمانؓ کا محاصرہ ہوا تو وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ **إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرَى** عامۃ المسلمین کے امام آپ ہیں اور آپ پر جو مصیبت اتر پڑی ہے اسے آپ دیکھ رہے ہیں **وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ** اور فتنہ کا امام یعنی اس کا سرغنہ ہماری امامت کر رہا ہے **وَنَتَحَرَّجُ** اور ہم کو اسکی اقتداء کرنے میں تنگی ہوتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فَقَالَ الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ: حضرت عثمانؓ نے فرمایا نماز تو لوگوں کے اعمال میں سب سے اچھا عمل ہے، لہٰذا اگر یہ عمل اچھی طرح سے کرتے ہیں تو تم بھی ان کے ساتھ اچھی طرح کرو اور اگر اساءت کرتے ہیں تو تم ان کی اساءت سے اجتناب کرو۔

یہاں ایک بحث تو یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کیوں محصور ہوئے؟ اس کا اصل محل تاریخ ہے لیکن اجمالی طور پر مختصراً میں یہاں اتنا بیان کر دینا چاہتا ہوں جس سے بات آسانی سے سمجھ میں آجائے، حضرت عثمانؓ کو جب خلیفہ منتخب کیا گیا تو عامۃ المسلمین میں ایک خاص خلش پیدا ہوئی اس واسطے کہ سیدنا عمر بن خطابؓ کی گرفت ذرا سخت تھی ان کے بالمقابل حضرت عثمانؓ کا مزاج مبارک نرم تھا، ان کے ابتدائی خلافت کے چھ سال تک تو کوئی بات پیدا نہیں ہوئی، اس کے بعد چونکہ سیدنا حضرت عثمانؓ کے مزاج میں کچھ نرمی تھی اور یہ بھی چاہتے تھے کہ اپنے اعزاء کو نفع پہنچائیں لہٰذا انہوں نے یہ کیا کہ جو دوسرے شہروں میں امراء تھے ان کو تبدیل کر کے ان کی جگہ اپنے اعزاء کو بہت سے مقامات میں منتخب کر لیا اور بہت سے مواقع میں اپنے اعزاء واقرباء کو ترجیح دی، اس کے نتیجہ میں بہت شور پیدا ہو گیا اور پھر حضرت عثمانؓ کے خلاف چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔

اسی دوران میں ایک قصہ پیش آگیا، ولید بن عقبہ نے کوفہ کی امارت کے زمانہ میں شراب پی کر نماز پڑھادی، صبح کی نماز بروایتے دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر کر کہتا ہے اور پڑھادوں؟ اور بروایتے دو کے بجائے چار پڑھادی اور پھر سلام پھیر کر کہتا ہے اور پڑھادوں؟ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں شکوہ کیا، اسی طرح سے اور بعض قصے بھی واقع ہوئے، اب لوگوں کی طرف سے یہ مطالبے ہوئے کہ ان کو برطرف کیا جائے اور ان کی جگہ پر دوسرے امراء منتخب کئے جائیں، اسی سلسلہ میں مصر کی امارت کا بھی مسئلہ تھا، حضرت عثمانؓ نے مصر کی امارت کے لئے محمد بن ابی بکر کو منتخب فرمادیا تھا اور مصری ان کو اپنے ساتھ لے کر مصر کے لئے روانہ ہو گئے لیکن ادھر مروان بن حکم نے گڑبڑ یہ کی کہ اس نے ایک تحریر لکھی اور اس پر لکھا إذا جاء کم محمد فاقتلوہ اور حضرت عثمانؓ کی مہر لگائی اور ایک شخص کو سانڈنی پر سوار کر کے بھیجا کہ اسے جلدی سے امیر مصر کو پہنچادو، اتفاق سے یہ شخص جب گزر رہا تھا تو راستہ میں محمد بن ابی بکر اور اس کے ساتھیوں نے دیکھ لیا، اس کے انداز رفتار اور سانڈنی کے دوڑانے سے ان لوگوں کو شک ہوا کہ کوئی بات ضرور ہے؟ اس کو معلوم کرنا چاہئے کہ یہ ہے کون؟ پھر ان لوگوں نے پکڑ لیا اور بہت کچھ تحقیقات کیں مگر اس نے کچھ بتا کے نہ دیا، اتفاق سے اس سانڈنی کے اوپر

Maktaba Tul Ishaat.com

ایک پرانا مشکیزہ پڑا ہوا تھا اسے ہلایا تو کھڑ کھڑاہٹ ہوئی کھول کر دیکھا تو اندر سے یہ پرچہ نکلا إذا جاء کم محمد فاقتلوه، بس اب کیا تھا ایک کہرام مچ گیا اور یہ لوگ لوٹ پڑے، حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور وہ خط پیش کیا گیا کہ یہ آپ کا خط ہے؟ کہا کہ نہیں، مہر آپ کی ہے؟ کہا کہ ہاں، فلاں آپ کا غلام ہے؟ کہا کہ ہاں، تو پھر کیا بات ہے مہر آپ کی، غلام آپ کا اور خط آپ کا نہیں ہے، اب ان لوگوں کو خطرہ محسوس ہوا اور شک میں پڑ گئے، انہوں نے یہ کہہ دیا کہ یا تو آپ کو خلافت سے برطرف ہو جانا چاہئے یا جس نے یہ گڑبڑ کی ہے اس کو سزا دیں، حضرت عثمانؓ کا مزاج نرم تھا فتنہ پسند نہیں کرتے تھے اور خلافت سے دست برداری کا تو سوال ہی نہیں ہو سکتا تھا اس لئے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا تھا إن اللہ تعالیٰ عسیٰ أن یلبسک قمیصاً فإذا أراد الناس علی خلعه فلا تخلعه، اللہ تم کو قمیص پہنائیں گے اور جب لوگ تم سے قمیص کو چھیننا چاہیں اتروانا چاہیں تو ہرگز اتارنا مت، حضرت عثمانؓ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے اور اس کے بعد ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا، کچھ دنوں کے بعد اتفاق سے پیچھے کی طرف سے نقب لگا کر مکان میں گھس گئے، محمد بن ابی بکر نے دروازہ سے اندر پہنچ کر حضرت عثمانؓ کی ڈاڑھی پکڑی، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو ایسی حرکت نہ کرتا یعنی فرمایا کہ وہ میری ڈاڑھی کا احترام کرتے، محمد بن ابی بکر پیچھے ہٹ گئے مگر بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کو موقع نہیں لینے دیا اور شہید کر دیا، یہ ہے مختصر قصہ۔

فَقَالَ إِنَّکَ إِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِکَ مَاتَرَی: تم عامۃ المسلمین کے امام ہو اور تم کو جو مصیبت پہنچی ہوئی ہے تمہارا محاصرہ ہو رہا ہے وہ تم دیکھ ہی رہے ہو۔

وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ: فتنہ کا امام یعنی ان کا سرغنہ ہماری امامت کرتا ہے، ابن وضاح کہتے ہیں کہ یہ عبدالرحمٰن بن عدیس بلوی ہے، اور بعضوں کی رائے ہے کہ یہ کنانہ بن بشر ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہی مراد ہے چنانچہ سیف بن عمر نے کتاب الفتوح میں اسی کا نام درج کیا ہے۔

لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ بعینہ یہی روایت عبدالرزاق نے المصنف میں عن معمر عن الزهری عن عروة عن عبید اللہ بن عدی بن الخیار تخریج کی ہے اس میں اس کی جگہ پر حضرت علیؓ کا نام ہے، اور عبدالرزاق مستند عالم ہیں مزید یہ ہے کہ وہ تشیع کے ساتھ متہم ہیں لیکن ان کا تشیع غلو کے حدود میں نہیں تھا بلکہ صرف تشیع تھا، بہرحال جب وہ یہ روایت نقل کرتے ہیں تو یقیناً اس کی کوئی اصل ہو گی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اب بخاری اور مصنّف کی روایات ملانے سے امام فتنہ کا مصداق حضرت علیؓ ہوتے ہیں، لیکن سیدنا علیؓ کو امام فتنہ قرار دینا کوئی معنٰی نہیں رکھتا ہے، وہ تو أحد العشرۃ المبشرہ ہیں، الا یہ کہ یہ کہیں کہ عبید اللہ بن عدی اور اس کے ہم نوا حضرت علیؓ کے مخالف تھے، اس لئے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ پر انہوں نے امام فتنہ کا اطلاق کر دیا ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا رجحان یہ ہے کہ امام فتنہ کا مصداق تو کنانہ ہی ہے، ہاں ویسے حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے زمانہ میں اور بھی بہت سے حضرات نے نمازیں پڑھائی ہیں، حضرت علیؓ نے بھی پڑھائیں، حضرت سہل بن حنیفؓ نے پڑھائیں اور بھی دوسرے حضرات نے پڑھائی ہیں، بعض علماء داؤدی وغیرہ فرماتے ہیں کہ امام فتنہ کا مطلب ہے إمام وقت الفتنة۔

وَنَتَحَرَّجُ: اور ہم کو تنگی ہوتی ہے اس کی اقتداء میں۔

فَقَالَ: الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ، إلخ: اس جملہ کے مطلب میں اختلاف ہے، بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے امام فتنہ کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا مفتون ہونا تمہارے لئے ضرر رساں نہیں ہے اگر وہ اچھی طرح سے نماز پڑھتا ہے تو تم اس کے ساتھ نماز پڑھ لو۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سائل کا جواب نہیں دیا اس لئے کہ جو صلاۃ احسن کہلا سکتی ہے وہ صلاۃ صحیحہ ہے اور خارجی کے پیچھے نماز صحیح ہے نہیں اس لئے حضرت عثمانؓ نے کوئی صاف بات کہی ہی نہیں، یوں کہہ دیا کہ نماز لوگوں کے سب سے اچھے اعمال میں سے ہے لہذا اگر وہ احسان کریں تو تم بھی انکے احسانِ عمل میں شریک ہو جاؤ اور اگر وہ اساءت کریں تو انکی اساءت سے گریز یعنی انکے ساتھ شریک نہ ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے زین بن منیر کی اس تقریر پر اعتراض کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں وهذا قاله نصرة لمذهبه، چونکہ یہ مالکی ہیں اور مالکیہ کے یہاں فاسق اور کافر کے پیچھے نماز صحیح نہیں، اور زین فرماتے ہیں کہ خارجی یا تو کافر ہے یا فاسق، لہذا اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوگی، تو حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مسلک کی تائید میں یہ بات کہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ شارحین بعض وقت حدیث کی ایسی شرح کرتے ہیں جو خود کے مسلک کے مطابق ہو اور اس میں زین کا تنہا کوئی کیا قصور ہے، جو بھی شارح آتا ہے وہ بسا اوقات اپنے مسلک کی رعایت کرتا ہے چاہے وہ حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

الْمُخَنَّثِ: نون کے کسرہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ دونوں جائز ہیں، کسرہ زیادہ فصیح ہے اور فتحہ زیادہ مشہور ہے، مُخَنِث وہ شخص کہلاتا ہے جس کے اعضاء میں تکسّر ہو اور زنانہ پن ہو، اور مُخَنَّث وہ شخص کہلاتا ہے جس سے آدمی اپنی شہوت پوری کرتا ہے، بعضے علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں یہی ثانی مراد ہے اس لئے کہ جس کے اعضاء میں خلقی کمزوری ہو اس پر کیا الزام اور اشکال ہے، لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ بعض مرتبہ خلقی ضعف ہوتا ہے اور بعض آدمی بتکلف زنانہ پن اختیار کرتا ہے، اگر کوئی شخص بتکلف زنانہ پن اختیار کرتا ہے تو اس کا یہ عمل از باب فتنہ ہے اور اسی لئے یہ اثر امام مصنف نے اس مقام میں ذکر کیا ہے۔

كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ: ایسا حبشی جس کا سر بالکل چھوٹا سا ہو گویا کشمش کا دانہ ہے یقیناً جاہل ہوگا، ایسے لوگ انتہائی جاہل ہوتے ہیں اور جاہل عام طور سے فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں وهذا هو وجه المطابقة للترجمة۔

(ص ۹۷) باب يَقُومُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ بِحِذَائِهِ سَوَاءً إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ

۶۹۴. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ، فَجِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ، أَوْ قَالَ: خَطِيطَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

ترجمہ: باب، نمازیوں کی تعداد دو ہو تو مقتدی کو امام کی داہنی طرف اس کے برابر کھڑا رہنا چاہئے۔
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر رات گزاری، تو پہلے حضور پاک ﷺ نے (مسجد) میں عشاء کی نماز پڑھائی، پھر آپ گھر میں آئے اور چار رکعتیں پڑھیں، پھر آپ سوگئے، پھر آپ اٹھ گئے تو میں بھی آگیا اور آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے اپنی داہنی طرف کر دیا، پھر آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر آپ سوگئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی، پھر آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے۔

تشریح: حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر صرف ایک مقتدی ہو تو وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کہاں پر کھڑا ہو گا؟ امام نے اس ترجمہ میں دو باتیں بیان کی ہیں، اول تو یہ بتلایا ہے کہ کہاں پر کھڑا ہو گا اور دوسرے یہ بتلایا ہے کہ امام کے برابر ہو گا یا ذرا پیچھے ہو گا۔

پہلے مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مقتدی کہاں کھڑا ہو گا؟

(۱) جمہور علماء جس میں امام ابو حنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل سبھی حضرات شامل ہیں یہ فرماتے ہیں کہ مقتدی دائیں طرف کھڑا ہو گا، بلکہ بعض علماء نے اس مسئلہ میں اجماع بھی نقل کیا ہے۔

(۲) قاضی عیاض، قاضی ابو الطیب طبری اور علامہ موفق بن قدامہ حنبلی نے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ بائیں طرف کھڑا ہو گا، امام نووی فرماتے ہیں کہ میرا گمان نہیں ہے کہ یہ روایت ان سے ثابت بھی ہے اور اگر ثابت مان لی جائے تو شاید سعید بن مسیب کو ابن عباسؓ کی یہ حدیث ہی نہیں پہنچی۔

(۳) ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ امام کے پیچھے کھڑا ہو گا، پھر اگر کوئی شخص رکوع تک شامل ہو گیا تو دونوں پیچھے کھڑے رہیں گے، اور اگر رکوع شروع ہونے تک کوئی نہیں آیا تو آگے بڑھ کر امام کی دائیں طرف کھڑا ہو جائے گا کذا أخرجه سعید بن منصور فی سننه، امام نووی نے اخیر کے ان دونوں مسلکوں کو فاسد قرار دیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں مسلک احادیث ثابتہ کے خلاف ہیں۔

جمہور نے ابن عباسؓ کی روایت کو دلیل بنایا ہے، لیلۃ المبیت میں ابن عباسؓ آکر حضور پاک ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو آپ نے ان کو پیچھے کی طرف سے کھینچ کر دائیں طرف کھڑا کر دیا، مگر حمزہ بن یوسف سہمی نے تاریخ جرجان میں مغیرہ بن شعبہ سے ایک روایت نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہوئے۔

میرا گمان یہ ہے کہ اس روایت میں تصحیف واقع ہو گئی ہے، اور ابراہیم نخعی سے پیچھے کھڑے رہنے کا قول مطلق نہیں ہے بلکہ منتظر صلاۃ کے بارے میں ہے کہ کوئی آدمی آجائے تب امام کے پیچھے کھڑا ہو، چنانچہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں امام کے پیچھے تنہا ہوتا تھا تا آنکہ موذن آجایا کرتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ تنہا اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب انہیں موذن کا انتظار ہوتا تھا، تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

بِحِذَائِهِ سَوَاءً: برابر کھڑا ہو، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مقتدیٔ واحد امام کے برابر کھڑا ہو گا یا کچھ پیچھے ہٹ کر؟ مالک و ابو حنیفہ اور احمد مساوات کے قائل ہیں اور بظاہر بخاری کا بھی یہی رجحان ہے، لیکن امام شافعی

Maktaba Tul Ishaat.com

اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں أن یتأخر عن الإمام قلیلا ندبا تھوڑا سا پیچھے ہٹنا مستحب ہے، امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں کہ جہاں پر امام کی ایڑیاں ہوں وہاں مقتدی کے پنجے ہونے چاہئے۔

غَطِيطَهُ أَوْ قَالَ خَطِيطَهُ: وہ آواز جو نائم کی ناک سے سوتے وقت نکلتی ہے۔

(ص ۹۷) باب إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْإِمَامِ فَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ إِلَى يَمِينِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُمَا

٦٩٥. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: نِمْتُ عِنْدَ مَيْمُونَةَ وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ عَلَى يَسَارِهِ فَأَخَذَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ نَامَ حَتَّى نَفَخَ، وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ، ثُمَّ أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. قَالَ عَمْرٌو: فَحَدَّثْتُ بِهِ بُكَيْرًا فَقَالَ: حَدَّثَنِي كُرَيْبٌ بِذَلِكَ.

ترجمہ: باب، اگر مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو پھر امام اس کو گھما کر اپنی داہنی جانب کر لے تو دونوں میں سے کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس رات گزاری اور حضور پاک ﷺ اس رات انہی کے پاس تھے پس آپ نے وضو کیا پھر آپ نماز پڑھنے لگے تو میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے مجھے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کر لیا، پھر آپ نے تیرہ رکعتیں پڑھیں، پھر آپ سو گئے حتی کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی، اور آپ جب سوتے تھے تو خراٹوں کی آواز آتی تھی، پھر مؤذن آپ کے پاس آیا تو آپ نماز کے لئے چلے گئے اور آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں فرمایا، عمرو کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت بکیر سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ کریب نے یہ روایت مجھ سے بھی بیان کی تھی۔

تشریح: لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُمَا اسی طرح سے بعض نسخ بخاری میں واقع ہوا ہے اور ابو محمد اصیلی کی روایت میں لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ ہے۔

حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلہ بیان کیا ہے کہ ایک مقتدی کا موقف یمین امام ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن اگر مقتدی نے اپنا موقف چھوڑ دیا اور بجائے یمین کے یسار کی جانب کھڑا ہو گیا تو اگر امام نے فوری طور پر اس کو بائیں طرف سے کھینچ کر دائیں طرف کھڑا کر لیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح ہو جائے گی لیکن اس نے خلافِ سنت عمل کیا، شراح حدیث نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس باب میں جمہور کی تائید کی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کی نماز کو باطل نہیں قرار دیا بلکہ ان کو بائیں طرف سے کھینچ کر دائیں طرف کھڑا کر دیا، یہی حضرت شیخ کی رائے ہے۔

میری رائے ہے کہ سیدنا امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے حضرت امام احمد بن حنبل کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے، امام احمد بن حنبل کا مسلک وہ نہیں ہے جو شراح نقل کرتے ہیں بلکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر مقتدیِ واحد نے اپنا موقف چھوڑ دیا اور وہ بائیں طرف کھڑا ہو گیا حتی کہ ایک رکعت پوری ہو گئی تو اس کی نماز فاسد ہو گئی، اور اگر تحریمہ کے بعد ہی امام نے اس کو کھینچ کر بجائے بائیں کے دائیں طرف کھڑا کر دیا تو اس کی تحریمہ باطل نہیں ہوئی اور نماز صحیح ہو جائے گی۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہی مسئلہ بیان کیا ہے اور امام احمد بن حنبل کی موافقت ظاہر کی ہے، اسی لئے فرماتے ہیں إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْإِمَامِ فَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ إِلَى يَمِينِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ اگر آدمی امام کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا اور پھر امام نے اس کو کھینچ کر دائیں طرف کر لیا تو ان دونوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی، مقتدی کی اپنے موقف چھوڑنے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی اور امام کی مقتدی کو دائیں طرف کھینچ کر لانے کی وجہ سے، اور میرے نزدیک یہاں ارجح ابو محمد اصیلی کا نسخہ ہے کیوں کہ مقصود اس مقتدیِ واحد کی نماز کو بتلانا ہے جس کی نماز باطل نہیں ہوگی، امام بخاری نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، یہ اگر فرماتے تو جمہور کی تائید ہوتی، بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر بائیں طرف سے کھینچ کر دائیں طرف کر لیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور کے موافق نہیں بلکہ حضرت امام احمد بن حنبل کے موافق ہیں بس اچھی طرح سمجھ لو۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ حضرت امام بخاری نے ایک ترجمہ تو یہ منعقد کیا ہے اور ایک ترجمہ بعینہ اسی جیسا

Maktaba Tul Ishaat.com

ص ۱۰۰ پر چوبیسویں سطر میں منعقد کیا ہے بَابٌ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْإِمَامِ وَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ خَلْفَهُ إِلَى يَمِينِهِ تَمَّتْ صَلَاتُهُ، ان دونوں ترجموں میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ یہاں تو فرمایا لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ یا لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُمَا اور ص ۱۰۰ پر جو ترجمہ آرہا ہے وہاں فرمایا تَمَّتْ صَلَاتُهُ، نیز یہاں پر خَلْفَهُ نہیں فرمایا اور وہاں پر خَلْفَهُ کا لفظ بڑھا دیا ہے۔

بہت سے شراح نے تو اس تکرار کے متعلق کوئی تعرض ہی نہیں کیا لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعرض فرمایا ہے مگر یہاں نہیں بلکہ ص ۱۰۰ پر جو ترجمہ آرہا ہے اس کی شرح کرتے ہوئے، اور اس کے بعد پھر حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمہ سے جو یہاں بخاری نے ذکر کیا ہے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو تھوڑا سا عمل امام کی طرف سے پایا گیا کہ اس نے مقتدی کو کھینچا اور مقتدی کی طرف سے جو تھوڑا سا عمل پایا گیا کہ وہ بائیں طرف سے ہٹ کر دائیں طرف آیا یہ عمل مفسد صلاۃ نہیں ہے، اور جو ترجمہ ص ۱۰۰ پر آرہا ہے وہاں حضرت امام بخاری نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر مقتدیِ واحد اپنا موقف چھوڑ کر بجائے دائیں طرف کھڑا ہونے کے بائیں طرف کھڑا ہو جائے اس سے اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، حاصل فرق یہ نکلا حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک کہ امام بخاری نے یہاں تو یہ بتلایا ہے کہ تھوڑا سا عملِ قلیل مفسد صلاۃ نہیں اور آنے والے باب سے یہ بتلایا ہے کہ مقتدیِ واحد کا اپنا موقف چھوڑ دینا مفسد صلاۃ نہیں۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے بھی ان دونوں ترجموں میں فرق بیان کیا ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب کا مقصد تو یہ ہے کہ ماموم واحد اگر جانب یسار میں کھڑا ہو جائے تو یہ اس کی نماز کے لئے مفسد نہیں ہے، اور آگے جو ترجمہ آرہا ہے اس سے امام بخاری نے ایک مسئلۂ خلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مقتدی اپنے امام سے بڑھ جائے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا باطل ہو جائے گی؟ جمہور فرماتے ہیں کہ مقتدی کا امام پر تقدم مفسد صلاۃ ہے، مالک اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ مبطل نہیں ہے، حضرت امام بخاری نے آنے والے ترجمہ میں جمہور کی تائید کی ہے اور اسی لئے وَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ کے بعد خَلْفَهُ کا اضافہ کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ امام تحویل تو کرے گا لیکن پیچھے کی طرف سے کرے گا تاکہ تقدم المقتدی عن الامام لازم نہ آئے، کیوں کہ اس کا تقدم مفسد صلاۃ ہے، اور اگر بخاری کے نزدیک تقدم مفسد صلاۃ نہ ہوتا تو ان کو خَلْفَهُ کہنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ صرف یہ بتلا دیتے کہ اس کو بائیں طرف سے کھینچ کر دائیں طرف کر لے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

احقر کا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری کی غرض دونوں ترجموں سے بالکل الگ الگ ہے، یہاں اس ترجمۃ الباب سے تو حضرت امام بخاری نے امام احمد بن حنبل کی تائید اور ان کی موافقت ظاہر کی ہے جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا، اور جو ترجمہ ص ۱۰۰ پر آرہا ہے وہاں حضرت امام بخاری نے ایک اور مسئلہ بیان کیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تنہا آکر صف کے پیچھے کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز ہو گی یا نہیں ہو گی؟ اس میں ہے اختلاف، جمہور کہتے ہیں کہ اس نے کراہت کا ارتکاب کیا اگر بلا عذر ہی تنہا کھڑا ہو گیا ہے مگر نماز ہو جائے گی، امام احمد بن حنبل اور ظاہریہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نماز باطل ہو جائے گی۔

بطلان کے قائلین وابصہ بن معبدؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں وارد ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک ایسے شخص کو جس نے صف میں تنہا نماز پڑھ لی تھی اعادۂ صلاۃ کا امر فرمایا۔

اور جو لوگ کراہت کے قائل ہیں وہ مختلف دلائل پیش کرتے ہیں، ان دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ دیکھو سیدنا ابن عباسؓ جب حضور اکرم ﷺ کے پاس بجائے دائیں طرف کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو حضرت رسول پاک ﷺ نے ان کو بائیں طرف سے کھینچ کر پیچھے کی طرف لاکر دائیں طرف کر لیا، یہ جو ان کا پیچھے کی طرف سے آنا ہوا یہ تھوڑی دیر کے لئے قیام خلف الصف کے درجہ میں آگیا اور جب یہ ان کی نماز کے لئے مبطل نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ قیام خلف الصف مبطل نہیں ہے۔

مگر امام بخاری اس مسئلہ میں بھی چونکہ حضرت امام احمد بن حنبل کے ہم خیال ہیں اس واسطے انہوں نے اس استدلال کی تردید کی ہے اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ابن عباسؓ کو جو بائیں طرف سے کھینچ کر دائیں طرف کھڑا کیا تھا یہ ان کا آنا قیام خلف الصف نہیں ہے، قیام خلف الصف تو اور چیز ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، یہ ہے احقر کا خیال۔

(ص ۹۷) باب إِذَا لَمْ يَنْوِ الْإِمَامُ أَنْ يَؤُمَّ ثُمَّ جَاءَ قَوْمٌ فَأَمَّهُمْ

٦٩٦ . حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا اسمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ

Maktaba Tul Ishaat.com

اللَّيْلِ، فَقُمْتُ أُصَلِّي مَعَهُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِرَأْسِي وَأَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ.

ترجمہ: باب، جب نماز شروع کرتے وقت امام کی نیت امامت کرنے کی نہ ہو، پھر کچھ لوگ شریک ہوں اور امام نماز کی امامت کرے (تو کیا حکم ہے)۔

روایت کا ترجمہ اوپر گزر چکا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے یہاں ایک مسئلہ بیان کیا ہے کہ آیا امامت کے لئے نیتِ امامت ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی مقتدی کی اقتداء کی صحت کے لئے امام کا امامت کی نیت کرنا شرط اور ضروری ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور اس میں علماء کے چار قول ہیں۔

(۱) امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ صحتِ اقتداء کے لئے امام کی نیتِ امامت شرط نہیں ہے۔

(۲) امام اوزاعی اور ثوری فرماتے ہیں کہ شرط ہے۔

(۳) امام احمد بن حنبل سے امام نووی نے دو روایتیں نقل کی ہیں ایک اشتراط کی اور ایک عدم الاشتراط کی، لیکن امام احمد بن حنبل سے اس مسئلہ میں اصل میں دو روایتیں ہیں، ایک تو مطلقاً عدم اشتراط کی روایت اور اسی کو علامہ موفق نے راجح قرار دیا ہے اور دوسری روایت جو ان کے یہاں زیادہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ نفل میں اقتداء تو مطلقاً صحیح ہے جیسے ابن عباسؓ نے لیلۃ المبیت میں حضور اکرم ﷺ کی اقتداء کر لی تھی اور آپ نے ان کی امامت فرمائی، گویا نفل میں نیتِ امامت شرط نہیں، فرض میں ان کے یہاں تفصیل ہے۔

(۴) حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ نیتِ امامت صحتِ اقتداء کے لئے شرط نہیں ہے، صرف ایک مسئلہ میں شرط ہے اور وہ مسئلہ محاذاۃ ہے، محاذاتِ مرأۃ کا مسئلہ ایسا ہے کہ وہاں محاذاۃ کے احکام کے ترتب کے لئے ضروری ہے کہ امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو، اور اگر نیت نہیں کی ہے تو اس کے احکام مرتب نہیں ہوں گے، مثلاً محاذاۃ مفسد نہیں ہوگی، امام بخاری نے اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ کن بات تو کہی نہیں اس لئے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا جو واقعہ لیلۃ المبیت کا نقل کرتے ہیں اس میں کوئی ایسی صاف بات نہیں ہے جس سے یہ کہا جاسکے کہ آپ نے امامت کی نیت کی تھی یا نہیں کی؟ دونوں ہی احتمال ہیں، لیکن آنحضور ﷺ کا ابن عباسؓ کو بائیں طرف سے کھینچ کر دائیں طرف کر لینا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ آپ نے امامت کی نیت کی تھی۔

امام بخاری کا رجحان ویسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیتِ امامت شرط نہیں ہے اور ظاہر یہی ہے کہ رسول اکرم

Maktaba Tul Ishaat.com

صلی اللہ علیہ وسلم جب تنہا کھڑے ہو رہے ہیں تو امامت کی نیت کیوں فرمائیں گے؟ باقی رہا یہ کہ آپ نے ابن عباسؓ کو بائیں طرف سے دائیں طرف کر لیا تو اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت آپ نے نیت کر لی ہو، یہ کیا ضروری ہے کہ آپ نے پہلے سے نیت کی ہو۔

(ص ۹۷) باب إِذَا طَوَّلَ الْإِمَامُ وَ كَانَ لِلرَّجُلِ حَاجَةٌ فَخَرَجَ فَصَلّٰى

٦٩٧. حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: ثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ، فَصَلَّى الْعِشَاءَ فَقَرَأَ بِالْبَقَرَةِ، فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ فَكَانَ مُعَاذٌ يَنَالُ مِنْهُ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: فَتَّانٌ فَتَّانٌ فَتَّانٌ ثَلَاثَ مِرَارٍ، أَوْ قَالَ: فَاتِنًا فَاتِنًا فَاتِنًا، وَأَمَرَهُ بِسُورَتَيْنِ مِنْ أَوْسَطِ الْمُفَصَّلِ، قَالَ عَمْرٌو: لَا أَحْفَظُهُمَا.

ترجمہ: باب، جب امام نماز میں طویل قرأت کرے اور مقتدی کو کوئی ضرورت ہو اور وہ جماعت سے الگ ہو کر تنہا نماز پڑھ لے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے پھر واپس ہو جاتے اور اپنی قوم میں امامت کرتے۔

عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کو یہ فرماتے سنا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے پھر واپس ہوتے اور اپنی قوم میں امامت کرتے، انہوں نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ شروع کی تو ایک شخص نماز توڑ کر اپنی الگ نماز پڑھ کر واپس ہو گیا، حضرت معاذؓ نے اس کو برا کہا، یہ خبر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے معاذؓ سے تین مرتبہ فرمایا کہ تم فتنہ میں مبتلا کرنے والے ہو؟ آپ نے فتّان یا فاتن تین مرتبہ فرمایا، پھر آپ نے حضرت معاذؓ کو اوساطِ مفصل میں سے دو سورتیں پڑھنے کا حکم دیا، عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ وہ دو سورتیں مجھے یاد نہیں رہیں۔

تشریح: یہ باب پہلے باب کے بالکل بالمقابل ہے، پہلے باب میں تو مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا تھا کہ اگر امام نے امامت کی نیت نہ کی ہو تو اس کی اقتداء جائز اور جو لوگ اس کا اقتداء کریں ان کی امامت کر سکتا ہے،

Maktaba Tul Ishaat.com

اور اس باب میں امام بخاری نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے امام کی اقتداء کر کے پھر اقتداء ختم کر دی تو کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ مسئلۂ قطع اقتداء کہلاتا ہے۔

قطع اقتداء کا مسئلہ: قطع اقتداء کے مسئلہ میں تھوڑی سی تفصیل ہے، اگر کوئی آدمی امام کے پیچھے نماز شروع کرنے کے بعد جدا ہو جاتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو بلا کسی نیت کے جدا ہوتا ہے یا مفارقت یعنی الگ ہونے کی نیت سے الگ ہوتا ہے، اگر بلا کسی نیت کے یوں ہی الگ ہو گیا تو بالاجماع اس کی نماز باطل ہو گئی، اور اگر امام سے الگ ہو کر مستقل نماز پڑھنے کی نیت سے الگ ہوتا ہے اور اقتداء کاٹتا اور توڑتا ہے تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اس میں تین قول ہیں۔

(۱) امام مالک، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ قطع کرنا ناجائز ہے، اور اگر کسی نے قطع کر دیا تو نماز باطل ہو جائے گی، یہی شافعیہ کی ایک وجہ ہے۔

(۲) شافعیہ کا اصح مذہب اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ مطلقًا جائز ہے اور آدمی اقتداء ختم کر کے اپنی نماز پر باقی نماز کی بناء کر لے۔

(۳) امام احمد بن حنبل ایک روایت میں اور شافعیہ ایک وجہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی عذر سے قطع کیا جائے تو جائز ہے اور اگر بلا عذر ہو تو ناجائز ہے، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں هذه الرواية أوسط الروايات عن أحمد، ابن تیمیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی طرف مائل ہیں، حضرت امام بخاری اس مسئلہ میں قول ثالث کے قائل ہیں اسی لئے فرماتے ہیں و كان للرجل حاجة فخرج فصلّى۔

قَالَ عَمْرٌو: لَا أَحْفَظُهُمَا: وہ دو سورتیں یاد نہیں رہیں، لیکن بعض دوسرے طرق سے ان سورتوں کے نام کی تعیین ہوتی ہے، اگلے صفحہ پر آرہا ہے آپ نے فرمایا فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى اور بعض روایتوں میں بعض اور سورتوں کے نام وارد ہوئے ہیں۔

مسئلہ اقتداء المفترض خلف المتنفل: اس حدیث پاک سے ایک مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے جس کو مسئلۂ اقتداء المفترض بالمتنفل کہا جاتا ہے، یہ مسئلہ میں کتاب المواقیت کی ابتداء میں بیان بھی کر چکا ہوں۔

حاصل اختلاف یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی بنیت نفل نماز پڑھ رہا ہو تو دوسرا آدمی آکر بنیت فرض اقتداء کر سکتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے یا نہیں؟ اس میں چار قول ہیں، ا۔ حضرت امام شافعی جواز کے قائل ہیں، ۲۔ امام ابو حنیفہ عدم جواز کے قائل ہیں، ۳۔ امام مالک اور امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں، مالکیہ کا مشہور مسلک عدم الجواز کا ہے، ۴۔ حنابلہ کے یہاں ترجیح میں اختلاف ہے، علامہ موفق نے نقل کیا ہے کہ ہمارے اکثر اصحاب عدم الجواز کے قائل ہیں، علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ امام احمد کے بہت سے اصحاب عدم جواز ہی کے قائل ہیں، لیکن خود علامہ موفق بن قدامہ اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کا رجحان یہ ہے کہ اقتداء المفترض بالمتنفل جائز ہے۔

مجوزین نے مختلف دلیلیں پیش کیں اور مانعین نے بھی مختلف دلیلیں پیش کیں۔

مانعین کی سب سے پہلی دلیل تو یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ، امام اقتداء کے لئے بنایا گیا ہے لہذا اس پر اختلاف نہ کرو، دوسری دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، امام ضامن ہے اور ضامن اسی شخص کی نماز ہو سکتی ہے جس کی نماز مقتدی کی نماز سے اعلیٰ یا کم از کم برابر ہو، اور اگر ادنیٰ حال ہو تو اس کی ضامن نہیں ہو سکتی ہے۔

جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ بھی مختلف دلائل پیش کرتے ہیں، ا۔ ان میں سے ایک دلیل امامت جبرئیل کی حدیث ہے اس کا جواب میں کتاب المواقیت میں دے چکا ہوں، مشہور جواب اس کا یہ ہے کہ جب اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل کو حکم ہو گیا تھا تو ان پر بھی نماز فرض ہو گئی تھی، لہذا امامت جبرئیل میں اقتداء المفترض بالمتنفل پائی ہی نہیں گئی۔

(۲) حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ، تو حضرت معاذؓ حضور کے پیچھے مکتوبہ ہی پڑھتے ہوں گے نافلہ کیسے پڑھ سکتے ہیں؟ جبکہ حضور نے فرمادیا فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ۔

(۳) سب سے مشہور دلیل حضرت جابرؓ کی یہ روایت ہے جس کو امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ سارے حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں تخریج فرمایا ہے کہ حضرت معاذؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر آتے تھے اور پھر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے، ظاہر یہ ہے کہ حضرت معاذؓ حضور کے ساتھ فریضہ پڑھتے تھے اور پھر آکر اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے، خود متنفل ہوتے اور قوم مفترض ہوتی تھی۔

اور اسکی تصریح بھی مصنف عبدالرزاق، طحاوی، دار قطنی اور بیہقی کی ایک روایت میں وارد ہوئی ہے بطریق ابن جریج عن عمرو بن دینار عن جابر مروی ہے، اس کے الفاظ ہیں وھی لہ تطوع ولھم فریضۃ، نیز یہ بعید ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ حضرت معاذؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فریضہ کی فضیلت چھوڑ کر نفل کی نیت سے اقتداء کریں۔

مانعین کا اشکال: مانعین نے مجوزین کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ وھی لہ تطوع ولھم فریضۃ کے ثبوت میں تأمل ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں أخشی أن لاتکون محفوظۃ، لأن ابن جریج یزید فیہ کلاما لایثبت غیرہ، امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ابن جریج مدلس ہیں اور انہوں نے یہ روایت معنعنہ نقل کی ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ یہ روایت عمرو بن دینار سے نقل کرتے ہیں اور انکا سیاق ابن جریج کے سیاق سے احسن ہے اور وہ یہ زیادتی نقل نہیں کرتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ یہ زیادتی مدرج فی الخبر ہے۔

حافظ کا جواب: حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن جوزی کے اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ ابن جریج اگرچہ مدلس ہیں لیکن انہوں نے اس روایت میں اپنے سماع و تحدیث کی تصریح کی ہے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں وارد ہوا ہے۔

اور طحاوی کے اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ اصل میں عدم الادراج ہے لہذا محض ایک راوی کے ذکر نہ کرنے سے ذکر کرنے والے کی زیادتی پر کوئی حرف نہیں آتا ہے، اس لئے کہ ابن جریج نے اس میں جو زیادتی نقل کی ہے وہ دوسرے حضرات کی روایتوں کے منافی نہیں ہے، اور جو لوگ ذکر نہیں کرتے ہیں وہ ابن جریج سے اوثق اور احسن نہیں، لہذا ابن جریج کی یہ روایت شاذ نہیں ہوگی اور اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

حافظ کو جواب: عبد ضعیف کہتا ہے کہ اس زیادتی کے ثبوت میں بڑا تأمل ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ روایت حضرت جابرؓ سے عمرو بن دینار، محارب بن دثار، ابو الزبیر، ابو الصالح، عبید اللہ بن مقسم پانچ آدمی نقل کرتے ہیں، ۱۔ عمرو بن دینار کی روایت صحیحین میں ہے، ۲۔ محارب بن دثار کی روایت امام احمد، نسائی اور بخاری نے تخریج کی ہے، ۳۔ ابو الزبیر کی روایت امام مسلم نے، ۴۔ اور ابو الصالح کی روایت امام نسائی نے، ۵۔ اور عبید اللہ بن مقسم کی روایت امام احمد، ابو داؤد اور ابن خزیمہ نے تخریج کی ہے، ان سارے رواۃ میں سے کوئی بھی یہ زیادتی نقل نہیں کرتا ہے، اگر ہے تو صرف عمرو بن دینار کی روایت میں ہے۔

پھر یہ روایت عمرو بن دینار سے ان کے چھ تلمیذ نقل کرتے ہیں، ۱۔ شعبہ، ۲۔ سلیم بن حیان، ۳۔ ایوب سختیانی،

Maktaba Tul Ishaat.com

۴ منصور بن معتمر، ۵ سفیان بن عیینہ، ۶ ابن جریج۔

شعبہ اور ان کے سارے رفقاء یہ زیادتی نقل نہیں کرتے ہیں صرف تنہا ابن جریج نقل کرتے ہیں، شعبہ کی روایت مسند احمد اور بخاری میں، سلیم بن حیان کی روایت بخاری کتاب الأدب میں آرہی ہے، ایوب سختیانی کی روایت اگلے صفحہ پر بخاری میں آرہی ہے اور اسی طرح مسلم میں وارد ہوئی ہے، منصور بن معتمر کی روایت امام مسلم نے تخریج کی ہے، سفیان بن عیینہ کی روایت امام احمد، مسلم، ابوداؤد، طحاوی نے تخریج کی ہے، اور ابن جریج کی روایت کی تخریج گزر چکی۔

میرے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کا کوئی تلمیذ سوائے عمرو بن دینار کے یہ زیادتی نقل نہیں کرتا ہے، اور عمرو بن دینار کے سارے تلامذہ یہ زیادتی نقل نہیں کرتے ہیں سوائے ابن جریج کے، لہذا اس کے اندر تأمل شدید ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ ابن جریج کا تفقہ اور ان کی زیادتی ہے، انہوں نے یہ جملہ اپنے طور پر اضافہ کر دیا ہے اور یہ مدرج فی الخبر ہے۔

حافظ کا متابع پیش کرنا: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن جریج اس زیادتی کے نقل کرنے میں منفرد نہیں ہے بلکہ امام شافعی نے یہی حدیث ایک اور طریق سے نقل کی ہے جو عمرو بن دینار کے متابع ہے۔

اس کا جواب: عبد ضعیف کہتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہاں بڑی ہوشیاری سے کام لیا ہے اور اس طریق کی تعیین بھی نہیں کی ہے کہ امام شافعی نے کس طریق سے نقل کیا ہے، میں بتلاتا ہوں کہ کس طریق سے نقل کیا ہے، حضرت امام شافعی نے یہ روایت **بطریق إبراهيم بن أبي يحيى الأسلمي عن محمد بن عجلان عن عبيد الله بن مقسم عن جابر** نقل کی ہے، اور ابراہیم بن ابی یحیٰ الاسلمی انتہائی ضعیف راوی ہے حتی کہ علماء نے اس کو متروک قرار دیا ہے، ایسے راوی کی روایت کا کیا اعتبار اور ایسے راوی کی متابعت کا کیا اعتماد۔

مزید یہ ہے کہ یہی روایت ابن عجلان سے یحیٰ بن سعید القطان نقل کرتے ہیں اور وہ اس زیادتی کو نقل نہیں کرتے ہیں، یحیٰ القطان کی روایت امام ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے تخریج کی ہے، لہذا ابن ابی یحیٰ الاسلمی کی متابعت اور روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، انصاف یہ ہے کہ یہ زیادتی اسنادی حیثیت سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے اور اقرب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرج فی الخبر ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تنبیہ: علامہ جمال الدین زیلعی حنفی نے تخریج احادیث ہدایہ میں یہ لکھ دیا کہ یہ ادراج امام شافعی نے کیا ہے یہ وہم ہے، مصنف عبدالرزاق میں بھی یہ زیادتی من غیر طریق الشافعی موجود ہے۔

اب جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ وھی لہ تطوع ولھم فریضۃ معلول ہے اور اس کا ثبوت مشکل ہے تو اب صرف حضرت معاذؓ کی امامت کا قصہ رہ جاتا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر آتے تھے اور پھر اپنی قوم کی امامت فرمایا کرتے تھے، اس قصہ کا مختلف طریق سے علماء نے جواب دیا ہے۔

معاذؓ کے عمل کی توجیہات: (۱) ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاذؓ کے اس طرز عمل کا پتہ ہی نہ ہو، اور اس کی تائید معاذ بن رفاعہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد، بزار اور طحاوی وغیرہ نے تخریج کی ہے، وہ سلیم نامی ایک شخص سے نقل کرتے ہیں جو قبیلۂ بنو سلمہ کے ایک فرد تھے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور یہ شکایت کی کہ یارسول اللہ! ہم لوگ اپنے کام وغیرہ میں مصروف ہوتے ہیں تھک کر آتے ہیں اور پڑ کر سوجاتے ہیں اور معاذؓ رات کو جب آتے ہیں اور نماز عشاء شروع کرتے ہیں تو لمبی نماز پڑھاتے ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا إما أن تصلّی معی وإما أن تخفف علی قومک۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی ایک مرتبہ نماز پڑھ لے تو پھر وہ امامت نہیں کرسکتا، اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں إما أن تصلّی معی أی ولا تصلّ بقومک، وإما أن تخفف علی قومک ولا تصلّ معی، اس کا یہ مطلب ہوا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لو اور اپنی قوم کے ساتھ نماز نہ پڑھو، یا پھر اپنی قوم کے ساتھ نماز پڑھو اور تخفیف کرو تو میرے ساتھ نماز نہ پڑھو۔

مگر اس توجیہ پر دو اشکال ہیں۔

پہلا اشکال تو یہ ہے کہ اس روایت کو معاذ بن رفاعہ نقل کرتے ہیں سلیم سے، ابو محمد بن حزم کہتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے اس واسطے کہ سلیم جنگ احد میں شہید ہوگئے ہیں جیسا کہ تاریخ بخاری وغیرہ میں تصریح ہے، اور معاذ بن رفاعہ تابعی ہیں لہٰذا ان کی ملاقات سلیم سے نہیں ہے تو سند منقطع ہوگئی۔

دوسرا اشکال حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ کیا ہے کہ امام طحاوی نے إما أن تصلی معی وإما أن تخفف علی

Maktaba Tul Ishaat.com

قومک کا جو مطلب بیان کیا ہے یہ مطلب کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے إما أن تصلّی معی إذا لم تخفف و إما أن تخفّف علیٰ قومک فصلّ معی، یا تو تم میرے ہی ساتھ نماز پڑھو اگر تخفیف نہیں کرتے ہو یا اپنی قوم کے ساتھ تخفیف کرو تو پھر میرے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہو، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس عبارت کی یہ تقدیر ماننا زیادہ ارجح ہے اس لئے کہ اس میں تو مقابلہ ہے تخفیف اور ترک تخفیف کا، اور تخفیف ہی محل بحث تھی۔

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے جو توجیہ کی ہے اس کے اندر متعادلین میں معادلہ قائم ہے، اور اصل میں اس توجیہ کا حاصل یہ ہے إما أن تصلّی معی فلا تصلّ معهم لا صلاة خفیفة و لا ثقیلة، و إما أن تصلّی معهم فعلیک أن تخفّف، معطوف میں صرف تخفیف کا ذکر کیا گیا صلاۃ معهم کا ذکر نہیں کیا گیا، اس لئے کہ مقصود تخفیف ہی ہے، تو اب بین المتعادلین دو دو جزء تھے ایک طرف سے ایک کو حذف کر دیا اور دوسری طرف سے دوسرے کو حذف فرما دیا۔

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ نے طحاوی کی توجیہ کو راجح قرار دیا ہے، عبد ضعیف کہتا ہے کہ معلوم نہیں شاہ صاحب نے یہ کہاں سے کہہ دیا، ہمیں تو فتاویٰ ابن تیمیہ کے مکرر، سہ کرر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ طحاوی کی توجیہ کی کچھ تضعیف بھی کرتے نظر آتے ہیں۔

(۲) حضرت معاذؓ کے عمل کی دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذؓ حضور اکرم ﷺ کے پیچھے بنیت نفل نماز پڑھتے ہوں اور پھر آکر اپنی قوم کی امامت کرتے ہوں اور اس میں فرض کی نیت کر لیتے ہوں، علامہ ابو البرکات نجم الدین بن تیمیہ نے اس کی تائید میں وہی مسند احمد اور طحاوی والی روایت إما أن تصلّی معی و إما أن تخفّف علیٰ قومک پیش کی ہے، اور یہ فرماتے ہیں کہ إما أن تصلّی معی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ لیں گے تو پھر ان کی امامت جائز نہیں ہوگی ممتنع ہو جائے گی، اور یہ اجماعی بات ہے کہ اگر کوئی نفل پڑھے تو فرض میں امامت کر سکتا ہے، معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ یا تو تم فریضہ میرے ہی ساتھ پڑھ لیا کرو اور اگر فریضہ تم میرے ساتھ نہیں پڑھتے ہو تو پھر اپنی قوم کی امامت کرتے ہوئے تخفیف کو ملحوظ رکھو، گویا علامہ مجد الدین بن تیمیہ کی رائے پر حضور اکرم ﷺ کے ذہن مبارک میں حضرت معاذؓ کی نماز جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہوتی تھی وہ غیر اصلی اور بنیت نفل ہوتی

Maktaba Tul Ishaat.com

تھی اور جو وہ اپنی قوم کو پڑھایا کرتے تھے وہ اصلی اور بنیت فریضہ ہوا کرتی تھی۔

اس توجیہ پر دو اشکال: مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ بھلا حضرت معاذؓ خلفِ افضل الائمہ فی افضل المساجد فضیلتِ فریضہ چھوڑ کر نفل کی نیت کیوں کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے تو مسجد نبوی کی نماز کو بھی چھوڑا جاسکتا ہے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک دستہ روانہ فرمایا، جمعہ کا دن تھا ایک صحابی کو جمعہ کے بعد دیکھا تو فرمایا کہ تم نہیں گئے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ سوچا کہ آپ کے ساتھ جمعہ پڑھ لوں پھر بعد میں اپنے ساتھیوں سے مل جاؤں گا، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ تم ان کو پا نہیں سکتے ہو، مطلب یہ ہے کہ اس پہلے چلے جانے میں ان کو جو قرب خداوندی حاصل ہوا ہے وہ بعد میں ان کے ساتھ مل جانے کی صورت میں حاصل نہیں ہوگا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ، لہٰذا جب حضور اکرم ﷺ فرض پڑھ رہے تھے تو حضرت معاذؓ مکتوبہ کے علاوہ دوسری نماز کی نیت کیسے کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر مکتوبہ ہو رہی ہو تو اس کے خلاف کسی آدمی کو الگ نماز نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ امام کی متابعت و موافقت کرنی چاہئے، چنانچہ دیکھئے اگر کسی آدمی نے فرض نماز پڑھ لی ہو اور مسجد میں آئے اور نماز ہو رہی ہو اور وہ جماعت میں شریک ہو جاتا ہے تو اس پر کوئی اشکال نہیں، حالانکہ وہ مکتوبہ تھوڑے پڑھتا ہے وہ تو مکتوبہ پڑھنے والوں کی موافقت کر رہا ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ حدیث بعد میں منسوخ ہو گئی، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس کے نسخ کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی حدیث لاتصلّوا الصلاة فی الیوم مرتین ہے رواہ أحمد و أبو داؤد والنسائی والطحاوی والدار قطنی۔

توجیہ پر اعتراض: لیکن امام بیہقی اور تقی الدین بن دقیق العید نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ دعویٰ نسخ بغیر تاریخ کے معتبر نہیں ہوتا ہے اور جس حدیث کو طحاوی نے نسخ کی دلیل میں پیش کیا ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس حدیث میں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی نماز بنیت فرض دو مرتبہ نہ پڑھو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بیہقی نے کتاب المعرفہ میں لکھا ہے کہ حضرت رسول پاک ﷺ نے نماز کی ترغیب دی تھی کہ اگر ایک مرتبہ آدمی نماز پڑھ چکا ہو اور نماز ہو رہی ہو تو وہ اس میں شامل ہو جائے، ہو سکتا ہے اس ترغیب کی وجہ سے بعض لوگوں نے دوبارہ بنیت فرض ہی پڑھنے کا ارادہ کر لیا، تو آپ نے فرمادیا لا تصلّوا الصلاۃ فی الیوم مرتین، دن کے اندر ایک ہی نماز دو مرتبہ بنیت فرض ادا نہ کی جائے، اور یہی مطلب حافظ ابن عبد البر نے امام احمد اور اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے۔

ابو داؤد، نسائی اور دار قطنی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ایک مرتبہ با جماعت نماز پڑھ چکا ہے اور پھر دوبارہ جماعت کی نماز شروع ہو تو اب اس کو دوبارہ نماز میں شرکت نہیں کرنا چاہئے۔

فرض پڑھ کر دوبارہ فرض میں شرکت: یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کی رائے ہے کہ بنیت نفل شرکت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے یہاں شرکت نہیں کرے گا، علامہ ابو الولید بن خلف مالکی فرماتے ہیں کہ یہی اکثر فقہاء کا قول ہے، مگر امام بیہقی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ شرکت بنیت الفرض سے منع کیا گیا ہے اور شرکت بنیت النفل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ ہم نے ایک ضمنی مسئلہ لا تصلّوا الصلاۃ فی الیوم مرتین سے تعلق کی وجہ سے بیان کر دیا۔

نسخ کی ایک اور دلیل: امام تقی الدین بن دقیق العید القشیری کتاب الامام میں فرماتے ہیں کہ نسخ کی ایک اور بھی دلیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضرت معاذؓ بالکل ابتداء میں مسلمان ہوئے تھے اور سرکار دوعالم ﷺ سے متعدد مواقع میں صلاۃ الخوف کا ادا کرنا منقول ہے جس میں صحابۂ کرامؓ نماز ادا کرتے ہوئے مختلف افعال و حرکات جو مطلقاً منافی صلاۃ تھے نماز میں کرتے تھے، اب اگر صلاۃ المفترض خلف المتنفل جائز ہوتی تو کیا ضرورت تھی کہ امام لشکر کے دو طائفہ کرے اور یوں پڑھائے اور یوں پڑھائے، ایک طائفہ کو ایک مرتبہ میں پڑھادی جاتی اور دوسری طائفہ کو دوبارہ پڑھادی جاتی، مگر پھر خود فرماتے ہیں کہ لیکن اس کے بعد ضرورت تاریخ کی رہ جاتی ہے یعنی یہ تو محض احتمال ہی ہے کہ شاید یہ بعد کا واقعہ ہو، ممکن ہے کہ حضرت معاذؓ کا قصہ اس کے بھی بعد کا ہو۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ اس اشکال کا جواب تو کھلا ہوا ہے اور وہ یہ کہ مسند احمد اور بزار وغیرہ میں یہ تصریح وارد ہے کہ یہ صاحب واقعہ سلیم نامی بنو سلمہ کے ایک فرد تھے اور تاریخ بخاری میں تصریح ہے کہ وہ جنگ احد

Maktaba Tul Ishaat.com

میں شہید ہو گئے، تو لامحالہ اب یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت معاذؓ کی امامت کا قصہ جنگ احد سے پہلے کا ہے اور صلاۃ خوف کی مشروعیت اس کے بعد بلکہ غزوۂ خندق کے بعد ہوئی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم نے مدارج السالکین میں حضرت امام مالک، شافعی واحمد سے نقل فرمایا ہے، اور یہی علامہ جمال الدین زیلعی اور ابن ہمام کی رائے ہے۔

اور ابو سعید خدریؓ کی وہ حدیث جس میں غزوۂ خندق کے موقع پر نمازوں کا قضا ہو جانا اور پھر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کا ایک ساتھ پڑھنا وارد ہوا ہے اس میں ہے وذلک قبل أن تنزل ﴿فرجالا أو ركبانا﴾ وہ اس کے لئے مؤید ہے۔

فرض خلف المتنفل کی ایک اور دلیل: البتہ ایک بات رہ جاتی ہے کہ بعض روایات صلاۃ الخوف کی ایسی ہیں جن سے صلاۃ المفترض خلف المتنفل کا ثبوت ہوتا ہے، چنانچہ امام شافعی نے المسند میں اور نسائی اور دار قطنی نے بطریق حسن عن جابر نقل کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے ایک طائفہ کو دو رکعت اور دوسرے طائفہ کو دو رکعت پڑھائی، اسی طرح سے امام طحاوی نے بطریق قتادہ عن سلیمان الیشکری عن جابر نقل کیا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ دونوں روایتیں منقطع ہیں، حسن نے جابرؓ سے نہیں سنا ہے اسی طرح سے قتادہ نے سلیمان یشکری سے نہیں سنا ہے، مگر یہ جواب حنفیہ کے اصول پر صحیح نہیں ہے، محقق ابن ہمام نے فتح القدیر جلد اول میں لکھا ہے والمنقطع حجة عندنا بعد ثقة الرجال، حدیث منقطع ہمارے نزدیک اس کے رجال کے ثقات ہونے کے بعد حجت ہے اور اس حدیث کے راوی سارے ثقات ہیں، ملا علی قاری نے تذکرۃ الموضوعات میں بھی یہی تصریح فرمائی ہے۔

بعض علماء نے ایک دوسرا جواب دیا، امام طحاوی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بھی لاتصلوا الصلاة في اليوم مرتين کی وجہ سے منسوخ ہو گیا ہے ولکنه نسخ بالاحتمال۔

حضرت معاذؓ کے عمل کی تیسری توجیہ: بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ یہ خصائص نبویہ میں سے ہے، اگر کوئی ایسا برہان موجود ہو جو خصوصیت کو ثابت کرے تو اس جواب سے بہتر اور کوئی جواب نہیں ہو سکتا ہے ولکنه احتمال ولا دليل على هذه الخصوصية۔

حضرت معاذؓ کے عمل کی چوتھی توجیہ: چوتھی توجیہ قاضی ابن عربی نے کی ہے جس کو علامہ انور شاہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کشمیری نے اختیار کیا ہے، حاصل یہ ہے کہ اصل میں حضرت معاذؓ حضور پاک ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے تھے اور جس نماز کی امامت فرمایا کرتے تھے وہ عشاء کی ہوتی تھی، اور یہ معاذؓ ہی کا طرز نہیں تھا بلکہ طحاوی وغیرہ نے یہ تصریح کی ہے کہ معاذؓ کی قوم بنو سلمہ آنحضور ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کرتے تھے اور پھر اپنے گھر واپس ہوتے تھے، ممکن ہے کہ ان کے مکانات مسجد نبوی سے تھوڑے فاصلہ پر ہوں اس لئے وہ عشاء کی نماز اپنے محلہ میں ادا کرتے تھے، بس ایک دن اتفاق سے ایسا ہوا کہ حضرت معاذؓ ٹھہر گئے اور عشاء پڑھ کر پھر اپنے قبیلہ میں پہنچے اور وہاں بھی عشاء کی نماز شروع کر دی اور اسی نماز میں شکایت کا قصہ پیش آیا۔

شاہ صاحب نے جو بات ارشاد فرمائی ہے اگر روایت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے تو پھر تو کوئی بات ہی نہیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ جواب چلنے والا نہیں ہے، مسلم جلد اول ص ۱۸۷ پر جابرؓ کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت معاذؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ عشاء پڑھتے تھے اور پھر آکر اپنی قوم کی امامت فرمایا کرتے تھے، نیز اس روایت کے متعدد طرق اسی مضمون پر دلالت کرتے ہیں۔

نیز مصنف نے آگے اس مسئلہ سے متعلق ص ۹۸ پر ایک ترجمہ منعقد کیا ہے بَاب إِذَا صَلّٰى ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا اور اس میں حضرت جابرؓ کی حدیث مختصراً ذکر کی ہے كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ، اگرچہ اس روایت میں اختصار ہے لیکن سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو نماز وہ حضور کے پیچھے پڑھتے تھے اسی نماز میں آکر اپنی قوم کی امامت فرمایا کرتے تھے، ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر اس کی تصریح کی کیا ضرورت پیش آئی کہ وہ حضور ﷺ کے یہاں نماز پڑھ کر آتے تھے اور اس کے بعد پھر اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے، کیا اشکال تھا؟ لہٰذا میری سمجھ میں یہ جواب نہیں آیا۔

(ص ۹۷) باب تَخْفِيفِ الْإِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

۶۹۸. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: ثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: ثَنَا اسْمَاعِيلُ قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسًا قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ

Maktaba Tul Ishaat.com

قَالَ: إِنَّ مِنكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ.

ترجمہ: باب، امام کے قیام میں تخفیف اور رکوع سجود پورا کرنے کا بیان۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! خدا کی قسم میں فجر کی نماز میں فلاں کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں کہ وہ نماز کو طول دیتے ہیں، ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول پاک ﷺ کو کسی وعظ و نصیحت کے موقع پر اس دن سے زیادہ سخت غصہ میں نہیں دیکھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں، جو بھی تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو اختصار کا لحاظ رکھنا چاہئے کیوں کہ نمازیوں میں کوئی کمزور ہوتا ہے، کوئی بوڑھا ہوتا ہے، کوئی ضرورت مند ہوتا ہے۔

تشریح: علامہ کرمانی وغیرہ فرماتے ہیں وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ میں واؤ 'مع' کے معنیٰ میں ہے، گویا مصنف نے یوں فرمایا ہے باب التخفیف بحیث لا یفوته شیئ من الواجبات، لہذا یہ حدیث کے لفظ فَلْيَتَجَوَّزْ کی تفسیر ہے، گویا یہ بتلانا مقصود ہے کہ اختصار قیام میں ہوگا مگر رکوع و سجود کا اتمام کیا جائے گا۔

علامہ ابن منیر اور ابن رشید فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمہ میں خاص طور سے قیام میں تخفیف کو ذکر کیا ہے کہ عامةً یہی طویل ہوتا ہے، اور فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے امام بخاری نے حدیث باب کو قصۂ معاذؓ کے متعلق سمجھا ہو اور حضرت معاذؓ نے قیام میں تطویل فرمائی تھی اس لئے مصنف نے تخفيف الإمام فی القیام کا ترجمہ منعقد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ قصۂ معاذؓ اور ہے اور حدیث باب کا تعلق اور قصہ سے ہے، حضرت معاذؓ کا قصہ عشاء میں پیش آیا تھا اور واقعہ بنو سلمہ کا ہے انہوں نے سورۂ بقرہ پڑھی تھی، اور روایۃ الباب کا قصہ صبح کی نماز کا قصہ ہے اور اس میں تطویل کرنے والے حضرت ابی بن کعبؓ ہیں، چنانچہ مسند ابو یعلیٰ میں بسند حسن ابو مسعودؓ کی روایت میں اسی طرح سے واقع ہوا ہے، اس میں یہ تصریح ہے کان أبی بن کعب یصلّی بأهل قباء فاستفتح سورۃ طویلة، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ حضرت امام بخاری نے فی القیام ترجمہ میں بڑھا کر ابو یعلیٰ کی اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

بہر حال حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ حدیث میں جو نماز میں تجوز و اختصار کا امر فرمایا گیا ہے اس امر

Maktaba Tul Ishaat.com

کا تعلق قیام سے ہے باقی ارکان صلاۃ سے تعلق نہیں ہے، اس میں اتمام ملحوظ ہوگا۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ مصنف نے وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ وہاں بھی حد اتمام مطلوب ہے، اس سے کم نہ ہونا چاہئے لیکن اتمام میں بھی آگے نہ بڑھے کہ اتنی حد تک پہنچ جائے کہ مصلین کو شاق ہونے لگے تو خیال یہ ہے کہ یہ بھی فَلْيَتَجَوَّزْ کے تحت داخل ہے، امام صاحب رکوع میں چلے گئے اور اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے یا سجدہ میں چلے گئے اور اٹھنے کا نام نہیں لیتے تو یہ مصلیوں پر شاق ہوتا ہے اس لئے اس میں بھی اختصار کرنا چاہئے۔

سَمِعْتُ قَيْسًا قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ: یہ قیس بن ابی حازم ہیں، وہ فرماتے ہیں أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ معلوم ہوا کہ قیس بن ابی حازم نے ابو مسعودؓ سے سنا ہے اور وہ اپنے سماع کی تصریح کر رہے ہیں، امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں یہ دعوی کیا ہے کہ قیس؛ ابو مسعودؓ سے روایت تو نقل کرتے ہیں لیکن کسی روایت میں ان کے سماع کی تصریح وارد نہیں ہے، امام مسلم کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ: اس فلاں کا مصداق ابی بن کعبؓ ہیں جیسا کہ ابو یعلیٰ کی روایت سے معلوم ہو گیا۔

فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا: بہت زیادہ ناراض ہونے والے، یہ صفتِ غضب تقصیر فی التعلم کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے یا اہتمام کے اظہار کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔

فَلْيَتَجَوَّزْ: پس چاہئے کہ وہ تجوز کرے یعنی تخفیف کرے، اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ کو یہ حکم ہے کہ وہ نماز میں تخفیف کریں، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ تخفیف کا استحباب متفق علیہ ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ تخفیف اور تطویل دونوں امور اضافیہ میں سے ہیں، ایک ہی چیز ایک قوم کی عادت کے اعتبار سے خفیف ہو سکتی ہے اور دوسری قوم کی عادت کے اعتبار سے طویل ہو سکتی ہے، لہذا اب یہ چیز غور طلب ہوگی کہ تخفیف کا وہ کون سا معیار ہے جس کے ائمہ مامور ہیں، وہ معیار حضور اکرم ﷺ کی سنت ہے، کیوں کہ رسول پاک ﷺ ہی نے تخفیف کا امر فرمایا ہے اور آپ ہی نے عمل کر کے دکھلایا ہے، تو ظاہر ہے کہ آپ کا عمل آپ کے قول کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے، لامحالہ یہ کہا جائے گا کہ آپ نے جو عمل فرمایا ہے وہی مصداق تخفیف ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ سے جن سورتوں کا پڑھنا اور جس طرح نماز پڑھنا وارد ہوا ہے وہی تخفیف کا مصداق ہوگا اور ائمہ کو اس کا اہتمام اور التزام کرنا چاہئے چاہے وہ کسی کو شاق اور گراں گزرے،

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت علامہ ابن تیمیہ اور اسی طرح سے علامہ ابن قیم اور علامہ ابن ہمام وغیرہ نے یہی بیان کیا ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ تطویل نام ہے قدر مسنون پر اضافہ کرنے کا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ تخفیف کا معیار یہ ہے کہ مقتدیوں میں جو سب سے کمزور ہو اس کے حال کے مطابق نماز پڑھائی جائے، امام ابوداؤد اور نسائی نے عثمان بن ابی العاص ثقفی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول عالم ﷺ نے ان سے فرمایا أَنْتَ إِمَامُ قَوْمِكَ وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ، تم اپنی قوم کے امام ہو اور ان کے اضعف کی اقتدا کرنا، نماز پڑھنے والے ضعفاء ومرضیٰ اور اصحاب حاجات ہوتے ہیں اور یقینی بات ہے کہ جب آپ اپنے امتی کو ضعفاء کی رعایت کرنے کا حکم فرمارہے ہیں تو آپ خود بھی رعایت کرتے ہوں گے، لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرأت مسنونہ ہی تخفیف کا مصداق ہے اور اس پر اضافہ ہونا تطویل ہے، اور جو قرأت مسنونہ منقول ہے وہ ضعفاء کی رعایت کے ساتھ ہے۔

ہاں یہ بات اور ہے کہ کبھی اتفاقی طور پر نماز میں کسی عارض کی وجہ سے تخفیف کردی جائے، حضور اکرم ﷺ خود فرماتے ہیں کہ میں نماز طویل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں اتنے میں بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں تخفیف کردیتا ہوں کہ کہیں اس کی ماں کو غم اور تکلیف نہ ہو، اس سے یہ بات بھی نکلی کہ آنحضور ﷺ کو نمازوں میں عام احوال میں ہر وقت ایسا استغراق نہیں ہوتا تھا کہ ادھر ادھر کی آواز آپ کو مسموع نہ ہو۔

اصل میں آنحضور ﷺ کو تشریع کے لئے بھیجا گیا تھا اگر آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہوجاتی تو بہت سی چیزوں کی تکمیل رہ جاتی، لہذا اللہ کی طرف سے آپ کو ایسا رکھا گیا تھا کہ سخت استغراق کے باوجود بھی ایسا استغراق نہیں ہوتا تھا کہ ضروری امور سے غفلت ہوتی رہے۔

حضور ﷺ اور اولیاء کے استغراق میں فرق: میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرات اکابر صوفیاء کو جو استغراق نماز میں ہوتا ہے ہمارے نبی پاک ﷺ کا استغراق اس سے بدرجہا اونچا ہوتا تھا، لیکن یہ استغراق ایسا ہوتا تھا کہ آپ مستغرق بھی ہوتے تھے اور دوسری طرف التفات بھی رہتا تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا اندازہ ماوشما کے بس کی بات نہیں، اس کا اسی کو اندازہ ہوسکتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے اس انداز کا قلب عالی عطا کیا ہو کہ استغراق بھی ہے اور پھر دوسری طرف التفات بھی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

انداز یہ ہے کہ حضرات اکابر صوفیاء کی حالت آخر میں جاکر ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ ہوتے ہیں مع اللہ اور باتیں بھی کرتے رہتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے فیض پہونچتا رہتا ہے، اللہ کی یاد آتی رہتی ہے، باتیں بھی کررہے ہیں خط بھی لکھوا رہے ہیں، یہ بھی کررہے ہیں اور وہ بھی کررہے ہیں اور فیض بھی جاری ہے، ہمارے حضرت دامت برکاتہم کی مجلس میں بیٹھنے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

(ص ۹۷) باب إِذَا صَلّٰى لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ

۶۹۹. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ، وَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ.

ترجمہ: باب، جب کوئی انفرادی نماز پڑھے تو جتنا بھی طول دے درست ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے نماز میں تخفیف کا لحاظ کرنا چاہئے، اس لئے کہ نمازیوں میں کمزور، بیمار اور بوڑھے ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی انفرادی نماز پڑھے تو جتنا دل چاہے اتنا طول دے۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ تخفیف کا امر ائمہ کے ساتھ خاص ہے، اگر آدمی اپنی نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو اختیار ہے جتنی چاہے لمبی نماز پڑھ سکتا ہے، فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ یا أی قدر ماشاء جتنی چاہے، بعض روایات میں ہے فليصلّ كيف شاء اور بعض میں ہے إن شاء۔

اور حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں ممکن ہے کہ ماشاء کے معنٰی ہوں أی جزء شاء جونسا جزء چاہے، اس صورت میں ایک مسئلۂ اختلافیہ کی طرف بھی ترجمہ میں اشارہ ہو جائے گا کہ اگر اپنی نماز میں کوئی کسی رکن کی تطویل کردے مثلاً رکوع سے اٹھنے کے بعد جو قومہ ہوتا ہے اس کی تطویل کردے تو نماز ہو جائے گی۔

اس مسئلہ میں جمہور تو کہتے ہیں کہ تطویل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن شافعیہ کے یہاں قومہ رکن قصیر ہے اس کی تطویل سے ان کے یہاں بقولے نماز باطل ہو جائے گی اور ان کے محققین نے یہ اختیار کیا ہے کہ نماز

Maktaba Tul Ishaat.com

باطل نہیں ہوگی، تو اب اگر ماشاء کے معنیٰ ہوں ای جزء شاء تو اس صورت میں یہ ترجمہ اس مسئلہ کی طرف مشیر بنے گا اور جمہور کے لئے مؤید ہوگا اور شافعیہ کے قول کی تردید کرے گا۔

لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہاں یہ معنیٰ مقصود نہیں ہے، اس لئے کہ سیدنا امام بخاری نے اس مقصد کے لئے ایک مستقل ترجمہ آگے چل کر کے ابواب رکوع میں منعقد کیا فرمایا ہے بَاب حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالاعْتِدَالِ فِيهِ وَالطُّمَأْنِينَةِ۔

(ص ۹۷) باب مَنْ شَكَا إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ

وقال أبو أسيد: طوّلت بنا يا بنيّ.

۷۰۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اسمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْفَجْرِ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فُلَانٌ فِيهَا، فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا رَأَيْتُهُ غَضِبَ فِي مَوْعِظَةٍ كَانَ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَمَنْ أَمَّ مِنكُمُ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ خَلْفَهُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ.

۷۰۱. حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: ثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الأَنْصَارِيَّ قَالَ: أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَيْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ، فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي فَتَرَكَ نَاضِحَيهِ وَأَقْبَلَ إِلَى مُعَاذٍ، فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ أَوِ النِّسَاءِ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَشَكَا إِلَيْهِ مُعَاذًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ، أَوْ قَالَ: أَفَاتِنٌ أَنْتَ، ثَلَاثَ مِرَارٍ، فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِـ ﴿ سَبِّحِ ٱسْمَ رَبِّكَ ٱلْأَعْلَى ﴾ ﴿ وَٱلشَّمْسِ وَضُحَىٰهَا ﴾ ﴿ وَٱلَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ﴾؛ فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ. أَحْسِبُ هَذَا فِي الْحَدِيثِ.

Maktaba Tul Ishaat.com

وَتَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ وَمِسْعَرٌ وَالشَّيْبَانِيُّ. وقَالَ عَمْرٌو وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ مِقْسَمٍ وَأَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ: قَرَأَ مُعَاذٌ فِي الْعِشَاءِ بِالْبَقَرَةِ، وَتَابَعَهُ الأَعْمَشُ عَنْ مُحَارِبٍ.

ترجمہ: باب، امام اگر نماز کو طول دے تو اس کی شکایت کرنے کا بیان۔

حضرت ابو اسیدؓ نے فرمایا! بیٹا، تم نے ہماری نماز کو طول دے دیا۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں فجر کی نماز میں فلاں شخص کے طول دینے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں، تو رسول پاک ﷺ غصہ ہوئے، میں نے رسول پاک ﷺ کو کسی نصیحت کے موقع پر اس دن سے زیادہ غضبناک نہیں دیکھا، پھر آپ نے فرمایا لوگو! بے شک تم میں کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں، تم میں سے جو لوگوں کی امامت کرے تو اسے اختصار ملحوظ رکھنا چاہئے کیوں کہ اس کے پیچھے کمزور، عمر رسیدہ اور ضرورت مند ہوتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص پانی کھینچنے والے دو اونٹوں کو لے کر آیا اور رات اندھیری ہو چکی تھی، اتفاق یہ ہوا کہ اس نے حضرت معاذؓ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا تو اس نے اپنے دونوں انٹوں کو بٹھا دیا اور حضرت معاذؓ کی طرف (نماز میں شرکت کے لئے) آیا، انہوں نے نماز میں سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھی تو وہ شخص چلا گیا، اور اس کو یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت معاذؓ نے اس کے بارے میں نامناسب بات کہی ہے، تو وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے حضرت معاذؓ کی شکایت آپ سے کی، حضور پاک ﷺ نے فرمایا اے معاذ! کیا تم فتنے میں مبتلا کرنے والے ہو؟ آپ نے فتّان یا فاتن کا لفظ تین بار کہا، تم نے نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا اور وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى کیوں نہیں پڑھیں، اس لئے کہ تمہارے پیچھے عمر رسیدہ، کمزور اور ضرورت مند نماز پڑھتے ہیں۔

شعبہ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ کہ یہ جملہ بھی حدیث کا جزء ہے، اور سعید بن مسروق، مسعر اور ابو اسحاق شیبانی نے شعبہ کی متابعت کی ہے۔ اور عمرو بن دینار، عبید اللہ بن مقسم اور ابو الزبیر نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت معاذؓ نے عشاء میں سورۂ بقرہ پڑھی تھی، اور شعبہ کی اعمش نے محارب سے روایت کرنے میں متابعت کی ہے۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ اگر امام نماز میں تطویل کرے اور کوئی اس تطویل کی شکایت کرے تو یہ غیبت محرمہ کے باب میں داخل نہیں ہے۔

وَقَالَ أَبُو أُسَيْدٍ طَوَّلْتَ بِنَا يَا بُنَيَّ: یہ اثر ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کیا ہے، منذر بن ابی اسید نماز پڑھاتے تو بعض وقت نماز طویل کر دیتے، ایک مرتبہ سورۂ صافات پڑھی تو ان کے والد نے فرمایا طَوَّلْتَ بِنَا يَا بُنَيَّ بیٹا آج تو تم نے بڑی لمبی نماز پڑھا دی، اس اثر سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ بیٹا اپنے باپ کی امامت کر

Maktaba Tul Ishaat.com

سکتا ہے، عطاء بن ابی رباح سے کراہت نقل کی گئی ہے ویسے ان سے اباحت بھی نقل کی گئی ہے۔

بِنَاضِحَيْنِ: ناضحین ناضح کا تثنیہ ہے، ناضح وہ اونٹ کہلاتا ہے جس پر پانی بھر کر کھیتی اور باغات کو سینچا جاتا ہے۔

وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ: اور رات اپنی ظلمت کے ساتھ تبدیل ہو رہی تھی۔

فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي: معاذؓ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا، مسند احمد کی اسی حدیث میں بطریق محمد بن جعفر عن حجاج عن شعبۃ وارد ہوا ہے ومعاذ یصلی المغرب مغرب کی نماز پڑھتے تھے، اور مسند احمد ہی کی ایک روایت میں فجر کا ذکر وارد ہوا ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ عشاء کا واقعہ ہے۔

فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ أَوِ النِّسَاءِ: یہ شک محارب کو پیش آیا ہے کہ سورۂ بقرہ پڑھی یا سورۂ نساء جیسا کہ طیالسی اور مسند احمد میں واقع ہوا ہے۔

أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ: معاذؓ نے ان کی شکایت کی، ان پر عیب لگایا اور کہا کہ وہ منافق ہے۔

أَحْسِبُ هَذَا فِي الْحَدِيثِ: میرا گمان یہ ہے کہ یہ جملہ بھی حدیث باب میں ہے، اس کے قائل شعبہ ہیں، اور ھذا کا اشارہ فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ ہے، شعبہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ جملہ بھی مرفوع ہے، لیکن شعبہ کے علاوہ محارب کے دوسرے تلامذہ یہ جملہ نقل نہیں کرتے ہیں، اسی طرح سے حضرت جابرؓ کے تلامذہ بھی یہ جملہ نقل نہیں کرتے ہیں، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں یہ جملہ مدرج ہے۔

وَتَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ: تابعہ کی ضمیر منصوب شعبہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ جیسے شعبہ یہ روایت نقل کرتے ہیں ایسے ہی سعید بن مسروق، مسعر اور شیبانی بھی نقل کرتے ہیں، سعید بن مسروق سفیان ثوری کے والد کا نام ہے، ان کی یہ روایت ابو عوانہ، احمد بن حنبل اور طحاوی نے موصولاً تخریج کی ہے، اور مسعر کی روایت ابو العباس سرّاج نے اپنی مسند میں، اور ابو اسحاق شیبانی کی روایت امام بزار نے تخریج کی ہے۔

قَالَ عَمْرٌو وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مِقْسَمٍ وَأَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ: ان لوگوں کی روایتوں کی تخریج ماقبل میں بَابُ إِذَا طَوَّلَ الْإِمَامُ کے ذیل میں مسئلہ کے ضمن میں کر چکا ہوں، عمرو بن دینار کی روایت حضرت امام احمد

Maktaba Tul Ishaat.com

بن حنبل اور بخاری نے، اور عبید اللہ بن مقسم کی روایت احمد، ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے، اور ابوالزبیر کی روایت عبدالرزاق اور امام مسلم نے کی ہے، اور اسی طرح سے دوسرے حضرات کی روایتیں بھی ہیں، ابوصالح کی روایت امام نسائی نے تخریج کی ہے۔

وَتَابَعَهُ الْأَعْمَشُ عَنْ مُحَارِبٍ: یعنی جیسے شعبہ محارب سے نقل کرتے ہیں اعمش بھی نقل کرتے ہیں، اعمش کی یہ روایت امام نسائی نے نقل کی ہے عن محارب وأبی صالح کلاھما عن جابر مگر اس میں سورت کی تعیین نہیں ہے جیسے ابوالزبیر کی اس روایت میں جو عبدالرزاق اور مسلم میں ہے سورت کی تعیین نہیں ہے۔

(ص ۹۸) باب الْإِيجَازِ فِي الصَّلَاةِ وَإِكْمَالِهَا

۷۰۲. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُوجِزُ الصَّلَاةَ وَيُكْمِلُهَا.

ترجمہ: باب، اختصار کے باوجود تمامیت وکمال کے ساتھ نماز پڑھنے کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نماز میں اختصار فرماتے تھے اور اس کو کمال وتمامیت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

تشریح: یہ ترجمہ صرف کریمہ بنت احمد مروزیہ کے نسخہ میں واقع ہوا ہے۔

حضرت امام بخاری نے یہ ترجمہ اس طریقۂ معتدلہ کے بتلانے کے لئے ذکر کیا ہے جس کے اختیار کرنے کے بعد کسی کو شکایت کا موقع ہی ہاتھ نہیں آتا ہے، اور وہ یہ کہ ارکان میں اکمال کی کوشش کرے لیکن ویسے نماز مختصر پڑھے۔

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُوجِزُ الصَّلَاةَ وَيُكْمِلُهَا: حضور اکرم ﷺ نماز میں اختصار بھی فرماتے تھے اور اس کی تکمیل بھی کرتے تھے۔

ایک اور بات بیان کردوں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ باب الْإِيجَازِ فِي الصَّلَاةِ وَإِكْمَالِهَا مکرر ہوگیا، اس لئے کہ ابھی تو مصنف نے بَاب تَخْفِيفِ الْإِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ کا ترجمہ منعقد

Maktaba Tul Ishaat.com

کیا ہے، دونوں ترجموں کا حاصل ایک ہی ہے اس لئے اس کا حذف ہی بظاہر اولیٰ معلوم ہوتا ہے، الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ وہاں تو مصنف نے تخفیفِ قیام کو بیان کیا تھا اور یہاں مطلقاً نماز میں ایجاز بیان فرمارہے ہیں، یعنی پوری نماز میں ایجاز واختصار ملحوظ رہے مگر ساتھ ساتھ اس کا اتمام واکمال بھی پیش نظر رہنا چاہیے۔

(ص ۹۸) باب مَنْ أَخَفَّ الصَّلَاةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ

۷۰۳. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ. تَابَعَهُ بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ وَبَقِيَّةُ وَابْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ.

۷۰۴. حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً وَلَا أَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ.

۷۰۵. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: ثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ.

۷۰۶. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: نَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ فَأُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ.

۷۰۷. وَقَالَ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: نَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا حکم جس نے بچہ کے رونے کی حالت میں نماز میں تخفیف کردی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابو قتادہؓ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور ارادہ یہ ہوتا ہے کہ لمبی نماز پڑھوں گا پھر میں بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں، اس بات کو ناگوار سمجھتا ہوں کہ بچہ کی ماں کے لئے یہ طول شاق گزرے گا۔ بشر بن بکر، بقیہ بن ولید اور عبد اللہ بن مبارک نے امام اوزاعی سے اس روایت کے نقل کرنے میں ولید بن مسلم کی متابعت کی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے حضور پاک ﷺ کی نماز سے زیادہ ہلکی اور آپ کی نماز سے زیادہ تمامیت کی شان رکھنے والی نماز نہیں پڑھی، اور بے شک آپ ﷺ بچے کے رونے کی آواز سنتے تو بچے کی ماں کے آزمائش میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے نماز میں تخفیف فرمادیتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور اس کو طول دینے کا ارادہ ہوتا ہے پھر میں بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو کتنا شدید رنج و فکر لاحق ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ حضور پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں نماز شروع کرتا ہوں اور اس کو طول دینے کا ارادہ رکھتا ہوں پھر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو کتنا شدید رنج اور فکر لاحق ہوتا ہے۔

اور موسیٰ بن اسماعیل نے کہا کہ ہم سے ابان بن یزید نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ ہم سے قتادہ نے بیان کیا کہ ہم سے حضرت انس بن مالکؓ نے رسول اکرم ﷺ سے یہی حدیث بیان کی۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کی غرض: حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ابو مجلز سے نقل کیا ہے کانوا أی الصحابة یتمون ویوجزون ویبادرون الوسوسة، حضرات صحابۂ کرام نماز تو مکمل پڑھتے تھے لیکن مختصر، اور وسوسہ سے بچنے کے لئے ایسا کرتے تھے، کیوں کہ اگر لمبی پڑھی گئی تو اس میں شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا بہت موقع مل جائے گا، حافظ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ جو نماز میں اختصار فرماتے تھے اس کا مقصود اور امر ہوتا تھا، یعنی مصلی کی رعایت ہوتی تھی، آپ وسوسہ کی وجہ سے اختصار نہیں کرتے تھے۔

حافظ صاحب اگر یہ بات لطیفہ اور نکتہ کے درجہ میں حدیث کے ذیل میں بتلاتے اور اس کو ترجمہ سے متعلق نہ قرار دیتے تو بہتر تھا، پھر تو یہ ترجمہ بظاہر یہاں ہونے کے سیرت نبویہ میں ہونا چاہئے کہ اس میں حضور اکرم

Maktaba Tul Ishaat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مخصوص حالت بتلائی گئی ہے کہ آپ نماز میں اختصار کرتے تھے لیکن وسوسہ کی وجہ سے نہیں بلکہ قوم کی رعایت میں۔

میرے نزدیک ترجمہ کی غرض وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے زین بن منیر سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ تراجم سابقہ کا تعلق تو مقتدیوں سے ہے اور حاصل یہ ہے کہ نماز میں مقتدیوں کی رعایت ہونی چاہئے اور ان کی رعایت میں نماز مختصر پڑھی جائے، اور اس ترجمہ کا تعلق غیر مقتدی سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ بعض وقت غیر مقتدی کی رعایت میں بھی نماز مختصر کرنی چاہئے، مگر یہ اس وقت ہوگا جب اس غیر مقتدی کی رعایت سے مقتدی کی رعایت ہوتی ہو، مثلاً اگر بچہ رو پڑا ہے اور اس کی وجہ سے نماز مختصر کردی گئی تو اس میں رعایت غیر مصلی کی ہوئی مگر یہ رعایت عائد ہے مصلی کی طرف کیوں کہ اس کی ماں نماز میں ہوتی ہے لہذا ماں کا دل پریشان ہوگا، اس کو پریشانی سے بچانے کے لئے نماز میں اختصار کیا گیا۔

خلاصہ یہ نکلا کہ بہر حال نماز میں مصلی کی رعایت سے اختصار ہونا چاہئے، چاہے وہ رعایت مصلی کے ساتھ خاص ہو اور اس کا کوئی خارجی سبب نہ ہو، اور چاہے وہ رعایت اس کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ خارجی سبب ہو کہ دوسرے کی رعایت ہوتی ہو، اس لئے کہ جب بچہ کی رعایت کی گئی تو ماں کی بھی رعایت ہوگئی۔

گویا علامہ زین بن منیر نے یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ ابواب سابقہ سے یہ بتلایا گیا ہے کہ نماز میں اختصار کیا جائے مقتدیوں کی رعایت سے، اور اس باب میں یہ بتلایا گیا ہے کہ بعض وقت نماز میں غیر مقتدی کی رعایت سے بھی نماز میں اختصار کیا جائے گا، لیکن یہ اختصار عائد ہوگا مقتدی کی طرف۔

مگر میں کہتا ہوں کہ یہاں بھی تو مقتدی ہی کی رعایت ہوئی ہے، اصل و بالذات ماں ہی کی رعایت ملحوظ ہے، روایت میں یہ تصریح ہے مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ، اسی طرح روایت میں تصریح ہے فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ، تو اصلاً جو اختصار ہوتا تھا وہ ماں کے غم اور رنج کی وجہ سے ہوتا تھا کہ اس کو تکلیف نہ ہو اور نماز میں پریشان نہ ہو جائے۔

یہاں ترجمہ کی ایک تیسری غرض بھی بتلائی گئی ہے کہ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ جب نماز میں بچہ کے رونے کی وجہ سے اختصار اور تخفیف کی جاسکتی ہے تو بعد میں آنے والے کے رکعت پانے کی نیت سے بھی نماز میں تطویل کی جاسکتی ہے اور رکوع طویل کیا جاسکتا ہے، مختصر یہ ہے کہ جب بمصلحت نماز میں تخفیف ہوسکتی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے تو آنے والے کو رکعت دلانے کے لئے رکوع میں تطویل بھی کی جاسکتی ہے۔

مگر یہ کہ بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا بھی ہے یا نہیں، میری اپنی رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس مسئلہ کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے، اس لئے کہ تخفیف اور تطویل ضد ہیں، بھلا تخفیف سے تطویل پر کیا استدلال کیا جائے، مزید یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے جزء القراءۃ میں صاف یہ لکھا ہے لیس في الانتظار في الركوع سنة، انتظار فی الرکوع کے باب میں کوئی سنت منقول نہیں، گویا بخاری کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ سنت سے ثابت نہیں ہے تو امام بخاری اس کو کیا ثابت فرمائیں گے، یہ میری رائے ہے۔

اب رہا مسئلہ تو وہ ہے مختلف فیہا۔

کسی کی وجہ سے رکوع میں تطویل: شعبی، ابو مجلز اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ جائز ہے، امام ابو حنیفہ سے منقول ہے أخاف عليه أمرا عظيما، أخشى عليه أمرا عظيما، عینی فرماتے ہیں امر عظیم سے مراد شرک ہے، امام طحاوی نے مشکل الآثار میں نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے اس مسئلہ میں پوچھا گیا کہ اگر امام نماز پڑھا رہا ہے اور باہر سے ایک آدمی آیا اور اس نے تنحنح کیا تاکہ امام اس کی وجہ سے رکوع ذرا طویل کر دے تو کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ نماز اللہ کے لئے نہیں ہوئی اور مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

آگے چل کر امام طحاوی نے یہ نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا اصل و صحیح مسلک یہ ہے کہ اطالۃ الرکوع للجائی مکروہ ہے اور یہی امام مالک کا مسلک ہے وهو معنى قول الشافعي، امام شافعی نے کتاب الام میں کراہت کی تصریح فرمائی ہے، امام شافعی سے ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے لا بأس بالانتظار، امام احمد ایک روایت میں فرماتے ہیں لا يستحب الإطالة، ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں يستحب بشرط أن لا يشق على من خلفه، حنفیہ اور شافعیہ اپنی کتابوں میں اسی کو مذہب قرار دیتے ہیں، امام طحاوی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

پھر اس کے بعد احناف نے یہ بھی لکھا ہے کہ شرط یہ ہے کہ آنے والا جانا پہچانا نہ ہو، امام نووی نے تین شرطیں لکھی ہیں، اول تو یہ کہ آنے والا مسجد میں داخل ہو چکا ہو، دوسرے یہ کہ امام اس کے تودّد یعنی اس سے محبت کرنے کی فکر سے اطالت نہ کرے، اور تیسرے بہت زیادہ اطالت نہ کرے، اطالۂ فاحشہ نہ کرے۔

جو لوگ اطالۃ الرکوع للجائی کے جواز کے قائل ہیں انہوں نے کئی دلائل پیش کئے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۱) ان میں ایک دلیل یہ روایت الباب ہے جس سے امام طحاوی اور خطابی نے استدلال کیا ہے، خطابی فرماتے ہیں کہ جب کسی کی وجہ سے نماز میں تخفیف کی جاسکتی ہے تو کسی شخص کو نماز مل جانے کی نیت سے تطویل بھی کی جاسکتی ہے۔

مگر علامہ زین بن منیر اور علامہ قرطبی وغیرہ نے اس پر اشکال کیا ہے کہ تطویل و تخفیف ضدین ہیں، تطویل منہی عنہ ہے اور تخفیف مامور بہ ہے تو منہی عنہ کو مامور بہ پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ روایت سے اس مسئلہ میں استدلال کرنا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) بعضوں نے اطالۃ الرکوع للجائی کو صلاۃ الخوف کے مسئلہ سے ثابت کیا ہے کہ امام لوگوں کا انتظار کرتا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ صلاۃ الخوف کے مسائل خلاف قیاس ہیں ان پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

(۳) بعضوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ امام ابوداؤد نے ابن ابی اوفیؓ سے روایت نقل کی ہے أن النبی ﷺ کان یقوم فی الرکعۃ الأولی من صلاۃ الظہر حتی لا یسمع وقع قدم، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اطالۃ الرکعۃ الاولیٰ ہے۔

(۴) بعضوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نماز ہو چکی تھی ایک آدمی مسجد میں آیا آنحضور ﷺ نے فرمایا أَلاَ رَجلٌ یَتَصَدَّقُ عَلَی هَذَا فَیُصَلِّیَ مَعَهُ فَقَامَ رَجلٌ فَصَلَّی مَعَهُ، اور نماز میں اطالت کر دینا بھی تصدق علی المصلی کے قبیل سے ہے، لیکن اس استدلال پر بھی کھلا ہوا اشکال ہے کہ تصدق علی المصلی تو مامور بہ ہے، لیکن یہ صورت نہی میں داخل ہے فإنه مأمور بالتخفیف لا بالتطویل، اس کے علاوہ اور بھی ان لوگوں کے دلائل ہیں۔

(ص ۹۸) باب إِذَا صَلَّی ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا

۷۰۸. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو النُّعْمَانِ قَالاَ: نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ.

ترجمہ: باب، جب کوئی نماز پڑھے پھر قوم کی امامت کرے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں جاتے تھے اور ان کو نماز پڑھاتے تھے۔

تشریح: مصنف نے اس باب سے اقتداء المفترض بالمتنفل کا مسئلہ بیان کیا ہے، امام ابو حنیفہ منع کے قائل ہیں، امام شافعی جواز کے قائل ہیں، امام مالک اور امام احمد سے دو دو روایتیں نقل کی گئی ہیں، مالک کا مشہور مذہب منع کا ہے، امام احمد کی دونوں روایتوں میں بعض حنابلہ نے منع کے قول کو اختیار کیا ہے جیسے نجم الدین ابو البرکات بن تیمیہ اور بعض حنابلہ نے جواز کے قول کو اختیار کیا ہے جیسے موفق بن قدامہ، شمس الدین بن ابی عمر المقدسی، شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ وغیرہم نے، اور مسئلہ مدلل طور پر بیان کیا جا چکا ہے، یہ مسئلہ میں ابھی باب إذا طول الإمام وكان للرجل حاجة فخرج فصلى میں حدیثِ معاذؓ کے تحت مفصل بیان کر چکا ہوں۔

(ص ۹۸) باب مَنْ أَسْمَعَ النَّاسَ تَكْبِيرَ الْإِمَامِ

۷۰۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ قَالَ: نَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَتَاهُ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ، قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ إِنْ يَقُمْ مَقَامَكَ يَبْكِ فَلَا يَقْدِرُ عَلَى الْقِرَاءَةِ، قَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ، فَقُلْتُ مِثْلَهُ، فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ: إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ، فَصَلَّى وَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخُطُّ بِرِجْلَيْهِ الْأَرْضَ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ صَلِّ، فَتَأَخَّرَ أَبُو بَكْرٍ وَقَعَدَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى جَنْبِهِ، وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ التَّكْبِيرَ.

تَابَعَهُ مُحَاضِرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا حکم جو امام کی تکبیر لوگوں کو سنائے۔

حدیث کا ترجمہ (ص ۹۳) باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة پر گزر چکا۔

محاضر نے اعمش سے روایت کرنے میں عبد اللہ بن داود کی متابعت کی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر امام کی آواز مقتدیوں کو نہ پہنچتی ہو تو مکبر امام کے پیچھے کھڑے ہو کر زور سے تکبیر کہہ سکتا ہے اور اس کے انتقالات کے وقت وہ تکبیرات انتقالات کو بلند آواز سے کہہ سکتا ہے، اس کا نام ہے تکبیرات انتقال کا مسئلہ، یہ مسئلہ مختلف فیہ مسائل میں سے ہے۔

المختصر یہ ہے کہ بلاضرورت تکبیر کہنا مکروہ ہے، علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں اس پر اتفاق نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام مالک اور امام احمد سے ایک قول فساد صلاۃ کا ہے، اور اگر بضرورت تکبیر کہی جائے تو جمہور علماء حنفیہ وشافعیہ کے یہاں جائز ہے، اور یہی حنابلہ کا مسلک ہے، مالکیہ کے مختلف اقوال میں ایک قول یہ ہے کہ امام سے اجازت لیکر کر سکتے ہیں ورنہ نہیں، اور علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے وبلغني عن أحمد أنه توقف۔

حضور اکرم ﷺ کے عہد انور میں تکبیر صوت کوئی مشہور مسئلہ نہیں تھا صرف دو مرتبہ تکبیر صوت کی گئی ہے، ایک مرتبہ آپ جب گھوڑے سے گر گئے تھے اور آپ کے پاؤں مبارک میں موچ آگئی تھی، اور دوسری مرتبہ آپ کے مرض الوفات میں، مرض الوفات کا قصہ تو مشہور و معروف ہے اور صحیحین میں وارد ہے اور گھوڑے سے گرنے کے وقت تکبیر صوت کا قصہ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے مگر اس کی سند میں ابو الزبیر ہے اور ابو الزبیر تکبیر کے نقل کرنے میں منفرد ہیں، اور ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ بھی مرض الوفات کا قصہ ہے اس لئے کہ اُس وقت آواز نہ پہنچنے کا کیا سوال ہوتا ہے، لیکن حافظ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ کی آواز بھی پست ہوگئی ہو پیچھے نہ پہنچتی ہو اس لئے صدیق اکبرؓ تکبیر صوت کر رہے تھے، قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ حجرہ سے باہر بھی لوگوں نے اقتداء کر لی تھی تو یہ تکبیر باہر والوں کے لئے تھی۔

(ص ۹۹) باب الرَّجُلِ يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ وَيَأْتَمُّ النَّاسُ بِالْمَأْمُومِ

ويذكر عن النبي ﷺ قَالَ: ائتموا بي وليأتم بكم من بعدكم.

۷۱۰. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ

Maktaba Tul Ishaat.com

بِالنَّاسِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ وَإِنَّهُ مَتَى مَا يَقُومُ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعُ النَّاسَ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ وَإِنَّهُ مَتَى مَا يَقُومُ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعِ النَّاسَ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، قَالَ: إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَجَدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي نَفْسِهِ خِفَّةً، فَقَامَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ يَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَلَمَّا سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي قَاعِدًا، يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ مُقْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ.

ترجمہ: باب، ایک شخص امام کی اقتداء کرے اور تمام لوگ اس مقتدی کی اقتداء کریں، اور حضور ﷺ سے منقول ہے آپ نے فرمایا تم لوگ میری اقتداء کرو اور تمہارے بعد آنے والے تمہاری اقتداء کریں گے۔

حدیث کا ترجمہ (ص ۹۳) باب أهل العلم و الفضل أحق بالإمامة پر گزر چکا۔

تشریح: حضرت امام بخاری یوں فرماتے ہیں کہ ایک آدمی امام کی اقتداء کرتا ہے اور مقتدی اس آدمی کی اقتداء کرتے ہیں، یہ مسئلہ ایک ضمنی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اختلافی اور اہم مسئلہ ہے۔

امام مسروق، شعبی اور ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ صفوف بعض بعض کی اقتداء کریں گی، اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ساری صفیں امام کی اقتداء کریں گی، اس اختلاف کا ثمرہ یہ ظاہر ہوگا کہ اگر کوئی شخص بعد میں آتا ہے اور وہ پیچھے کی صف میں شریک ہو جاتا ہے اور امام نے تو رکوع سے سر اٹھا دیا لیکن اس کے سامنے والی صف نے ابھی تک رکوع سے سر نہیں اٹھایا کہ وہ رکوع میں چلا جاتا ہے تو اس صورت میں جمہور علماء کے یہاں اس کو رکعت نہیں ملی، لیکن فریق اول مسروق وغیرہ کے نزدیک اس کو رکعت مل گئی اس لئے کہ اس کا امام تو وہ صف ہے جو اس کے سامنے موجود ہے اور ابھی تک وہ رکوع میں ہے۔

حضرت امام بخاری نے صاف طور پر تو یہ کہا نہیں ہے کہ صفوف بعض بعض کی اقتداء کرتی ہیں لیکن حضرت

Maktaba Tul Ishaat.com

امام کے طرز سے کچھ یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہیں، اس لئے کہ امام بخاری نے پہلے تو تکبیرِ انتقال کا مسئلہ بیان کیا اور اس کے بعد اقتداء بالماموم کا مسئلہ بیان کر دیا، گویا حضرت امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ التَّكْبِيرَ سے دو الگ الگ مسئلے معلوم ہوگئے، ایک تو تکبیر صوت کا مسئلہ اور دوسرے یہ کہ صفوف بعض بعض کی اقتداء کرتی ہیں، جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ جن روایات میں یہ تصریح وارد ہوئی ہے يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ مُقْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ ان میں اقتداء سے مراد اقتداء فی الانتقالات ہے نہ کہ اقتداء فی الصلاۃ ہے۔

ائْتَمُّوا بِي وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ: یہ روایت امام مسلم نے تخریج فرمائی ہے۔

ائْتَمُّوا بِي وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ تم لوگ میری اقتداء کرو اور تمہارے پیچھے والی صفیں تمہاری اقتداء کریں گی، یہی بخاری نے سمجھا ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ میری اقتداء کرو یعنی میرے افعال کے بعد ہی نماز میں رکوع و سجود میں منتقل ہو اس لئے کہ تمہارے پیچھے کی صفیں جہاں میری آواز نہیں پہنچتی ہے وہ تمہاری اقتداء کریں گی یعنی تم کو دیکھ کر رکوع و سجود کریں گی۔

ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم میری اقتداء کرو یعنی مجھ سے شریعت سیکھو وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ اور جو تمہارے بعد آئیں گے وہ تمہاری اقتداء کریں گے اور وہ تمہارے افعال سے حجت پکڑیں گے، اس وقت کے پیش نظر میں نے یہ مطلب بیان کر دیا ہے ویسے پہلے ہی دو مطلب ہیں، الأول موافق لمن قال المقتدی یقتدی بالمقتدی، والثانی موافق لمن قال کلھم یقتدون بالإمام۔

(ص ۹۹) باب هَلْ يَأْخُذُ الْإِمَامُ إِذَا شَكَّ بِقَوْلِ النَّاسِ

۷۱۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ

Maktaba Tul Ishaat.com

سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ.

۷۱۲. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: نَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، فَقِيلَ: قَدْ صَلَّيْتَ رَكْعَتَيْنِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.

ترجمہ: باب، جب امام کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو کیا وہ مقتدیوں کے کہنے کے مطابق عمل کر سکتا ہے؟

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (چار رکعت والی نماز میں) دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو آپ سے ذوالیدین نے عرض کیا یا رسول اللہ! نماز کی رکعتوں میں کمی کا حکم نازل ہو گیا ہے یا پھر آپ بھول گئے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہا، کیا ذوالیدین صحیح کہتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے پھر آپ نے آخر کی دو رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی پھر اپنے سجدہ کرنے کی طرح یا اس سے بھی طویل سجدہ کیا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز میں دو رکعتیں پڑھیں، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے دو رکعتیں ہی پڑھی ہیں، پھر آپ نے دو رکعتیں اور پڑھیں پھر سلام پھیرا، پھر دو سجدے کئے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر امام کو شک پیش آ جائے تو وہ لقمہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

اگر امام کو شک نہ ہو اور پیچھے لوگ لقمہ دینے لگیں تب تو ائمۂ ثلاثہ کے یہاں کوئی اعتبار نہیں امام اپنے یقین پر عمل کرے گا، اور اگر امام کو یقین نہیں بلکہ شک ہے تو پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر لقمہ دیا جائے تو وہ لقمہ لے گا یا نہیں، امام مالک اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ لقمہ لے گا، امام شافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ لقمہ نہیں لے گا جب تک کہ اس کو خود یقین نہ ہو جائے، حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر دو ثقات لقمہ دیں تو لقمہ لینا ضروری ہے، نہیں لے گا تو نماز باطل ہو جائے گی، اور اگر ایک ثقہ ہی لقمہ دیتا ہے تو اس صورت میں وہ اپنے غلبۂ ظن پر عمل کرے گا۔

امام بخاری نے اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں فرمائی ہے بلکہ ذوالیدین کا قصہ نقل کر دیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور ذوالیدین نے کہا أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ تو آپ نے صحابۂ کرام سے معلوم کیا أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ اور جب لوگوں نے کہہ دیا کہ ہاں تو آپ نے دو رکعت مزید

Maktaba Tul Ishaat.com

پڑھیں، اب اگر یہ دیکھا جائے کہ آنحضور ﷺ نے ذوالیدین کی بات پر اعتماد کیا تب تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاں امام لقمہ لے سکتا ہے، اور اگر یہ دیکھا جائے کہ حضور ﷺ نے لوگوں سے معلوم کیا تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لقمہ نہیں لے سکتا ہے۔

لیکن اس تقریر پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ روایت سے جب یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ امام لقمہ لے سکتا ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ ذوالیدین سچ کہہ رہے ہیں اور لوگوں نے کہہ دیا کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں تو آپ نے لقمہ لے لیا پھر ھل کے ذکر کی کیا وجہ ہے؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ھل قد کے معنیٰ میں ہے، اور اگر لفظ ھل کو تردد ہی پر محمول کیا جائے تو دوسرا جواب یہ دیا جائے گا کہ حضرت امام بخاری نے لفظ ھل سے تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے، اور وہ تفصیل یہ ہے کہ اگر امام کا یقین معارض ہے مقتدی کے لقمہ کے تو امام لقمہ نہیں لے گا، اور اگر معارض نہیں ہے بلکہ اس کو خود یقین ہو جاتا ہے تو پھر وہ لقمہ لے گا، چنانچہ جب ذوالیدین نے یہ کہا أَقَصُرَتْ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ تو آنحضور ﷺ نے ذوالیدین کی بات نہیں مانی بلکہ لوگوں سے معلوم کیا أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ اس لئے کہ ان کا یہ لقمہ حضور ﷺ کے یقین کے معارض تھا، لیکن جب لوگوں نے تصدیق کر دی تو پھر آپ کو یہ یقین ہو گیا کہ واقع میں آپ کو سہو ہو گیا ہے اور آپ نے لقمہ لے لیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ محض شک کی وجہ سے لقمہ نہیں لے گا بلکہ جب اس کو یقین ہو جائے کہ واقعۃً اس کو وہم ہو گیا ہے تو پھر وہ لقمہ لے گا، یہ عین حضرت امام شافعی کا مسلک ہو گیا اور ابوداؤد کی روایت حتی یقنه الله اس کے لئے مؤید ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام لقمہ لے سکتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ابوداؤد ہی کی روایت میں ہے وَلَمْ يَسْجُدِ السَّجْدَتَيْنِ اللَّتَيْنِ تُسْجَدَانِ حَتّٰى لَقَّاهُ النَّاسُ، یہاں تک کہ لوگوں نے تلقی کی۔

میرے نزدیک اس میں اشکال ہے کہ اس میں ابوداؤد کے نسخوں میں اختلاف ہے، بعض میں حَتّٰى لَقَّاهُ النَّاسُ ہے اور بعض میں حِيْنَ لَقَّاهُ النَّاسُ ہے، اور میرے نزدیک یہی دوسرا نسخہ ارجح ہے اس لئے کہ امام بیہقی نے یہی روایت نقل کی ہے اور اس میں حِيْنَ لَقَّاهُ النَّاسُ ہے، اس لئے یہ حدیث اقرب اِلیٰ حجۃ الشافعی ہے۔

لیکن حنفیہ اور مالکیہ دونوں اس قصۂ ذوالیدین سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور کسی نے لقمہ نہیں دیا اور اس کے بعد ذوالیدین نے یہ کہا کہ کیا آپ نے دو رکعت پڑھ لی ہیں تو

Maktaba Tul Ishaat.com

آنحضور ﷺ نے لوگوں سے معلوم کیا، وہاں صورتحال یہ تھی کہ کوئی بولا ہی نہیں اس لئے آپ کو یہ تامل ہوا کہ شاید ذوالیدین کو وہم ہو گیا ہو، اور جب لوگوں نے تصدیق کر دی تو آپ کو یہ معلوم ہوا کہ ان کو وہم نہیں ہوا ہے لہذا آنحضور ﷺ نے بقیہ نماز پڑھی۔

مزید یہ ہے کہ بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ آنحضور ﷺ نے نماز پڑھی تو صحابۂ کرام نے پیچھے تسبیح پڑھی پھر آپ نے نماز سے فراغت کے بعد سجدۂ سہو کیا اور چونکہ پورے کھڑے ہو گئے تھے اس لئے آنحضور ﷺ نہیں لوٹے، ص ۱۱۴ پر عبداللہ ابن بحینہ کی روایت آرہی ہے اس میں یہ تصریح ہے حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ظہر کی دو رکعت نماز پڑھادی آپ بیٹھے نہیں بلکہ کھڑے ہو گئے تو ہم بھی کھڑے ہو گئے، بخاری میں تو آگے کچھ نہیں ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ نے پیچھے سے تسبیح پڑھی سبحان اللہ سبحان اللہ کہا لیکن آنحضور ﷺ نہیں بیٹھے اور اس کے بعد جب آپ نے نماز پوری کر لی اور صحابہ سلام کے انتظار میں تھے کہ آپ نے سجدۂ سہو کیا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے لقمہ لیا جب ہی تو آپ نے سجدۂ سہو فرمایا تھا، باقی جو لوٹے نہیں وہ اس لئے کہ آپ مکمل کھڑے ہو چکے تھے، جب قیام مکمل ہو گیا تو اب اس کے بعد تشہد کی طرف لوٹنے کا کیا سوال ہوتا ہے۔

(ص ۹۹) باب إِذَا بَكَى الْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ

وقال عبد الله بن شداد: سمعت نشيج عمر وأنا في آخر الصفوف يقرأ ﴿إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾

۷۱۳. حَدَّثَنَا اسماعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ

Maktaba Tul Ishaat.com

اللهِ ﷺ: مَهْ إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، قَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا.

ترجمہ: باب، جب امام پر نماز میں گریہ طاری ہو جائے۔

عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے نماز میں حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنی اور میں صفوں کے آخر میں تھا اور وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ﴾ میں اپنے اضطراب اور غم کی شکایت صرف خدا سے کرتا ہوں۔

دوسری حدیث کا ترجمہ (ص ۹۳) باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة پر گزر چکا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس باب میں بکاء فی الصلاۃ کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

شافعیہ کے اس میں تین قول ہیں، ایک یہ ہے کہ اگر دو حرف ظاہر ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی، دوسرا قول امام شافعی کا کتاب الاملاء میں منقول ہے کہ مطلقاً فاسد نہیں ہوگی، تیسرا قول قفال نے اختیار کیا ہے کہ اگر منہ بند ہو تو مطلقاً فاسد نہیں ہوگی ورنہ اگر دو حرف ظاہر ہوں گے تو فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر آدمی مغلوب ہو یعنی بکاء کا غلبہ ہو، روکنے سے بھی نہ رکتا ہو تب تو مطلقاً نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر مغلوب نہیں ہے تو پھر اس صورت میں اگر اللہ تعالیٰ شانہ کے خوف یا اس کے لقاء کے شوق میں ہو یا ذکر الجنۃ والنار کی بناء پر ہو تو مطلقاً مفسد نہیں، اور اگر اس کے علاوہ کسی وجہ سے ہو تو اگر دو حرف ظاہر ہو گئے تو مفسد ہے ورنہ نہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک بھی کچھ ایسا ہی ہونا چاہئے، حنفیہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ اگر ذکر الجنۃ والنار کی وجہ سے ہو تو مفسد نہیں ورنہ مفسد ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حنفیہ کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ اگر اللہ کے خوف یا اس کے لقاء کے شوق کی وجہ سے ہو تو مفسد نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں امام کی تصریح کی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ روایت الباب اور اثر مذکور میں امام ہی کا تذکرہ ہے، مگر مسائل میں امام و مقتدی میں کوئی فرق نہیں ہے إلا ما خصہ الدلیل، لہٰذا جو بکاءِ امام کا حکم ہونا چاہئے وہی بکاءِ مقتدی کا بھی حکم ہونا چاہئے۔

اور بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری کے یہاں امام و مقتدی کا حکم الگ الگ ہو اس لئے کہ امام پر بکاء کا طریان ہوتا ہے، وہ بعض وقت اس لئے روتا ہے کہ وہ قرأت کرتا ہے اور اس کو استحضار ہوتا ہے قرأت کا،

Maktaba Tul Ishaat.com

بخلاف مقتدی کے، لیکن یہ تاویل بعید ہے، اس لئے کہ صلوات جہریہ میں امام اور مقتدی دونوں قرأت میں شریک ہوتے ہیں، امام قرأت کرتا ہے اور مقتدی سماعت کرتا ہے۔

رمضان شریف میں میں تراویح پڑھ رہا تھا سورۂ احقاف ہو رہی تھی، میرے بائیں طرف میرا ایک شاگرد کھڑا تھا اور وہ پوری نماز میں مسلسل رو رہا تھا، اب یہ رونا کس وجہ سے تھا؟ اسی لئے کہ وہ قرآن پاک کو سن رہا تھا اور اس کی تاثیر اس کے دل میں ظاہر ہو رہی تھی، اس لئے اقرب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے امام کی تصریح محض اس لئے کر دی ہے کہ روایت میں اس کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔

وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ: یہ اثر ابن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں روایت فرمایا ہے۔

نَشِيجَ: وہ آواز کہلاتی ہے جو رونے کی وجہ سے حلق میں پیدا ہو جاتی ہے۔

وَأَنَافِي آخِرِ الصُّفُوفِ: یہ صلاۃ صبح کا واقعہ ہے جیسا کہ مصنف میں مذکور ہے۔

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللّٰهِ: میں اپنے رنج و غم کی شکایت بارگاہ خدا میں کرتا ہوں۔

(ص ۱۰۰) بَاب تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ عِنْدَ الْإِقَامَةِ وَبَعْدَهَا

٧١٤. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ: نَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ.

٧١٥. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: أَقِيمُوا الصُّفُوفَ فَإِنِّي أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِي.

ترجمہ: باب، اقامت کے وقت یا اقامت کے بعد صفوں کو برابر کرنے کا بیان۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی صفوں کو سیدھا کر لو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف پیدا فرما دے گا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی صفوں کو درست رکھو اس لئے کہ میں تم کو پشت کے

Maktaba Tul Ishaat.com

پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

تشریح: تسویۃ الصفوف کے مسئلہ میں چند چیزیں بیان کرنی ہیں۔

(۱) تسویۃ الصفوف کی حقیقت: تسویۃ الصفوف کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے، ایک اعتدال القائمین علی سمت واحد یعنی قائمین ایک سیدھ میں برابر کھڑے ہو جائیں، دوسرے سدّ الخلل یعنی کھڑے ہونے والوں کے بیچ میں کوئی فرجہ باقی نہ رہے۔

(۲) تسویۃ الصفوف کا حکم: اس مسئلہ میں جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ سنت ہے، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ تسویۃ الصفوف واجب ہے، اس لئے کہ رسول پاک ﷺ ارشاد فرماتے ہیں سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ، رواہ البخاری فی بَاب إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ۔

جمہور علماء یوں فرماتے ہیں کہ جہاں حضور اکرم ﷺ نے تسویۃ الصفوف کو من إقامۃ الصلوۃ قرار دیا ہے وہیں آپ سے دوسری حدیث میں یہ منقول ہے وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ رواہ البخاری فی بَاب إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ، لہٰذا معلوم ہو گیا کہ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ صلوۃ کی اقامت میں حسن پیدا کرتا ہے، اس تسویہ سے اس میں کمال پیدا ہوتا ہے۔

بخاری کی رائے اس مسئلہ میں بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ تسویۃ الصفوف کو واجب مانتے ہیں، چنانچہ انہوں نے تین باب کے بعد ایک ترجمہ منعقد کیا ہے بَاب إِثْمِ مَنْ لَمْ يُتِمَّ الصُّفُوفَ، معلوم ہوا کہ تسویۃ الصفوف نہ کرنے پر ان کے نزدیک آدمی گنہگار ہوتا ہے اور گناہ ترک واجب پر مرتب ہوا کرتا ہے۔

(۳) تسویۃ الصفوف کب کیا جائے؟ امام بخاری نے عِنْدَ الْإِقَامَةِ وَبَعْدَهَا فرما کر یہ بتلا دیا کہ اس میں کوئی حد بندی نہیں ہے بلکہ تکبیر شروع ہونے سے لیکر تکبیر کے اختتام بلکہ اسکے بعد تک اہتمام کیا جائے۔

(۴) ترجمۃ الباب کا اثبات: حضرت امام بخاری نے جو دونوں روایتیں اس باب میں ذکر فرمائی ہیں اس سے تسویۃ الصفوف کا مطلوب ہونا تو معلوم ہوتا ہے لیکن عِنْدَ الْإِقَامَةِ وَبَعْدَهَا اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے تو امام بخاری نے اپنا مدعا کیسے ثابت فرمایا ہے؟

حضرت اقدس گنگوہی کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ اور أَقِيمُوا الصُّفُوفَ کے عموم

Maktaba Tul Ishaat.com

سے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ وغیرہ کی روایات میں اقامۃ الصفوف اور تسویۃ الصفوف کا محل واقع ہوا ہے اور یہ روایت گزر چکی ہے، اس کے بعض طرق میں یہ مضمون وارد ہوا ہے امام بخاری نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، مسلم میں ہے عندما کاد أن یکبر، جب حضور اکرم ﷺ تکبیر کے قریب ہوئے تب آپ نے ارشاد فرمایا یعنی تسویہ صفوف کے اہتمام کا آپ نے امر فرمایا۔

لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ: یا تو تم اپنے صفوف کو برابر کرو گے یا اللہ تمہارے چہروں میں مخالفت پیدا کر دیں گے۔

آیا اس مخالفت بین الوجوہ سے اس کے حقیقی معنی مراد ہے یا مجازی معنی؟ اس میں دونوں قول ہیں۔

علامہ ابن جوزی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو بجائے آگے کے پیچھے کی طرف کر دیں گے، اور ممکن ہے کہ مخالفتِ وجوہ سے مراد یہ ہو کہ یہ جو تمہارے چہرے انسانی شکلوں میں ہیں اللہ ان چہروں کو بدل کر حیوانی شکلوں میں تبدیل فرما دیں، اللہ پاک وجہ انسان کو کسی حمار کی شکل میں مسخ فرما دے۔

اور اگر اس کے معنیٰ مجازی مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں بغض وعداوت پیدا کر دیں گے جس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کی طرف چہرہ نہیں کریں گے، لوگوں کے چہرے منحرف ہو جائیں گے ایک دوسرے سے، اور یہی مطلب علامہ قرطبی اور امام نووی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، اسلئے تسویۃ الصفوف کا بہت اہتمام کیا کرو اور اس کا طریق چند ابواب کے بعد امام بخاری بیان کریں گے وہاں تنبیہ کروں گا۔

فَإِنِّي أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِي: یہ رؤیت علمیہ ہے یا بصریہ؟ دونوں قول ہیں، اگر رؤیت علمیہ ہے تو پھر اس میں دو قول ہیں، ایک یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ معلوم ہوا، دوسرے یہ کہ الہام کے ذریعہ سے، لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لئے اس میں نماز کی کیا تخصیص ہے، مشہور یہ ہے کہ انہیں آنکھوں سے آپ پیچھے بھی دیکھ لیتے تھے، یہی امام احمد نے اختیار کیا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے قفا پر ایک آنکھ تھی اس سے دیکھتے تھے، بعض نے کہا ہے کہ بین المنکبین دو آنکھیں تھیں مثل سم الخیاط آپ اس سے دیکھا کرتے تھے، بعضوں نے کہا ہے کہ نمازیوں کی تصویریں قبلہ کی دیوار پر منطبع یعنی چھپ جاتی تھیں آپ اس سے دیکھ لیا کرتے تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۱۰۰) بَاب إِقْبَالِ الْإِمَامِ عَلَى النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ

۷۱۶. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ قَالَ: نَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: نَا زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ قَالَ: نَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي.

ترجمہ: باب، صفیں سیدھی کرتے وقت امام کے لوگوں کی طرف متوجہ ہونے کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نماز کے لئے اقامت کہہ دی گئی تو رسول اللہ ﷺ اپنے روئے مبارک سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ صفیں سیدھی کرلو اور مل مل کر کھڑے ہو جاؤ، اس لئے کہ میں تم کو اپنی پشت کی جانب سے دیکھتا ہوں۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ تکبیر کے بعد امام کو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر تسویۂ صفوف کا اہتمام کرنا چاہئے، ان کو تسویہ کا امر کرنا چاہئے، اس کا طریقہ تعلیم کرنا چاہئے۔

وَتَرَاصُّوا: ایک دوسرے سے مل جاؤ، یعنی کھڑے ہونے میں بیچ میں فرجہ نہ چھوڑنا چاہئے، اچھی طرح سے مل کر کھڑا ہونا چاہئے۔

(ص ۱۰۰) بَاب الصَّفِّ الْأَوَّلِ

۷۱۷. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الشُّهَدَاءُ: الْغَرِقُ وَالْمَبْطُونُ وَالْمَطْعُونُ وَالْهَدِمُ، وَقَالَ: وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَاسْتَهَمُوا.

ترجمہ: باب، صف اول کا بیان۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہید ہو کر انتقال کرنے والوں میں ڈوب کر مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، طاعون سے مرنے والا اور دب کر مرنے والا شامل ہیں، اور ارشاد فرمایا کہ اگر لوگ یہ جان

Maktaba Tul Ishaat.com

لیں کہ نماز کے لئے جلدی آنے میں کیا ثواب ہے تو وہ ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کریں، اور اگر لوگ یہ جان لیں کہ عشاء کی اور فجر کی نماز میں شرکت کا کیا ثواب ہے تو وہ ان نمازوں میں ضرور حاضر ہوں خواہ ان کو گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے، اور اگر لوگ یہ جان لیں کہ پہلی صف میں کیا ثواب ہے تو اس کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آجائے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود صف اول کی فضیلت بیان کرنا ہے البتہ صف اول کے مصداق میں اختلاف ہے، امام نووی نے اس میں تین قول نقل کئے ہیں، ا۔ صف اول وہ صف ہے جو تمام صفوف کے آگے ہوتی ہے اگرچہ بیچ میں مقصورہ ہی کیوں حائل نہ ہو، ۲۔ صف اول وہ صف ہے جو دائیں طرف سے بائیں طرف کو سیدھی متصل چلی گئی ہو اور بیچ میں مقصورہ حائل نہ ہو، ۳۔ جو مسجد میں پہلے آئے وہ صف اول کا مستحق یعنی اس کے ثواب کا مستحق ہے، یہ قول حافظ ابن عبدالبر نے اختیار کیا ہے، ۴۔ چوتھا قول شامی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ صف اول کا مصداق وہ لوگ ہیں جو امام اور خلیفہ کے ساتھ مقصورہ میں قید ہوتے ہیں۔

مقصورہ سے مراد وہ حجرہ ہے جو محراب میں بنا دیا جاتا تھا جس میں خلیفہ یا اس کے نائب اور اس کے ساتھ اس کے چند مخصوص لوگ کھڑے ہوا کرتے تھے، یہ سلسلہ خلفاء راشدین کے عہد میں نہیں تھا، سب سے پہلے امیر معاویہ نے شروع کیا۔

امام احمد بن حنبل کی ایک روایت یہ ہے کہ صف اول کا مصداق مسجد کی وہ پہلی صف ہے جو مقصورہ کے باہر ہوتی ہے اور تمام صفوف کے آگے ہوتی ہے چاہے بیچ میں مقصورہ اور منبر آئے یا نہ آئے، اسی کو فقیہ ابو اللیث سمرقندی حنفی نے اختیار کیا ہے، علامہ موفق حنبلی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں وھو الصحیح المختار وبہ صرح المحققون، اور باقی جو دو قول امام نووی نے ذکر کئے ہیں ان کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ دونوں غلط ہیں۔

حضرت امام بخاری نے بظاہر تو صف اول کی فضیلت بیان کی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت امام نے صف اول کے مصداق کی طرف اشارہ کیا ہو اس لئے کہ حدیث میں ہے وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَافِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ، اس سے معلوم ہوا کہ صف اول کا مصداق وہ صف ہے جو سب سے آگے ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۱۰۰) باب إقامة الصف من تمام الصلاة

۷۱۸. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلاَ تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ، وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلاَةِ فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلاَةِ.

۷۱۹. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلاَةِ.

ترجمہ: باب، یہ بیان کہ صفوں کو سیدھا کرنا نماز کی تمامیت میں شامل ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ امام کو امام صرف اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا امام سے کسی چیز میں اختلاف درست نہیں، پھر جب وہ رکوع میں جائے تو تم بھی رکوع میں جاؤ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ میں جائے تو تم بھی سجدہ میں جاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو، اور نماز میں صف کو سیدھا رکھو اس لئے کہ صف کو سیدھا کرنا نماز کے حسن میں شامل ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صفوں کو سیدھا رکھو اس لئے کہ صفوں کو سیدھا کرنا نماز کو قائم رکھنے کا حصہ ہے۔

تشریح: یہاں اقامۃ الصف سے مراد تسویۃ الصف ہے اور تمام صلوۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ متممات میں سے ہے، اب ترجمہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ تسویۃ الصفوف نماز کے مکملات و متممات میں سے ہے۔

مصنف نے ترجمہ میں جو الفاظ ذکر کئے ہیں یہ ایک حدیث کے الفاظ ہیں جو عبد الرزاق نے المصنف میں حضرت جابرؓ سے نقل کئے ہیں، علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ اس لئے ارشاد فرمایا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ حدیث پاک فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ میں حسن سے حسنِ ظاہری یعنی ظاہری ترتیب وغیرہ مراد نہیں بلکہ اس سے حسنِ حکمی مراد ہے یعنی اقامتِ صف نماز کے حسن و کمال میں مؤثر ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اور بعض علماء یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے حدیث کی شرح کی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ حسن صلوۃ سے مراد حسن صوری نہیں بلکہ حسن معنوی ہے، ابن رشید کے کلام کا بھی یہی خلاصہ ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ اصل میں امام بخاری کے سامنے دو روایتیں ہیں، ایک ابوہریرہؓ کی اس میں ہے وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ، اور دوسری روایت حضرت انسؓ کی اس میں ہے فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ، پہلی روایت میں اقامتِ صف کو حسنِ صلاۃ فرمایا اور دوسری روایت میں تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ کو نماز کی اقامت میں داخل کیا گیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تسویۂ صفوف صرف ظاہری حسن تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت میں داخل ہے کہ اگر اس میں کوتاہی کی جائے تو نماز میں کوتاہی ہو جائے گی، یا یہ کہو کہ نماز صحیح نہیں ہو گی، جیسے بعض دیگر اجزاء کے چھوڑنے سے نماز کی صحت پر اثر پڑتا ہے اس کے چھوڑنے سے بھی اثر پڑے گا۔

اب ساری روایتوں کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ تسویۂ صفوف کا اہتمام کرنا چاہئے اس لئے کہ تسویۂ صفوف نماز کی اقامت میں داخل ہے یعنی اس سے اقامۃ الصلوۃ میں کمال پیدا ہوتا ہے اور حسن وجمالِ ظاہری بھی۔

(ص ۱۰۰) بَاب إِثْمِ مَنْ لَمْ يُتِمَّ الصُّفُوفَ

۷۲۰. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ قَالَ: أَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّائِيُّ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَقِيلَ لَهُ: مَا أَنْكَرْتَ مِنَّا مُنْذُ يَوْمِ عَهِدْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: مَا أَنْكَرْتُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّكُمْ لَا تُقِيمُونَ الصُّفُوفَ.

۷۲۱. وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ: قَدِمَ عَلَيْنَا أَنَسٌ الْمَدِينَةَ بِهٰذَا.

ترجمہ: باب، اس شخص کے گناہ کا بیان جو صفوں کو پورا نہ کرے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ وہ مدینہ طیبہ میں آئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ جب سے آپ نے پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ کو پایا تو کیا آپ نے ہمارے کسی عمل کو نکیر کے قابل پایا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کوئی عمل نکیر کے قابل نہیں پایا مگر یہ کہ تم صفوں کو نماز میں سیدھا کرنے کا اہتمام نہیں کر رہے ہو۔ عقبہ بن عبید نے بشیر بن یسار سے یہ روایت

Maktaba Tul Ishaat.com

اسی طرح نقل کی ہے کہ ہمارے پاس حضرت انسؓ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے پھر یہی حدیث نقل کی۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تسویۃ الصفوف نماز کی حقیقت میں داخل اور اس کے لئے مکمل ہے اور اس کو چھوڑ دینا مامور بہ کا ترک ہے جو گناہ ہے، لہذا اگر کوئی شخص تسویۃ الصفوف نہیں کرے گا تو گنہگار ہو گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری تسویۃ الصفوف کو واجب مانتے ہیں، جمہور علماء تو تسویہ کو سنت کہتے ہیں، صرف ابو محمد بن حزم ظاہری واجب کہتے ہیں اور یہاں تک انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی اس تسویہ میں کوتاہی کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، امام بخاری نے بطلان سے تو کوئی تعرض کیا نہیں لیکن اس کے اثم ہونے کی تصریح فرمادی اس کا مطلب یہ نکلا کہ تسویۂ صفوف واجب ہے۔

امام نے اس باب میں حضرت انسؓ کی جو روایت ذکر کی ہے اس میں یہ وارد ہے کہ جب حضرت انسؓ مدینہ آئے تو ان سے پوچھا گیا مَا أَنْكَرْتَ مِنَّا؟ ہمارے اندر کوئی تغیر تو نہیں پاتے ہو؟ فرمایا مَا أَنْكَرْتُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّكُمْ لَا تُقِيمُونَ الصُّفُوفَ اور تو کوئی تغیر مجھے معلوم نہیں ہوا بس یہ معلوم ہوا کہ تم لوگ اقامۃ الصفوف یعنی تسویۃ الصفوف میں کوتاہی کرتے ہو۔

یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے محض لفظ انکار سے یہ کیسے اخذ کر لیا کہ اقامۃ الصفوف کا ترک کرنا موجب اثم ہے کیوں کہ انکار تو بعض وقت ترک سنت پر بھی ہوا کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا کہ اصل میں حضرت امام بخاری نے حضرت انسؓ کی دوسری روایت کو سامنے رکھ کر ثابت فرمایا ہے، ابھی روایت گزری ہے سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ، سَوُّوا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے، اسی طرح حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے صلوا كما رأيتموني أصلّي، امام بخاری نے ان روایتوں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت انسؓ کا انکار اس لئے تھا کہ ان لوگوں نے واجب کو ترک کر دیا تھا۔

علامہ سندی نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ پھر تو امام بخاری کا استدلال روایۃ الباب سے نہ ہوا بلکہ حدیثِ سَوُّوا صُفُوفَكُمْ اور صلّوا كما رأيتموني أصلّي سے ہو گیا۔

علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے روایۃ الباب سے اپنا مدعا اس طرح سے ثابت فرمایا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ حضرت انسؓ نے تسویۃ الصفوف میں کوتاہی کرنے پر اس لئے نکیر فرمائی کہ یہ چیز حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں کی جاتی تھی اور آنحضور ﷺ اس کا اہتمام کرایا کرتے تھے، تو گویا تسویۃ الصفوف حضور اکرم ﷺ کے شئون واحوال میں سے ہوا اور حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ﴾ الآیۃ، امام بخاری نے بظاہر یہاں اس آیت شریفہ میں امر سے امر مقابلِ نہی مراد نہیں لیا بلکہ امر کے معنی شان وحال ہے، تو مطلب یہ نکلا کہ قرآن عظیم حضور اکرم ﷺ کے شان وحال کی مخالفت کرنے والے کو ڈراتا ہے، اور ڈرایا اسی چیز پر جاتا ہے جس کا کرنا واجب ہو، اگر واجب نہ ہو اور اس میں کوتاہی ہو جائے تو اس پر کیا ڈرانا۔

حافظ ابن حجر نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ پھر تو دنیا میں کوئی چیز بھی سنت نہ رہے، ہر چیز حضور پاک ﷺ کے احوال وشئون میں سے ہے لہٰذا اس کو واجب ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ تخصیصات ہوتی ہیں، آنحضور ﷺ سے جو ثابت ہو وہ تو ہوگا واجب إلا ما خصه الدليل۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ یہ ساری تقریر ان لوگوں کے مسلک پر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اثم ترک واجب پر مرتب ہوتا ہے ترک سنت پر مرتب نہیں ہوتا ہے، یہی ہمارے فقہاء میں سے ابن ہمام کی رائے ہے، لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ جیسے اثم ترکِ واجب پر مرتب ہوتا ہے ترکِ سنت پر بھی مرتب ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے فقہاء میں سے زین بن نجیم مصری کی رائے ہے تو پھر کوئی اشکال ہو ہی نہیں سکتا، لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امام بخاری کے نزدیک ہو سکتا ہے کہ اقامت صفوف اور تسویۂ صفوف سنت مؤکدہ ہو لیکن اس کا ترک موجب اثم ہو، اگر چہ بین الاثمین فرق ہے، ترکِ واجب کا اثم اونچا ہے اور ترکِ سنت مؤکدہ کا اس سے گھٹا ہوا ہے۔

علامہ سندی نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری کا یہ ترجمہ شارحہ ہے اور گویا امام نے یہ بتلایا ہے کہ حضرت انسؓ کا انکار اس لئے تھا کہ ان لوگوں نے واجب کو ترک کیا تھا جو موجب اثم ہے۔

أَنَّهُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَقِيلَ لَهُ: یہاں تو حضرت انسؓ نے فرمایا کہ اور تو کچھ نہیں دیکھا مگر تم لوگ تسویۃ الصفوف نہیں کرتے ہو اور ص ۷۶ پر ایک روایت گزری ہے وہاں حضرت انسؓ نے ارشاد فرمایا مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ قِيلَ الصَّلَاةُ، قَالَ أَلَيْسَ ضَيَّعْتُمْ مَا ضَيَّعْتُمْ فِيهَا، اور دوسری روایت میں یہ ہے لَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا أَدْرَكْتُ إِلَّا هَذِهِ الصَّلَاةَ وَهَذِهِ الصَّلَاةُ قَدْ ضُيِّعَتْ، بظاہر حضرت انسؓ کے ان دونوں

Maktaba Tul Ishaat.com

بیان میں تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جو روایت ابواب مواقیت میں گزری ہے اس کا تعلق اہل شام سے ہے اور اس روایت کا تعلق اہل مدینہ سے ہے۔

(ص ۱۰۰) بَاب إِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِي الصَّفِّ

وقال النعمان بن بشير: رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه.

۷۲۲. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: نَا زُهَيْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي، وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ.

ترجمہ: باب، صف میں کاندھے سے کاندھا اور قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہونے کا بیان۔

نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ دیکھا کہ ہم میں سے ہر آدمی اپنے ٹخنے کو دوسرے کے ٹخنے سے ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا کرو اس لئے کہ میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں، اور ہم میں سے ہر ایک شخص صف میں اپنے شانے کو اپنے ساتھی کے شانے، اور اپنے قدم کو اپنے ساتھی کے قدم سے ملا دیتا تھا۔

تشریح: حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تسویۃ الصفوف کا خوب اہتمام کرنا چاہئے حتی کہ مونڈھے مونڈھے سے اور قدم قدم سے ملے ہوئے ہوں، نیز امام بخاری نے تسویۂ صفوف کی اہمیت کے بیان کے ساتھ یہ بھی اشارہ کر دیا کہ تسویۂ صفوف کا طریقہ کیا ہے؟

تسویۂ صفوف کا طریقہ یہ ہے کہ اقدام اور مناکب میں محاذات ہونی چاہئے، امام ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے نعمان بن بشیرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثَلاثًا اور پھر فرمایا وَاللّٰهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ، نعمانؓ فرماتے ہیں فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ، اس سے معلوم ہو گیا کہ تسویہ کا یہی طریقہ ہے کہ مناکب مناکب کے محاذی ہوں اور اقدام اقدام کے محاذی ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پھر اقدام میں اصل اعتبار کعب کا ہے، ایڑی کے پیچھے کے حصے کے ٹخنے کا ہے، اس لئے کہ ٹخنہ ساق کی ہڈی کا منتہی ہے اور جب ٹخنوں میں محاذات ہو جائے گی تو سوق یعنی پنڈلیوں میں محاذات ہو جائے گی، اور یہی اصل ہے اس لئے کہ مونڈھے ہر شخص کے برابر نہیں ہوتے ہیں۔

تم حضرات کو بھی اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے بچو، اس کا بڑا اثر قلوب پر پڑتا ہے۔

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ: ابھی اس روایت کی تخریج کی طرف اشارہ کر چکا۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: اس روایت میں ہے وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ اور نعمانؓ کی روایت میں ہے كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ، امام بخاری نے غالباً نعمان بن بشیرؓ کی روایت کے ذریعہ سے حضرت انسؓ کی روایت کی شرح کی ہے، اس لئے کہ اقدام کی محاذات کبھی تو ایڑیوں کی جانب سے ہوتی ہے اور کبھی پنجوں کی طرف سے ہوتی ہے، لیکن اگر پنجوں کی طرف سے محاذات کی جائے تو لوگ آگے پیچھے ہو جائیں گے اس لئے مصنف نے نعمانؓ کی روایت ذکر کر کے یہ بتلا دیا کہ حضرت انسؓ کی روایت میں جو یہ ہے کہ قدم قدم سے ملے ہوئے ہوں اس سے مراد کعاب ہیں یعنی ٹخنوں کی طرف محاذات مطلوب ہے۔

پھر آیا ٹخنوں کو ملا کر کھڑا ہونا چاہئے یا صرف محاذات ہی کافی ہے؟ اہل حدیث کی رائے تو یہ ہے کہ ملا کر کھڑا ہونا چاہئے لیکن احناف کے نزدیک صرف محاذات مطلوب ہے، باقی حضرات صحابہ کرام سے جو نقل کیا جاتا ہے وہ محاذات کی غرض ہی سے کیا جاتا تھا اس لئے کہ وہاں نہ اس طرح کی صفیں ہوتی تھیں اور نہ ایسی لائنیں۔

(ص ۱۰۰) بَاب إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْإِمَامِ وَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ خَلْفَهُ إِلَى يَمِينِهِ تَمَّتْ صَلَاتُهُ

۷۲۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: نَا دَاوُدُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِرَأْسِي مِنْ وَرَائِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى وَرَقَدَ، فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ يُصَلِّي وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

Maktaba Tul Ishaat.com

ترجمہ: باب، اگر مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو، اور امام اس کو پیچھے سے گھما کر اپنی داہنی طرف کر لے تو مقتدی کی نماز پوری ہو گئی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پیچھے کی جانب سے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنی داہنی جانب کر لیا پھر آپ نے نماز پڑھی اور سو گئے پھر آپ کے پاس مؤذن آیا پھر آپ نے اٹھ کر نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

تشریح: اگر کوئی آدمی امام کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا اور امام نے اس کو اپنے پیچھے سے گھما کر دائیں طرف کر دیا تو اس کی نماز صحیح ہو گئی

یہی ترجمہ تقریباً بعینہ تراجم پہلے ص ۹۷ پر آچکا ہے مگر یہاں پر خلفہ فرمایا وہاں نہیں، اور یہاں تمت صلاتہ کہا اور وہاں **لم تفسد صلاتھما** ارشاد فرمایا ہے، اور بعض نسخوں میں **لا تفسد صلاتہ** ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس تکرار کے متعلق کسی شارح نے تنبیہ نہیں فرمائی اور نہ ہی اس کی حکمت بیان فرمائی۔

حافظ ابن حجر کی رائے: پھر اس کے بعد حافظ نے دونوں کا فرق واضح کیا ہے جو ان کے الفاظ کے فرق سے سمجھ میں آتا ہے، پہلی جگہ ارشاد فرمایا لم تفسد صلاتھما اور معنٰی یہ ہیں کہ دونوں سے جو عمل پایا گیا اس عمل کی وجہ سے دونوں کی نماز فاسد نہ ہو گی، اس لئے کہ عمل قلیل ہے اور مصلحۃ الصلاۃ کی وجہ سے ہوا۔

اور تمت صلاتہ میں صلاتہ کی ضمیر یا ماموم کی طرف عائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مقتدی جو بائیں طرف کھڑا ہو گیا یہ بائیں طرف کھڑا ہو جانا گو غیر موقف میں کھڑا ہونا ہے لیکن یہ مفسد نہیں ہے۔ اس لئے کہ کھڑا ہونے والا عدم علم کی وجہ سے معذور ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر عائد ہو امام کی طرف، اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ امام نے جو تحویل کا عمل کیا ہے اس عمل کے وقت بعض بدن سے التفات لغیر القبلہ پایا گیا، لیکن چونکہ اس میں پوری طرح سے مقام صف کا کلی ترک نہیں پایا گیا اس لئے نماز فاسد نہ ہو گی۔

گویا علامہ ابن حجر عسقلانی نے پہلے ترجمہ کو امام و مقتدی سے مربوط کر دیا اور اس ترجمہ میں دو احتمال پیدا کر دیئے، ایک احتمال تو یہ ہے کہ اس کا تعلق صلاۃ مقتدی سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مقتدی جو بے جگہ کھڑا ہو گیا

Maktaba Tul Ishaat.com

وہ لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے معذور قرار پائے گا، نماز پوری ہو جائے گی، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ امام سے ربط ہو اور مطلب یہ ہے کہ امام نے جس وقت مقتدی کو بائیں طرف سے دائیں طرف گھمایا ہے گو اس میں امام کو اپنے بعض بدن سے التفات کرنا پڑا ہے لیکن یہ مصلحت کی وجہ سے ہوا ہے اور اس میں موقف کا کلی ترک نہیں ہوا ہے اس لئے اس کی نماز ہو گئی۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے یہی غرض ترجمۂ اولیٰ کی شرح کرتے ہوئے بیان فرمائی ہے اور بظاہر یہی غرض وہاں کے مناسب ہے، اس لئے کہ امام بخاری نے مقتدیٔ واحد کے متعلق وہاں ایک ترجمہ اور بھی منعقد فرمایا ہے۔

حافظ ابن رجب کی رائے: اور حافظ ابن رجب حنبلی نے پہلے ترجمہ کی شرح میں تو وہی بات ارشاد فرمائی ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے یہاں پر اس ترجمہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے یعنی جو عمل امام و مقتدی سے پایا گیا اس عمل کی وجہ سے دونوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور یہاں پہنچ کر ابن رجب نے اس ترجمہ کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مقتدی کو نماز کی مصلحت کی وجہ سے اس کے موقف سے ہٹایا جائے تو گو اس کو صف سے ہٹایا جا رہا ہے لیکن اس سے اس کی نماز پر اثر نہیں پڑے گا، اس لئے کہ اس ہٹانے کا اصل مقصد اس کو اس سے اعلیٰ مقام میں پہونچانا ہے لہٰذا اس کی نماز تام ہو جائے گی۔

حضرت شیخ کی رائے: ہمارے حضرت شیخ نے دونوں ابواب میں فرق یہ بیان کیا ہے کہ امام بخاری کی نظر اقوال ائمہ پر ہے، پہلی جگہ جب امام بخاری نے ترجمہ منعقد کیا تو ان کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ اگر مقتدی ایک ہو اور وہ اپنا موقف چھوڑ کر بجائے یمینِ امام کے یسارِ امام پر کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا باطل ہو جائے گی؟ جمہور علماء کے نزدیک نماز صحیح ہو جائے گی اس لئے کہ حضور ﷺ نے ابن عباسؓ کو اعادہ کا حکم نہیں دیا، اور امام احمد بن حنبل کے یہاں نماز صحیح نہیں ہوگی، امام بخاری نے پہلی جگہ اسی مسئلہ کو بیان فرمایا ہے اور جمہور علماء کی تائید کی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر بخاری کا یہی مقصد ہے تو لم تفسد صلاتهما کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کے نسخوں میں اختلاف ہے، ابو محمد اصیلی کے نسخہ میں لم تفسد صلاته ہے اس پر تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر مشہور نسخہ لم تفسد صلاتهما لیا جائے تو اس کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ جب مقتدیٔ واحد نے اپنا موقف

Maktaba Tul Ishaat.com

بدل دیا اور اس میں غلطی کی تو لازمی طور پر امام کے موقف میں بھی تبدیلی آگئی، کیوں کہ اگر ایک مقتدی اور ایک امام ہو تو مقتدیِ واحد کا موقف یمینِ امام ہے اور امام کا موقف یسارِ مقتدی ہے، اب اگر مقتدی نے موقف بدل دیا اور امام کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو جیسے مقتدی کا موقف تبدیل ہوا امام کا موقف بھی تبدیل ہو گیا، تو امام بخاری نے یہ بتا دیا کہ اس تبدیلیِ موقف سے نماز پر کوئی اثر نہیں ہو گا دونوں کی نماز صحیح ہو گئی۔

اور حضرت فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یہاں ایک دوسرے مسئلہ کو سامنے رکھا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی امام سے آگے بڑھ جائے تو اس کی نماز صحیح رہے گی یا فاسد ہو جائے گی؟ جمہور علماء کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی، امام مالک و اسحاق بن راہویہ کے نزدیک نماز صحیح رہے گی، امام بخاری نے وَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ خَلْفَهُ فرما کر جمہور کی تائید کی اور یہ بتایا کہ امام مقتدیِ واحد کو جب بائیں طرف سے کھینچ کر دائیں طرف لائے گا تو لاتے وقت پیچھے سے لانا چاہئے، تا کہ تقدم المقتدی علی الامام نہ پایا جائے، تو یہاں امام بخاری نے اس دوسرے اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے ان دونوں تراجم سے الگ الگ دو مسائل بیان کئے ہیں اور ان دونوں مسائل میں امام احمد بن حنبل کی تائید کی ہے۔

پہلی جگہ تو امام بخاری نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر ایک مقتدی ہو اور یمینِ امام کے بجائے یسارِ امام میں کھڑا ہو جائے اور امام اس کی تحویل کر دے تو نماز صحیح ہو جائے گی، اس کا مفہوم یہ نکلا کہ اگر تحویل نہیں کرے گا تو نماز صحیح نہیں ہو گی، یہی حضرت امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے اور جمہور علماء کے نزدیک مطلقاً نماز صحیح ہو جائے گی گو مع الکراہت ہی، تو دیکھو امام بخاری نے یہ نہیں فرمایا کہ مقتدی اگر بائیں طرف کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر مقتدی بائیں طرف کھڑا ہو جائے تو وہاں سے امام اس کو گھما کر دائیں طرف کر لے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، لہٰذا لم تفسد صلاتھما کا ترتب تنہا قیام الماموم عن یسار الامام پر نہیں ہے بلکہ قیام الامام عن یسار الامام و تحویل الامام الی یمینہ دونوں کے مجموعہ پر ہے، اور یہی حضرت امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے۔

اور یہاں امام بخاری نے ایک اور مسئلہ کو سامنے رکھا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی خلف الصف تنہا کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز جمہور علماء کے نزدیک مع الکراہت صحیح ہو جائے گی لیکن امام احمد بن حنبل کے مشہور

Maktaba Tul Ishaat.com

قول پر اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اور دوسرا قول امام احمد کا یہ ہے کہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً کوئی دوسرا نہ ملا ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ آکر نہ کھڑا ہوا تو مجبوری کی حالت ہونے کی وجہ سے اس کی نماز ہو جائے گی، امام بخاری نے امام احمد کے قول اول کو اختیار کیا ہے یعنی اگر مقتدی خلف الصف تنہا کھڑا ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

بعض علماء کا استدلال: بعض علماء نے حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث سے جو مصنف نے اس باب میں ذکر کی ہے یہ استدلال کیا ہے کہ مقتدی اگر خلف الصف کھڑا ہو تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ابن عباسؓ کو بائیں طرف سے کھینچ کر دائیں طرف کیا تھا تو اس گھومنے میں ابن عباسؓ حضور ﷺ کے پیچھے بھی آئے تھے، جس وقت حضور ﷺ کے پیچھے آئے اس وقت کی ان کی نماز صلاۃ المنفرد خلف الصف ہے، اور حضور ﷺ نے اس کی وجہ سے ان کی نماز کو باطل نہیں کہا، معلوم ہوا کہ صلاۃ المنفرد خلف الصف باطل نہیں ہے، تو امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور حاصل اس کا یہ ہے کہ ابن عباسؓ جس وقت گھوم رہے تھے اس وقت حضور کا مقصود اور خود ابن عباسؓ کا مقصد موقف کی اصلاح تھی، اس لئے یہ صلوۃ المنفرد خلف الصف نہیں ہوئی۔

اس تقریر کا حاصل یہ نکلا کہ امام بخاری نے دونوں تراجم میں مقتدیِ واحد کے بائیں طرف کھڑے ہونے پر اس کے موقف کی اصلاح کرنے کا ذکر فرمایا ہے، البتہ یہاں یہ بتایا ہے کہ مقتدی اگر بائیں طرف کھڑا ہوا اور امام نے اس کو پیچھے سے کھینچا تو صلوۃ المنفرد خلف الصف نہیں ہے کہ فاسد ہے بلکہ یہ تحویل اصلاح صلوۃ کے لئے ہے اس لئے اس کی نماز تام ہوگی اور پہلی جگہ یہ بتایا ہے کہ اگر مقتدی کے موقف کی اصلاح کر دی گئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ابو محمد اصیلی کے نسخہ پر تو کوئی اشکال نہیں ہے اس میں تو ہے لم تفسد صلوته، اور دوسرے نسخہ پر اشکال یہ ہے کہ یہاں مقصود مقتدیِ واحد کا موقف ہے تو امام بخاری نے لم تفسد صلوتهما کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس بات کو دیکھا کہ جیسے مقتدی کا موقف تبدیل ہوا امام کا بھی تبدیل ہو گیا جب تحویل ہو گئی تو دونوں کے موقف کی اصلاح ہو گئی، یا پھر یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے تو مقتدیِ واحد کے موقف پر نظر

Maktaba Tul Ishaat.com

کی اور امام کے عمل تحویل پر نظر کی، اور یہ بتادیا کہ مقتدی کا موقف صحیح ہو گیا اور امام سے جو عمل پایا گیا وہ یسیر ہے اس لئے کسی کی نماز فاسد نہیں ہو گی، واللہ اعلم وعلمہ سبحانہ احکم۔

(ص ۱۰۰) بَابُ الْمَرْأَةُ وَحْدَهَا تَكُونُ صَفًّا

۷۲٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَأُمِّي خَلْفَنَا أُمُّ سُلَيْمٍ.

ترجمہ: باب، عورت کے تنہا ایک صف ہونے کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے اور ایک یتیم (ضمیرہ بن ابی ضمیرہ) نے جو ہمارے گھر میں تھا رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور میری والدہ ام سلیمؓ ہمارے پیچھے کھڑی تھیں۔

تشریح: ترجمہ ایک روایت کے الفاظ پر مشتمل ہے جس کو حافظ ابن عبد البر نے موصولاً روایت فرمایا ہے، امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عورت کا موقف خلف صفوف الرجال ہے، لہٰذا اگر وہ تنہا ہو تو سارے صفوف کے پیچھے تنہا کھڑی ہو گی۔

اس مسئلہ پر امت کا اجماع واتفاق ہے کہ اگر ایک عورت ہو تو امام کی دائیں طرف مرد کی طرح نہیں کھڑی ہو گی بلکہ امام کے پیچھے کھڑی ہو گی، امام طحاوی، ابن خزیمہ، ابن عبد البر اور ابن رشد وغیرہ نے یہ اجماع نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے اہل علم سے نقل کیا ہے۔

آگے حضرت امام بخاری نے ایک اور بات کہہ دی فرماتے ہیں کہ تنہا عورت صف شمار کی جائے گی، یہ امام بخاری نے کیوں فرمایا ہے؟ یہ کیوں نہیں فرمادیا المرأۃ الواحدۃ تقوم خلف الإمام یا خلف الصف؟

اس کے جواب سے پہلے مسئلہ میں اختلاف سنو! میں نے ابھی مسئلہ بیان کیا تھا کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو کر نماز پڑھنا مختلف فیہ ہے، جمہور علماء اور امام احمد اس مسئلہ میں تو متفق ہیں کہ تنہا کھڑے ہو کر صفوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہئے، اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ آیا اگر پڑھ لیا تو نماز ہو جائے گی یا باطل ہو جائے گی؟ ائمہ ثلاثہ تو فرماتے ہیں کہ صحیح ہو جائے گی مع الکراہت اور امام احمد اور بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ نماز

Maktaba Tul Ishaat.com

باطل ہو جائے گی اس لئے کہ وابصہ بن معبدؓ نقل کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے ایک شخص کو صفوں کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے دیکھا تو اعادۂ صلوۃ کا امر فرمایا لا صلوۃ لمنفرد خلف الصف أخرجه ابن حبان۔

اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ منفرد خلف الصف کی نماز صحیح ہے انہوں نے مختلف دلائل پیش کئے ہیں۔

(۱) ایک دلیل حضرت ابو بکرہؓ کی روایت کو بتاتے ہیں جو آئندہ آرہی ہے، حضرت ابو بکرہؓ نماز میں آکر شریک ہوئے، دوڑ کر کے شرکت کی، حضور اکرم ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد یہ معلوم کیا کہ یہ کون ہے؟ معلوم ہوا کہ ابو بکرہؓ نے کیا، آپ نے فرمایا زَادَکَ اللہُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ، اللہ تمہارے حرص میں اضافہ کرے مگر آئندہ ایسا نہ کریں، معلوم ہوا کہ تنہا آدمی کو پیچھے صف نہ باندھنی چاہئے، کسی اور کو کھینچ لینا چاہئے اور پھر نیت باندھے مگر چونکہ حضور اکرم ﷺ نے اعادہ کا حکم نہیں دیا معلوم ہوا کہ منفرد خلف الصف کی نماز صحیح ہے۔

حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تنہا پیچھے کھڑے ہونے سے منع فرمادیا اور بظاہر یہ واقعہ صلوۃ منفرد خلف الصف کے واجب الاعادہ ہونے سے پہلے کا ہے یعنی آپ نے جب واجب الاعادہ ہونے کا امر فرمایا یہ واقعہ اس سے پہلے پیش آیا ہے۔

(۲) بعض حضرات نے صلوۃ منفرد خلف الصف کے جواز پر ابن عباسؓ کی روایت پیش کی جو ماقبل میں گزر چکی ہے، میں بتا چکا کہ امام بخاری وغیرہ اس کو دلیل نہیں مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ قیام خلف الصف ہے ہی نہیں، بلکہ یہ تو تحویل خلف الامام ہے۔

(۳) بعض علماء جیسے حضرت امام شافعی، امام نسائی اور امام بیہقی نے یہ دلیل پیش کی کہ جب حضور ﷺ نے حضرت انسؓ کے مکان میں نماز ادا کی تھی اور انسؓ و یتیم آگے کھڑے ہوئے تھے اور پیچھے ان کی والدہ ام سلیمؓ تنہا کھڑی ہوئیں، ام سلیمؓ کا تنہا کھڑا ہونا یہ قیام خلف الصف ہے، معلوم ہوا کہ منفرد خلف الصف کی نماز صحیح ہو جائے گی، یہ استدلال بعد میں ابن بطال وغیرہ نے بھی کیا ہے۔

مگر اس استدلال پر امام احمد بن حنبل، ابن خزیمہ، طحاوی، ابو محمد بن حزم ظاہری اور ابن رشد وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ تنہا عورت کا مقام ہی یہ ہے کہ خلف الصفوف کھڑی ہو، تو اس روایت سے صحت صلوۃ منفرد خلف الصف پر استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے، ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ صلوۃِ رجل خلف الصف ہر شخص کے یہاں منہی عنہ ہے چاہے وہ لوگ ہوں جو اس کی نماز کی صحت کے قائل ہیں اور چاہے وہ لوگ ہوں جو اس کی

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز کے فساد کے قائل ہیں، اب صلوۃ مرأۃِ واحدہ خلف الصفوف مامور بہ ہے تو منہی عنہ کو مامور بہ پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے، لہذا یہ استدلال صحیح نہیں۔

حضرت امام بخاری بڑے دور رس اور دقیقہ فن ہیں انہوں نے ایک دم ہی سے اس استدلال کی جڑ کاٹ دی اور فرمادیا اَلْمَرْأَۃُ وَحْدَھَا تَکُوْنُ صَفًّا، عورت اگرچہ تنہا ہوگی لیکن وہ صف کی حیثیت رکھتی ہے لہذا وہ تمام مردوں کے پیچھے اکیلی کھڑی ہوگی اس لئے اس کی نماز صلوۃ منفرد خلف الصف میں داخل ہی نہیں اس کے آگے کا کیا سوال ہے۔

علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری کا قصد یہ ہے کہ عورت **لاصلوۃ لمنفرد خلف الصف** کے عموم سے مستثنی ہے وہ اس میں داخل نہیں۔

لیکن حدیث باب سے صحت صلوۃ المنفرد خلف الصف پر استدلال کرنے والے امام شافعی ہیں، حافظ ابن حجر نے اس مقام پر بڑا حسن ادب ملحوظ رکھا اور استدلال بجائے امام شافعی سے نقل کرنے کے علامہ ابن بطال سے نقل کیا اور اس کے بعد اس پر اعتراض کیا اور پھر یہ فرمادیا کہ ابن بطال مسبوق ہیں ان سے پہلے بہت سے کبار علماء نے یہ استدلال کیا ہے اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے، اور پھر فرماتے ہیں کہ سب سے افضل ترین شخص جس نے اعتراض کیا ہے وہ ابن خزیمہ ہیں، حافظ ابن حجر نے اپنے امام کے ساتھ بڑا حسن ادب ملحوظ رکھا کہ صراحتًا ان پر اعتراض نہیں کیا اور کرنا بھی نہیں تھا کہ اس زمانہ میں مصر میں شافعیہ کا زور تھا اگر حافظ ایک دم کھل کر اعتراض کرتے تو سارے یلغار کردیتے۔

(ص ۱۰۱) بَاب مَیْمَنَةِ الْمَسْجِدِ وَالْإِمَامِ

۷۲۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: نَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ نَا عَاصِمٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قُمْتُ لَيْلَةً أُصَلِّي عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَخَذَ بِيَدِي أَوْ بِعَضُدِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ، وَقَالَ بِيَدِهِ مِنْ وَرَائِي.

ترجمہ: باب، مسجد کی اور امام کی داہنی جانب کا بیان۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز شروع کی تو آپ نے میرا ہاتھ یا میرا بازو پکڑا یہاں تک کہ مجھے اپنی داہنی طرف کھڑا کر لیا اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ میرے پیچھے سے گھوم کر داہنی طرف آجاؤ۔

تشریح: ہمارے حضرت شیخ فرماتے تھے اور یہی حضرت نے اپنے حاشیہ لامع اور تراجم میں بھی لکھا ہے کہ امام بخاری بظاہر اس ترجمۃ الباب سے میمنۃ المسجد اور میمنۃ الامام کی وحدت ثابت کرنا چاہتے ہیں اور یہ توہم دور کرنا چاہتے ہیں کہ دونوں میں تخالف ہے، تخالف اس طرح کہ جب آدمی مسجد میں روبقبلہ کھڑا ہو تو اس کا چہرہ مسجد کے چہرے کی طرف ہوگا لہٰذا جو مصلی کا میمنہ ہوگا وہ مسجد کا میسرہ ہوگا اور جو مسجد کا میمنہ ہوگا وہ مصلی کا میسرہ ہوگا، امام بخاری نے یہ بتا دیا کہ دونوں کا میمنہ ایک ہے اور اس کی وجہ علامہ سندی نے یہ بیان کی ہے کہ جیسے مصلی کا چہرہ کعبہ کی طرف ہے اسی طرح مسجد کا چہرہ بھی کعبہ ہی کی طرف ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ محض امام و مسجد کے میمنہ کی وحدت بیان کرنے سے کیا حاصل نکلا؟ یا تو فضیلت بیان کریں یا کوئی حکم بیان کریں، چنانچہ بعض علماء نے اس ترجمہ کو حکم سے مربوط کیا ہے اور بعض نے فضیلت سے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مقتدی ایک ہو تو اس کا موقف میمنۃ الامام والمسجد ہے، اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس مقصد کے لئے ایک مستقل ترجمہ ص ۹۷ پر منعقد کیا ہے اور فرمایا بَاب يَقُومُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ بِحِذَائِهِ سَوَاءً إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ، پھر اسی کو یہاں دہرانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ مسئلہ اپنی مناسب جگہ پر آچکا ہے اور یہاں تو مسئلہ اور چل رہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری ترجمۃ الباب سے میمنۃ المسجد کی فضیلت ثابت کرنا ہے اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام اور مسجد کا میمنہ ایک ہے، امام کا میمنہ تو حدیث سے نصاً ثابت ہے اور مسجد کا میمنہ لزوماً ثابت ہے، اس لئے کہ جو امام کا میمنہ ہے وہی مسجد کا میمنہ ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر نے یہاں ایک اشکال کیا ہے کہ میمنۃ المسجد کی فضیلت اس صورت میں نکلتی ہے جبکہ ایک مقتدی ہو اور اگر بہت سے مقتدی ہوں جو امام کے یمین و یسار پر کھڑے ہوں تو اس صورت میں میمنۃ المسجد کی فضیلت حدیث سے ثابت نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ میمنۃ المسجد کی فضیلت ایک حقیقتِ واقعہ ہے جو اپنی جگہ ثابت ہے البتہ ابن عباسؓ کی

Maktaba Tul Ishaat.com

اس حدیث سے اس کا ظہور ہوا، اور اصلاً امام بخاری کے پاس میمنۃ المسجد کی فضیلت کے سلسلہ میں کوئی صریح روایت نہیں تھی ہاں یہ فضیلت ابن عباسؓ کی حدیث سے ثابت ہوتی تھی تو امام بخاری نے اسی سے میمنۃ المسجد کی فضیلت ثابت کردی، کیوں کہ امام ومسجد کا میمنہ ایک ہے اور جب امام کے میمنہ کی فضیلت ابن عباسؓ کی حدیث سے ثابت ہوئی تو اسی سے مسجد کے میمنہ کی فضیلت بھی ثابت ہوگئی۔

اور یوں میمنۃ المسجد کی فضیلت کی کئی صریح روایات بھی وارد ہوئی ہیں، ۱۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں كنا إذا صلّينا خلف النبي ﷺ أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه، رواه مسلم، ۲۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں قال رسول الله ﷺ إن الله وملائكته يصلّون على ميامن الصفوف، رواه أبوداؤد، قال ابن حجر: إسناده حسن، قلت: فيه أسامة بن زيد الليثي فيه كلام كثير لايحتمل تفرده۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے یہاں پہنچ کر دونوں باتوں کو لے لیا، یعنی انہوں نے ترجمہ کی غرض میں دو باتیں ذکر کردیں، ایک تو یہ کہ مقتدیِ واحد کا موقف یمین امام ہے، اور دوسرے یہ کہ میمنۃ المسجد ذوالفضیلۃ ہے، پہلی غرض بعید ہے اس کے لئے تو الگ ترجمہ آچکا، دوسری غرض البتہ اپنی جگہ واضح ہے اور مصنف نے اس کو ابن عباسؓ کی حدیث سے اس طریق سے ثابت فرمایا ہے جس کو ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔

ایک اشکال اور اسکا جواب: اس تقریر کا حاصل یہ نکلا کہ میمنۃ المسجد کو میسرہ پر فضیلت ہے حالانکہ بعض روایات سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے، امام ابن ماجہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے ابن عمرؓ کہتے ہیں قيل للنبي ﷺ إن ميسرة المسجد قد تعطّلت فقال رسول الله ﷺ من عمّر ميسرة المسجد كتب له كفلان من الأجر، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے جو صدوق ہے لیکن سیئ الحفظ ہے، اور اگر اس روایت کو ثابت مان لیا جائے تو اس کا تعلق امر عارض سے ہے جبکہ میسرۂ مسجد خالی ہورہا ہو۔

مزید یہ ہے کہ اگر تعمیر میسرہ پر دو اجر ملتے ہوں تو اس سے میسرہ کی میمنہ پر فضیلت نہیں نکلتی، کیوں کہ میمنہ والوں کے بارے میں حدیث میں ہے إن الله وملائكته يصلّون على ميامن الصفوف، اللہ اور اس کے ملائکہ میامن صفوف پر صلوۃ نازل کرتے ہیں، اللہ کی صلوۃ اللہ کی رحمت ہے اور فرشتوں کی صلوۃ دعاءِ رحمت ہے، اللہ کی ایک رحمت اگر ہوجائے تو بیڑا پار ہوجائے، ہزاروں اجر اس کے دامن میں آجائیں گے لہذا اس روایت کے مضمون کو تسلیم کرلینے کے باوجود میسرۃ المسجد کی میمنۃ المسجد پر کوئی فضیلت نہیں نکلتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۱۰۱) بَاب إِذَا كَانَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَبَيْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ أَوْ سُتْرَةٌ

وقال الحسن: لا بأس أن تصلي وبينك وبينه نهر. وقال أبو مجلز: يأتمّ بالإمام وإن كان بينهما طريق أو جدار إذا سمع تكبير الإمام.

۷۲۶. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ عَبْدَةُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فِي حُجْرَتِهِ وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيرٌ، فَرَأَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ أُنَاسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحُوا فَتَحَدَّثُوا بِذَلِكَ، فَقَامَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةِ فَقَامَ مَعَهُ أُنَاسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، صَنَعُوا ذَلِكَ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا حَتَّى إِذَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ، جَلَسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَخْرُجْ، فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذَلِكَ النَّاسُ فَقَالَ: إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ.

ترجمہ: باب، جب امام اور قوم کے درمیان کوئی دیوار یا آڑ حائل ہو۔

حسن بصری نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم نماز پڑھو جبکہ تمہارے اور امام کے درمیان نہر ہو، ابو مجلز نے فرمایا کہ امام کی اقتداء کر سکتا ہے گو امام و مقتدی کے درمیان راستہ یا دیوار حائل ہو اگر امام کی تکبیر کی آواز سن رہا ہو۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اپنے حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے اور حجرے کی دیوار نیچی تھی تو لوگوں نے رسول پاک ﷺ کے جسم کو دیکھا (یعنی جیسے اندھیرے میں کچھ کچھ محسوس ہوتا ہے) چنانچہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، پھر صبح ہوئی تو آپس میں اس بات کا چرچا ہوا، پھر آپ دوسری رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو پھر لوگ آپ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو گئے، دو یا تین راتوں تک لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور نماز کی جگہ نہیں آئے، پھر جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں رات کی نماز تم پر فرض نہ ہو جائے۔

تشریح: امام بخاری نے اس باب سے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر اختلافِ مکان ہو جائے، یا امام اور مصلیوں کے درمیان کوئی سترہ حائل ہو جس کی وجہ سے امام نظر نہ آتا ہو تو یہ مانع عن الاقتداء نہیں۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، حنفیہ فرماتے ہیں کہ اختلافِ مکان مانع ہے لیکن حائل مانع نہیں، امام مالک اور

Maktaba Tul Ishaat.com

امام شافعی فرماتے ہیں کہ حائل مانع ہے اختلافِ مکان مانع نہیں، امام احمد بن حنبل کا مذہب دونوں مسئلوں میں دونوں قول ہیں، اختلافِ مکان میں بھی ان کے اصحاب کے دونوں قول ہیں، جیسے حنابلہ کی ایک جماعت منع کی قائل ہے ایسے ہی ایک جماعت بلکہ اکثر حنابلہ اباحت کے قائل ہیں، اسی طرح حائل کی صورت میں بھی امام احمد بن حنبل سے دو روایتیں ہیں، ایک منع کی ہے اور دوسری اباحت کی۔

حضرت امام بخاری کا خیال یہ ہے کہ نہ اختلافِ مکان مانع ہے اور نہ ہی حائل مانع ہے، حائل کے عدم منع کو تو امام بخاری نے روایت مرفوعہ سے ثابت کیا ہے، اور اختلافِ مکان کے غیر مانع ہونے کو آثار سے بیان فرمایا ہے اگرچہ آثار اپنی جگہ مثبت نہیں ہوتے کہ تابعی کے اقوال کسی کے یہاں بھی حجت نہیں ہے، لیکن امام بخاری کے پیش نظر یہ امر ہے کہ جب امام اور مقتدی کے درمیان حیلولت ہوگئی تو گویا دونوں کا مکان بدل گیا لہذا جب حیلولت مانع نہیں تو اختلافِ مکان بھی مانع نہیں ہوگا۔

حضرات حنفیہ کے پیش نظر یہ امر ہے کہ اقتداء کے واسطے امام و مقتدی کا مکان ایک ہونا چاہئے، اور جب مکان ہی بدل گیا تو پھر اقتداء کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ہاں البتہ اگر اتصال صفوف ہو تو پھر منع مرتفع ہو جائے گا اور اقتداء صحیح ہو جائے گی، جیسے جامع مسجد میں نماز ہوتی ہے، اب اگر جامع مسجد کے اندر کی ساری صفوف پُر ہوگئیں تو صحن میں صفوف لگ جاتی ہیں اور وہاں سے دالان اور کمروں میں مسلسل صفیں لگانا شروع کر دیں حتی کہ سڑکوں پر بھی نماز پڑھی تو کوئی حرج کی بات نہیں، رہا حائل ہونے کے باوجود نماز کا ہونا روایت سے بالتصریح معلوم ہوتا ہے لہذا جائز ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَأْسَ أَنْ تُصَلِّيَ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَهُ نَهْرٌ: حسن بصری فرماتے ہیں تمہارے اور اس کے یعنی امام کے درمیان نہر ہو، امام صاحب اُس پار ہو اور مقتدی صاحب اِس پار ہو تو یہ اقتداء جائز ہے، یہ مسئلہ مسائل مجتہد فیہا میں سے ہے۔

وَقَالَ أَبُو مِجْلَزٍ يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا طَرِيقٌ أَوْ جِدَارٌ: ابو مجلز کہتے ہیں کہ امام کی اقتداء کرے چاہے درمیان میں راستہ یا دیوار ہو، معلوم ہوا کہ اختلافِ مکان اس میں مانع نہیں۔

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فِي حُجْرَتِهِ: اس حجرہ میں دو احتمال ہیں، یا تو اس سے

Maktaba Tul Ishaat.com

وہ حجرہ مراد لیا جائے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں چٹائی کا اپنے اعتکاف کے لئے بنا لیتے تھے، یا اس سے مکان کا حجرہ مراد لیا جائے، یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ آگے ہے وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيرٌ حجرہ کی دیوار چھوٹی تھی، اور دیوار مکان کے حجرہ میں تھی، مسجد میں جو آپ چٹائی کا حجرہ بناتے تھے وہاں دیوار نہیں تھی، ابو نعیم اصفہانی کی مستخرج میں اسی حدیث میں ہے کان یصلی فی حجرۃ من حجر أزواجه حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے بعض حجروں میں نماز پڑھ رہے تھے۔

لیکن امام بخاری نے اس کے بعد جو روایت بطریق ابن ابی ذئب عن المقبری عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن عن عائشۃ نقل کی ہے اس میں ہے أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ لَهُ حَصِيرٌ يَبْسُطُهُ بِالنَّهَارِ وَيَحْتَجِرُهُ بِاللَّيْلِ، اور اس کے بعد زید بن ثابتؓ کی روایت آرہی ہے اس میں ہے أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتَّخَذَ حُجْرَةً قَالَ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ مِنْ حَصِيرٍ فِي رَمَضَانَ، الخ، یہ دونوں احتمال اول کی مؤید ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اب یا تو یہ کہا جائے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں، یا پھر یہ کہا جائے کہ روایۃ الباب میں جِدَارُ الْحُجْرَةِ کا اطلاق مجازی ہے، اور اس سے مراد وہ جدار ہے جو چٹائی کی بن جایا کرتی تھی، اور اس پر دیوار کا اطلاق اس لئے کر دیا گیا کہ وہ حاجب و محاجب ہونے میں دیوار کے قائم مقام ہوتی تھی۔

وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيرٌ: حجرہ شریفہ کی دیوار چھوٹی تھی، اگر اس سے حقیقی حجرہ مراد ہو تو معلوم ہو گیا کہ ازواج مطہرات کے حجرات کی دیواریں چھوٹی تھیں، اور یہ بات تاریخی حیثیت سے مشہور و معروف ہے، حضرت امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت حسن بصری سے ایک اثر نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں ازواج مطہرات کے مکانوں میں داخل ہوا کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے اس کی چھت چھو لیا کرتا تھا، اسی طرح امام بخاری نے الادب المفرد ہی میں ایک اثر اور نقل کیا ہے داؤد بن قیس سے وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج کے حجرات دیکھے ہیں کھجور کی شاخوں کے بنے ہوئے تھے اوپر سے اس کے ٹاٹ بالوں کا لگا ہوا تھا، اور پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ باب، حجرہ سے لیکر باب بیت تک چھ سات ذراع کا فاصلہ تھا اور اندر جو کوٹھری تھی وہ دس ذراع کی تھی اور اس کی بلندی کچھ سات آٹھ ذراع تھی۔

فَرَأَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کو دیکھ لیا، دیوار چھوٹی تھی

Maktaba Tul Ishaat.com

اس لئے آنحضور ﷺ کا سر مبارک نظر آگیا، پس لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔

فَقَامَ أُنَاسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ: یہ ہے مقصود بالترجمہ۔

فَقَامَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةَ: اگلی رات جب حضور ﷺ نے قیام کیا تو پھر لوگوں نے اقتداء کرلی، پھر تیسری رات میں بھی یہی ہوا، حضور اکرم ﷺ اس کے بعد نکلے نہیں، یعنی آنحضور ﷺ نے اس معہود مکان میں نماز ادا نہیں فرمائی اور جب صبح ہوگئی تو لوگوں نے اس کا تذکرہ کیا اور پوچھا کہ آج کیا بات پیش آئی؟ تو آپ نے فرمایا إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں تم پر صلوۃ اللیل فرض نہ کر دی جائے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ لیلۃ المعراج میں تو اللہ تعالیٰ نے پچاس کی پانچ کر دی تھی اور رخصت کرتے ہوئے یوں فرمادیا تھا هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، یہ شمار کے اندر تو پانچ ہیں اور ثواب کے اندر پچاس ہیں، میرے یہاں قول میں تغیر و تبدیلی نہیں ہوتی ہے، جب یہ کہہ دیا گیا تھا لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ تو پھر سرکار دوعالم ﷺ کو یہ خوف کیوں درپیش ہوا کہ شاید صلوۃ اللیل فرض نہ کر دی جائے؟ علماء نے اس کے مختلف انداز میں مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) نمازوں کی کمی حضور ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے ہوئی تھی، اب اگر امت ہی اس کو نہ مانے اور اپنے طور پر کسی نماز کا اہتمام کرنے لگے تو کیا عجب ہے کہ اس کمی کو اٹھالیا جائے اور پھر نماز فرض کر دی جائے۔

(۲) حضور ﷺ کو خطرہ یہ نہیں ہوا تھا کہ اللہ میاں اپنی طرف سے کوئی اضافہ مقرر کر دیں گے بلکہ خطرہ یہ ہوا تھا کہ چونکہ میری امت میری اقتداء کی مامور ہے اور اگر ان لوگوں نے کہیں میرے اقتداء کا انتظام واہتمام شروع کر دیا تو یہ انتظام واہتمام کہیں اللہ کے یہاں ایجاب کا سبب نہ بن جائے اور حق تعالیٰ ان کی رغبت دیکھ کر کے ان کی رغبت کی وجہ سے ان پر فرض کر دے۔

(۳) حضور ﷺ کو یہ خطرہ نہ ہوا ہو کہ کہیں لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ منسوخ کر کے اللہ تعالیٰ مزید کوئی فرض مقرر کر دے، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ النسخ لا یعتبر بالأخبار اور لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ از قبیل اخبار ہے۔

(۴) چوتھا جواب علامہ کرمانی نے دیاوہ فرماتے ہیں کہ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ کا مطلب یہ ہے کہ میرے یہاں پانچ سے کمی نہیں ہوگی، یہ مطلب تھوڑے ہے کہ اس میں اضافہ نہیں ہوسکتا ہے؟ لیکن ظاہر الآیہ سے معلوم

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتا ہے کہ عدم التبدیل کا تعلق زیادتی اور نقصان دونوں ہی سے ہے۔

(۵) ایک جواب حافظ ابن حجر نے دیا کہ اسکا مطلب یہ ہو کہ رمضان شریف میں قیام فرض کر دیا جائے۔

(۶) ایک جواب اور حافظ نے دیا کہ ممکن ہے کہ مسجد میں قیام کو فرض کر دیا جائے۔

(۷) ایک جواب انہوں نے اور دیا کہ فرض کفایہ نہ بنا دیا جائے۔

(ص ۱۰۱) بَاب صَلاَةِ اللَّيْلِ

۷۲۷. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ قَالَ: نَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَهُ حَصِيرٌ يَبْسُطُهُ بِالنَّهَارِ وَيَحْتَجِرُهُ بِاللَّيْلِ، فَثَابَ إِلَيْهِ نَاسٌ فَصَفُّوا وَرَاءَهُ.

۷۲۸. حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ: نَا وُهَيْبٌ قَالَ: نَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اتَّخَذَ حُجْرَةً - قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: مِنْ حَصِيرٍ - فِي رَمَضَانَ، فَصَلَّى فِيهَا لَيَالِيَ، فَصَلَّى بِصَلاَتِهِ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَلَمَّا عَلِمَ بِهِمْ جَعَلَ يَقْعُدُ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: قَدْ عَرَفْتُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلاَةِ صَلاَةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلاَّ الْمَكْتُوبَةَ.

۷۲۹. وَقَالَ عَفَّانُ: نَا وُهَيْبٌ قَالَ: نَا مُوسَى قال: سَمِعْتُ أَبَا النَّضْرِ عَنْ بُسْرٍ عَنْ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، رات میں نماز پڑھنے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بوریہ تھا جس کو آپ دن کے وقت بچھا لیا کرتے تھے اور رات کے وقت اس سے رکاوٹ کھڑی کر لیتے تھے، چنانچہ رات کے وقت لوگ اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے آپ کے پیچھے صف بنا کر نماز ادا کی۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے رمضان میں ایک حجرہ بنا لیا تھا، راوی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ فرمایا تھا کہ وہ حجرہ بوریہ سے بنایا گیا تھا، پھر آپ ﷺ نے اس حجرہ میں کئی راتوں تک نماز پڑھی، تو آپ کے صحابہ میں سے بہت سے لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، جب آپ کو ان لوگوں کے بارے میں علم ہوا تو آپ نے بیٹھ جانا شروع کر دیا، پھر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہارا جو عمل دیکھا وہ میرے علم میں آیا، اس لئے اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو، اس لئے کہ بے شک فریضہ کے علاوہ انسان کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھے۔

بخاری نے اسی روایت کے لئے دوسری سند وقال عفان سے پیش کی ہے۔

تشریح: یہ باب اسی طرح مستملی کے نسخہ میں واقع ہوا ہے، اور تمام نسخ بخاری اس ترجمہ اور اس باب کے ذکر کرنے سے خالی ہیں، امام اسماعیلی اور اکثر شراح نے یہ باب ذکر نہیں کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ سیاق کا بھی یہی مقتضی ہے اس واسطے کہ حضرت امام بخاری نے اس سے پہلے ابوابِ صفوف ذکر کئے ہیں اور بَاب إِذَا كَانَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَبَيْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ أَوْ سُتْرَةٌ صرف یہ بتلانے کے لئے ذکر فرمایا ہے کہ آیا اختلافِ مکان اور حائل کا ہونا یہ مانع عن الصلاۃ اور مانع عن الاقتداء ہے یا نہیں؟ مصنف نے بتلا دیا کہ ان میں سے کوئی بھی مانع نہیں ہے، لہٰذا یہاں پر صلوۃ اللیل کا ترجمہ ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، امام بخاری نے صلوۃ اللیل سے متعلق تو مستقل ابواب کتاب التہجد میں منعقد فرمائے ہیں تو پھر یہاں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث بالا میں جو آخر میں صلوۃ اللیل کا ذکر وارد ہوا ہے یہ اصل میں بعض نسخوں میں مکرر ہو گیا ہے اس کو بعض ناسخین نے یہ سمجھا کہ یہ کوئی مستقل ترجمہ ہے اس لئے باب کا لفظ بڑھا دیا اور باب صلوۃ اللیل بن گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ امام بخاری جماعت فی النوافل کا جواز بیان کرنا چاہتے ہیں گویا حنفیہ پر رد کرنا چاہتے ہیں، اس میں اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے نوافل کی جماعت کا مسئلہ تو آگے چل کر ابواب نوافل میں ص ۱۵۸ پر باب صلوۃ النوافل جماعۃ کا مستقل طور پر ذکر کیا ہے۔

بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے یہاں پر صلوۃ اللیل بالجماعۃ کا مسئلہ بیان کیا ہے اور آئندہ ابواب تہجد میں مصنف نے صلوۃ اللیل کا تذکرہ بایں معنی کیا ہے کہ وہاں اس کا حکم اور اس کے اداء کی کیفیت بیان کریں گے اور یہ کہ کس طرح سے پڑھی جائے، مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ پھر یہ باب ذکر نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنا چاہئے تھا، یہاں ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ مصنف نے ضمنی طور پر صلاۃ اللیل کی نسبت سے یہ ترجمہ منعقد کر دیا، لیکن اتنی مناسبت یہاں ذکر کرنے کے لئے کافی نہیں۔

علامہ ابن رشید وغیرہ بعض شراح کہتے ہیں کہ اصل میں حضرت امام بخاری نے ما قبل میں یہ بیان فرمایا تھا کہ حائل مانع عن الاقتداء نہیں ہے، اب اسی مسئلہ کو پھر دوسرے انداز میں ثابت کرتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اقتداء فی ظلمۃ اللیل ایسا ہی ہے جیسے اقتداء وراء الحائل ہو، اور جب اقتداء وراء الحائل جائز ہے تو اقتداء فی ظلمۃ اللیل بھی جائز ہے۔

بعض علماء نے ایک اور تطبیق دی وہ یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اقتداء وراء الحائل جائز ہے جیسے اقتداء فی ظلمۃ اللیل جائز ہے، اس لئے کہ جیسے اقتداء وراء الحائل کی صورت میں امام نظر نہیں آتا ایسے ہی رات کی تاریکی میں بھی نظر نہیں آیا کرتا ہے، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، لیکن مجھ کو اس پر اشکال یہ ہے کہ اگر حضرت امام بخاری کا یہی مقصود ہوتا تو باب صلوۃ اللیل کیوں فرماتے؟ باب الاقتداء فی الظلمۃ فرماتے یا باب الاقتداء فی اللیل فرماتے، معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ باب ثابت نہیں ہے کما مال إلیه الحافظ ابن حجر العسقلانی۔

-------کتاب الاذان کا-----------

------أبواب صلاۃ الجماعۃ والإمامۃ-----------

تمام ہوا

Maktaba Tul Ishaat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

[أَبْوَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ]

(ص ۱۰۱) بَابُ إِيجَابِ التَّكْبِيرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

۷۳۰. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَكِبَ فَرَسًا فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، وَقَالَ أَنَسٌ: فَصَلَّى لَنَا يَوْمَئِذٍ صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، ثُمَّ قَالَ لَمَّا سَلَّمَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ.

۷۳۱. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: نَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: خَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ، فَصَلَّى لَنَا قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا مَعَهُ قُعُودًا، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: إِنَّمَا الْإِمَامُ أَوْ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا.

۷۳۲. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا،

Maktaba Tul Ishaat.com

وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ.

ترجمہ: باب، تکبیر کے واجب ہونے اور نماز کے شروع کرنے کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور آپ کا داہنا پہلو چھل گیا، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ پھر آپ نے اس دن نمازوں میں سے کوئی نماز ہمیں بیٹھ کر پڑھائی اور ہم نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر آپ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ امام کو امام بنایا ہی صرف اس لئے جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس لئے جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع میں جائے تو تم رکوع کرو اور جب وہ رکوع سے سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سے گر گئے اور آپ کے جسم اطہر کا کوئی حصہ چھل گیا، پھر آپ نے بیٹھ کر ہمیں نماز پڑھائی اور ہم نے بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ امام کو امام بنایا ہی صرف اس لئے جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس لئے جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب رکوع سے سر اٹھائے تو سر اٹھاؤ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو ربنا ولک الحمد کہو اور جب سجدہ کرے تو سجدہ کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کو امام بنایا ہی صرف اس لئے جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس لئے جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

تشریح: حضرت امام بخاری اذان، اقامت، جماعت، امامت اور صفوف کے مسائل سے فارغ ہو گئے، اب یہاں سے صفۃ الصلاۃ کے تراجم ذکر فرما رہے ہیں۔

إیجاب التکبیر، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں ایجاب وجوب کے معنیٰ میں ہے کیوں کہ ایجاب تو خطاب شارع کو کہتے ہیں اور وجوب کا تعلق مکلف سے ہوتا ہے۔

وافتتاح الصلاۃ، یہ واو عاطفہ ہے، افتتاح الصلاۃ کا إیجاب پر عطف ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ التکبیر پر عطف ہو، پہلی صورت میں تکبیر کا وجوب اور دوسری صورت میں تکبیر اور دعاءِ افتتاح دونوں کا وجوب ثابت ہو گا، لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر افتتاح سے مراد دعاءِ افتتاح ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ إیجاب پر عطف ہو اس لئے کہ دعاءِ افتتاح واجب نہیں ہے، یہ مسئلہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ باب مایقرأ بعد التکبیر ص ۱۰۲ کے ذیل میں بیان کروں گا، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ واو 'مع' کے معنیٰ میں

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے، یعنی إیجاب التکبیر مع افتتاح الصلاۃ کیوں کہ افتتاح صلاۃ سے مراد شروع صلوۃ ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ واو 'باء' کے معنیٰ میں ہے یالام تعلیلیہ کے معنیٰ میں ہے، وکلا التوجیهین بعیدان، ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ واو عاطفہ ہو اور افتتاح الصلوۃ کا عطف التکبیر پر عطف تفسیری ہو، کیوں کہ تکبیر سے مراد تکبیر افتتاح ہے ولکن الأقرب ماقاله الحافظ وما اختاره، امام بخاری کا اس وقت مقصد یہ ہوگا کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کہنا واجب ہے۔

ہمارے حضرت اقدس شیخ نور اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا یہ ترجمہ افتتاح الصلوۃ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرات فقہاء کرام اپنی کتابوں میں صفۃ الصلوۃ کا ترجمہ منعقد کرتے ہیں، یا امام ابوداؤد نے استفتاح الصلوۃ کا ترجمہ منعقد کیا ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر ایجاب التکبیر اس کے بعد میں ہونا چاہئے تھا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ ممکن ہے امام بخاری نے ایجاب کو مقدم فرماکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ تکبیر تحریمہ رکن صلوۃ نہیں ہے بلکہ شرط صلوۃ ہے۔

تکبیر تحریمہ میں تین مسئلے ہیں، اول اس کا حکم کیا ہے؟ دوم اس کے الفاظ کیا ہیں؟ سوم کتنی بار کہی جائے گی؟

المسئلة الأولى: تکبیر تحریمہ کا حکم کیا ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔

جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے (شرح مہذب ۳/۲۹۰)، پھر ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ۱رکن ہے، یہی حنفیہ میں سے بعض کی رائے ہے جس کو امام ابو جعفر طحاوی نے اختیار کیا ہے، ۲حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ شرط ہے، یہی شافعیہ کے یہاں ایک وجہ ہے، ۳بعض علماء فرماتے ہیں کہ سنت ہے۔

امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ امام ابن شہاب زہری کے علاوہ کوئی سنیّت کا قائل نہیں ہے، بعض علماء نے حضرت سعید بن مسیب، اوزاعی اور امام مالک سے سنیت کا قول نقل کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات میں سے کوئی بھی سنیت کا قائل نہیں ہے نہ کسی نے سنیت ہونے کی تصریح کی ہے۔

امام ابوالحسن کرخی نے ابن علیہؒ اور ابوبکر بن کیسان الاصم سے سنیت کا قول نقل کیا ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے نہ معلوم کتنے مسائل میں جمہور کی مخالفت کی ہے اس لئے یہاں اگر مخالفت کریں تو کیا ہوا۔

اصل میں ان حضرات نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے جس سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی نماز کے

Maktaba Tul Ishaat.com

لئے آئے اور امام رکوع میں جاچکا ہو اور آنے والا تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے تو یہ تکبیر کافی ہو جائے گی؟ اس سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان حضرات کے یہاں تکبیرِ تحریمہ سنت ہے، یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ تکبیر تحریمہ ہی ہوگی، اس کے ضمن میں تکبیرِ رکوع ادا ہو جائے گی، یہی ابن ابی شیبہ (۳۱۸/۱) نے ابن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، عروہ، مجاہد، عطاء، سعید بن المسیب، حسن بصری وغیرہ سے اور علامہ موفق الدین صاحب المغنی (۵۴۴/۱) اور شمس الدین بن ابی عمر صاحب الشافی (۹/۱) نے ائمہ اربعہ سے نقل کیا ہے ونقله أبو داود فی مسائله عن أحمد (ص ۳۵)۔

پھر عمر بن عبد العزیز، محمد بن سیرین، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن دو تکبیر ضروری کہتے ہیں، بلکہ ابن سیرین اور ابو سلمہ تو کہتے ہیں کہ ایک تکبیر کافی نہ ہوگی۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ رکن ہے وہ حضرت علیؓ کی حدیث مِفْتَاحُ الصَّلاةِ الطُّهورُ وَتَحرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحلِيلُهَا التَّسْلِيمُ، رواه أبو داود والترمذی والحاکم وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں، اور جو حضرات شرطیت کے قائل ہیں وہ آیت کریمہ ﴿وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ سے استدلال کرتے ہیں۔

المسئلة الثانية: تکبیر کے الفاظ کیا ہیں؟

۱۔ حضرت امام مالک، امام احمد اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ صرف اللہ أکبر ہے۔

۲۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ الأکبر سے بھی فرض ادا ہو جائے گا، قال الشافعی فی الأم (۱۹۹/۱) لأن زیادة الألف واللام لاتحیل معنی التکبیر، انتهی، وقال أبو إسحاق الشیرازی (۲۹۱/۳) لأنه زاد زیادة لاتحیل المعنی۔

۳۔ قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ اللہ الکبیر سے بھی فرضیت ادا ہو جائے گی اس لئے کہ اللہ پاک کے صفات میں افعل اور فعیل دونوں ہم معنیٰ آتے ہیں، یہ تینوں الفاظ صاحب تحفۃ الفقہاء اور صاحب ہدایہ نے نقل کئے ہیں، اور سرخسی (۳۶/۱) اور کاسانی صاحب بدائع نے اللہ کبیر بھی نقل کیا ہے۔

۴۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ہر وہ ذکر جو تعظیم خالص پر دلالت کرتا ہو اور اسمیں کسی غرض کی آمیزش نہ ہو اس سے فرضیت ادا ہو جائے گی، جیسے اللہ أجلّ، الرحمٰن أعظم وغیرہ، اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے پیشرو ابراہیم نخعی اور عامر شعبی ہیں، ابو العالیہ سے ایک اثر نقل کیا جاتا ہے اس سے یہ مضمون نکلتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے لئے اللہ أکبر کہنا ضروری ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے نماز اللہ أکبر ہی سے شروع کرنا منقول ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان یفتتح الصلوۃ بالتکبیر، رواہ مسلم، اسی طرح سے حدیثِ مسیئ فی الصلوۃ میں جو احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور حاکم نے رفاعہ بن رافعؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان وارد ہے إِنَّهَا لَا تَتِمُّ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فَيَغْسِلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَيَمْسَحَ بِرَأْسِهِ وَرِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَيُكَبِّرَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، اور طبرانی کی روایت میں ہے ثم یقول اللہ أکبر، اور ابوہریرہؓ کی حدیث مسیئ فی الصلوۃ کے قصہ میں ہے إذا قمت إلی الصلوۃ فکبر رواہ الشیخان اور ابوحمید ساعدی کی حدیث میں ہے کان رسول اللہ ﷺ إذا قام إلی الصلوۃ اعتدل قائما ورفع یدیہ ثم قال اللہ أکبر، رواہ ابن ماجہ وصححہ ابن خزیمۃ وابن حبان۔

حضرات احناف کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾، تکبیر کے معنیٰ تعظیم و تمجید کے ہیں أی وربک فعظم، لہٰذا جو لفظ بھی تمجید و تعظیم پر دلالت کرے گا وہ کافی ہو جائے گا، اسی طرح اللہ پاک نے قرآن پاک میں ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾ ارشاد فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً ذکر کا مطالبہ ہے لیکن لفظ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ذکر ہو جو تعظیم خالص پر دلالت کرتا ہو۔

اب احادیث سے جو چیز ثابت ہے وہ واجب کے درجہ میں ہوگی، کیوں کہ حضرات احناف کا طرز استدلال میں یہ ہے کہ اگر دلیل قطعی الثبوت والدلالۃ ہو تو کہتے ہیں کہ باب امر میں اس سے فرضیت اور باب نہی میں اس سے حرمت ثابت ہوگی، اور اگر قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ ہو یا قطعی الدلالۃ ظنی الثبوت ہو تو باب امر میں وجوب یا سنت مؤکدہ ثابت ہوگی اور باب نہی میں کراہت تحریمی، اور اگر دلیل ظنی الدلالۃ ظنی الثبوت ہو تو جانب امر میں استحباب اور جانب نہی میں کراہت تنزیہی ثابت ہوگی۔

اس کے پیشِ نظر حضرات احناف فرماتے ہیں کہ اللہ أکبر کہنا اخبار آحاد میں وارد ہوا ہے، لہٰذا وہ ظنی الثبوت ہے اگرچہ قطعی الدلالۃ ہے اس لئے ان سے وجوب ہی ثابت ہوگا، لہٰذا تکبیر یعنی اللہ أکبر کہنا احناف کے مشہور مسلک پر واجب ہوا اور قدرت کے باوجود ان کا چھوڑنا مکروہ ہے صرح بہ السرخسی۔

لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کی ظنیت تسلیم نہیں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی حکایت کرنے والے تمام صحابہ ابتداء میں تکبیر نقل کرتے ہیں تو یہ چیز تو استفاضہ بلکہ حد تواتر میں داخل ہو جاتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

میرا خیال یہ ہے کہ یہاں ائمہ کرام کی اجتہادی نظر واقع ہوئی ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نے ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾ پر نظر کی اور مطلق ذکر کو کافی سمجھا اور حضرات جمہور نے یہ دیکھا کہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام قرآن کے شارح ہیں اور آپ نے ساری عمر نماز پڑھی تو اللہ أکبر ہی کہا، تو معلوم ہوا کہ اس ذکر سے مراد اللہ أکبر ہے، ﴿وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾۔

المسئلة الثالثة: تکبیر ایک مرتبہ ہوگی یا تین مرتبہ؟ حضرات جمہور فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ، قاضی ابو الطیب الطبری اور عبدری وغیرہ نے روافض سے نقل کیا ہے کہ تکبیر تین مرتبہ کہی جائے گی، وقال الإمام النووی (۳/۴۰۴): هذا خطأ ظاهر، وهو مردود بنفسه غير محتاج إلى دليل على رده۔

لیکن امام احمد اور ابن خزیمہ (۱/۲۳۸) وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے کان رسول اللہ ﷺ إذا قام من الليل إلى الصلوة كبر ثلاثا ثم قال: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تین مرتبہ کہی جائے گی۔

مگر امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی بھی ایسا معلوم نہیں ہے جس نے اس حدیث کو علیٰ وجہہ استعمال کیا ہو یعنی پہلے تین مرتبہ تکبیر کہی ہو پھر سبحانك اللهم، الخ پڑھا ہو۔

امام بخاری نے اس باب میں تین روایات ذکر کی ہیں، دو حضرت انسؓ کی اور ایک حضرت ابو ہریرہؓ کی۔

امام اسماعیلی نے امام بخاری پر دو اعتراض کئے، ۱ پہلی حدیث میں تو تکبیر کا ذکر ہی نہیں ہے ۲ اور دوسری وتیسری میں اگرچہ تکبیر کا ذکر ہے لیکن ایجاب کا ذکر نہیں ہے، اس میں صرف فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مقتدی کی تکبیر امام کی تکبیر کے بعد ہونی چاہئے، اور اگر یہ ایجاب پر دلالت کرتا ہے تو وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کی وجہ سے ربنا لك الحمد کہنا بھی واجب ہونا چاہئے۔

جواب اعتراض اول: حضرت امام بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت دو طریق سے نقل کی ہے، ایک میں اختصار واقع ہوا ہے اس میں تکبیر کا ذکر نہیں ہے اور دوسرے میں اختصار نہیں اور تکبیر کا ذکر ہے، لہذا بخاری نے روایت مفصلہ کو پیش نظر رکھا ہے، اور امام بخاری نے شعیب اور لیث دونوں کا طریق اس لئے ذکر فرمایا کہ دونوں کا طریق ایک ہی حدیث کے متعلق ہے، اور شعیب کا طریق اس لئے ذکر فرمایا کہ اس میں زہری نے أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ کہا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جواب اعتراض ثانی: ۱۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی نمازِ فرض کا بیان ہے، اور آپ نے ارشاد فرمایا صلّوا کما رأیتمونی أصلّی اور آپ نے ابتداء میں تکبیر کہی ہے لہذا تکبیر کہنا واجب اور فرض ہوگی۔

۲۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مقصود فی الجملہ تکبیر کی فرضیت ثابت کرنا ہے اور وہ روایت سے ثابت ہے، اس لئے کہ روایت میں ہے فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، تو مقتدی کے حق میں فَكَبِّرُوا کے امر کی وجہ سے فرضیت ثابت ہوگئی اور امام کا مسئلہ مسکوت عنہ رہا۔

۳۔ اور ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام کے حق میں بھی فرضیت روایت سے نکلتی ہے، کیوں کہ حدیث میں إذا کا لفظ آیا ہے جو تحقق و قوع پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن حضرت علامہ سندی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کی تکبیر امام کی تکبیر کے بعد ہونی چاہئے اس سے فرضیت کہاں نکلتی ہے؟ اور اگر اس سے بھی فرضیت نکل سکتی ہے تو تمام تکبیرات فرض ہونی چاہئیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس اشکال کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہاں ممکن ہے کہ ساری تکبیرات امام بخاری کے نزدیک فرض ہوں جیسے ان کے استاذ امام اسحاق بن راہویہ ربنا لک الحمد کو فرض کہتے ہیں، اس سے تیسرے اشکال کا جواب بھی مل گیا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: اس حدیث میں ہے فَرَكِبَ فَرَسًا فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ۔

میں کئی بار بیان کر چکا ہوں کہ یہ واقعہ سن ۵ ہجری ذی الحجہ کا ہے جیسا کہ امام ابوحاتم بن حبان بستی نے اپنی صحیح میں تصریح فرمائی ہے، اس روایت میں شقه الأیمن ہے، بعض روایت میں ساقه الأیمن اور بعض میں کتف کا لفظ وارد ہوا ہے، اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، شق کا لفظ عام ہے اور ساق اور کتف کا لفظ خاص ہے، عام بول کر خاص مراد لیا گیا ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۱۰۲) بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مَعَ الِافْتِتَاحِ سَوَاءً

۷۳۳. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ أَيْضًا وَقَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ.

ترجمہ: باب، تکبیرۂ اولیٰ (تحریمہ) میں نماز شروع کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ اٹھانے کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں مونڈھوں تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع کے لئے اللہ اکبر کہتے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی دونوں ہاتھوں کو اسی طرح اٹھاتے، اور سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا ولک الحمد کہتے، اور آپ سجدہ میں اس طرح نہیں کیا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے رفع یدین کے متعلق چار تراجم منعقد کئے ہیں۔

(۱) بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مَعَ الِافْتِتَاحِ سَوَاءً۔

(۲) بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ۔

(۳) بَاب إِلَى أَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ۔

(۴) بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ۔

رفع یدین کے متعلق ترتیب وار قدرے تفصیل کے ساتھ میں سات مسائل بیان کروں گا۔

(۱) رفع یدین عند التحریمہ کی مشروعیت، (۲) اس رفع یدین کا حکم کیا ہے (۳) رفع یدین کا وقت کیا ہے (۴) رفع یدین کی مقدار کیا ہوگی (۵) مرد وعورت کے مقدار رفع میں کوئی فرق ہے یا نہیں (۶) رفع یدین میں کیا حکمت ہے (۷) رفع یدین کتنی جگہوں میں مستحب ہے۔

المسئلة الأولى، رفع یدین عند التحریمہ کی مشروعیت: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی مشروعیت پر اجماع ہے، ابن منذر، ابن عبد البر، ابن حزم ظاہری نے اسی طرح اجماع نقل کیا ہے، علامہ

Maktaba Tul Ishaat.com

عبدری نے زیدیہ کا اختلاف نقل کیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہے، علامہ شوکانی نے اس پر رد کیا ہے اور یہ فرمایا کہ زیدیہ کا اختلاف نقل کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ زیدیہ کے امام زید بن علی نے اپنی کتاب المجموع میں رفع یدین عند تکبیر التحریمہ کے استحباب کی تصریح فرمائی ہے۔

المسئلة الثانية، اس رفع یدین کا حکم کیا ہے؟ جمہور فرماتے ہیں کہ رفع یدین عند التحریمہ سنت مؤکدہ ہے، امام اوزاعی، امام حمیدی استاذ بخاری، امام داؤد ظاہری، ابن خزیمہ، احمد بن سیار سیاری اور ابو محمد بن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ فرض ہے۔

حافظ ابن عبد البر اندلسی فرماتے ہیں کہ جو لوگ وجوب کے قائل ہیں ان میں کوئی بھی ترک کی وجہ سے بطلان صلوۃ کا قائل نہیں، صرف اوزاعی اور حمیدی ایک روایت میں بطلان صلوۃ کے قائل ہیں، قال العبد الضعيف هكذا رأى الإمام أحمد بن سيار السيارى المروزى الفقيه الشافعي والإمام أبو محمد بن حزم الظاهرى، اور حافظ ابن قیم نے بدائع الفوائد میں امام محمد بن سیرین سے ترک رفع عند التحریمہ کی صورت میں اعادہ کا قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ میرے علم میں ان کے علاوہ کوئی بھی اعادۂ صلوۃ کا قائل نہیں ہے، تو ابن سیرین بھی رفع کے وجوب اور شرطیت کے قائل نکلے، لیکن یہ نقل بظاہر وہم ہے۔

حضرت امام اعظم سے تین قول نقل کئے ہیں، ۱۔ بعض احناف نے حضرت امام اعظم سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی رفع یدین تحریمہ کے وقت چھوڑ دے گا تو گناہ گار ہو گا، ۲۔ ایک قول امام صاحب سے منقول ہے کہ لا يأثم، ۳۔ ایک قول یہ نقل کیا گیا ہے إن اعتاد أثم وإلا فلا، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ پہلے دونوں قول کا محمل اس تیسرے قول کی دونوں شقیں ہیں، یعنی امام اعظم سے جو تاثیم کا قول منقول ہے وہ ترک کی عادت بنانے کی صورت میں ہے اور عدم تاثیم کا قول کا تعلق عدم اعتیاد سے ہے، اتفاقاً اگر کسی نے چھوڑ دیا تو گناہ گار نہ ہو گا۔

دليل الوجوب لابن حزم الظاهرى: علامہ ابن حزم ظاہری نے وجوب کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے اور جتنے صحابہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی نماز کا تذکرہ کرتے ہیں وہ سب رفع عند التحریمہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ابن عمرؓ سے صحاح ستہ میں، مالک بن حویرثؓ سے صحیحین میں، وائل بن حجرؓ سے صحیح مسلم اور سنن میں، حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے مسند احمد و بخاری اور سنن اربعہ میں، حضرت علیؓ سے نسائی کے علاوہ باقی سنن اربعہ

Maktaba Tul Ishaat.com

میں، اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین رفع عندالتحریمہ نقل کرتے ہیں۔

صاحب ہدایہ نے بھی مواظبت ہی سے سنیت پر استدلال کیا ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر مواظبت ہو اور ترک ثابت نہ ہو تو یہ وجوب کی دلیل ہوگی اور حضرت رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھی اسکا ترک ثابت نہیں ہے، پھر احناف کے اصول کے مطابق رفع عندالتحریمہ واجب ہونا چاہئے۔

علامہ ابن ہمام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مواظبت بلاترک یقیناً دلیل وجوب ہے لیکن اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ مواظبت وجوب کی بناء پر نہیں ہے تو اس صورت میں صرف مواظبت سے وجوب ثابت نہ ہوگا، اور یہاں دلیل موجود ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مواظبت علی سبیل الوجوب نہیں تھی، وہ دلیل حدیث المسیئ فی الصلوۃ ہے، شمس الائمہ سرخسی (۱/۱۱)، امام نووی، ابن قیم وغیرہ نے بھی اس حدیث المسیئ فی الصلوۃ سے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے مسیئ فی الصلوۃ کو نماز کی پوری صورت تعلیم فرمائی اور تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کیا، اگر رفع یدین واجب ہوتا تو حضرت رسول اللہ ﷺ ضرور تعلیم فرماتے۔

المسئلۃ الثالثۃ، رفع یدین کا وقت کیا ہے؟ یعنی تکبیر کہنے سے پہلے، یا تکبیر کے بعد، یا تکبیر کے ساتھ؟ تین صورتیں ہیں۔

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی جو روایت صحیحین میں ہے اس سے مقارنت معلوم ہوتی ہے یعنی یہ کہ نبی کریم ﷺ رفع یدین کے ساتھ تکبیر کہتے تھے، حدیث کے الفاظ ہیں أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، اور یہی حضرات ائمہ ثلاثہ اور ان کے اتباع یعنی حنابلہ کا قول اور مالکیہ وشافعیہ کا راجح مذہب ہے، احناف میں سے قاضی ابویوسف سے مروی ہے اور امام ابو جعفر طحاوی کا یہی معمول تھا۔

(۲) حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت جو مسلم شریف میں ہے اس میں پہلے رفع پھر تکبیر کا ذکر ہے، صاحب مجمع نے لکھا ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مسلک ہے، شمس الائمہ سرخسی، علامہ اتقانی اور محقق ابن ہمام نے اکثر مشائخ سے یہی نقل کیا ہے۔

(۳) مسلم شریف میں حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایت ہے اس میں پہلے تکبیر پھر رفع کا ذکر ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی بھی ایسا معلوم نہیں جو اس بات کا قائل ہو کہ رفع سے پہلے تکبیر ہوگی، لیکن ابن ہمام نے فتح القدیر میں، ابن نجیم نے البحر الرائق میں اور ابن عابدین نے رد المحتار میں تینوں صورتیں نقل کی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تیسرا بھی حنفیہ کا ایک قول ہے۔

حنفیہ کے بہت سے اکابر امام صفار، شیخ الاسلام خواہر زادہ، قاضی خان، صاحب محیط، صاحب تحفۃ الفقہاء (۱/۱۲۶) اور صاحب بدائع قول اول ہی کی طرف مائل ہیں یعنی مقارنت کے قول کو اختیار کیا ہے، اور امام محمد نے کتاب الاصل میں جو عبارت لکھی ہے اس سے بھی بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے، فرماتے ہیں إذا أراد الدخول فی الصلوۃ کبر ورفع یدیه، واؤ جمع کے لئے آتا ہے اور مقارنت کی شکل یہ ہے کہ جب آدمی ہاتھ اٹھائے تو ساتھ ہی تکبیر شروع کرے اور رفع کے اختتام پر تکبیر ختم کر دے۔

المسئلة الرابعة. رفع یدین کی مقدار کیا ہوگی؟ یعنی ہاتھوں کو کتنا اٹھانا مستحب ہے، اس میں تین چار قول ہیں۔

(۱) حضرت امام شافعی، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ منکبین تک اٹھانا مستحب ہے، یہی امام مالک سے ایک روایت ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اذنین تک اٹھانا مستحب ہے، مالکیہ میں سے علامہ عبد الرحمٰن نے اپنی مختصر میں، علامہ ابن شاش نے الجوہر میں، اور امام الحرمین نے امام شافعی سے یہی نقل کیا ہے، امام نووی شرح مہذب میں کہتے ہیں وھو غریب عن الشافعی، امام محمد کتاب الاصل میں لکھتے ہیں رفع یدیه حذاء أذنیه، شمس الائمہ سرخسی نے اس کی وضاحت یہ کی ہے کہ آدمی جب ہاتھ اٹھائے تو ابہامین شحمۃ الأذنین کے محاذی ہو جائیں اور انگلیاں فروع اذنین کے، صاحب محیط نے یہ پوری تفصیل امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کی ہے، علامہ نووی نے شرح مسلم (۲/۱۶۸) میں لکھا ہے وھو المشھور من مذھبنا ومذھب الجماھیر، وھذا معنی قولھم حذو منکبیه، وبھذا جمع الشافعی بین روایات الباب، لیکن امام نووی نے شرح مہذب وغیرہ میں جو نقل کیا ہے وہ رفع الی المنکبین ہے اور وہی شافعیہ کا اصل مذہب ہے، کتاب الام للشافعی میں وہی مصرح ہے، اور امام شافعی نے جو جمع کیا ہے وہ اس سے قدرے مختلف ہے جو آگے آرہا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۳) امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ سینے تک ہاتھ اٹھانا چاہئے۔

(۴) طاؤسؒ سے منقول ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت سر سے اوپر اٹھائے کذا نقله عبدالرزاق (۴/۷۰)، امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ قول بے اصل ہے، لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں حضرت ابن زبیرؓ کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے اس میں ہے رفع یدیه حتی جاوز بهما أذنیه، اس سے طاؤس کی بات کی کسی قدر تائید ہوتی ہے۔

دلائل فریقین: جو حضرات رفع یدین الی المنکبین کے قائل ہیں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے جو صحاح ستہ میں ہے اور ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث سے جو مسند احمد، صحیح بخاری اور سنن اربعہ میں ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث سے جو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ میں ہے استدلال کیا ہے۔

اور جو حضرات رفع الی الاذنین کے قائل ہیں انہوں نے حضرت مالک بن حویرثؓ اور حضرت وائل بن حجرؓ کی ان روایتوں سے جو مسلم شریف میں ہیں، اور اسی طرح سے حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث سے جس کو امام حاکم ودار قطنی اور بیہقی نے، اور حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث سے جس کو امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہ اور امام طحاوی ودار قطنی نے روایت کیا ہے استدلال کیا ہے۔

اذنین تک عدم رفع کی وجہ: امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ اصلاً تو رفع کانوں تک ہوتا ہے اور ہوتا تھا، لیکن حضرات صحابہ کرامؓ سے جو اس سے نیچے رفع نقل کیا جاتا ہے اس کا منشاء عذر ہے، اور پھر انہوں نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جو امام ابوداؤد وطحاوی نے وائل بن حجرؓ سے روایت کی ہے کہ میں آیا تو میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا رہے ہیں، اور پھر جب دوسری مرتبہ آیا تو دیکھا يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَى صُدُورِهِمْ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَعَلَيْهِمْ بَرَانِسُ وَأَكْسِيَةٌ، یعنی سردی کی وجہ سے کپڑے اوڑھے ہوتے تھے جس کی وجہ سے ہاتھ اندر ہی اندر صدور یعنی مناکب تک اٹھاتے تھے، سرخسی (۱/۱۲) اور صاحب ہدایہ نے یہی جواب اختیار کیا ہے۔

دونوں میں اختیار: لیکن امام عینی نے اپنی کتابوں میں تخییر کا قول اختیار کیا ہے اور حافظ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ منکبین، اذنین، صدر اور فوق الاذنین کی روایات سب محفوظ ومشہور ہیں، علامہ عینی فرماتے

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں لہذا آدمی کو اختیار ہے جہاں تک چاہے ہاتھ اٹھا سکتا ہے، ابن منذر نے بعض اہل حدیث سے رفع الی الاذنین اور رفع الی المنکبین میں اختیار نقل کیا ہے اور اسی کو انہوں نے اختیار کیا ہے۔

بعض علماء نے تخییر کا قول امام احمد کی طرف منسوب کیا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ اس نسبت میں تھوڑا سا تجوز اختیار کر لیا گیا ہے، حضرت امام احمد بن حنبل کے سامنے جب یہ مسئلہ رکھا گیا تو انہوں نے فرمایا دونوں طرح مروی ہے اختیار ہے جو چاہے آدمی کرے، فأما أنا أذهب إلى المنكبين، میں منکبین کی طرف جاتا ہوں یعنی میرے نزدیک منکبین تک اٹھانا اولیٰ وافضل ہے، یہ حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل کا ارشاد ہے۔

دونوں میں جمع کی صورت: بعض حضرات نے ایک تیسرا طرز جمع کا اختیار کیا، چنانچہ ابو ثور نے نقل کیا ہے کہ حضرت امام شافعی نے ان روایتوں میں اس طرح جمع کیا ہے کہ ظہر کفین تو منکبین کے محاذی ہونا چاہئے اور اطرافِ انامل اذنین کے محاذی ہونا چاہئے، قاضی ابو الولید باجی مالکی نے بھی اسی طرح جمع کیا ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ احناف نے جو طرز اختیار کیا ہے اس میں جمع بین الروایات پایا جاتا ہے، اس لئے کہ جب آدمی ہاتھ اس طرح اٹھائے گا کہ انگوٹھے کانوں کی لو تک ہوں اور انگلیاں کانوں کے اوپر کے حصہ کے محاذی ہوں تو ایسی صورت میں کفین کی اصل اور رسغ منکبین کے محاذی یا اس کے قریب ہوں گے، تو جس نے محاذاة الإبهامين بالشحمتين کی تصریح کی اس کو حقیقت میں دونوں روایتوں پر جمع کرنے کی توفیق ہوگئی، روایات سے بھی یہی جمع اقرب معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ حضرت مالک بن حویرثؓ کی ایک روایت مسلم میں رفع يديه حتى يحاذي بهما فروع أذنيه ہے، اور حضرت انسؓ کی حدیث میں فحاذى إبهاميه أذنيه، اور حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث میں حتى تكون إبهاماه حذاء أذنيه کے الفاظ آئے ہیں۔

بہر حال اس میں ابہامین کا محاذی اذنین ہونا وارد ہوا ہے، اور مالک بن حویرثؓ کی روایت میں فروع اذنین کا ذکر ہے اور فروع اذنین کہتے ہیں کان کے اوپر کے حصہ کو، کان کے اوپر کے حصہ کی محاذات اس صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جو حضرات احناف نے اختیار کی ہے، بہر حال یہ مسئلہ روایات ثابتہ کی وجہ سے تخییری ہے، من شاء فعل هذا ومن شاء فعل هذا۔

المسئلة الخامسة، مرد وعورت کے مقدار رفع میں فرق ہے یا نہیں؟

Maktaba Tul Ishaat.com

امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ کوئی فرق نہیں ہے، یہی حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے، اور محمد بن مقاتل نے فرق نقل کیا ہے، مرد اذنین تک اٹھائیں گے اور عورتیں ثدیین تک۔

ابن رسلان فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے علاوہ کوئی اور تفریق کا قائل نہیں ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، امام احمد کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں، پہلی روایت رفع دُون رفعٍ ہے یعنی عورت کا رفع مرد کے رفع سے کم ہوگا، اور دوسری روایت ھی لاترفع ہے یعنی عورت مطلقاً ہاتھ نہیں اٹھائے گی، حافظ ابن حجر اور ان کی اتباع میں علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ اس تفریق کی کوئی دلیل نہیں ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، حضرت وائل بن حجرؓ کی ایک حدیث ہے إذا صليت فاجعل يديک حذو أذنيک، والمرأة تجعل يديها حذاء ثدييها، رواه الطبرانی، قال الهيثمي: فيه ميمونة بنت حجر عن عمتها أم يحيى بنت عبدالجبار، لم أعرفهما، وبقية رجاله ثقات۔

المسئلة السادسة، رفع یدین میں کیا حکمت ہے؟

(۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امر تعبدی ہے اس کی کوئی حکمت معلوم نہیں ہے۔

لیکن بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حکم معقول المعنیٰ ہے اور اس کی خاص حکمت ہے، علماء نے اس کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں۔

(۲) پھر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ بہرا آدمی دیکھ لے، جب نماز شروع ہوتی ہے تو تکبیر کی آواز تو سامع کے کان میں پڑتی ہے لیکن جو اصم ہے وہ تکبیر سن نہیں پاتا، جب رفع یدین ہوگا تو بہرے آدمی کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ نماز شروع ہوگئی ہے۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اصل میں اس کا مقصود استعظام ما دخل فیہ ہے، یعنی آدمی جس عمل میں داخل ہو رہا ہے اس کی عظمت اور بڑائی کا اظہار ہے۔

(۴) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ عبارت ہے انقیاد و استسلام سے، قاعدہ یہ ہے کہ جب جنگ میں فریق مخالف مغلوب ہو جاتا ہے تو ہاتھوں کو اٹھا دیتا ہے یعنی اشارہ کر دیتا ہے کہ ہم نے اطاعت و فرمانبرداری قبول کرلی ہے۔

(۵) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا مقصود رفع الحجاب بین العابد والمعبود ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۶) بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ مصلی نے دنیا کو اپنے پس پشت ڈال دیا ہے۔

(۷) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ رفع یدین سے مقصود غیر اللہ کی کبریائی اور عظمت کی نفی ہے اور اس کے بعد جو اللہ أکبر کہا جاتا ہے اس سے اللہ پاک کی کبریائی اور عظمت کا اثبات مقصود ہوتا ہے۔

(۸) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ تاکہ قیام مکمل ہو جائے یعنی ہاتھ بھی اللہ کی عبادت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔

(۹) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ انسان اپنے تمام اعضاء سے قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائے، علامہ قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۱۰) ابن عمرؓ، نعمان بن ابی عیاشؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ زینۃ الصلوۃ ہے۔

(۱۱) حضرت امام شافعی سے پوچھا گیا کہ رفع یدین کیوں کرتے ہو؟ تو فرمایا إعظاما لجلال اللہ تعالی و اتباعا لسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و رجاء لثواب اللہ تعالی۔

المسئلۃ السابعۃ، رفع یدین کتنی جگہوں میں مستحب ہے؟

اس کی تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے، اس باب میں امام بخاری کے ترجمہ سے دو باتیں نکلتی ہیں، اول یہ کہ تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع یدین ہوگا، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ رفع تکبیر کے ساتھ ہوگا، گویا امام بخاری نے مقارنت کا قول اختیار کیا ہے۔

(ص ۱۰۲) بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ

٧٣٤. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ حِينَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوعِ وَيَفْعَلُ ذَلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَيَقُولُ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَلَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ.

Maktaba Tul Ishaat.com

۷۳۵. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَنَعَ هٰكَذَا.

ترجمہ: باب، تکبیر تحریمہ کے وقت، اور رکوع میں جاتے ہوئے، اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھانے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ مونڈھوں کے برابر ہو جاتے، اور جب آپ رکوع کے لئے تکبیر کہتے تو بھی آپ یہی رفع کرتے تھے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی ایسا ہی کرتے تھے، اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے، اور آپ یہ عمل سجدہ میں نہیں کرتے تھے۔

ابو قلابہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مالک بن حویرثؓ کو دیکھا کہ جب وہ نماز پڑھتے تو اللہ أکبر کہتے اور رفع یدین کرتے، اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے، اور انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ رفع یدین کتنی جگہ پر مستحب ہے؟

(۱) حضرت امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور سلف کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ تین جگہ مستحب ہے، ۱۔عند تکبیرۃ التحریمۃ، ۲۔عند الرکوع، ۳۔عند الرفع من الرکوع، یہی امام مالک سے ایک روایت ہے جو ولید بن مسلم، ابو مصعب، اشہب بن عبد العزیز اور عبد اللہ بن وہب نے نقل کی ہے، قاضی ابو یوسف کے تلمیذ عصام بن یوسف بلخی نے جو مشہور فقیہ و محدث ہیں اسی کو اختیار کیا ہے، حنفی عالم ہیں اور رفع یدین کرتے تھے جیسا کہ امام ابو حاتم بن حبان بستی نے کتاب الثقات میں اور علامہ سمعانی نے الانساب میں اور اسی طرح سے ملا علی قاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کان صاحب حدیث ثبتاً فی الروایۃ وربما أخطأ۔

(۲) ابراہیم نخعی، حماد بن سلیمان، امام اعظم ابو حنیفہ، سفیان ثوری، وکیع بن جراح اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ صرف افتتاح صلوۃ کے وقت رفع یدین سنت ہے، اور باقی مواضع میں رفع یدین نہیں کیا جائے گا، یہی امام مالک سے ابن قاسم نے، اور امام شافعی نے اختلاف مالک والشافعی (۷/۲۴۱) میں نقل کیا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

اور یہی ان کا مشہور قول ہے جو ان کے اصحاب کے یہاں معمول بہا ہے۔

رفع یدین میں اعتدال والی بات: حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں حضرت رسول اللہ ﷺ سے منقول وثابت ہیں اور دونوں جائز اور مباح ہیں، اور ائمہ کا یہ اختلاف اختلاف فی الأمر المباح کے قبیل سے ہے جیسا کہ ابن عبد البر، ابن تیمیہ اور ابن قیم نے لکھا ہے، بلکہ امام ابو بکر جصاص رازی حنفی نے احکام القرآن میں یہی لکھا ہے، إنما الخلاف بین الفقهاء فیه فی الأفضل، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری کا رجحان بھی اسی طرف ہے، انہوں نے لکھا ہے فلما صح أنه علیه الصلوة والسلام کان یرفع فی کل خفض ورفع بعد تکبیرة الإحرام ولا یرفع، کان کل ذلک مباحا لا فرضا وکان لنا أن نصلی کذالک، فإن رفعنا صلّینا کما کان رسول الله ﷺ یصلی، وإن لم نرفع فقد صلّینا کما کان علیه السلام یصلی (۲/۲۶۵)، فرماتے ہیں کہ اگر ہم رفع یدین کریں تو ہماری نماز ایسی ہی ہوگی جیسی حضرت رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے، اور اگر ہم رفع یدین نہ کریں تو بھی ہم نے ویسی ہی نماز پڑھی جیسی حضرت رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے۔

لیکن جب کسی مسئلہ میں غلو ہوتا ہے تو لوگ تعبیرات میں تشدد اختیار کرنے کے ساتھ بعض وقت مسئلہ کے بیان میں بھی تشدد اختیار کر جاتے ہیں، اس مسئلہ میں بھی یہی صورت حال پیش آئی۔

امام بخاری نے ہماری معلومات میں سب سے پہلے جزء رفع الیدین تالیف کیا، پھر ان کے تلمیذ محمد بن نصر مروزی نے اور پھر اس کے بعد ایک سلسلہ چل پڑا اور فریقین ایک دوسرے کی تردید کرتے رہے۔

رفع یدین مفسد صلاۃ نہیں: بات یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض لوگوں نے یہ دعوی کر دیا کہ رفع یدین عمل کثیر ہے جو مبطل صلوۃ ہے، ابو الیسر بزدوی نے مکحول نسفی کی کتاب الشعاع سے یہی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس مسئلہ کی بناء پر شافعیہ کی اقتداء جائز نہیں ہے، اگرچہ ہم اس کے دین میں کوئی نقد وتبصرہ نہیں کریں گے لیکن مکحول نسفی خود غیر معروف راوی ہے، ملا علی قاری نے صاحب محیط سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کان شیخنا یقول: مکحول الراوی لهذه الروایة لا یعرف، اور اس روایت کو محققین حنفیہ نے رد کیا ہے۔

علامہ سغناقی صاحبِ نہایہ اور علامہ ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر نے اس کے شذوذ کی تصریح کی ہے، علامہ ابن امیر الحاج حلبی نے حلبۃ المجلی فی شرح منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ مکحول کی روایت ظاہر الروایہ کے خلاف ہے، ذخیرہ میں یہ تصریح ہے کہ رفع یدین سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور جامع کی کتاب العیدین میں بھی یہ مسئلہ

Maktaba Tul Ishaat.com

مصرح ہے، اسی طرح صاحب فتاوی بزازیہ اور صاحب خلاصہ، صاحب سراجیہ نے عدم فساد کی تصریح کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ صرف یہ کہتے تھے کہ رفع یدین مستحب نہیں ہے، انہوں نے رفع یدین کو مبطل صلوہ نہیں بتلایا ہے، علامہ محمود بن احمد بن مسعود قونوی نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں اس روایت کی تردید کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ روایت اول اور آخر سے منقطع ہے، لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

امیر کاتب اتقانی کو اس روایت سے دھوکا لگ گیا اور انہوں نے یہ لکھ دیا کہ رفع یدین مفسد صلوۃ ہے، علامہ تقی الدین السبکی نے اسکی تردید فرمائی، اور بعد میں آنے والے محققین احناف بھی اس قول کو رد کرتے رہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ قول مردود ہے، جو چیز نصف النہار کے آفتاب کی طرح ثابت ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو بھلا وہ مفسد صلوۃ کیسے قرار دی جاسکتی ہے، آدمی اسطرح کی باتیں تعصب یا لاعلمی میں کیا کرتا ہے۔

رفع یدین مکروہ نہیں: اسی طرح سے رفع یدین مکروہ بھی نہیں ہے اور صاحب منیۃ المصلی نے جو کراہت کا قول نقل کیا ہے وہ غیر مستند ہے۔

لیکن امام شافعی نے کتاب الام میں رفع یدین فی المواضع الثلاثۃ کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی ان مواضع ثلثہ میں رفع یدین چھوڑ دے گا تو کرھت ذلک لہ، میں اس کے لئے اس کو ناپسند سمجھوں گا، اور یہ اچھی طرح سمجھو کہ کراہت کا لفظ حنفیہ کی اصطلاح میں عامۃً حرام کے قریب کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور جمہور علماء کے یہاں کراہتِ تنزیہ کے لئے جو مرجع ہے خلاف اولیٰ کا، تو مطلب یہ نکلا کہ امام شافعی رفع یدین کو احب واولیٰ کہتے ہیں، اور بات وہی ہوگئی جو ہم نے امام ابو بکر جصاص رازی حنفی سے نقل کی ہے إنما الخلاف بین الفقهاء فيه في الأفضل۔

رفع یدین منسوخ نہیں: اسی طرح منسوخ بھی نہیں جیسا کہ بعض دیگر علماء نے دعوی کیا ہے۔

رفع یدین بدعت نہیں: اور بعض مالکیہ نے تو حد ہی کردی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بدعت ہے، امام بخاری نے اس کی تردید فرمائی ہے کہ جو بدعت کہتا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر طعن کرتا ہے اس لئے کہ کسی سے بھی ترک ثابت نہیں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

رفع یدین واجب نہیں ہے: اس کے بالمقابل دوسرا رویہ بھی اختیار کیا گیا، چنانچہ بعض علماء ظاہریہ کہتے ہیں کہ رفع یدین واجب ہے، علامہ ابن الجوزی نے نزهة الناظر میں امام شافعی سے وجوب کا قول نقل کیا ہے، علامہ تاج الدین السبکی نے طبقات میں امام مزنی سے نقل کیا ہے **سمعت الشافعي يقول: لايحل لأحد سمع حديث رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في رفع اليدين في افتتاح الصلوة وعند الركوع وعند الرفع من الركوع أن يترك الاقتداء بفعله صلى الله عليه وآله وسلم**، انتہی، تاج الدین سبکی کہتے ہیں **هذا صريح في أنه يوجب ذلك**۔

اجمالی دلائل جانبین: جو لوگ رفع یدین کے استحباب کے قائل ہیں انہوں نے بہت سی روایات سے استدلال کیا ہے جو بہت سے صحابہ کرام سے منقول ہے جیسے ابن عمرؓ، مالک بن حویرثؓ، وائل بن حجرؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابوحمید ساعدیؓ، ابوہریرہؓ، جابرؓ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اور جو حضرات ترکِ رفع کے قائل ہیں اور ترک کو مستحب قرار دیتے ہیں انہوں نے بھی متعدد روایات سے استدلال کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ اور ابوہریرہؓ، عباد بن زبیرؓ سے مرسلاً مروی ہے اور اسی طرح ابن عمرؓ اور جابر بن سمرہؓ کی دو اور حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک ان سے استدلال درست نہیں، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا معمول بھی یہی نقل کیا گیا ہے، اور انصاف یہ ہے کہ رفع یدین کی روایات ترکِ رفع کی روایات کے بالمقابل اکثر واشہر ہیں، لیکن تعامل میں دونوں جانب برابر ہیں، جیسے رفع یدین بہت سے بلاد وامصار میں ہوتا رہا اور ہوتا رہتا ہے اسی طرح سے ترک رفع بھی ہوتا رہا، کوفہ جس میں عجلی کے بیان کے مطابق تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام تشریف لائے جن میں ستر بدری تھے اسی کوفہ کے متعلق محمد بن نصر مروزی کا بیان ہے **لانعلم مصرا من الأمصار تركوا بإجماعهم رفع اليدين عند الخفض والرفع في الصلوة إلا أهل الكوفة، فكلهم لايرفع إلا في الإحرام، كذا نقله العراقي في طرح التثريب شرح التقريب (۲/ ۲۵۵)**، اب تعامل دونوں طرف علی السواء ہے تو گفتگو زیادہ سے زیادہ تفضیل وترجیح کی رہ جاتی ہے۔

جن لوگوں نے رفع یدین کو اختیار کیا ہے انہوں نے رفع کی روایات سے استدلال کیا ہے اور دوسری روایات پر کلام کیا ہے اور جنھوں نے اس کے عکس کو اختیار کیا انہوں نے ترک رفع کی روایات سے استدلال کیا ہے اور رفع یدین کی روایات پر کلام کیا اور اس کی تاویل وتوجیہ کی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دلائلِ اثباتِ رفع یدین

الدلیل الأول: اس کی پہلی اور سب سے مشہور دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ، وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ. هذا حديث أخرجه الأئمة الستة فی کتبهم، اس روایت میں یہ ہے کہ رفع یدین تین مرتبہ کیا گیا، ۱۔ تکبیر تحریمہ کے وقت، ۲۔ رکوع میں جاتے ہوئے، ۳۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے۔

اس حدیث کے اوپر چار طریقوں سے اشکال کیا گیا ہے، ۱۔ اس کے الفاظ میں رفعًا ووقفًا اختلاف ہے، ۲۔ مواضع رفع میں اختلاف ہے، کل چھ سیاق ہیں، ۳۔ ابن عمرؓ سے مرۃً رفع بھی منقول ہے، ۴۔ ابن عمرؓ کا عمل اس کے خلاف بھی منقول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں چار طرح سے کلام کیا گیا ہے، اس کی تفصیل سنئے۔

(۱) اول کلام: اس میں رفعًا ووقفًا اختلاف ہے، یہی حدیث جب سالم؛ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں تو مرفوعًا نقل کرتے ہیں کما أخرجه الأئمة الستة، اور جب نافع نقل کرتے ہیں تو موقوفًا نقل کرتے ہیں کما أخرجه أبو داود۔

حافظ ابو عمرو بن عبد البر فرماتے ہیں کہ چار حدیثیں ایسی ہیں کہ جن کو سالم تو مرفوعًا نقل کرتے ہیں اور نافع موقوفًا، بعض کو ابن عمرؓ ہی سے موقوفًا نقل کرتے ہیں، اور بعض کو ابن عمرؓ سے اور وہ حضرت عمرؓ سے۔

ان میں سے ایک یہ حدیث ہے، اور دوسری حدیث ہے فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ، اور تیسری روایت ہے مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهُ الْمُبْتَاعُ، اور چوتھی حدیث ہے إِنَّمَا النَّاسُ كَالْإِبِلِ الْمِائَةِ لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً۔

حافظ ابن عبد البر (۹/۲۱۳) فرماتے ہیں کہ ان چاروں روایات کو سالم تو مرفوعًا نقل کرتے ہیں اور نافع موقوفًا، اور سالم کا قول نافع کے قول پر مقدم ہے، لیکن یہ اجماعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بعض دیگر ائمہ حدیث نے ان بعض احادیث میں نافع ہی کے قول کو اختیار کیا، حدیث نمبر ۲ کے متعلق امام ابو زرعہ رازی اور امام نسائی، ابن

Maktaba Tul Ishaat.com

ابی حاتم، اور حدیث نمبر ۳ کے متعلق امام مسلم، امام نسائی اور امام دار قطنی کی رائے یہ ہے کہ نافع کی موقوف حدیث اصح ہے، بہر حال نافع اور سالم میں اختلاف ہے، ابن عبد البر کی رائے یہ ہے کہ سالم کا قول راجح ہے۔

نیز یہ حدیث نافع سے بھی مرفوعاً نقل کی گئی ہے، چنانچہ امام احمد نے مسند میں، امام بخاری نے جزء رفع یدین میں، امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں بطریق حماد بن سلمہ عن ایوب عن نافع عن ابن عمرؓ مرفوعاً روایت کی ہے، اور حماد بن سلمہ کی متابعت کی ہے ابراہیم ابن طہمان نے أخرجه البیهقي، لہذا امام ابو داوٗد کا یہ کہنا کہ حماد اس کے مرفوعاً نقل کرنے میں منفرد ہیں صحیح نہیں ہے، اسی طرح امام دار قطنی نے غرائب مالک میں بطریق یحیٰ بن سعید القطان عن مالک عن نافع عن ابن عمر مرفوعاً روایت کی ہے، لیکن امام ابو داوٗد کی رائے یہ ہے کہ نافع کی حدیث میں رفع کا ذکر رواۃ کے اوہام میں سے ہے۔

(۲) دوسرا کلام: اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے اور اس میں پانچ بلکہ چھ سیاق کتب حدیث میں نقل کئے جاتے ہیں۔

پہلا: مدونہ کا سیاق ہے، امام مالک سے مدونہ میں یہی روایت نقل کی گئی ہے ابن عمرؓ سے اسمیں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا تذکرہ ہے، اور صاحب مدونہ نے اسکو ترک رفع کے دلائل میں ذکر کیا ہے۔

دوسرا: مؤطا کا سیاق ہے، یہی روایت مؤطا میں ہے اور اس میں صرف دو جگہ رفع یدین مذکور ہے، تکبیر تحریمہ کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت، اسی طرح سے امام مالک سے یحیٰ بن یحیٰ المصمودی، یحیٰ بن بکیر، ابو مصعب، سعید بن کثیر بن عفیر، سعید بن ابی مریم، اسحاق حنینی، معن بن عیسیٰ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

تیسرا: مؤطا کے علاوہ کا سیاق ہے، اس میں تین جگہ رفع یدین مذکور ہے دو مذکورہ بالا اور تیسرے رکوع میں جاتے ہوئے، اسی طرح سے قعنبی نے عند البخاری، عبد اللہ بن یوسف تنیسی نے عند البخاری فی جزء رفع الیدین اور ابن مبارک نے عند النسائی، عثمان بن عمر نے عند الدارمی امام مالک سے نقل کیا ہے، امام محمد نے مؤطا محمد میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے، اور امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ امام مالک سے ان کے بیس تلامذہ اسی طرح تینوں جگہ رفع یدین نقل کرتے ہیں۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ اسقاط امام مالک ہی کی طرف سے

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے، وہی کبھی تینوں جگہ رفع یدین ذکر کرتے ہیں اور کبھی بعض جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔

بعض علماءِ احناف نے یہ جواب دیا کہ جیسے امام مالک کی روایت میں کہیں رفع یدین تین جگہ مذکور، کہیں دو جگہ، ایسے ہی غیر مالک کی روایت میں وارد ہوا ہے، امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے زہری سے ایک روایت نقل کی ہے اس میں رفع عند التحریمہ اور رفع عند الرفع من الرکوع کا ذکر ہے، رکوع میں جاتے ہوئے رفع کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح مصنف عبد الرزاق (۲/۶۷) میں معمر کی روایت ہے زہری سے اس میں صرف دو ہی جگہ رفع یدین کا ذکر ہے، لیکن اس کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ بعض وقت دو جگہ کا تذکرہ کیا اور بعض وقت تین جگہ کا، واللہ تعالیٰ أعلم۔

چوتھا: وہ سیاق ہے جو امام بخاری نے باب رفع الیدین إذا قام من الرکعتین میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ اس حدیث پاک میں مواضع ثلاثہ کے علاوہ چوتھی جگہ بھی رفع یدین کا ذکر ہے اور وہ رکعتین سے اٹھتے ہوئے ثلاثیہ اور رباعیہ میں۔

اس روایت کے رفع ووقف میں اختلاف ہے: بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ اس کو مرفوعًا نقل کرنا وہم ہے، امام ابو داؤد نے لکھا ہے کہ عبد الوہاب ثقفی نے عبید اللہ سے یہی روایت نقل کی ہے تو اس کو مرفوعًا روایت نہیں کیا، امام اسماعیلی نے اپنے بعض مشائخ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو مرفوعًا کرنے میں عبد الاعلیٰ کو وہم ہو گیا، عبد اللہ بن ادریس، عبد الوہاب ثقفی، معتمر بن سلیمان اس کی مخالفت کرتے ہیں، اور یہی روایت نقل کرتے ہیں عبید اللہ سے وہ نافع سے وہ ابن عمرؓ سے تو موقوفًا نقل کرتے ہیں، امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ نافع کے تلامذہ لیث بن سعد، مالک، ایوب، ابن جریج جب نافع سے نقل کرتے ہیں تو موقوفًا ہی نقل کرتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ عبد الوہاب ثقفی اور معتمر یہ روایت عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں تو موقوفًا نقل کرتے ہیں۔

لیکن یہی حضرات جب عن عبید اللہ عن الزہری عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں تو مرفوعًا نقل کرتے ہیں، معتمر کی روایت اس طریق سے امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں، نسائی نے اپنی سنن میں اور ابن

Maktaba Tul Ishaat.com

خزیمہ (۱/۳۴۴) اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں تخریج کی ہے، اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ اس میں إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ کا ذکر اسی طرح وارد ہوا ہے، زہری کے عام تلامذہ اس کو ذکر نہیں کرتے، عبید اللہ ثقہ ہیں اور بظاہر کسی اور راوی سے وہم واقع ہو گیا ہو گا۔

حمزہ کنانی فرماتے ہیں کہ عبید اللہ سے معتمر کے علاوہ کوئی یہ زیادتی نقل نہیں کرتا لیکن یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ عبد الوہاب ثقفی نے معتمر کی متابعت کی ہے اور اسی طریق سے مرفوعًا اس کو روایت کیا ہے وحديث الثقفى رواه أبو العباس السراج فى مسنده وابن حبان فى صحيحه، نیز نافع اس کو مرفوعًا نقل کرنے میں منفرد نہیں بلکہ محارب بن دثار ان کی متابعت کرتے ہیں اور ابن عمرؓ سے قیام من الرکعتین کے وقت رفع یدین مرفوعًا نقل کرتے ہیں رواه أبو داود وصححه البخارى فى جزء رفع اليدين، اسی طرح سے ابو حمید ساعدیؓ اور حضرت علیؓ سے بھی ابوداؤد اور صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان وغیرہ میں قیام من الرکعتین کے وقت رفع یدین کا تذکرہ ہے اور مرفوعًا منقول ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث میں محدثین کا اختلاف ہے، آیا نافع سے جو روایت مرفوعًا نقل کی جاتی ہے یہ ثابت ہے یا کسی راوی کا وہم ہے؟ امام بخاری کے نزدیک ثابت ہے اور اسی کو علی بن عمر الدارقطنی نے اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں الأشبه قول عبد الأعلى اور اسی کو امام ابن دقیق العید اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اختیار کیا ہے، اور امام ابوداؤد اور امام اسماعیلی وغیرہ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں رفع کا نقل کرنا رواۃ کے اوہام میں سے ہے، واللہ اعلم۔

پانچواں: وہ سیاق ہے جو امام طحاوی نے مشکل الآثار میں نصر بن علی سے نقل کیا ہے اور وہ عبد الاعلیٰ بن عبد الاعلیٰ سے نقل کرتے ہیں، اس کے الفاظ یہ ہیں عن ابن عمر أنه كان يرفع يديه فى كل خفض ورفع وركوع وسجود وقيام وقعود وبين السجدتين ويذكر أن النبى ﷺ كان يفعل ذلك، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ سیاق شاذ ہے، اس لئے کہ امام ابوداؤد (۲/۱۹) ہی نے نصر بن علی سے یہ روایت نقل کی ہے انہوں نے عبد الاعلیٰ سے وہی لفظ نقل کئے ہیں جو امام بخاری کی روایت میں عیاش کے طریق سے واقع ہوا ہے، اور اسی طرح سے امام اسماعیلی نے اپنے حفاظ مشائخ سے نصر بن علی سے روایت کیا ہے، اور امام

Maktaba Tul Ishaat.com

اسماعیلی نے اور ابو نعیم نے دوسرے طریقوں سے عبد الاعلیٰ سے یہی روایت نقل کی ہے۔

لیکن اس مضمون کی تائید اور بھی دیگر روایات میں وارد ہوئی ہے، امام دار قطنی نے العلل میں بطریق عمرو بن علی عن ابن ابی عدی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃؓ روایت کیا ہے قال إنه کان یرفع یدیه فی کل خفض ورفع ویقول أنا أشبهکم صلوۃ برسول الله ﷺ، دار قطنی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رفع کا ذکر وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ اس میں تکبیر کا ذکر ہے، امام احمد نے ذیال بن حرملہ سے روایت کیا ہے وہ جابرؓ سے نقل کرتے ہیں کان رسول الله ﷺ یرفع یدیه فی کل تکبیرۃ من الصلوۃ، وفی إسناده الحجاج بن أرطاة۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے أن رسول الله ﷺ کان یرفع یدیه عند کل تکبیرۃ۔

ابن حبان (۱/۳۰۴)، ابن السکن (کمافی تہذیب التہذیب (۸/۱۴۴))، ابو جعفر عقیلی، ابو نعیم، ابو حفص بن شاہین نے عمیر بن قتادہ لیثی سے روایت کیا ہے کان رسول الله ﷺ یرفع یدیه مع کل تکبیرۃ فی الصلوۃ المکتوبة، یہی روایت ابن ماجہ نے تخریج کی تو صحابی کا نام عمیر بن حبیب لکھ دیا جو ان کا وہم ہے، اس لئے کہ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عمار سے نقل کی ہے اور ہشام ہی کے طریق سے ابن حبان وغیرہ نے نقل کی ہے تو راوی کا نام عمیر بن حبیب نہیں لکھا بلکہ سب کی اسانید میں هشام بن عمار عن رفدة بن قضاعة عن الأوزاعی عن عبدالله بن عبید بن عمیر عن أبیه عن جده واقع ہوا ہے، اور عبد اللہ بن عبید بن عمیر کے دادا عمیر بن قتادہ لیثی ہیں، اس کے بعد یہ روایت ضعیف ہے رفدہ بن قضاعہ ضعیف ہے، مہنأ کہتے ہیں سألت أحمد (یعنی ابن حنبل) ویحی (یعنی ابن معین) عن هذا الحدیث؟ فقالا: لیس بصحیح ولا یعرف عبید بن عمیر روی عن أبیه ولا عن جده، ابن حبان کہتے ہیں هذا خبر إسناده مقلوب ومتنه منکر مارفع النبی ﷺ یدیه فی کل خفض ورفع قط، وأخبار الزهری عن سالم عن أبیه تصرح بضده أنه لم یکن یفعل ذلک بین السجدتین، اور ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کو علامہ عینی نے عمدۃ القاری فی شرح البخاری میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے قال النووی: باطل لا أصل له۔

چھٹا: سیاق وہ ہے جو امام بخاری نے کتاب رفع الیدین میں بطریق وکیع عن العمری عن نافع عن ابن عمرؓ نقل کیا ہے عن النبی ﷺ أنه کان یرفع یدیه إذا رکع وإذا سجد، امام بخاری نے اس سے عموم سمجھا ہے اور اس پر کچھ کلام کی کوشش کی ہے، عمری اگرچہ متکلم فیہ ہے مگر عثمان دارمی نے یحیی بن معین سے نقل کیا ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

وہ نافع کے اندر صالح و ثقہ ہے اور یہ روایت وہ نافع ہی سے نقل کرتے ہیں، اور عمری کی روایت کی ابو یعلی وغیرہ نے تحسین کی ہے، اور ان کی ایک روایت امام ترمذی نے نقل کی ہے أن النبی ﷺ دخل مکة نهارًا، اور لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے أن النبی ﷺ کان یرفع یدیه عند التکبیر للرکوع وعند التکبیر حین یهوی ساجدًا، علامہ نور الدین ہیثمی فرماتے ہیں إسناده صحیح، اور حضرت ابن عمرؓ کا اسی طرح عمل بھی امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں نقل کیا ہے، امام ابو محمد بن حزم ظاہری نے مفصل اثر نقل کر کے لکھا ہے کہ هذا إسناد لا داخلة فیه۔

اور سجدے میں جاتے ہوئے رفع یدین کرنا دوسری روایات میں بھی وارد ہوا ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں أن النبی ﷺ کان یرفع یدیه فی الرکوع والسجود، رواه ابن أبی شیبة وأبو یعلی، لیکن محدثین کرام مثلاً امام طحاوی اور دار قطنی کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث کو مرفوعًا نقل کرنے میں عبد الوہاب ثقفی منفرد ہیں، ان کے دیگر رفقاء معاذ بن معاذ عند ابن أبی شیبة (ص ۲۳۵)، یحیی بن سعید اور عبد الاعلی بن عبد الاعلی وحدیثهما عند البخاری فی جزءه (ص ۱۲ و ۲۱) جب یہ روایت نقل کرتے ہیں تو موقوفًا نقل کرتے ہیں، لیکن ساری روایات کو ملانے سے اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

تمام سیاقات کو تنوع عمل پر محمول کیا جائے: حقیقت یہ ہے کہ اگر اس کو تنوع عمل (یعنی مختلف اوقات میں مختلف عمل کئے) پر محمول کیا جائے تو پھر سارا اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

اور رفع یدین عند الرکوع وعند الرفع من الرکوع کے جیسے بہت سے حضرات قائل ہیں اسی طرح سے سجدے میں جاتے ہوئے بھی رفع یدین کے بعض اکابر قائل ہیں، یہی ابو علی طبری اور ابن منذر کی رائے ہے، اور امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں وکیع سے نقل کیا ہے وہ ربیع سے نقل کرتے ہیں قال رأیت الحسن وعطاء ومجاهدا وطاوسا وقیس بن سعد والحسن بن مسلم یرفعون أیدیهم إذا رکعوا وإذا سجدوا۔

اسی طرح سجدتین کے درمیان رفع یدین کرنے کو ابن ابی شیبہ نے حسن بصری، ابن سیرین، نافع اور طاوس سے نقل کیا ہے۔

اور قیام من الرکعتین کے وقت رفع یدین تو ابن منذر، ابو علی طبری، ابو بکر بیہقی، ابو محمد بغوی صاحب شرح

Maktaba Tul Ishaat.com

السنۃ اور دیگر علماء نے اختیار کیا ہے، اور یہی امام بخاری کی رائے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام ابو محمد اصیلی فرماتے ہیں کہ امام مالک نے حضرت سالم کی روایت اس لئے چھوڑ دی کہ نافع نے ان کے ساتھ اختلاف کیا اور موقوفاً نقل کیا، اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ اصل نماز میں سکون اور اجتناب من الاعمال ہے، اب جب روایات کے اندر اختلاف ہو گیا تو امام مالک نے جو طریق اقرب الی السکون تھا اس کو اختیار کیا، علامہ زرقانی مالکی نے یہ لکھا ہے کہ اسی سے حافظ ابن حجر عسقلانی کے تحامل کا پتہ چلتا ہے جو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ مالکیہ جو ترک رفع کے قائل ہیں ان کے پاس اس کا کوئی عذر نہیں ہے، ابن عمرؓ کی روایت مرفوعاً ہوتے ہوئے انہوں نے کیوں چھوڑ دی؟ یہ تحامل اس لئے ہے کہ مالکیہ نے یوں ہی نہیں چھوڑی ہے بلکہ خاص دلیل کی بنا پر اور وہ دلیل یہ ہے کہ جب سالم ونافع میں رفع ووقف میں اختلاف ہو گیا تو مالکیہ نے جو طریق اقرب الی الاحتیاط تھا اس کو اختیار کر لیا۔

(۳) تیسرا کلام: ابن عمرؓ ہی سے مرفوعاً رفع یدین مرۃً واحدۃً منقول ہے، چنانچہ امام بیہقی نے کتاب الخلافیات میں محمد بن غالب سے روایت کیا ہے حدثنا أحمد بن محمد البرانی قال حدثنا عبداللہ بن عون الخراز قال حدثنا مالک عن الزهری عن سالم عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه إذا افتتح الصلوة ثم لا یعود۔

امام بیہقی نے اپنے استاذ امام حاکم سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث باطل، موضوع اور بے اصل ہے، حضرت علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ جس نے دور سے بھی حدیث کی خوشبو سونگھی ہے وہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی شہادت دے گا، لیکن حضرات احناف میں سے علامہ مغلطای اور علامہ عابد بن احمد سندی نے وضع کے حکم کو تسلیم نہیں کیا ہے۔

علامہ مغلطای فرماتے ہیں إسنادہ لا بأس به اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا موقوف اثر جس کو مجاہد نقل کرتے ہیں اس کا مؤید ہے، مجاہد کہتے ہیں ما رأیت ابن عمر یرفع یدیه إلا فی أول ما یفتتح الصلوة، رواه البیهقی فی المعرفة بسند صحیح، قلت أخرجه الطحاوی بلفظ صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه إلا فی التکبیرة الأولی من الصلوة، علامہ عابد بن احمد سندی فرماتے ہیں کہ حدیث کی تضعیف محض حکم لگا دینے سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ وجوہ طعن بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس حدیث کے رجال رجال

Maktaba Tul Ishaat.com

صحیح ہیں الا یہ کہ مالک سے جو آدمی روایت کرتا ہے وہ مطعون ہے لیکن اصل عدمِ طعن ہے لہذا میری رائے یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں تضعیف الحدیث لایثبت بمجرد الحکم إنما یثبت ببیان وجوہ الطعن، وحدیث ابن عمر الذی رواہ البیہقی فی خلافیاتہ رجالہ رجال الصحیح، فما أری لہ ضعیفا بعد ذلک اللہم إلا أن یکون الراوی عن مالک مطعونا لکن الأصل العدم فہذا الحدیث عندی صحیح، الخ۔

علامہ عابد سندی آگے فرماتے ہیں کہ کان سے دوام لازم نہیں آتا ہے، ابن عمرؓ نے کبھی رفع کرتے ہوئے دیکھا اس کو نقل کر دیا اور کبھی رفع کو چھوڑتے ہوئے دیکھا اس کو نقل کر دیا، لفظ کان دوام پر دلالت نہیں کرتا ہے ہاں غالب طور پر اس سے دوام نکلتا ہے، ایک حدیث میں ہے کان رسول اللہ ﷺ یقف عند الصخرات السود، حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک ہی حج ادا فرمایا ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ حدیث کی تصحیح و تضعیف جیسے رجال کی ثقاہت اور ان کے مطعون ہونے سے ثابت ہوتی ہے ایسے ہی بعض وقت ناقدین فن کی بصیرت بھی فیصلہ کرتی ہے، جیسے سونے اور چاندی کے کھرے اور کھوٹے ہونے کو صراف ایک نگاہ سے سمجھ لیتا ہے اسی طرح سے ماہرین فن حدیث جن کے رگ وپے میں یہ فن سرایت کر گیا ہو وہ حدیث پاک کے صحیح وسقیم، معتبر وغیر معتبر، معلول ومحفوظ کو پہچان لیتے ہیں۔

بصیرت فن کا ایک واقعہ: امام ابن ابی حاتم نے اپنے والد ابو حاتم رازی سے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ اکابر اہل الرای میں سے ایک ذی فہم شخص میرے پاس ایک دفتر لائے، میرے سامنے اس کو پڑھا، میں نے بعض احادیث کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی اور کہا کہ یہ حدیث خطا ہے دخل لصاحبہ حدیث فی حدیث، اور فلاں حدیث منکر ہے، اور یہ حدیث کذب ہے، اور فلاں حدیث باطل ہے اور باقی حدیثیں صحیح ہیں، ان عالم نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں کیسے یہ معلوم ہوا؟ کیا تم نے اس کتاب کے راوی سے پوچھ لیا تھا؟ فرمایا کہ نہیں، پھر پوچھا کہ کیا تم علم غیب جانتے ہو؟ فرمایا کہ نہیں، پھر پوچھا کہ پھر کیسے یہ معلوم ہوا؟ میں نے کہا کہ دیکھو اس فن کی اچھی واقفیت جیسے میں رکھتا ہوں اسی طرح سے کوئی اور رکھتا ہو تو اس سے جا کر سوال کرو اگر وہ وہی جواب دے جو میں نے دیا تو سمجھو کہ ہم نے جو بات کہی ہے وہ ظن وتخمین سے نہیں کہی ہے، پوچھا کہ وہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ ابو زرعہ رازی، انہوں نے ان حدیثوں کے متعلق میرے الفاظ نوٹ کئے اور امام ابو زرعہ کی خدمت میں

Maktaba Tul Ishaat.com

حاضر ہوئے اور ان سے سوال کیا اور امام ابوزرعہ رازی کے جوابات نوٹ کئے، پھر میرے پاس آئے، جس کے متعلق میں نے باطل کہا تھا ابوزرعہ نے کذب کہا، اور جس کے متعلق میں نے کذب کہا ابوزرعہ نے باطل کہا، میں نے کہا الکذب والباطل واحد اور جس کے متعلق میں نے منکر کہا ابوزرعہ نے بھی منکر کہا، اور جن کے متعلق میں نے صحت کا حکم لگایا ابوزرعہ نے بھی اس کو صحیح کہا، وہ تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ عجیب بات ہے تتفقان من غیر مواطاۃ فیما بینکما، میں نے کہا کہ یہی دلیل ہے کہ ہم اٹکل سے نہیں کہتے، اور پھر اس کی وضاحت میں فرمایا کہ دیکھو زرگر اور صراف سونے کے کھرے کھوٹے میں فرق کرتا ہے، اسی طرح جوہری عمدہ اور خراب میں فرق کرلیتا ہے اور اس کی وجہ وہ اپنی فنی واقفیت بتاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اس فن کے ساتھ پوری طرح لگ جاتا ہے اور اس سے طبعی مناسبت بھی ہو اور کچھ اللہ نے فہم اور تیقظ اور بیدار مغزی بھی عطا فرمائی ہو تو اس کو ایک خاص بصیرت حاصل ہو جاتی ہے جس بصیرت کے پیش نظر وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے یا ہے، اس لئے اس باب میں امام حاکم کے فیصلہ کو مغلطای اور عابد سندی کے فیصلہ پر ترجیح حاصل ہوگی، خصوصاً جبکہ حاکم کے تلمیذ بیہقی نے جو فن تعلیل وتجریح میں حاکم سے بلند مقام رکھتے ہیں موافقت کی ہے اور اس کے بعد کے اکابر نے بھی ان کے اس دعوی کو تسلیم کیا ہے جیسے حافظ ابن قیم، حافظ جمال الدین زیلعی حنفی وغیرہم۔

لیکن مجھے ایک عجیب وغریب روایت ملی ہے جس کی سند علی شرط الشیخین ہے اور اس میں صرف ایک جگہ رفع یدین کا ذکر ہے، امام حمیدی اپنی مسند میں لکھتے ہیں حدثنا سفیان قال حدثنا الزھری قال أخبرنی سالم بن عبداللہ عن أبیہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ إذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ، وإذا أراد أن یرکع وبعدما یرفع راسہ من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین، اسی طرح سے حمیدی کے مطبوعہ نسخے میں یہ روایت موجود ہے اور جہاں سے یہ نسخہ طبع ہوا ہے اس میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔

مگر میری رائے یہ ہے کہ یہ کسی کاتب کی غلطی ہے اس لئے کہ امام حمیدی نے اس کے بعد نقل کیا ہے کہ ابن عمرؓ جب کسی کو دیکھتے کہ وہ رفع یدین نہیں کرتا ہے تو اس کو کنکریوں سے مارا کرتے تھے، لفظ حَصَبَہٗ وارد ہوا ہے، اگر رفع یدین ابن عمرؓ کی روایت میں ثابت نہیں تو اس کے بعد ابن عمرؓ کا تارکِ رفع کو حصباء سے مارنے کا تذکرہ کرنا بے ربط سی بات ہوگی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کا دارومدار سفیان بن عیینہ پر ہے، ان کے جتنے تلامذہ کی روایات میری نظر سے گزری ہیں سب میں رفع یدین کا ذکر ہے، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحی بن یحی التمیمی، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، عمرو الناقد، زہیر بن حرب، ابن نمیر اور دیگر ائمہ کی روایات میں جو انہوں نے ابن عیینہ سے نقل کی ہیں رفع یدین مذکور ہے، احمد کی روایت ان کی مسند میں، اسحاق بن راہویہ کی روایت سنن نسائی میں اور باقی حضرات کی روایات صحیح مسلم میں ہیں۔

(۴) چوتھا کلام: ابن عمرؓ کا عمل اس کے خلاف ہے، حضرت امام طحاوی نے بطریق ابی بکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد نقل کیا ہے قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه إلا في التكبيرة الأولىٰ من الصلوة، اس کے پانچ جوابات ہیں۔

(۱) امام احمد، امام بخاری، ابو بکر بیہقی اور دوسرے علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے، بخاری نے یحی بن معین سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث وہم ہے، بیہقی نے اس کی وضاحت یہ کی ہے کہ اصل میں ابو بکر بن عیاشؒ کو وہم ہو گیا، حاکم کہتے ہیں كان أبو بكر بن عياش من الحفاظ المتقنين ثم اختلط حين ساء حفظه فروى ما خولف فيه، پہلے تو وہ نقل کرتے تھے عن حصين عن إبراهيم عن ابن مسعود كان يرفع يديه إذا افتتح الصلوة ثم لا يرفعهما، یہ حدیث منقطع اور موقوف ہے، اس کے بعد انہیں وہم ہو گیا تو کہنے لگے عن حصين عن مجاهد عن ابن عمر۔

لیکن یہ تعلیل ضعیف ہے، اس لئے کہ ابو بکر بن عیاش اگرچہ آخر میں ضعیف الحافظہ ہو گئے تھے لیکن اس میں کیا استبعاد ہے کہ ایک ہی استاد سے دو اثر الگ الگ منقول ہوں، ابو بکر بن عیاش کے استاذ حصین ایک اثر نقل کرتے ہیں ابراہیم سے منقطعاً و موقوفاً اور دوسرا اثر نقل کرتے ہیں مجاہد سے۔

دوسری بات جو بہت غور سے سننے کی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حدیث بظاہر ابو بکر بن عیاش کی احادیث قدیمہ میں سے ہے کیوں کہ اس کے ناقل احمد بن یونس ہے جو ان کے قدماء تلامذہ میں سے ہے، اور امام طحاوی نے احمد بن یونس کے طریق سے نقل کیا ہے، اور احمد بن یونس کے ان کے قدماء تلامذہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ص ۷۲۵ پر ایک روایت نقل کی ہے بطریق احمد بن یونس عن ابی بکر بن عیاشؒ

Maktaba Tul Ishaat.com

عن حصین، تو معلوم ہوا کہ یہ سند تو علیٰ شرط البخاری ہے، لیکن ثقہ کو بعض وقت وہم ہو جاتا ہے، بخاری و مسلم اس کی وہ روایتیں لیتے ہیں جو محفوظ ہوں تو بظاہر یہ اثر محفوظ نہیں ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ابن عمرؓ کے اکثر تلامذہ سالم، نافع، محارب بن دثار، ابو الزبیر، طاؤس رفع یدین نقل کرتے ہیں لہذا تنہا مجاہد کی روایت پر ان حضرات کے بیان کو ترجیح حاصل ہوگی، واقعہ یہ ہے کہ یہ جواب نہایت وزن دار ہے۔

الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ ترجیح کی ضرورت تو اس وقت ہے جبکہ جمع ممکن نہ ہو اور یہاں پر جمع ممکن ہو سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ بعض اوقات ابن عمرؓ نے ترک رفع کیا ہو اس لئے کہ ترکِ رفع ان کے نزدیک ثابت ہے لیکن ابن عمرؓ ترکِ رفع پر کنکری مارتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ترک ثابت نہیں۔

(۳) تیسرا جواب بخاری وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ ابن عمرؓ کو سہو ہو گیا ہو، لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ پوری نماز میں آدمی کو ایک دم سہو ہو جائے، کہیں بھی رفع یدین نہ کرے یہ عقل میں آنے والی بات نہیں ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ دیا گیا کہ ابن عمرؓ سے بیاناً للجواز ایسا ثابت ہو، اس پر اشکال یہ ہے کہ بیاناً للجواز تو شارع کا وظیفہ ہے، ابن عمرؓ کو اگر جواز ہی بیان کرنا ہوتا تو یوں کہہ دیتے کہ بھائی رفع یدین سنت ہے مستحب ہے اس کا کرنا واجب نہیں ہے۔

(۵) پانچواں جواب یہ دیا گیا کہ ابن عمرؓ بھلا اپنی روایت مرفوعہ کے خلاف کیسے عمل کر سکتے ہیں؟ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی روایت مرفوعہ جب تک ان کو منسوخ ہونا معلوم نہ ہوا ہو وہ اس پر عمل کرتے رہیں اور اس کا نسخ جب ثابت ہو گیا اس کے بعد اس پر عمل کرنا ترک کر دیا۔

لیکن یہ جواب دل کو نہیں لگتا ہے اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن عمرؓ کے عام تلامذہ ان سے رفع یدین کیوں نقل کرتے اور وہ تارکِ رفع پر کنکریاں کیوں مارتے؟ اور جیسے ان سے رفع یدین کی روایات طرق متکاثرہ سے نقل کی جاتی ہیں ترکِ رفع کی بھی اسی طرح نقل کی جاتیں۔

ایک حدیث اور اس سے استدلال: مزید براں یہ ہے کہ امام بیہقی نے ایک روایت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا دائمی عمل رفع یدین تھا، اور اس روایت کو امام تقی الدین

Maktaba Tul Ishaat.com

ابن دقیق العید نے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث سے نسخ کے توہم کا خاتمہ ہوجاتا ہے، اور وہ حدیث یہ ہے:

امام بیہقی نے بطریق الحسن بن عبداللہ بن حمدان الرقی عن عصمة بن محمد الأنصاری عن موسی بن عقبة عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان إذا افتتح الصلوة رفع یدیه وإذا رکع وإذا رفع رأسه من الرکوع ولا یفعل ذلک فی السجود فما زالت تلک صلوته حتی لقی اللہ۔

جواب: لیکن یہ حدیث واہی بلکہ باطل ہے، امام بیہقی اگر اس جیسی روایت سے استدلال کریں تو کچھ بعید نہیں، اس لئے کہ بقول ابن تیمیہ کے وہ ایسے آثار سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر ان کے مخالفین ان جیسے آثار سے استدلال کریں یا ان سے احتجاج کریں تو امام بیہقی ان کے معائب ظاہر کرنے لگیں، اصل میں آدمی یہ اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ تمام روایات کو ایک عالم کے قول کے مطابق کرنا چاہتا ہے، اور جو ایسا کرتا ہے اس سے تعصب کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

مگر علامہ ابن دقیق العید سے تعجب ہے کہ انہوں نے اس سے کیسے استدلال کیا، اس لئے کہ اس کی سند میں عصمۃ بن محمد الانصاری ہے جس کے بارے میں امام ابوحاتم رازی فرماتے ہیں لیس بالقوی، اور یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کذاب یضع الحدیث، ابوجعفر عقیلی فرماتے ہیں یحدث بالأباطیل عن الثقات، امام دارقطنی فرماتے ہیں متروک، حافظ ابن عدی فرماتے ہیں کل حدیثه غیر محفوظ۔

اسی طرح سے اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہے، خطیب بغدادی تو کہتے ہیں أحادیثه أفراد وغرائب ولم أسمع فیه إلا خیرًا، لیکن حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان میں لکھا ہے اتهمه سلیمان بوضع الحدیث، تو جس کی سند میں ایک نہیں دو دو ایسے راوی ہوں جو متہم بالوضع ہو اور بعض رواۃ کو ناقدین فن نے کذاب ووضاع قرار دیا ہے اس کی روایت سے کوئی مسئلہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔

الدلیل الثانی: مالک بن حویرثؓ کی روایت ہے عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صَنَعَ هَكَذَا، أخرجه البخاری ومسلم۔

اس حدیث میں واقعۃً تینوں جگہ رفع یدین مذکور ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس پر اشکال: لیکن اس حدیث کے دوسرے طرق میں سجدے میں جاتے ہوئے بھی رفع یدین کا ذکر ہے، حضرت امام نسائی نے یہی حدیث باب رفع الیدین للسجود میں بطریق شعبہ وسعید بن ابی عروبہ عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نقل کی ہے اس میں ہے أنه رأى النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع يديه فی صلوته وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع وإذا سجد وإذا رفع رأسه من السجود حتى يحاذى بهما فروع أذنيه، نسائی جلد اول ص ۱۶۵ پر موجود ہے اس نسخہ میں جو مکتبہ تھانوی دیوبند سے طبع ہوا ہے، قتادہ سے یہ لفظ جیسے شعبہ نقل کرتے ہیں ایسے ہی سعید بن ابی عروبہ، ہشام دستوائی بھی نقل کرتے ہیں اور ان تینوں حضرات کی روایات نسائی میں موجود ہیں، اسی طرح سے ہمام بھی قتادہ سے نقل کرتے ہیں أخرجه أحمد (۲/۵۳) وأبو عوانة (۲/۱۰۴)، لیکن ان کی روایت مختصر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں أن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان يرفع يديه حيال أذنيه فی الركوع والسجود۔

بعض لوگوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی کی ایک عبارت سے وہم ہو گیا کہ اس روایت کو سعید بن ابی عروبہ قتادہ سے نقل کرتے ہیں نہ کہ شعبہ، اور نسائی کے نسخہ میں جو شعبہ واقع ہوا ہے وہ کاتب کی غلطی ہے، سعید کا شعبہ بن گیا، مگر یہ غلط ہے، بلکہ سعید بن ابی عروبہ اور شعبۃ بن الحجاج عتکی دونوں ہی قتادہ سے نقل کرتے ہیں اور دونوں کی روایت نسائی میں موجود ہے، اور حافظ جمال الدین المزی نے تحفۃ الاشراف میں دونوں کی روایتیں درج کی ہیں۔

جواب: اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ من باب تنوع العمل ہے، اس لئے راوی کبھی بعض مواضع کا تذکرہ کرتا ہے اور کبھی اس پر مزید مواضع کا اضافہ کرتا ہے۔

الدليل الثالث: حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت ہے أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ، وَصَفَ هَمَّامٌ حِيَالَ أُذُنَيْهِ وَالْتَحَفَ بِثَوْبِهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ، فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ، فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ مِنْ طَرِيقِ هَمَّامٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ وَمَوْلًى لَهُمْ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ أَبِيهِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ۔

یہ حدیث امام ابوداؤد وغیرہ دیگر ائمہ نے بھی تخریج کی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث وائلؓ پر اشکال: اس پر اشکال یہ کیا گیا ہے کہ یہ حدیث وائل بن حجرؓ سے دو طریقوں سے نقل کی جاتی ہے، ایک عاصم بن کلیب اور دوسرے عبد الجبار بن وائل کے طریق سے۔

سند میں اختلاف: عاصم بن کلیب کبھی تو کہتے ہیں عن أبیہ عن وائل اور کبھی کہتے ہیں عن علقمة عن وائل، اور عبد الجبار یہ روایت نقل کرتے ہیں تو کبھی براہ راست اپنے والد وائل سے نقل کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں حدثنی أھل بیتی عن أبی، اور کبھی کہتے ہیں کنتُ غلاما لا أعقل صلوة أبی فحدثنی وائل بن علقمة عن أبی وائل، یہ وجوہ سب ابوداؤد شریف میں ہیں، اور جو آخری سند میں فحدثنی وائل بن علقمة ہے ابن حبان کہتے ہیں یہ محمد جحادہ کا وہم ہے اور صواب علقمہ بن وائل ہے، لیکن محمد بن جحادہ سے مسند احمد اور صحیح مسلم میں علی الصواب منقول ہے، تو ہو سکتا ہے کسی اور کا وہم ہو یا محمد بن جحادہ ہی کسی وقت درست نقل کرتے ہوں اور کبھی غلط، عبد الجبار نے اپنے والد وائل کو نہیں پایا ہے، امام بخاری اور ترمذی وغیرہما کی رائے ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے، اگرچہ بعض دیگر متأخرین نے اس میں مخالفت کی ہے اور کنتُ غلاما لا أعقل صلوة أبی سے اس بات پر احتجاج کیا ہے کہ وہ اپنے باپ کی زندگی میں پیدا ہو گئے تھے، بہر حال اس کی سند میں اختلاف ہے۔

متن میں اختلاف: نیز اس کے متن میں اختلاف ہے، عبد الجبار کے بعض طریقوں میں رفع یدین کا ذکر ہے اور بعض میں نہیں وکلاھما فی أبی داود، اسی طرح عاصم بن کلیب کے تلامذہ میں اختلاف ہے، بعض رفع یدین ذکر کرتے ہیں اور بعض نہیں، لیکن میرے نزدیک یہ علت قادحہ نہیں ہے، اس لئے کہ اضطراب واختلاف اس وقت مخل اور مضر ہوتا ہے جب تمام وجوہ وطرق مساوی فی الدرجہ ہوں، اور اگر بعض کو بعض پر ترجیح ہو تو راجح کو مرجوح پر مقدم کیا جائے گا، امام مسلم نے جس طریق سے یہ روایت نقل کی ہے وہ طریق دیگر طرق سے راجح ہے اس لئے وہ مقدم ہوگا، یہ تو گفتگو ہوئی عبد الجبار بن وائل کے طریق کے بارے میں۔

اور عاصم کے طریق میں اختلاف کا جواب یہ ہے کہ تنہا شریک رفع یدین ذکر نہیں کرتے، اور باقی ان کے سارے تلامذہ شعبہ عند البخاری فی جزئہ، سفیان الثوری عند عبد الرزاق فی مصنفه، سفیان بن عیینہ عند النسائی، بشر بن المفضل عند ابی داؤد، زائدۃ عند البخاری فی جزئہ، جریر وصالح بن عمر الواسطی وابو الاحوص عند الدار قطنی

Maktaba Tul Ishaat.com

فی سننہ یہی حدیث نقل کرتے ہیں اور سب رفع یدین نقل کرتے ہیں، البتہ بعض کی روایات ان مخرجین نے مختصراً نقل کی ہے، بہر حال اکثر حضرات کا بیان تنہا شریک کے بیان پر جس کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے مقدم ہو گا، اب جواب کچھ دوسرا ہی دینا پڑے گا۔

امام طحاوی کا جواب: امام طحاوی نے جواب دیا ہے علی وجہ المعارضہ، حاصل معارضہ یہ ہے کہ وائلؓ تو نقل کرتے ہیں رفع کو اور ابن مسعودؓ نقل کرتے ہیں ترکِ رفع کو، اور ابن مسعودؓ بہ نسبت وائلؓ کے اولی بالتقدیم ہیں، اس لئے کہ روایات میں وارد ہوا ہے **کان النبی ﷺ یحب أن یلیہ المهاجرون والأنصار**، ابن مسعودؓ اکابر مہاجرین میں سے ہیں سابقین اولین میں سے ہیں یہ آگے کھڑے ہونے والوں میں سے ہیں، لہذا جتنا ان کو افعال نبوی ﷺ کا علم ہو سکتا ہے وائلؓ کو نہیں ہو سکتا ہے۔

ابراہیم نخعی کے سامنے جب وائلؓ کی روایت بطریق علقمہ رفع یدین کے باب میں نقل کی گئی تو فرمایا **ماأری أباہ یعنی أباعلقمة وھو وائل رأی رسول اللہ ﷺ إلا ذلک الیوم الواحد فحفظ عنه وعبداللہ بن مسعود لم یحفظه، إنما رفع الیدین عند افتتاح الصلوة، رواہ الدار قطنی، وفی روایة الطحاوی إن کان وائل رآہ مرة یفعل ذلک فقدرآہ عبداللہ بن مسعود خمسین مرة لا یفعل ذلک۔**

اس پر اعتراض: لیکن امام بخاری نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ یہ کہنا کہ صرف ایک مرتبہ دیکھا صحیح نہیں ہے، زائدہ کی روایت میں حضرت وائلؓ کے خدمت نبوی میں دو مرتبہ آنے کی تصریح موجود ہے، اور زائدہ کی روایت امام دارمی، امام بخاری نے جزء رفع میں اور امام ابوداؤد نے تخریج کی ہے، اور ظاہر ہے کہ جب یہ آئے تھے تو آنے کے ساتھ ہی فوراً واپس نہیں چلے گئے، حضرت والا شان میں علم سیکھنے کے لئے آئے تھے، کچھ مدت قیام کیا ہو گا تو غور ہی سے حضور ﷺ کے افعال کا مشاہدہ کیا ہو گا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ مالک بن حویرثؓ اور وائل بن حجرؓ کی روایتیں مشکل ہیں اس لئے کہ یہ آخر زمانہ کی ہیں اور بظاہر سنۃ الوفود کے زمانہ کا واقعہ ہے، مالک بن حویرثؓ کی روایت میں جلسۂ استراحت کا ذکر ہے، فقہاءِ احناف اس کو حضور اکرم ﷺ کے ضعف کے زمانہ پر محمول کرتے ہیں تو پھر ان کی روایت مؤخر ہونی چاہئے۔

الدلیل الرابع: حضرت علیؓ کی روایت ہے جو امام احمد نے المسند میں، امام محمد بن اسماعیل البخاری نے جزء رفع یدین میں اور ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، طحاوی اور دار قطنی نے بطریق عبد الرحمٰن بن

Maktaba Tul Ishaat.com

أبی الزناد عن موسی بن عقبة عن عبد اللہ بن الفضل عن عبد الرحمٰن بن ہرمز الأعرج عن عبید اللہ بن أبی رافع عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّہُ کَانَ إِذَا قَامَ إِلَی الصَّلَاۃِ الْمَکْتُوبَۃِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ وَیَصْنَعُ مِثْلَ ذٰلِکَ إِذَا قَضٰی قِرَاءَتَہُ وَأَرَادَ أَنْ یَرْکَعَ، وَیَصْنَعُہُ إِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّکُوعِ، وَلَا یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِی شَیْءٍ مِنْ صَلَاتِہِ وَھُوَ قَاعِدٌ، وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَیْنِ رَفَعَ یَدَیْہِ کَذٰلِکَ وَکَبَّرَ، قال الترمذی: ھذا حدیث حسن وھکذا صححہ ابن خزیمة۔

علامہ تقی الدین بن دقیق العید فرماتے ہیں کہ میں نے علل خلّال میں دیکھا ہے کہ اسماعیل بن اسحاق ثقفی نے نقل کیا کہ امام احمد سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا ھو صحیح۔

اس حدیث کے تین جواب دیئے گئے۔

الجواب الأول: اس حدیث کی سند میں کلام ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس حدیث کا دارومدار عبد الرحمٰن بن ابی الزناد پر ہے جو متکلم فیہ راوی ہے، امام یحیٰ بن معین، امام نسائی نے اس کی تضعیف کی ہے، امام احمد فرماتے ہیں مضطرب الحدیث، علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ امام احمد سے مضطرب الحدیث نقل کرنے کے بعد پھر ان سے اس حدیث کی تصحیح نقل کرنا بعید معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کا جواب سنئے۔

یہ واقعہ ہے کہ بعض ائمہ فن نے ان کی تضعیف کی ہے لیکن بعض دیگر ائمہ جیسے امام ترمذی، امام عجلی وغیرہ نے توثیق بھی کی ہے، یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں ابن أبی الزناد ثقة صدوق وفی حدیثہ ضعف، وسمعت علی بن عبد اللہ المدینی یقول: حدیثہ بالمدینة مقارب وحدیثہ بالعراق مضطرب۔

میرا خیال یہ ہے کہ امام احمد مضطرب الحدیث عراق کی احادیث کے اعتبار سے فرماتے ہیں، اور یہ حدیث ابن ابی الزناد موسیٰ بن عقبہ سے نقل کرتے ہیں جو مدنی ہیں ثقہ اور فقیہ ہیں، اور ابن ابی الزناد کے متعلق علامہ ذہبی فرماتے ہیں حسن الحال، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک جگہ تفصیل سے ان کے متعلق ائمہ فن کا کلام نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ جس حدیث کو یہ تنہا نقل کریں گے اس کی صحت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا وغایتہ أن یکون حسنًا، ابن ابی الزناد یہ روایت موسیٰ بن عقبہ سے نقل کرتے ہیں اور وہ مدنی ہیں۔

امام بخاری نے ایک روایت تعلیقًا عن ابن أبی الزناد عن موسی بن عقبة نقل کی ہے اور انہی سے امام طحاوی نے مدینہ کے فقہاء سبعہ کا فتویٰ نقل کیا ہے إن الوتر ثلاث لا یسلم إلا فی آخرھن، اسی طرح سے انہی کی سند

Maktaba Tul Ishaat.com

سے یہ نقل کیا ہے أن عمر بن عبد العزیز أثبت بالمدینة أن الوتر ثلاث لا یسلم إلا فی آخرهن، امام ترمذی نے ان کے طریق سے زید بن ثابتؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے أن النبی ﷺ تجرد لإهلاله واغتسل اور لکھا ہے هذا حدیث حسن، ابو الحسن بن القطان الفاسی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے اس کی صرف تحسین کی تصحیح نہیں کی، اس لئے کہ ابن ابی الزناد کے بارے میں اختلاف ہے۔

تو مطلب یہ نکلا کہ ابن ابی الزناد حسن الحال ہے جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے اور امام ابن القطان نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے لہٰذا یہ حدیث کم از کم حسن ہونی چاہیئے۔

طحاوی کا تفرد کا دعوی: لیکن امام طحاوی نے مشکل الآثار میں لکھا ہے کہ یہ اس روایت کو نقل کرنے میں منفرد ہیں، ابن جریج نے یہ روایت موسیٰ بن عقبہ سے نقل کی ہے اور اس میں رفع یدین کا ذکر نہیں کیا وحدیث ابن جریج أخرجه الشافعی وأبو عوانة (۲/۱۱۳) والدار قطنی وقال: إسناده حسن صحیح، مزید براں یہ ہے کہ موسیٰ بن عقبہ اس روایت میں إلی الصلوة المکتوبة کہتے ہیں، ابن صاعد فرماتے ہیں تفرد به موسی بن عقبة، عبد ضعیف کہتا ہے کہ رفع یدین نقل کرنے میں بھی موسیٰ بن عقبہ منفرد ہیں، ان کے دوسرے رفیق عبد العزیز بن ابی سلمہ الماجشون یہی روایت نقل کرتے ہیں عبد اللہ بن فضل سے تو اس میں رفع یدین ذکر نہیں کرتے وحدیثه أخرجه الطحاوی وأبو عوانة، پھر آگے عبد اللہ بن فضل رفع یدین کو نقل کرنے میں منفرد ہیں، ان کے دوسرے رفیق یعقوب بن ابی سلمہ الماجشون یہی روایت نقل کرتے ہیں عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج سے اس میں رفع یدین ذکر نہیں کرتے ہیں وحدیثه أخرجه مسلم وأبو داود والترمذی والنسائی وابن حبان وأبو عوانة وغیرهم۔

خلاصہ یہ ہے کہ رفع یدین نقل کرنے میں ابن ابی الزناد منفرد ہیں موسیٰ بن عقبہ سے، اور موسیٰ بن عقبہ منفرد ہیں عبد اللہ بن فضل سے، اور عبد اللہ بن فضل منفرد ہیں عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج سے، لیکن موسیٰ بن عقبہ اور عبد العزیز بن ابی سلمہ تو ہم پلہ ہیں، اور عبد اللہ بن فضل کا درجہ یعقوب بن ابی سلمہ سے اونچا ہے۔

ظن غالب یہ ہے کہ اگر وہم ہوا ہو تو ابن ابی الزناد کو ہوا ہے اور اس وہم کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے امام طحاوی نے ایک اثر نقل کیا ہے کہ وہ نماز کے ابتداء میں رفع یدین کرتے تھے اور اس کے

Maktaba Tul Ishaat.com

بعد عود نہیں فرماتے تھے عن علی أنه کان یرفع یدیه فی أول تکبیرة من الصلوة ثم لا یعود، أخرجه الطحاوی من طریق أبی بکر بن عبداللہ بن قطاف النهشلی عن عاصم بن کلیب عن أبیه عن علی بن طالب، لیکن عثمان دارمی کہتے ہیں کہ یہ سند واہی ہے اور ابو بکر نہشلی لیس ممن یحتج بروایته أو تثبت به سنة۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابو بکر نہشلی کی توثیق کی ہے عبد الرحمن بن مہدی، امام احمد بن حنبل، امام یحی بن معین، ابو داؤد سجستانی، احمد عجلی نے، اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے تکلم فیه ابن حبان بلا وجه، اور ان کی متابعت کی ہے محمد بن ابان بن صالح نے جن کی روایت امام محمد بن الحسن الشیبانی نے مؤطا میں تخریج کی ہے، ابو حاتم رازی کہتے ہیں محمد بن أبان بن صالح لیس بالقوی یکتب حدیثه و لا یحتج به، ایسا راوی باب متابعت میں چل جاتا ہے، کیوں کہ لا یحتج به کے معنی یہ ہے کہ اس سے استدلال نہ کیا جائے ہاں اس کی روایت اعتبار کے طور پر متابعات اور شواہد میں پیش کی جاسکتی ہے۔

الجواب الثانی: عثمان دارمی نے ایک دوسرا اعتراض کیا کہ بھلا حضرت علیؓ اپنی روایت مرفوعہ کے خلاف کیسے عمل کر سکتے ہیں؟ امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ مخالفین یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کے نزدیک حدیث رفع کا نسخ ثابت ہو گیا ہو اس لئے اس کے خلاف انہوں نے عمل کیا ہو۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ اولاً تو حضرت علیؓ سے رفع یدین کے باب میں جو روایت نقل کی جاتی ہے اس کے ثبوت ہی میں کلام ہے جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے، اور جس طرح کی تعلیل ہم نے بیان کی ہے اس طرح کی تعلیل محدثین کرام اور دیگر روایات میں بیان کرتے ہیں۔

امام ابو داؤد نے دعائے افتتاح نقل کی ہے بطریق طلق بن غنام ثنا عبد السلام بن حرب الملائی عن بدیل بن میسرة عن أبی الجوزاء عن عائشة قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا استفتح الصلاة قال سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا إله غیرک، اس کے بعد فرمایا قال أبو داود هذا الحدیث لیس بالمشهور عن عبد السلام بن حرب لم یروه إلا طلق بن غنام وقد روی قصة الصلاة عن بدیل جماعة لم یذکروا فیه شیئا من هذا تو امام ابو داؤد نے علت یہ بیان کی کہ طلق بن غنام یہ روایت عبد السلام بن حرب سے نقل کرنے میں منفرد ہیں، حالانکہ اس حدیث کی حاکم نے تصحیح کی ہے اور حافظ شمس الدین ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اسی طرح کی تعلیل حضرت علیؓ کی روایت مذکورہ بالا کے بارے میں ہم نے پیش کی ہے، اور اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ من باب تنوع عمل ہو گا، حضرت علیؓ نے رفع یدین اس لئے نہیں کیا کہ ان کے نزدیک ترک رفع ثابت ہو گیا تھا وهذا هو الراجح، چنانچہ ابن ابی شیبہ نے ابو اسحاق سبیعی سے نقل کیا ہے کان أصحاب علي وأصحاب عبدالله لا يرفعون أيديهم إلا عند افتتاح الصلوة أو نحو هذا، اس کے قریب لفظ ہے، اگر حضرت علیؓ کا دائی یا کم از کم اکثری عمل ترک رفع نہ ہوتا تو ان کے اصحاب ترک رفع کیوں اختیار کرتے؟ یہ دوسرے جواب کی تقریر ہے جو بطریق معارضہ دیا گیا ہے۔

الجواب الثالث على سبيل الإلزام: اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی روایت میں رفع یدین عند القیام من الرکعتین کا ذکر ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں إذا قام من السجدتين سے تعبیر کیا گیا ہے اور فریق مخالف اس کے قائل نہیں ہے، فریق مخالف یہاں ترکِ رفع کا جو جواب دے گا ہم باقی مواضع میں ترک کا وہی جواب دیں گے، لکن عندی هذا جواب مهمل لا فائدة فيه یہاں کوئی اسکات خصم مقصود ہے؟ یہاں تو تحقیق مسئلہ مقصود ہے، اگر فریق مخالف ایک جگہ ترک رفع کی وجہ سے مستحق ملامت ہے تو ہم اس سے زائد مواقع میں ترکِ رفع کے قائل ہونے کی وجہ سے مستحق ملامت ہوں گے، لہذا یہ جواب میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

الدليل الخامس: ابوحمید ساعدیؓ کی روایت ہے عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْهُمْ أَبُو قَتَادَةَ، قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالُوا فَلِمَ فَوَاللهِ مَا كُنْتَ بِأَكْثَرِنَا لَهُ تَبَعًا وَلَا أَقْدَمَنَا لَهُ صُحْبَةً. قَالَ بَلَى. قَالُوا فَاعْرِضْ. قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حَتَّى يَقِرَّ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلَا يَنْصَبُّ رَأْسَهُ وَلَا يُقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ إلى أن قال ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ۔

أخرجه أحمد وابن أبي شيبة وأبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجه والدارمي والبخاري في جزء رفع اليدين وابن الجارود وابن خزيمة وابن حبان والطحاوي والبيهقي والخطيب وغيرهم من

Maktaba Tul Ishaat.com

طریق عبد الحمید بن جعفر عن محمد بن عمرو بن عطاء عن أبی حمید، قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح، وهکذا صححه ابن خزیمة وابن حبان وفی روایة ابن أبی شیبة وسعید بن منصور رأیت أبا حمید مع عشرة رهط من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اس حدیث کے دو جواب دیئے گئے ہیں، ایک الزامی، دوسرا تضعیفی۔

الزامی جواب کی تقریر وہ ہے جو حضرت علیؓ کی روایت کے ذیل میں گزر چکی اور اسکا جواب بھی گزر چکا۔

اور تضعیفی جواب کی تفصیل یہ ہے کہ اس حدیث میں تین علتیں ہیں۔

العلة الأولی: اول یہ ہے کہ عبد الحمید بن جعفر متکلم فیہ ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ثقة لیس به بأس سمعت یحی بن سعید یقول: کان سفیان یضعفه من أجل القدر، امام نسائی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں لیس بالقوی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے ائمۂ فن نے ان کی توثیق کی ہے، امام احمد، یحیٰ بن معین فرماتے ہیں ثقة لیس به بأس، امام علی بن عبد اللہ المدینی فرماتے ہیں کان یقول بالقدر وکان عندنا ثقة، وقال أبو حاتم: محله الصدق، امام مسلم ودیگر اصحاب سنن نے ان کی روایت سے احتجاج کیا ہے، اسی طرح ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی۔

العلة الثانیة: اس کی سند میں انقطاع ہے، یہ روایت محمد بن عمرو بن عطاء نے ابو حمید ساعدی سے نہیں سنی ہے، امام ابو حاتم رازی سے ان کے بیٹے امام ابن ابی حاتم نے کتاب العلل (۱/۱۶۳) میں نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، امام طحاوی اور ابو الحسن بن القطان فاسی فرماتے ہیں کہ منقطع ہے۔

امام طحاوی نے اس کے انقطاع کی دو دلیلیں ذکر کی ہیں۔

انقطاع کی دو دلیلیں: پہلی دلیل یہ ہے کہ یہی روایت عطاف بن خالد نقل کرتے ہیں محمد بن عمرو بن عطاء سے، تو صحابہ اور محمد بن عمرو بن عطاء کے درمیان ایک رجل کا واسطہ ذکر کرتے ہیں، امام طحاوی نے بطریق عبد اللہ بن صالح نقل کیا حدثنا عطاف بن خالد قال حدثنی محمد بن عمرو بن عطاء قال حدثنی رجل أنه وجد عشرة من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اور دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ اس حدیث میں ابو قتادہؓ کا ذکر ہے، حالانکہ محمد بن عمرو بن عطاء نے

Maktaba Tul Ishaat.com

ابو قتادہؓ کو پایا ہی نہیں، کیونکہ ابو قتادہؓ کی وفات حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہوئی اور حضرت علیؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور محمد بن عمرو بن عطاء کی وفات سن ہجری ۱۲۰ کے بعد ۸۰ سے عمر متجاوز ہو جانے کے بعد ہوئی، حضرت علیؓ کی شہادت سن ہجری ۴۰ میں ہے تو محمد بن عمرو بن عطاء؛ ابو قتادہؓ کا زمانہ کیسے پا سکتا ہے؟

ابو الحسن بن القطان فاسی نے انقطاع کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ یہی حدیث حسن بن حر نقل کرتے ہیں عیسیٰ بن عبد اللہ بن مالک سے وہ محمد بن عمرو بن عطاء سے تو کہتے ہیں حدثني عباس أو عياش بن سهل عن الصحابة رضوان الله تعالى عليهم، هكذا أخرجه أبو داود والطحاوي والبيهقي وابن حبان وقال ابن حبان عن عباس بن سهل ولم يشك، ابو حاتم رازی نے بھی ارسال کا یہی قرینہ پیش کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اصل حدیث صحیح ہے، اور فلیح کا طریق ذکر فرمایا۔

انقطاع کی دلیلِ اول کا جواب: اس کا دارو مدار عطاف بن خالد پر ہے اور وہ متکلم فیہ ہے، امام ابو احمد الحاکم فرماتے ہیں لیس بالمتین عندھم، غمزہ مالک، امام بخاری فرماتے ہیں لم یحمدہ مالک۔

امام طحاوی نے اس کا جواب دیا کہ عطاف بن خالد کی ساری احادیث مردود نہیں بلکہ ان کی احادیث جدیدہ مردود ہیں، اور جو احادیث قدیمہ ہیں وہ مقبول ہیں جیسا کہ امام یحییٰ بن معین نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے، اور یہ حدیث ان کی احادیث قدیمہ میں سے ہے، ابو صالح کا سماع ان سے قدیم ہے، اس کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس رجل مبہم سے مراد عباس بن سہل ہے جیسا کہ حسن بن حر کے طریق میں واقع ہوا ہے۔

اور امام ابو حاتم بن حبان بستی فرماتے ہیں کہ حسن بن حر اور عبد الحمید بن جعفر کے طریق میں کوئی اختلاف و تعارض نہیں ہے، اصل میں یہ روایت محمد بن عمرو بن عطاء نے ابو حمید سے بھی سنی ہے اور عباس بن سہل کے واسطہ سے بھی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی جواب کو اختیار کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ عیسیٰ بن عبد اللہ بن مالک کا طریق من قبیل المزید فی متصل الاسانید ہوگا، بعض وقت ایک راوی استاذ سے حدیث سنتا ہے لیکن کسی خاص وجہ سے وہی سنی ہوئی حدیث کو ایک واسطہ سے نقل کرتا ہے، مثلاً اس کے لفظ میں نیچے والے راوی سے تحقیق حاصل ہوئی یا کوئی زیادتی موجود ہے دوسرے راوی کی روایت میں، اس لئے بالواسطہ روایت لیتا ہے۔

مگر حافظ نے التلخیص الحبیر میں اس جواب کو بھی رد کیا ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اصل بات یہ ہے کہ عطاف بن خالد جس محمد بن عمرو سے نقل کرتے ہیں وہ محمد بن عمرو بن علقمۃ بن وقاص لیثی ہیں تابعی صغیر ہیں جنہوں نے ابو قتادہؓ کا زمانہ پایا ہی نہیں بلکہ وہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن وغیرہ کبار تابعین سے نقل کرتے ہیں، اور عبد الحمید بن جعفر جس محمد بن عمرو سے نقل کرتے ہیں وہ محمد بن عمرو بن عطاء تابعی کبیر ہیں، انہوں نے ابو حمیدؓ اور ابو قتادہؓ وغیرہ سے سنا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر کی یہ تنقید غلط ہے اس لئے کہ طحاوی ہی کی کتاب میں عطاف بن خالد کا طریق واقع ہوا ہے اور عطاف کی سند میں محمد بن عمرو کے ابن عطاء ہونے کی تصریح وارد ہوئی ہے، لہذا پہلا ہی جواب دیا جائے گا۔

انقطاع کی دوسری دلیل کا جواب: امام طحاوی نے جو دوسری دلیل پیش کی ہے امام بیہقی نے اس کو رد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابو قتادہؓ کی وفات حضرت علیؓ کے دور خلافت میں صرف شعبی نقل کرتے ہیں اور وہ اس نقل میں منفرد ہیں، باقی ائمۂ تاریخ و رجال یہ کہتے ہیں کہ وہ سن ۵۴ ہجری تک زندہ رہے ہیں، پھر امام بیہقی نے واقدی، امام ترمذی، لیث بن سعد، ابن مندہ سے یہ نقل کیا ہے۔

لیکن امام شعبی کا انفراد کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں، ابن ابی شیبہ، طحاوی، بیہقی، خطیب بغدادی نے موسیٰ بن عبد اللہ الانصاری سے بھی یہی نقل کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، ایک مؤرخ ہے ہیثم بن عدی اگرچہ وہ ضعیف ہے لیکن وہ بھی یہی کہتا ہے، ابن سعد نے بھی یہ قول نقل کیا ہے اگرچہ اس کے بعد اپنے استاذ واقدی کا قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

علامہ ابن الترکمانی الجوھر النقی میں لکھتے ہیں قال ابن عبد البر: ھو الصحیح، بہت ممکن ہے کہ ابن عبد البر نے کتاب التمہید یا کتاب الاستذکار میں لکھا ہو لیکن الاستیعاب میں ہمیں یہ لفظ نہیں ملا، انہوں نے الاستیعاب میں دونوں قول نقل کئے ہیں، ایک سن ۵۴ ہجری میں وفات کا اور دوسرا حضرت علیؓ کے عہد میں وفات کا، لیکن جب دوسرا قول نقل کیا تو اس کو مدلل کیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے قول کی ترجیح کی طرف مائل ہیں اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے رجحہ ابن القطان، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص حبیر میں اسی کو راجح قرار دیا ہے، لیکن تہذیب التہذیب اور فتح الباری میں انہوں نے قول اول یعنی سن

Maktaba Tul Ishaat.com

۵۴ ہجری میں وفات کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور بھائی انصاف کی بات یہ ہے کہ یہی قول راجح ہے۔

مشہور حنفی عالم ابوبشر دولابی نے کتاب الکنیٰ میں یہی قول ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے تاریخ صغیر میں یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن انیسؓ کی وفات ابو قتادہؓ کی وفات کے نصف ماہ بعد ہوئی ہے اور عبداللہ بن انیسؓ کی وفات سن ۵۴ ہجری میں ہوئی جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں تصریح کی ہے، تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ ابو قتادہؓ کی وفات بھی سن ۵۴ ہجری میں ہوئی ہے اور بخاری کا رجحان اسی طرف ہے، امام بخاری نے ابو قتادہؓ کو ان لوگوں میں سے شمار کیا ہے جو مابین الخمسین والستین مرے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اگر سن ۵۴ ہجری کی وفات مان لی جائے تو ان کا سماع ابو قتادہؓ سے ممکن ہے اور اگر اس سے پہلے وفات ہوئی ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس نے ان کی عمر بیان کی ہے یعنی محمد بن عمرو کی عمر اس کو غلطی ہوئی یا سن وفات بیان کرنے میں غلطی ہوگئی، یا پھر کہا جائے کہ صحابہ میں ابو قتادہؓ کے شمار کرنے میں غلطی ہوئی کیونکہ اس روایت کے طرق میں محمد بن عمرو بن عطاء کا سمعت أبا حمید الساعدی کہنا صاف طور پر وارد ہوا ہے۔

حافظ صاحب نے جو احتمالات پیش کئے ہیں وہ علی وجہ التنزل ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ راجح عند المؤرخین ان کی وفات سن ۵۴ ہجری میں ہوئی ہے، اور یہ کہنا کہ اس روایت میں ابو قتادہؓ کا تذکرہ وہم ہے یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ تنہا اسی طریق میں ان کا ذکر نہیں بلکہ ابن اسحاق نے عباس بن سہل سے یہی روایت نقل کی ہے کما أخرجه ابن خزیمة والبخاری فی جزء الرفع اس میں بھی ابو قتادہؓ کا ذکر ہے۔

العلة الثالثة: اس کی سند میں اضطراب اور متن میں اختلاف ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ حدیث جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اصحاب سنن اربعہ اور دوسرے حضرات نے بطریق عبد الحمید بن جعفر عن محمد بن عمرو بن عطاء عن أبی حمید الساعدی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کی ہے۔

اور یہی حدیث حسن بن حر نقل کرتے ہیں تو عن عیسی بن عبد اللہ بن مالک عن محمد بن عمرو بن عطاء عن عیاش أو عباس بن سہل عن الصحابة نقل کرتے ہیں کما أخرجه أبو داود والطحاوی وأخرجه ابن حبان وقال عن عباس بن سہل بغیر تردد۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اور یہی حدیث فلیح بن سلیمان نقل کرتے ہیں عباس بن سہل سے عن أبی حمید الساعدی أخرجه أبو داود (۱/۱۷) وابن ماجه (ص ۶۲) وابن خزیمة (۱/۲۹۸) وابن حبان (۳/۲۶۳) والبیهقی (۲/۷۳) وغیرهم، لیکن فلیح نے یہ روایت عباس بن سہل سے براہ راست یاد نہیں کی بلکہ عیسیٰ سے یاد کی ہے کما صرح به أبو داود۔

یہی روایت عتبہ بن ابی حکیم نقل کرتے ہیں عیسیٰ سے تو کہتے ہیں عن عباس عن أبی حمید أخرجه أبو داود والطحاوی، بیچ میں محمد بن عمرو بن عطاء کا واسطہ نقل نہیں کرتے۔

اور یہی روایت ابن اسحاق نقل کرتے ہیں عباس بن سہل سے اور وہ صحابہ سے تو اس میں رفع یدین کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے أخرجه ابن خزیمة والبخاری فی جزء الرفع۔

اور یہی حدیث محمد بن عمرو بن حلحلہ نقل کرتے ہیں محمد بن عمرو بن عطاء سے اور وہ ابو حمید ساعدیؓ سے وہ بھی اس میں رفع یدین مواضع ثلاثہ میں ذکر نہیں کرتے أخرجه البخاری فی صحیحه وأبو داود وغیره فی السنن۔

اس اضطراب کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن عمرو بن عطاء کبھی تو ابو حمیدؓ سے نقل کرتے ہیں اور کبھی ان کے بیچ میں عباس بن سہل کا واسطہ آجاتا ہے، اسی طرح عیسیٰ بن عبد اللہ کبھی تو نقل کرتے ہیں محمد بن عمرو بن عطاء کے واسطہ سے اور کبھی براہ راست عباس بن سہل سے نقل کرتے ہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ابو حمید ساعدیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جو نقل کی ہے بالقول کی ہے یا بالفعل؟ حسن بن حر کے طریق میں وصف فعلی مذکور ہے، اسی طرح ابن اسحاق کے طریق میں بھی وصف فعلی مذکور ہے اور باقی حضرات وصف قولی نقل کرتے ہیں۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ عبد الحمید بن جعفر اور محمد بن عمرو بن حلحلہ کی روایت میں افتراش اور تورک کا ذکر ہے اور بعض دوسرے طریقوں میں تورک کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اضطرابات قادحہ نہیں ہیں۔

پہلے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث ابو حمید ساعدیؓ سے محمد بن عمرو بن عطاء نے بلاواسطہ بھی سنی ہے اور بالواسطہ بھی، اور عیسیٰ بن عبد اللہ بن مالک یہ روایت محمد بن عمرو بن عطاء سے بلاواسطہ بھی نقل کرتے

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں اور بالواسطہ بھی۔

اور یہ کہنا کہ بعض وصف فعلی نقل کرتے ہیں بعض وصف قولی اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے، ممکن ہے کہ محمد بن عمرو بن عطاء کے سامنے جب یہ قصہ پیش آیا ہو تو اس وقت قولی طور پر بیان کیا ہو اور عباس بن سہل کے سامنے دونوں طرح کا قصہ پیش آیا ہو اس لئے عباس بن سہل وصف قولی بھی نقل کرتے ہیں اور وصف فعلی بھی کماقاله الحافظ ابن حجر العسقلاني۔

مگر اس میں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر مرتبہ دس صحابی جمع ہوں، ہر مرتبہ ابو حمید ساعدیؓ یہ کہیں أنا أعلمكم بصلوة رسول الله ﷺ یہ بعید ہے، ظاہر یہ ہے کہ ابو حمید ساعدیؓ نے حضور اکرم ﷺ کا فعل نقل کیا تھا بعد میں راویوں نے تجوز کر کے اسے قول سے تعبیر کر دیا۔

تیسرے اضطراب کا جواب یہ ہے کہ الساكت ليس بحجة على الناطق، اگر کسی نے اس روایت میں تورک کا ذکر نہیں کیا تو اس سے ذاکر کی روایت پر کیا اعتراض وارد ہوتا ہے؟

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت فلیح نقل کرتے ہیں عیسیٰ سے جیسا کہ ابو داؤد نے تصریح کی ہے اگرچہ وہ بلاواسطہ روایت نقل کرتے ہیں، مطلب کہنے کا یہ ہے کہ فلیح کی روایت اگرچہ عباس بن سہل سے ہے لیکن انہوں نے یاد کیا ہے عیسیٰ سے تو حقیقۃً وہ عیسیٰ سے نقل کرتے ہیں، اور عیسیٰ اگرچہ بسا اوقات عباس سے نقل کرتے ہیں جیسا کہ عتبہ کی روایت میں وارد ہوا ہے لیکن انہوں نے یہ حدیث محمد بن عمرو بن عطاء سے سنی ہے کمافي رواية الحسن بن الحر۔

تو اب ساری حدیثیں محمد بن عمرو بن عطاء کی طرف لوٹ گئیں اور محمد بن عمرو بن عطاء جب عباس بن سہل سے نقل کرتے ہیں تو رفع یدین نقل کرتے ہیں اور ابن اسحاق جب عباس بن سہل سے نقل کرتے ہیں تو رفع یدین نقل نہیں کرتے ہیں، لہٰذا ان کی روایتوں میں تعارض ہو گیا، ایک راوی تو رفع یدین نقل کرتا ہے دوسرا راوی نقل نہیں کرتا ہے لیکن اس سے حجت قائم نہیں ہوتی اس لئے کہ ممکن ہے ایک کے سامنے پورا قصہ نقل کیا ہو رفع یدین کا ذکر کیا ہو اور دوسرے کے سامنے مختصراً قصہ نقل کیا ہو، بہرحال اس حدیث پر جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ ان کو دفع نہ کیا جاسکے اور ان کا معقول جواب نہ ہو۔

الدليل السادس: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ

Maktaba Tul Ishaat.com

إذا کبّر للصلاۃ جعل یدیہ حذو منکبیہ وإذا رکع فعل مثل ذلک وإذا رفع عن الرکوع فعل مثل ذلک وإذا قام من الرکعتین فعل مثل ذلک۔

رواہ أبو داود وابن خزیمۃ من طریق یحی بن أیوب عن ابن جریج عن ابن شہاب الزہری عن أبی بکر بن عبد الرحمن عن أبی ہریرۃ، ویحی بن أیوب تابعہ عثمان بن الحکم الجذامی عند ابن خزیمۃ والدار قطنی فی عللہ وصالح بن أبی الأخضر عند ابن أبی حاتم فی عللہ۔

لیکن اس حدیث کے متعلق ابو حاتم رازی اور دار قطنی کی رائے یہ ہے کہ اصل میں اس کے اندر تکبیر کا ذکر تھا، راوی کو وہم ہو گیا اس نے بجائے تکبیر کے رفع یدین کا تذکرہ کر دیا، عبد الرزاق یہی روایت نقل کرتے ہیں ابن جریج سے تو اس میں رفع یدین کے بجائے تکبیرات ذکر کرتے ہیں کذا ھو فی مصنفہ، وکذا أخرجہ أحمد ومسلم وابن خزیمۃ وغیرھم من طریق عبد الرزاق، اسی طرح سے ابن جریج کے رفقاء میں سے عقیل، شعیب بن ابی حمزہ تکبیرات ذکر کرتے ہیں، عقیل کی روایت بخاری اور نسائی نے اور شعیب بن ابی حمزہ کی روایت ابو داؤد نے تخریج کی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی دوسری روایات ہیں جن سے رفع یدین کے قائلین نے استدلال کیا ہے۔

ترکِ رفع یدین کے دلائل

جو حضرات ترکِ رفع یدین کے قائل ہیں انہوں نے متعدد روایات سے استدلال کیا ہے جو عبد اللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابو ہریرہؓ اور دیگر صحابۂ کرام سے نقل کی جاتی ہیں۔

پہلی دلیل: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جو سب سے زیادہ مشہور ہے جس کو امام احمد (۱/۴۴۲)، ابن ابی شیبہ (۱/۲۳۶)، ابو داؤد (۲/۲۱)، ترمذی (ص ۳۵)، نسائی (۱/۱۶۱)، بیہقی (۲/۷۸) نے روایت کیا ہے بطریق وکیع عن سفیان الثوری عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الأسود عن علقمۃ قال قال عبد اللہ بن مسعود: ألا أصلی بکم صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال: فصلی فلم یرفع یدیہ إلا مرۃ، قال الترمذی: ھذا حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من أھل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو

Maktaba Tul Ishaat.com

قول سفیان وأهل الکوفة۔

حدیث پر اعتراض: امام ترمذی اور دار قطنی (ص ۱۱۰) اور بیہقی نے امام عبد اللہ بن مبارک سے نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک ابن مسعودؓ کی حدیث ترکِ رفع کے باب میں ثابت نہیں ہے بلکہ ابن عمرؓ کی حدیث رفع کے باب میں ثابت ہے۔

اس کا جواب: بعض علماء احناف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اصل میں اس حدیث کی ابن مبارک نے تضعیف نہیں کی ہے بلکہ اس میں تو نبی کریم ﷺ کے فعل کی حکایت ابن مسعودؓ نے اپنے فعل سے کی ہے، ابن مبارک نے جس حدیث کی تضعیف کی ہے اس میں ابن مسعودؓ نے حضور کی نماز کی اپنے قول سے حکایت کی ہے اور وہ روایت ابن عمرؓ کی روایت کے معارض ہے، کیوں کہ ابن عمرؓ کی روایت قضیہ موجبہ جزئیہ جیسی ہے جو رفع یدین کی فی الجملہ مُثبِت ہے، اور ابن مسعودؓ کی وہ قولی روایت کلی طور پر رفع یدین کی نفی کرتی ہے اس لئے ابن مبارک نے اس کا انکار کر دیا۔

اور اس کا قرینہ یہ پیش کیا گیا کہ سنن ترمذی کا وہ نسخہ جو عبد اللہ بن سالم کا نسخہ کہلاتا ہے اسی طرح سے علامہ عابد بن احمد سندی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے نسخوں میں صورت یہ ہوئی کہ امام ترمذی نے پہلے رفع یدین کا باب قائم کیا ہے اور ابن عمرؓ کی روایت درج کی اس کے بعد ابن مبارک کا کلام پیش کیا، پھر دوسرا ترجمہ انہوں نے ترکِ رفع کا ذکر کیا اور اس کے تحت ابن مسعودؓ کی وہ روایت لائے ہیں جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے فعل کی حکایت اپنے فعل سے کی ہے، اور اگر ابن مبارک کا مقصود اس حکایتِ فعلی کو رد کرنا ہوتا تو امام ترمذی ابن مبارک کے کلام کو اس حکایتِ فعلی کے بعد درج کرتے۔

خود ابن مبارک کے طریق سے ابن مسعودؓ کی یہ حدیث جس میں حکایتِ فعلی مذکور ہے امام نسائی نے تخریج کی ہے، نہ نسائی نے وہاں کوئی کلام کیا ہے اور نہ ابن مبارک کا کوئی کلام مذکور ہے۔

لیکن یہ جواب طفل تسلی کے قبیل سے ہے، میری طبیعت کو اس پر انشراح نہیں ہوتا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ ابن مبارک رفع یدین پر عمل کرتے تھے اور وہ ترکِ رفع کے قائل نہیں تھے، ہو سکتا ہے انہوں نے ترک رفع کی روایت کو غیر ثابت سمجھا ہو، لیکن ان کے غیر ثابت سمجھنے سے غیر ثابت ہونا لازم نہیں آتا ہے، اگر ان

Maktaba Tul Ishaat.com

کے نزدیک ثابت نہیں تو اس سے فی نفسہ ثابت نہ ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

صحت کا مدار رجال کے ثقہ اور اتصال سند پر ہے: اس لئے کہ کسی حدیث کی صحت اور اس کا ثبوت موقوف ہے دو چیزوں پر، ایک تو یہ کہ اس کے رجال ثقہ ہوں، دوسرے یہ کہ اس کی سند میں اتصال ہو۔

ہم نے ابن مسعودؓ کی جو روایت پیش کی ہے اس کے سارے رجال ثقہ ہیں اور اس کی سند متصل ہے، اور امام نووی نے خلاصہ میں یہ جو ذکر کر دیا ہے کہ یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے ان کے قول کو بدرالدین زرکشی نے رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی تصحیح دوسرے ائمہ نے کی ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ اس کی تضعیف پر اتفاق واجماع نقل کرنا صحیح نہیں ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں ھذا حسن، امام دار قطنی نے کتاب العلل میں، ابو محمد بن حزم ظاہری نے کتاب المحلی میں اور ابوالحسن بن القطان الفاسی نے کتاب الوھم والایھام میں اس کی تصحیح کی ہے، اور یہ حدیث ہے بھی صحیح، کیوں کہ اس میں صحت کے شرائط موجود ہیں اس کے سارے رجال ثقہ اور اس کی سند متصل ہے۔

ثقاہت کا بیان یہ ہے کہ اس کے ناقل وکیع بن الجراح ہیں جو رجال ستہ میں سے ہے ثقہ اور ثبت ہیں۔

اور ان کے استاذ ہیں امام سفیان الثوری رجال ستہ میں سے ہیں ثقہ، ثبت، مجتہد، فقیہ ہیں۔

عاصم بن کلیب: اور ان کے استاذ ہیں عاصم بن کلیب وہ بھی ثقہ ہیں، امام الجرح والتعدیل یحی بن معین فرماتے ہیں ثقۃ، امام ابو عبد الرحمن نسائی فرماتے ہیں ثقۃ، حالانکہ امام نسائی باب رجال میں متعنت ہیں جیسا کہ حافظ ذہبی نے میزان میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمۃ الفتح میں تصریح کی ہے، اسی طرح احمد بن صالح مصری نے ان کی توثیق کی ہے، امام ابن سعد فرماتے ہیں ثقۃ یحتج بہ، علی بن مدینی فرماتے ہیں لا یحتج بہ إذا انفرد، لیکن امام مسلم اور اصحاب سنن نے ان کی روایت سے احتجاج کیا ہے، امام بخاری نے کتاب الادب المفرد میں ان کی روایت لی ہے۔

اور امام حاکم نے یہ جو لکھ دیا ہے لم یخرج لہ فی الصحیح و کان یختصر الأخبار غلط ہے، امام مسلم (۲/۱۹۷) نے بطریق ابن ادریس عن عاصم بن کلیب عن ابی بردۃ عن علیؓ روایت کیا ہے قال نھانی رسول اللہ ﷺ أن أتختم فی ھذہ و ھذہ و أشار إلی الوسطی و التی تلیھا، اور حاکم نے مستدرک میں ایک مقام پر اس کا

Maktaba Tul Ishaat.com

اعتراف کیا ہے، فرماتے ہیں احتج مسلم بعاصم بن کلیب وشریک، اور بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ اصحاب صحیحین یعنی بخاری اور مسلم نے ان کی روایت نہیں لی ہے تو ان کی روایت کا مردود ہونا لازم نہیں آتا ہے کما صرح بذلک ابن تیمیة فی فتاویه، اور اگر کسی روایت کی صحت کا معیار یہی ہے کہ اس کے رجال بخاری اور مسلم کے رجال ہوں تو پھر امام حاکم کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، انہوں نے مستدرک میں بہت سی روایات کی تصحیح کر ڈالی جس کے رواۃ بخاری اور مسلم کے رجال نہیں ہیں۔

عبد الرحمن بن اسود: اور ان کے استاذ ہیں عبد الرحمن بن اسود جو صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، علامہ تقی الدین بن دقیق العید نے کتاب الامام میں یہ لکھ دیا رَوی له مسلم اس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کی روایت بخاری میں نہیں ہے اور بعد کے علماء علامہ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی بعض تالیفات میں ان کی تقلید کر لی ہے یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ عبد الرحمن بن اسود سے امام بخاری نے روایت لی ہے، ان کی سب سے پہلی روایت بخاری شریف میں ص ۲۷ پر بَاب لَا یُستَنجی بِرَوْثٍ میں گزری ہے، اور اس کے بعد دوسری روایت ص ۴۴ پر بَاب مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ میں گزری۔

اور ان کے استاذ حضرت علقمہ بن قیس مشہور تابعی ہیں، عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ کے خاص تلمیذ ہیں، صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ثقہ، ثبت، فقیہ ہیں، اور آگے تو ابن مسعودؓ ہیں ہی۔

سند متصل ہے: اور اتصال اس طرح سے ثابت ہے کہ یہ اپنی جگہ محقق ہے کہ وکیع اور سفیان ثوری کا لقاء، اور ثوری اور عاصم کا لقاء، اور عاصم اور عبد الرحمن بن اسود کا لقاء، اور عبد الرحمن بن الاسود اور علقمہ کا لقاء ثابت ہے۔

امام منذری نے مختصر السنن میں بعض غیر معروف لوگوں سے یہ نقل کر دیا کہ عبد الرحمن بن الاسود نے علقمہ سے نہیں سنا، امام ابن دقیق العید ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے بہت تلاش کیا کہ یہ ناقل کون ہے لیکن پتہ نہیں چلا، یہ مجہول شخص ہے، امام ابن ابی حاتم نے اس کو کتاب المراسیل میں بھی درج نہیں کیا، اور جب کتاب الجرح والتعدیل میں ان کا تذکرہ کیا تو لکھا دخل علی عائشة وهو صغیر ولم یسمع منها وروی عن أبیه وعلقمة اور اس کے بعد مرسل نہیں کہا، غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن ابی حاتم کی عادت یہ ہے کہ جب کسی

Maktaba Tul Ishaat.com

ایسے راوی کی روایت ذکر کرتے ہیں جس کا مروی عنہ سے سماع نہ ہو تو اس کے بعد مرسل لکھ دیا کرتے ہیں۔
امام ابن حبان نے لکھا ہے کہ سن ۹۹ ہجری میں ان کی وفات ہوئی ہے، ان کی عمر ابراہیم نخعی کی عمر تھی اور نخعی کا سماع علقمہ سے بالاتفاق ثابت ہے تو پھر عبد الرحمن کا سماع کیوں ثابت نہ ہوگا؟ مزید براں یہ ہے کہ امام خطیب بغدادی نے کتاب المتفق والمفترق میں یہ تصریح کی ہے کہ عبد الرحمن بن الاسود نے اپنے باپ اسود بن یزید اور علقمہ بن قیس سے سنا ہے، میں کہتا ہوں کہ مسند احمد (۱/ ۴۱۸) اور کتاب علل الامام احمد بن حنبل بروایۃ ابنہ عبد اللہ (ص ۱۱۷) میں عبد الرحمن بن الاسود کے حدثنا علقمۃ کہنے کی تصریح حدیثِ تطبیق میں وارد ہوئی ہے، اور امام دار قطنی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے إسناد ثابت صحیح۔
بہر حال عبد الرحمن بن الاسود کا سماع علقمہ سے ثابت ہے، اور حدیثِ تطبیق کے راوی عبد اللہ بن ادریس ہیں اور اس حدیث کے راوی سفیان ثوری ہیں اور ثوری کا درجہ عبد اللہ بن ادریس سے اونچا ہے، لہٰذا انقطاع وغیرہ کا احتمال بھی ختم ہو گیا۔
صرف ایک اشکال رہ جاتا ہے جس کو میں اپنی پوری قوت خرچ کرنے کے بعد بھی حل نہ کر سکا اور وہ یہ ہے کہ سفیان مدلس ہیں اور وہ روایت معنعناً نقل کرتے ہیں، لیکن قرائن اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ثوری نے تدلیس سے کام نہیں لیا ہے اس لئے کہ ثوری کا عمل یہ تھا کہ وہ خود رفع یدین نہیں کرتے تھے، واللہ اعلم۔

اس حدیث کا تکملہ: یہ حدیث امام طحاوی نے روایت کی ہے بطریق **نعیم بن حماد عن وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمۃ عن عبد اللہ عن النبی ﷺ أنہ کان یرفع یدیہ فی أول تکبیرۃ ثم لا یعود۔**

اس پر اعتراض: امام ابو الحسن بن القطان الفاسی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے صرف اس میں **لا یعود** کا لفظ صحیح نہیں ہے، دار قطنی فرماتے ہیں کہ حدیث تو صحیح ہے لیکن **لا یعود** غیر محفوظ ہے، ابو حذیفہ یہ لفظ سفیان ثوری سے نقل کرتے ہیں، اور اسی طرح حمانی وکیع سے نقل کرتے ہیں، امام احمد، ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابن نمیر وکیع سے یہ روایت نقل کرتے ہیں اور **لم یعد** نہیں کہتے ابن القطان فاسی کہتے ہیں کہ اس لفظ کی تضعیف کی ہے محمد بن نصر مروزی نے کتاب رفع الیدین میں اور امام احمد بن حنبل اور دار قطنی نے، ابن القطان کی رائے یہ ہے کہ یہ وہم وکیع کو ہوا ہے، امام احمد نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ وکیع اپنی طرف سے یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کہتے تھے، ابن القطان کہتے ہیں کہ وکیع کبھی اس میں لا یعود کا لفظ ذکر کرتے تھے اپنی طرف سے، کبھی ایسے ذکر کرتے تھے گویا وہ حدیث کا جزء ہے، کبھی ذکر نہیں کرتے تھے۔

اس کا جواب: لیکن حمانی لا یعود کے نقل کرنے میں وکیع سے منفرد نہیں بلکہ دو اور اشخاص نے خاص یہ لفظ نقل کرنے میں ان کی متابعت کی ہے، ایک نعیم بن حماد الخزاعی نے جن سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں دو جگہ، امام مسلم نے مقدمہ میں اور امام نسائی کے علاوہ باقی ارباب سنن نے روایت لی ہے، دوسرے ابو خثیمہ زہیر بن حرب نے، نعیم بن حماد کی روایت کی طحاوی نے تخریج کی ہے کما تقدم، اور زہیر بن حرب کی علامہ ابو محمد بن حزم نے المحلی میں تخریج کی اور اس کی تصحیح کی ہے۔

اور امام دار قطنی کا یہ فرمانا "کہ یہ روایت امام احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ اور ابن نمیر نے وکیع سے نقل کی ہے اور لا یعود کا لفظ ذکر نہیں کیا" بھی مخدوش ہے، اس لئے کہ امام احمد بن حنبل اور ابن ابی شیبہ نے اگرچہ ثمّ لا یعود کا لفظ نقل نہیں کیا ہے لیکن ان کی روایت کے معنیٰ یہی ہے، امام احمد بن حنبل نے کتاب العلل میں اس روایت کو کئی لفظوں سے نقل کیا ہے، ایک لفظ ہے فرفع یدیه فی أول، دوسرا لفظ ہے فرفع یدیه فی أول شیئ اور تیسرا لفظ ہے فلم یرفع یدیه إلا مرة، اس لفظ سے ابن ابی شیبہ نے المصنف میں اور عثمان بن ابی شیبہ نے عند ابی داؤد روایت کیا ہے، محمود بن غیلان عند النسائی کہتے ہیں فلم یرفع یدیه إلا مرة واحدة، ہناد بن السری عند الترمذی کہتے ہیں فلم یرفع یدیه إلا فی أول مرة، یہ سارے الفاظ وہی معنیٰ ادا کرتے ہیں جو فرفع یدیه ثم لا یعود سے نکلتا ہے۔

اصل میں ان حضرات نے یہ سوچ لیا کہ اگر ہم ثم لا یعود کو معلول قرار دیں گے تو ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کی روایتوں میں جمع ہو جائے گا اور یہ کہہ دیا جائے گا کہ ابن مسعودؓ کی روایت میں صرف ایک جگہ رفع کا تذکرہ ہے باقی جگہ سے ان کی روایت ساکت ہے اور ابن عمرؓ کی روایت میں باقی جگہوں میں بھی رفع کا ذکر ہے والناطق حجة علی الساکت، حالانکہ یہ سکوت ایسا نہیں ہے جو ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے۔

دوسرا اعتراض: امام بخاری، ابو حاتم رازی، ابو داؤد اور امام احمد کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اصل میں اس روایت کے اندر راوی کو وہم ہو گیا، اصل روایت کچھ اور تھی راوی نے کچھ اور کر کے نقل کر دیا، امام ابو داؤد نے تو بس اشاروں سے کام لیا، ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا روایت جو ہم نے اولاً نقل کی ہے اس کی تخریج کرنے کے بعد فرماتے ہیں قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا حَدِيثٌ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيثٍ طَوِيلٍ وَلَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ، وفي نسخة على هذا المعنى۔

امام بخاری جزء رفع الیدین (ص ۸٦) میں لکھتے ہیں ويروى عن سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة قال قال ابن مسعود: ألا أصلي لكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فصلّى ولم يرفع يديه إلا مرة، قال أحمد بن حنبل عن يحيى بن آدم نظرتُ في كتاب عبدالله بن إدريس عن عاصم بن كليب ليس فيه 'ثم لم يعد' فهذا أصح لأن الكتاب أحفظ عند أهل العلم، لأن الرجل يحدث بشيئ ثم يرجع إلى الكتاب فيكون كما في الكتاب۔

حدثنا الحسن بن الربيع قال حدثنا ابن إدريس عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمٰن بن الأسود قال حدثنا علقمة أن عبدالله قال علمنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الصلوة فقام فكبّر ورفع يديه ثم ركع فطبّق يديه فجعلهما بين ركبتيه، فبلغ ذلك سعدا فقال صدق أخي، ألا بل قد كنا نفعل ذلك في أول الاسلام ثم أمرنا بهذا، اسی کے قریب قریب ابن ابی حاتم نے ابو حاتم سے نقل کیا ہے اور انہوں نے صاف کہہ دیا یقال وهم فيه الثوري، امام احمد بن حنبل کی بھی یہی رائے ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ سفیان ثوری کو اس روایت کے نقل کرنے میں وہم ہو گیا، اصل حدیث میں تطبیق ہے جو عبداللہ بن ادریس نے نقل کی ہے انہوں نے بالمعنیٰ نقل کر دیا اور اسکو رفع یدین فی اول مرۃ پر محمول کر لیا۔

اس کے تین جواب ہیں: (۱) لیکن یہ تعلیل صحیح نہیں ہے اس لئے کہ سفیان ثوری ابن ادریس سے اوثق ہیں۔

(۲) سفیان ثوری اپنی روایت میں ایک اضافہ نقل کرتے ہیں وہ اضافہ ابن ادریس کی روایت کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ ابن ادریس نے بھی اپنی روایت میں ایک ہی جگہ رفع یدین کا ذکر کیا ہے اس سے آگے کوئی دوسرا محل ایساذکر نہیں کیا جس میں رفع یدین مذکور ہو اور نقل کرتے ہیں ابن مسعودؓ کی روایت، اور ابن مسعودؓ سے صرف ایک ہی جگہ رفع یدین نقل کیا جاتا ہے۔

علامہ زرقانی مالکی نے امام طحاوی سے نقل کیا ہے ابن مسعودؓ سے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف منقول نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے یعنی وہ صرف ایک جگہ رفع یدین کے قائل ہیں، اسی طرح حافظ ابو عمر بن عبد البر نے بھی ذکر کیا ہے۔

(۳) یہ دونوں حدیثیں الگ ہیں، ابن ادریس جو نقل کرتے ہیں وہ تطبیق سے متعلق ہے اور سفیان ثوری جو نقل کرتے ہیں وہ رفع عند التحریمہ کے متعلق ہے۔

تیسرا اعتراض: ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے اور عجیب وغریب اعتراض کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کو نسیان ہوگیا، اس اعتراض کی بسم اللہ تو ہوئی امام شافعی سے جیسا کہ زعفرانی نے نقل کیا ہے و نقل عنه البیهقی فی کتابه السنن الکبیر و کذا نقله العراقی فی طرح التثریب لیکن انہوں نے بہت نرم انداز میں کہا تھا، بعد کے شافعیہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ ابن مسعودؓ کو نسیان ہوگیا، ابو بکر صبغی، ابو حاتم بن حبان، خطابی اور بیہقی اور ابو محمد بغوی سب ہی حضرات نے نسیانِ ابن مسعودؓ کا دعوی کیا ہے، کسی نے اپنی زبان سے جیسے خطابی، ابن حبان اور ابو بکر صبغی نے اور کسی نے دوسروں کی زبان پر جیسے بیہقی اور بغوی کہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ بھول گئے۔

اس کا جواب: لیکن یہ بات بھلا کسی ہوش مند کے ذہن میں آسکتی ہے؟ ایک صحابی جو سابقین اولین میں سے ہیں، حضور اکرم ﷺ کے ہر وقت پاس رہنے والوں میں سے ہیں جن کے متعلق حضرت حذیفہؓ کی شہادت ہے أَشْبَهُ النَّاسِ دَلًّا وَسَمْتًا وَهَدْيًا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ لَابْنُ أُمِّ عَبْدٍ، اور جن کے متعلق حضرت ابو موسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ان کو اہل بیت نبوت میں سے سمجھتے تھے اس لئے کہ کثرت سے وہ اور ان کی والدہ نبی پاک ﷺ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے، جن کے متعلق حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کُنَیْفٌ مُلِئَ عِلْمًا، ان کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ان سے ایک ایسی چیز میں بھول ہوگئی جس کو انہوں نے حضور پاک ﷺ کو کم از کم دس گیارہ سال کرتے ہوئے دیکھا اور خود بھی صلوا کما رأیتمونی أصلی کے حکم کے تحت اور لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسنة کے حکم کے تحت ویسا ہی کرتے رہے اور پھر اس کے بعد نسیان ہوگیا، یہ بات کسی ہوش مند کے ذہن میں آسکتی ہے؟ دن میں پانچ مرتبہ نمازیں پڑھی جاتی ہیں، سترہ رکعات پڑھی جاتی ہیں ہر رکعت میں ان حضرات کے قول کے مطابق کم از کم دو مرتبہ رفع یدین ہوتا ہے، تو رفع عند التحریمہ کو چھوڑ ۳۴ مرتبہ رفع یدین یومیہ ہوتا تھا، اور ظاہر ہے کہ ابن مسعودؓ وتر بھی پڑھتے رہے ہوں گے اس میں بھی رفع یدین کرتے رہے ہوں گے، تمام نبوی زندگی میں اس پر عمل رہا اور اس کے بعد بھی رہا ہوگا پھر کب بھول گئے؟

Maktaba Tul Ishaat.com

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ کوئی اس کو مدلل نہ کر سکا اور ایسا عقبہ ہے کہ اسے کوئی پار نہیں کر سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی جب ناانصافی پر آتا ہے تو اس طرح کی باتیں کرتا ہے، نسیان ان چیزوں میں ہو سکتا ہے جو وقتی ہوتی ہے یا ایسی چیزوں میں اگر نسیان ہوتا ہے تو وقتی ہوتا ہے، اتفاقاً کسی نماز کی کسی رکعت میں نسیان ہو جائے گا ساری نماز میں نسیان ہو جائے یہ بعید ہے۔

اور یہ امام شافعی نے جو احتمالاً ذکر کر دیا کہ ممکن ہے کہ ابن مسعودؓ کو کسی وقت نسیان ہو گیا ہو اور تلمیذ نے اسی وقت کا مشاہدہ کر لیا ہو یہ بھی غلط ہے، اللہ معاف فرمائے امام شافعی کی عظمت کے سامنے یہ لفظ کہتے ہوئے خوف لگتا ہے لیکن ان کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ ابن مسعودؓ کو اگر نسیان ہوا ہوتا تو پہلی رکعت میں ہو جاتا، کسی ایک جگہ ہو جاتا، ساری نماز میں نسیان ہو گیا، اور پھر ابن مسعودؓ کے تلمیذ خاص علقمہ نقل کرتے ہیں انہوں نے کبھی ابن مسعودؓ کو رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا یہ بات عقل میں نہیں آتی ہے اور قطعاً یہ علت قابل التفات نہیں ہے، اگرچہ بڑے بڑے نبہائے شافعیہ کی زبان سے نکلی ہوئی ہے۔

اور ابو بکر صبغی نے بہت آگے قدم بڑھایا اور بہت سے مواقع میں ابن مسعودؓ کے نسیان کا دعویٰ کیا ہے، جہاں یہ جگہیں آئیں گی جن کے متعلق ان کا خیال ہے کہ ابن مسعودؓ کو نسیان ہو گیا اگر اللہ کی توفیق رہی تو میں وہاں پر تنبیہ کروں گا اور یہ بتلاؤں گا کہ نسیان ہوا یا کوئی اور چیز، واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم۔

دوسری دلیل: عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُودُ، رواه أبو داود (۲ / ۲۲) من طريق شَرِيكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ۔

اعتراض اول: اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے اس نے اپنی طرف سے ثم لا یعود کا اضافہ کر دیا ہے دوسروں کو دیکھ کر یا سن سنا کر، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یزید کے قدمائے تلامذہ شعبہ، ثوری، ابن عیینہ، ہشیم، خالد بن عبد اللہ الطحان وغیرہ جب یہی روایت یزید سے نقل کرتے ہیں تو ثم لا یعود نقل نہیں کرتے، اسی علت کی طرف ابو داؤد نے اشارہ کیا اور فرمایا قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثَ هُشَيْمٌ وَخَالِدٌ وَابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ يَزِيدَ لَمْ يَذْكُرُوا ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اصل میں یزید اولاً جب یہ روایت نقل کرتے تھے تو اس میں ثم لا یعود نقل نہیں کرتے تھے، بعد میں جب کوفہ گئے اور وہاں والوں کو ترک رفع کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے ثم لا یعود اخذ کر کے اس حدیث میں اضافہ کر دیا، یعنی یہ لفظ مزید اور مُلقّن ہے، یزید کو تلقین کی گئی انہوں نے لوگوں کی تلقین پر اعتماد کر کے ثم لا یعود اس میں اضافہ کر دیا۔

تلقین کا الزام سب سے پہلے ابن عیینہ نے دیا ہے اور اس کے بعد پھر رفع یدین کے جتنے قائلین آئے سب نے ایک زبان ہو کر یہی بات کہی، چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، امام احمد بن حنبل، امام حمیدی، محمد بن اسماعیل البخاری، ابن حبان، دار قطنی، حاکم، بزار، بیہقی سبھی حضرات نے ایک طرف سے یہ کہا ہے کہ یزید نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ان کی تلقین کی گئی ہے۔

الجواب: یزید بن ابی زیاد واقع میں متکلم فیہ ہے بعضوں نے انکی تقویت کی اور بعضوں نے ان پر کلام کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اپنی ذات کے اعتبار سے یہ صادق القول آدمی ہیں۔

امام مسلم نے مقدمہ میں جب طبقۂ ثانیہ کا ذکر کیا تب فرمایا فَإنَّ اسمَ السَّترِ وَالصِّدقِ وَتَعَاطِي الْعِلْمِ يَشْمَلُهُمْ كَعَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَيَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ وَلَيْثِ بْنِ أَبِي سُلَيْمٍ وَأَضْرَابِهِمْ مِنْ حُمَّالِ الْآثَارِ وَنُقَّالِ الْأَخْبَارِ، امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں یزید بن أبی زیاد معدود فی أهل الصدق کوفی یکنی أباعبدالله ذکره أبو الحارث القروی، قال أبو الحسن: یزید بن أبی زیاد هو جید الحدیث، یہ ابو الحسن علامہ احمد بن عبد اللہ العجلی ہیں ان کی کتاب الثقات ہے جسے علامہ ہیثمی نے ترتیب دی ہے هو کوفی جائز الحدیث و کان بآخرة یلقن، علامہ نور الدین ہیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں هو حسن الحدیث علی ضعفه۔

زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ یہ مختلط راوی ہے اور مختلط راوی کے بارے میں محدثین کا فیصلہ ہے کہ ان کے قدمائے اصحاب کی روایات معتبر ہوتی ہیں اور جو جدید تلامذہ ہوتے ہیں ان کی روایات معتبر نہیں ہوتی ہیں، خاص طور سے یزید کے متعلق ابن حبان نے اس کی تصریح کی ہے، ان کے قدمائے اصحاب میں مذکورہ بالا حضرات ہیں اور ابن ابی لیلیٰ بھی ان کے قدمائے اصحاب میں شمار کئے جاتے ہیں۔

ثوری کے تلامذہ میں اختلاف ہے، بعض حضرات جب ثوری کی روایت نقل کرتے ہیں تو اس میں ثم لا یعود نقل نہیں کرتے کما أخرجه عبد الرزاق و البخاری فی جزء رفع الیدین و الدار قطنی، اور بعض حضرات

Maktaba Tul Ishaat.com

ان کی روایت میں ثم لایعود نقل کرتے ہیں کما أخرجه الطحاوی من طریق مؤمل بن إسماعیل ولکن مؤملا ثقة کثیر الخطأ فالظاهر أن زیادة ثم لایعود لم تثبت فی روایة الثوری، ومما ینبغی أن یتنبه له أن أباجعفر الطحاوی أخرج هذا الحدیث بإسناد واحد فی موضعین فذکر هذه الزیادة فی موضع ولم یذکرها فی موضع آخر۔

ثم لایعود کی تائید: امام شعبہ سے ثم لایعود کا لفظ منقول نہیں لیکن اس کا معنیٰ منقول ہے، امام دار قطنی فرماتے ہیں حدثنا أحمد بن علی بن العلاء قال حدثنا أبو الأشعث قال حدثنا محمد بن بکر قال حدثنا شعبة عن یزید بن أبی زیاد قال سمعت ابن أبی لیلی یقول سمعت البراء فی هذا المجلس یحدث قوما منهم کعب بن عجرة قال رأیت رسول اللہ ﷺ حین افتتح الصلوة یرفع یدیه فی أول تکبیرة، اس أول تکبیرة کا مطلب بھی وہی ہے جو ثم لایعود کا ہے۔

اور اسی طرح سے یہ لفظ یزید سے نقل کرتے ہیں اسماعیل بن زکریا عند الدار قطنی، اسرائیل بن یونس عند البیہقی فی الخلافیات، ابن ابی لیلی فی کتابہ کما ذکره أحمد والبخاری، وھشیم عند أبی یعلی، لکن رواہ أحمد وابن أبی شیبة عن ھشیم فلم یذکرا فیه ثم لایعود۔

اعتراض ثانی: یہ ہے کہ یزید بن ابی زیاد نے ثم لایعود کا انکار کیا کما أخرجه الدار قطنی۔

الجواب: اس کا نقل کرنے والا علی بن عاصم ہے جو کثیر الخطاء ہے ایسے شخص کے نقل کا کیا اعتبار۔

اعتراض ثالث: یہ ہے کہ یزید بن ابی زیاد کی روایت میں مواضع ثلاثہ میں رفع یدین مذکور ہے۔

الجواب: اس کا نقل کرنے والا ابراہیم بن بشار رمادی ہے جو سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں اور ابراہیم بن بشار کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں یھم فی الشیئ بعد الشیئ، سفیان بن عیینہ سے یہ احادیث غریبہ نقل کرتے تھے، حتی کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں ابراہیم بن بشار جس سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں وہ وہی ابن عیینہ ہیں جو معروف ہیں یا کوئی اور ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ان کے غرائب کی کثرت کی وجہ سے ان کی روایات کے بارے میں امام احمد جیسے آدمی کو یہ کہنا پڑا کہ معلوم نہیں کہ یہ مشہور ابن عیینہ ہے یا کوئی اور، معلوم ہوا کہ ان کو روایات میں کثرت سے وہم ہو جاتا تھا تو ایسے شخص کی زیادتی کا کیا اعتبار، والعلم عند اللہ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث براءؓ کی دوسری سند: اس حدیث کی ایک دوسری سند یہ ہے؛ ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں حدثنا وکیع عن ابن أبی لیلی عن الحکم وعیسی عن عبد الرحمن بن أبی لیلی عن البراء بن عازب أن النبی ﷺ کان إذا افتتح الصلوۃ فرفع یدیہ ثم لا یرفعھما حتی یفرغ۔

یہ حدیث امام ابوداؤد اور امام طحاوی نے وکیع کے طریق سے تخریج کی ہے، ابوداؤد کے الفاظ ہیں رفع یدیہ حین افتتح الصلوۃ ثم لم یرفعھما حتی انصرف، اور طحاوی نے الفاظ ذکر نہیں کئے بلکہ یزید کے الفاظ کا حوالہ ڈال دیا، امام احمد، بخاری، ابوداؤد، بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف اور معلول ہے۔

اس حدیث پر ان لوگوں نے تین اشکال کئے ہیں۔

اشکالِ اول: اس کی سند میں وکیع کا استاذ ابن ابی لیلی ہے جو محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی ہے اور وہ ضعیف ہے۔

الجواب: واقعہ یہ ہے کہ یہ آدمی متکلم فیہ ہے لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے صدوق ہے، حافظ دار قطنی عجیب آدمی ہیں جب انہوں نے ابن عباسؓ کا اثر المنی کالمخاط والبزاق نقل کیا ہے جس کی سند میں یہی ابن ابی لیلی ہے تو فرمایا ثقۃ فی حفظہ شیئ، اور جب تثنیۃ الاقامۃ کا اثر نقل کیا اسی راوی کی سند سے تو کہنے لگے ابن أبی لیلی ضعیف الحدیث سیئ الحفظ۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات بھی فقہی اثرات سے متاثر تھے اور اس تأثر کے پیش نظر ان کے اقوال بھی مختلف ہوتے تھے، دیکھو دار قطنی امام شافعی کے مسلک کے موافق منی کو پاک سمجھتے ہیں اور منی کے پاک ہونے پر دلالت کرنے والا اثر جب ذکر کیا تو تضعیف تو نہیں کی بلکہ یہ کہہ کر چل دیئے ثقۃ فی حفظہ شیئ، اور امام شافعی کی طرح افراد الاقامۃ کے قائل ہیں لہذا جب انہی کے طریق سے تثنیۃ الاقامۃ کا اثر آیا تو صاف صاف کہہ دیا ضعیف الحدیث سیئ الحفظ۔

بات یہ ہے کہ آدمی اپنے مسلک سے متاثر ہو کر دوسرے مسلک کے دلائل پر بغیر غور وخوض کے کلام کر دیتا ہے، بقول امام یحیٰ بن معین کے إنما یطعن فی حدیث بسرۃ من لا یذھب إلیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں ابن أبی لیلی صدوق واتفقوا علی ضعف حدیثہ من قبل سوء حفظہ، حافظ شمس

Maktaba Tul Ishaat.com

الدین ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں صدوق إمام سیئ الحفظ وقد وثق۔

امام ترمذی نے ایک روایت نقل کی ہے بطریق ابن ابی لیلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس أن المشرکین أرادوا أن یشتروا جسد رجل أصیب یوم الخندق، الخ اور فرمایا هذا حدیث حسن۔

عبد الحق اشبیلی اور ابن القطان فاسی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے ابن ابی لیلی کی وجہ سے، حافظ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں امام ترمذی کا قول اولیٰ یعنی حسن ارجح ہے، اور تذکرۃ الحفاظ میں صاف صاف لکھا ہے حدیثه فی وزان الحسن، اور امام ذہبی کے متعلق حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں الذهبی من أهل الاستقراء التام فی نقد الرجال، کذا قاله فی شرح النخبة وتبعه السخاوی فی شرح الألفیة والسیوطی فی تالیفه۔

اشکالِ ثانی: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں اضطراب ہے، ابن ابی لیلی کبھی تو کہتا ہے عن یزید بن أبی زیاد، کبھی کہتا ہے عن الحکم، کبھی کہتا ہے عن عیسی بن أبی لیلی۔

الجواب: یہ بھی تو ممکن ہے کہ ابن ابی لیلی ان تینوں آدمیوں سے روایت کرتا ہو، اور اس طرح کے اختلاف کو حضرات محدثین نے اسی طرح دور کیا ہے، اور اسکی کئی مثالیں ہیں۔

مثال ۱: ایک حدیث ترمذی شریف میں حضرت علیؓ سے منقول ہے عفوت لکم عن صدقة الخیل، اس میں اختلاف ہے کہ ابو اسحاق سبیعی یہ روایت عاصم بن ضمرہ سے نقل کرتے ہیں وہ حضرت علیؓ سے، یا حارث اعور سے نقل کرتے ہیں اور وہ حضرت علیؓ سے، کوئی اِس طرح نقل کرتا ہے کوئی اُس طرح نقل کرتا ہے، امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، دونوں سے سنا ہو گا، تو یہاں پر بھی ممکن ہے کہ دونوں سے سنا ہو۔

مثال ۲: حدیث قلتین کے بارے میں سند میں اختلاف ہے کہ ولید بن کثیر؛ محمد بن جعفر بن زبیر سے نقل کرتے ہیں یا محمد بن عباد بن جعفر سے؟ امام دار قطنی اور ان کی اتباع میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے دونوں سے نقل کرتا ہو، اور دلیل یہ پیش کی کہ شعیب بن ایوب یہی روایت عن ابی اسامة عن الولید بن کثیر نقل کرتے ہیں تو دونوں استادوں کو ذکر کرتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مثال ۳: اسی طرح حدیث قسمتُ الصلوۃ بینی و بین عبدی نصفین کے بارے میں بعض متاخرین شافعیہ نے یہ کہہ دیا کہ اس کی سند میں اضطراب ہے، علاء بن عبدالرحمن کبھی کہتا ہے عن أبیه عن أبی هریرة اور کبھی کہتا ہے عن أبی السائب عن أبی هریرة، علامہ ابن عبد الهادی نے یہی جواب دیا کہ اصل میں علاء نے یہ حدیث دونوں سے سنی ہے۔ اس لئے کبھی اپنے باپ کے واسطہ سے نقل کرتے ہیں اور کبھی ابوالسائب سے اور کبھی دونوں کو جمع کر دیتے ہیں۔

یہاں پر بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن ابی لیلی نے یہ حدیث تینوں سے سنی ہوگی، مگر روایت میں یہ تو ملتا ہے کہ وہ حکم کو ذکر کرتے ہیں اور کبھی عیسیٰ کو اور کبھی دونوں کو جوڑ دیتا ہے، لیکن میری معلومات میں یہ کہیں بھی نہیں ملا کہ یزید کو ساتھ ساتھ جوڑ دیا ہو۔

اشکالِ ثالث: امام احمد، امام بخاری وغیرہما فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ حدیث ابن ابی لیلی؛ یزید بن ابی زیاد سے نقل کرتا ہے اور اس نے اپنے حافظہ سے جب نقل کی تو بجائے یزید کے حکم اور عیسیٰ کا تذکرہ کر دیا، امام احمد العلل (۱/۳۶۹ جدید) میں فرماتے ہیں کہ ابن نمیر نے ابن ابی لیلی کی کتاب جب دیکھی تو یزید کے واسطہ سے تھی، یہ اعتراض سب سے زیادہ قوی ہے۔

الجواب: لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ابن نمیر نے ابن ابی لیلی کی پوری کتاب نہ دیکھی ہو، ممکن ہے کہ جہاں یزید کے طریق سے ہے اس پر تو نظر پڑی اور جہاں حکم اور عیسیٰ کے طریق سے ہے وہاں نظر نہ پڑی ہو، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس جواب پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا ہے۔

تیسری دلیل: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا، رواه أبوداود و الترمذی والنسائی۔

اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کو باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع کے تحت درج کیا ہے۔

لیکن اس پر اشکال (۱) یہ ہے کہ حضرت امام ابوداؤد (۲/۱۸) ہی نے ابوہریرہؓ کی حدیث رفع یدین کے سلسلہ میں ماقبل میں بطریق یحیی بن ایوب عن ابن جریج عن الزہری عن ابی بکر بن عبدالرحمن عن ابی ہریرہؓ روایت کی ہے، اور یہی حدیث ابن خزیمہ نے بھی روایت کی، اور یحیی بن ایوب اس کے نقل میں منفرد نہیں بلکہ

Maktaba Tul Ishaat.com

عثمان بن حکم جذامی اور صالح بن ابی الاخضران کے متابع ہیں، عثمان کی روایت امام ابن خزیمہ نے اور دار قطنی نے علل میں اور صالح کی روایت ابن ابی حاتم نے علل میں تخریج کی ہے۔

اشکال (۲) ابو حاتم رازی اور دار قطنی کی رائے یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ کی یہ روایت وہم ہے، اس کا تعلق رفع یدین سے نہیں ہے بلکہ تکبیر سے ہے، چنانچہ عبد الرزاق ابن جریج سے اسی طرح روایت کرتے ہیں اور تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے، مگر ابو ہریرہؓ کا عمل بھی مختلف نقل کیا جاتا ہے کما ذکرہ ابن عبد البر فی الاستذکار، قیل إنہ کان یرفع وقیل کان لا یرفع۔

چوتھی دلیل: عن عباد بن الزبیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ فی أول الصلوۃ ثم لم یرفعھما فی شیئ حتی یفرغ، رواہ البیھقی فی الخلافیات وھذا الحدیث مرسل۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں فی إسنادہ من ینظر فی حالہ، علامہ انور شاہ کشمیری نے نیل الفرقدین میں اس کے رجال پر تفصیل سے بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وھو مرسل جید۔

تعجب ہے کہ علامہ ابن قیم نے منار منیف میں اس کے موضوع ہونے کا حکم لگا دیا، اصل بات یہ ہے کہ جب آدمی کے ذہن میں کسی ایک جانب کا ارتسام ہو جاتا ہے تو پھر وہ دوسری طرف نظر ہی نہیں کرتا، سوچتا ہی نہیں ہے غور و فکر نہیں کرتا ہے۔

پانچویں دلیل: پانچویں دلیل وہ تمام روایات ہیں جن میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی صفات مذکور ہیں، مگر ان میں رفع یدین عند الافتتاح کا ذکر ہے اور باقی مواضع میں نہیں ہے۔

یہ نہایت مضبوط دلیل ہے اگرچہ دوسرا کہہ سکتا ہے کہ الساکت لیس بحجۃ علی الناطق، اور مضبوط اس لئے ہے کہ اگر باقی مواضع میں بھی رفع یدین ہوتا تو حاکیِ صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں رفع یدین عند الافتتاح کا ذکر کرتا ہے دوسرے مواقع میں بھی رفع کا تذکرہ کرتا، حالانکہ ایسا کیا نہیں ہے۔

چھٹی دلیل: عن ابن عباس أن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: رفع الأیدی إذا رأیت البیت وعلی الصفا وعلی المروۃ وبعرفۃ وعند رمی الجمار وإذا قمت إلی الصلوۃ، أو کما قال، رواہ الطبرانی، قال العزیزی فی شرح الجامع الصغیر عن السیوطی: أنہ صحیح، ولکن رواہ ابن أبی شیبۃ فی مصنفہ موقوفًا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کے علاوہ ترک رفع کے دلائل میں ابن عمرؓ کی خلافیات والی روایت بھی ذکر کی جاتی ہے، لیکن میں اس کا حال بیان کرچکا ہوں۔

اسی طرح سے بعض حضرات نے حضرت جابر بن سمرہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو امام مسلم نے بطریق تمیم بن طرفہ عن جابر بن سمرہؓ نقل کیا ہے قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال: مالی أراکم رافعی أیدیکم کأنھا أذناب خیل شمس، اسکنوا فی الصلوۃ، یہ استدلال اسی طرح ابن عبد البر نے التمہید میں نقل کیا ہے اور الخوارزمی نے جامع المسانید کے مقدمہ میں اسی طرح استدلال کیا ہے۔

اور بعض حضرات نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ رفع یدین منسوخ ہوگیا، اس کے بعد حافظ جمال الدین زیلعی اور محقق ابن ہمام وغیرہما نے بھی استدلال کیا ہے۔

لیکن عبد ضعیف کہتا ہے کہ اس حدیث سے رفع یدین کے نسخ پر استدلال صحیح نہیں ہے، اول تو اس لئے کہ اس کی کوئی تاریخ معلوم نہیں، دوسرے اس لئے کہ اس رفع کا تعلق رفع یدین عند الرکوع وعند الرفع منہ سے ہے ہی نہیں کما صرح بہ الإمام البخاری فی جزء رفع الیدین وأبو حاتم بن حبان البستی، وقد تبعہ علی ذلک الإمام ابن تیمیۃ وکذا العلامۃ الشوکانی والعلامۃ عابد بن أحمد السندی الحنفی والعلامۃ أنور الکشمیری الحنفی، امام ابوداؤد، نسائی اور امام مسلم کا طرز بھی اسی پر دلالت کرتا ہے بلکہ اس کا تعلق رفع فی التشہد عند التسلیم سے ہے، یہ لوگ تشہد میں جب بیٹھتے تھے تو سلام کے وقت دائیں بائیں جب رخ پھیرتے تھے تو ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے جیسا کہ مسلم شریف میں عبید اللہ بن القبطیہ کی روایت میں واقع ہوا ہے۔

علامہ جمال الدین زیلعی اور ان کے اتباع میں علامہ ابن ہمام اور ان کے بعد متاخرین احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ دونوں کا سیاق مختلف ہے، لیکن یہ ایسا اختلاف نہیں ہے جس میں جمع نہ کیا جاسکے، بھلا جو چیز نبی کریم ﷺ سے طریق متواتر سے منقول ہو اس کو اس حدیث سے منسوخ ہونے کا کیوں کر دعوی کیا جاسکتا ہے جس کا محمل بھی دوسرا ہے، اسی لئے علامہ عابد بن احمد سندی ارشاد فرماتے ہیں لایلیق الاستدلال بہ، اس سے استدلال کرنا مناسب نہیں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جوابات دلائل الخصم (یعنی احادیث رفع یدین کے جوابات)

الجواب الأول: امام طحاوی اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ احادیثِ رفع یدین منسوخ ہیں۔ انہوں نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ ابن عمرؓ اور علیؓ رفع کے قائل ہیں اور انہیں حضرات سے ترک رفع منقول ہے، امام طحاوی نسخ کے دعوی میں منفرد نہیں ہیں بلکہ بعض قدماء سے بھی یہ دعوی نقل کیا جاتا ہے چنانچہ امام شافعی نے اختلاف الحدیث میں نقل کیا ہے، اور امام طحاوی کے نزدیک نسخ نام ہے ثبوتِ خلافِ سابق کا یعنی جو حکم سابق میں چل رہا تھا اس کے خلاف کوئی چیز ثابت ہو جائے یہ بھی نسخ ہے، چاہے ثبوت ہو حکم اول کے زوال کا اور یا حکم اول کے عدم وجوب، یا عدم تاکد کا، یا حکم اول کے عدم استحباب کا، وغیر ذلک، یہ مراد نہیں کہ حکم سابق بالکل کالعدم اور مرفوع ہو گیا۔

لیکن میرے نزدیک نسخ کا دعوی ضعیف ہے اس لئے کہ اگر ابن عمرؓ اور علیؓ سے ترک رفع ثابت مان لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان حضرات نے رفع کو سنت مؤکدہ نہ سمجھا ہو گا اس لئے چھوڑ دیا ہو گا۔

الجواب الثانی: رفع یدین کی روایات میں رفع عند القیام من الرکعتین بھی مذکور ہے، جو لوگ رفع یدین کے قائل ہیں وہ ترک رفع عند القیام من الرکعتین کا جو جواب دیں گے وہی جواب ہم دوسرے مواقع پر ترک رفع کے دیں گے۔

لیکن یہ جواب میں پہلے بتا چکا ہوں کہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، اس واسطے کہ اولاً تو رفع یدین کے سارے قائلین ترک الرفع عند القیام من الرکعتین کے منکر نہیں ہیں، اور اگر منکر ہوں تو وہ ایک جگہ ترک رفع کی وجہ سے مستحق ملامت ہونگے اور تم بہت سی جگہ ترک رفع کی وجہ سے مستحق ملامت ہو گے، لہذا یہ جواب کوئی جواب نہیں ہے، لکن فیہ نظر۔

الجواب الثالث: یہ ایک باطل قسم کا جواب ہے کہ اصل میں منافقین جب نماز پڑھتے تھے تو اپنے آستینوں میں بت چھپائے ہوتے تھے، اس لئے اس وقت رفع یدین کا حکم دیا گیا تھا تاکہ ان کی یہ جعل سازی کھل جائے، لیکن یہ غلط ہے، اس زمانہ میں اتنا زیادہ قمیصوں کا دستور کہاں تھا، اور یہ جواب اس وقت معتبر ہو سکتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ ایسا ہوا بھی ہے، حالانکہ کتب حدیث وتواریخ ورجال میں کہیں اس کا پتہ اور نشان نہیں ہے، اس لئے یہ جواب بھی غلط ہے۔

الجواب الرابع: بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ رفع کی احادیث پر کچھ نہ کچھ کلام ہے، لیکن اگر بات یہی ہے تو ترک رفع کی احادیث پر بھی کچھ نہ کچھ کلام ہے جیسا کہ تفصیلی بحث سے معلوم ہو چکا۔

حقیقت اور انصاف یہ ہے کہ دونوں طرح کی روایات اپنی جگہ پر ثابت ہیں، اور رفع یدین کی روایات اپنی کثرت کے ساتھ اقوی ہیں ترک رفع کی روایات سے، لیکن ترک رفع کی روایات بھی اپنی جگہ ثابت ہیں خاص طور سے ابن مسعودؓ کی روایت۔

اور امام بخاری نے جزء رفع یدین میں یہ جو ارشاد فرمایا **لم يثبت عن أحد من اصحاب النبی ﷺ أنه لم يرفع** اور ایک جگہ فرمادیا **لم يثبت عن أحد من أصحاب النبي ﷺ أنه لا يرفع يديه وليس أسانيده أصح من رفع اليدين** (یعنی حضور اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے کسی سے بھی ترکِ رفع ثابت نہیں ہے)، یہ امام بخاری کا ایک ایسا دعوی ہے جس پر خود ان کے تلامذہ نے بھی اتفاق نہیں کیا، امام ترمذی: ابن مسعودؓ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں **وبه يقول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين وهو قول سفيان وأهل الكوفة**، اور امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں **لا نعلم مصراً من الأمصار تركوا بإجماعهم رفع اليدين عند الخفض والرفع في الصلوة إلا أهل الكوفة فكلهم لا يرفعون أيديهم إلا في الإحرام**۔

یہ جو فرماتے ہیں کہ سارے اہل کوفہ بالاتفاق ترک رفع کے قائل ہیں تو سارے اہل کوفہ میں صحابہ کے ساتھ تابعین بھی داخل ہیں اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اور دوسرے امصار میں بھی رفع کے تارکین موجود تھے، امام طحاوی اور حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ سے ترک رفع کے مسئلہ میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے بھی یہی ثابت ہے، اور امام طحاوی نے اپنی سند صحیح کے ساتھ حضرت عمرؓ سے ترک رفع نقل کیا ہے، ابو الحسن بن بطال مالکی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں، اور بعض علماء نے جو اختلاف نقل کیا ہے وہ ثابت نہیں اس لئے کہ اس کی سند میں رشدین ہے جو ضعیف ہے، اور علامہ عراقی کا طرح التثریب میں یہ لکھ دینا کہ حضرت عمرؓ سے مشہور یہ ہے کہ وہ رفع

Maktaba Tul Ishaat.com

یدین کرتے تھے کافی نہیں ہے۔

اسی طرح سے حضرت علیؓ سے بھی ترک رفع منقول ہے جیسا کہ ہم ما قبل میں بیان کر چکے ہیں، اور عثمان دارمی کا کلام کرنا بے سود ہے اس کا جواب گزر چکا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ عمل بظاہر من باب تنوع العمل ہے، نبی اکرم ﷺ سے دونوں طرح کی بات ثابت ہے، رفع یدین بھی، ترک رفع بھی، اب گفتگو اس بات میں رہ جاتی ہے کہ جب دونوں طرح کے اعمال صاحبِ نبوت علیہ افضل التحیات سے منقول ہیں تو آپ نے ایک جانب کو کیسے اختیار کیا؟ اور دوسرے نے دوسری جانب کو کیوں اختیار کیا؟ لہذا اختیار کرنے کے وجوہ کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

رفع یدین کے وجوہ ترجیح

الاول: جو حضرات رفع یدین کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رفع کو اس لئے اختیار کیا کہ اس کے رواۃ میں کثرت ہے، امام بخاری نے لکھا ہے کہ سترہ صحابہ سے منقول ہے، حافظ ابن عبد البر نے الاستذکار میں لکھا ہے کہ تیئیس صحابہ سے منقول ہے، **ھکذا نقله بعضھم** لیکن التمہید (۹/۲۱۶) میں صرف تیرہ کا عدد ذکر کیا ہے، علامہ ابن الجوزی نے موضوعات میں ۲۶ صحابہ کے نام شمار کئے ہیں، اور قاضی ابو الطیب نے ابو علی نیساپوری سے نقل کیا ہے کہ **رواہ نیف و ثلاثون صحابیا**، اور علامہ تقی الدین السبکی نے ۴۳ صحابہ کا نام شمار کیا ہے، علامہ عراقی نے ۵۰ صحابہ کا نام شمار کیا ہے، اور اسی طرح سے اس پر مزید بھی کہا گیا ہے حتی کہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ اس باب میں چار سو احادیث ہیں **و ھذا قول باطل**۔

حاکم اور ان کی اتباع میں بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عشرہ مبشرہ سے منقول ہے، لیکن علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ جزم کے ساتھ عشرہ کی طرف نسبت کرنا مشکل ہے اس لئے کہ بعض حضرات سے اسانید ثابت نہیں، یعنی سب کی سند ثابت ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ عشرہ مبشرہ سے منقول ہے، اور جب سب حضرات سے سند ثابت سے منقول نہیں تو ان کی طرف نسبت کیسے کی جاسکتی ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسی سنت ہے کہ عشرہ مبشرہ اس کے علاوہ پر متفق

Maktaba Tul Ishaat.com

نہیں، حالانکہ حدیث من کذب علیه متعمدًا کے متعلق بھی حاکم نے یہ دعویٰ کیا ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا، اور ابو القاسم بن مندہ فرماتے ہیں کہ حدیث مسح علی الخفین بھی عشرہ مبشرہ سے منقول ہے، واللہ اعلم۔

الثانی: یہ زینتِ صلوۃ ہے کماقاله النعمان بن أبی عیاش وغیرہ۔

الثالث: رفع یدین عید میں ہوتا ہے، جب آپ عیدین میں رفع یدین کرتے ہیں تو غیر عیدین میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟

الجواب: عیدین کی نماز ایک مستقل نماز ہے لہذا اگر اس میں کوئی خاص خصوصیت پائی جاتی ہے تو ضروری نہیں کہ عام نمازوں میں بھی وہ خصوصیت پائی جائے۔

الرابع: یہ حضور ﷺ کا آخری عمل ہے مگر میں اس کے حال کو تفصیل سے ابن عمرؓ کی حدیث کے ذیل میں کلام کرتے ہوئے بیان کر چکا ہوں۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے سفر السعادہ میں یہ لکھ دیا کہ عشرہ مبشرہ نے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا یہی عمل رہا حتی کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن علماء محققین نے اس کو رد کیا ہے، عشرہ مبشرہ سے تو کہیں اس کا وجود ہی نہیں، ہاں ابن عمرؓ سے ایک روایت امام بیہقی نے نقل کی ہے لیکن وہ روایت ثابت نہیں ہے، عصمۃ بن محمد الانصاری اس کی سند میں ہے جو متہم بالکذب والوضع ہے۔

الخامس: رفع یدین کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ بلکہ اللہ پاک تک پایا جاتا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ امام بیہقی نے کتاب السنن الکبری میں روایت کیا ہے ابو عبد اللہ الحاکم سے وہ نقل کرتے ہیں ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الصفار سے وہ نقل کرتے ہیں ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل السُلمی سے اور انہوں نے ابو النعمان محمد بن فضل سے انہوں نے حماد بن زید سے انہوں نے ایوب سختیانی سے انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے انہوں نے ابن الزبیرؓ سے انہوں نے صدیق اکبرؓ سے انہوں نے حضرت تاجدار دو عالم ﷺ سے، اور ایک روایت نقل کی بیہقی نے بطریق عبد الرزاق وہ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ نے نماز سیکھی ابن جریج سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے ابن زبیرؓ سے انہوں نے ابو بکر صدیقؓ سے انہوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے اور آپ نے حضرت جبریل سے اور حضرت جبریل نے اللہ پاک سے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مگر یہ تو شریعت کی سند ہوئی، خاص اس نماز کی تو نہیں ورنہ حضرت ابن زبیرؓ تو عیدین میں اذان واقامت کے بھی قائل ہیں، اب کہہ دو یہ بھی اللہ میاں سے آیا ہوا ہے، اور بھی بعض چیزوں میں ابن زبیرؓ جمہور کے خلاف کیا کرتے تھے، یہ شریعت کی ایک سند پیش کی گئی۔

اب اگر کوئی دوسرا آدمی شریعت کی سندیوں پیش کرے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے لیا ہے حماد سے اور حماد نے ابراہیم نخعی سے اور نخعی نے علقمہ سے اور علقمہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اور ابن مسعودؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل سے اور حضرت جبریل نے اللہ پاک سے لیا ہے، تو ترک رفع بھی متصل الی اللہ عزوجل ہو گیا۔

ترکِ رفع یدین کے وجوہ ترجیح

الاول: یہ ہے کہ دیکھو اگر دو طرح کے رواۃ ہوں ایک صرف مشائخ حدیث کہلاتے ہیں اور دوسرے وہ جو حدیث کی واقفیت کے ساتھ ساتھ تفقہ بھی رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں متفقہین کی روایت کو محض شیوخ کی روایت پر تقدیم حاصل ہوگی، حاکم ابو عبداللہ نے علوم الحدیث میں اس کی تصریح کی ہے اور بعض قدماء سے نقل کیا ہے، ترک رفع کے جو رواۃ ہیں حضرت علقمہ وغیرہ وہ رفع یدین کے رواۃ سے افقہ ہیں، اور اس سلسلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ اور امام اوزاعی سے ایک مناظرہ بھی خوارزمی نے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

الثانی: یہ مسلم مسئلہ ہے کہ نماز حرکت سے سکون کی طرف چلی ہے، پہلے نماز میں بات چیت بھی ہوتی تھی اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا، اور حرکت بھی ہو جاتی تھی وہ بھی بند ہو گئی، تو ترک رفع چونکہ اقرب الی السکون ہے لہذا یہ اقرب الی آخر الحال ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔

الثالث: رفع کے بعض رواۃ رفع کے خلاف عمل کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت علیؓ اور ابن عمرؓ سے ترک رفع منقول ہے ان سے رفع بھی منقول ہے، لیکن حضرت ابن مسعودؓ سے کہیں بھی رفع یدین نقل نہیں کیا جاتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن یہ تعلیل علیل ہے اس لئے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت ترک رفع کے دلائل میں پیش کی جاتی ہے اور انہیں سے رفع یدین بھی منقول ہے اگرچہ ترک رفع بھی منقول ہے۔

الرابع: بعض حضرات نے یہ وجہ ترجیح پیش کی ہے کہ یہ اقرب الی القرآن ہے، قال اللہ تعالی: ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ قنوت کہتے ہیں سکون کو۔

الخامس: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ رفع عند التحریمہ کے علاوہ دوسری جگہ رفع یدین کے لئے حدیث قولی منقول نہیں ہے۔

لیکن یہ ترجیح کی وجہ میرے نزدیک ضعیف ہے اس لئے کہ حجت کے لئے صرف حدیث قولی ہونا ضروری نہیں ہے، دوسرے اس لئے کہ جو حدیث قولی پیش کی جاتی ہے اس میں رفعاً ووقفاً اختلاف ہے اور وجدان یہ کہتا ہے کہ موقوف ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(ص ۱۰۲) بَابٌ إِلَى أَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ

وقال أبو حميد في أصحابه: رفع النبي ﷺ حذو منكبيه.

۷۳۶. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ افْتَتَحَ التَّكْبِيرَ فِي الصَّلَاةِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ يُكَبِّرُ حَتَّى يَجْعَلَهُمَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَهُ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَهُ وَقَالَ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَلَا يَفْعَلُ ذَلِكَ حِينَ يَسْجُدُ، وَلَا حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ.

ترجمہ: باب، تکبیر میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے۔

حضرت ابو حمیدؓ نے اپنے ساتھیوں میں یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مونڈھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہہ کر نماز شروع کی تو اللہ أکبر کہتے وقت ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ان کو مونڈھوں کی محاذات میں کر لیا، اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہی تب بھی ایسا ہی کیا، اور

Maktaba Tul Ishaat.com

جب سمع اللہ لمن حمدہ کہاتب بھی ایسا ہی کیا اور ربنا لک الحمد کہا، اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو ایسا نہیں کرتے تھے اور نہ اس وقت ایسا کیا کرتے جب اپنے سر کو سجدہ سے اٹھاتے تھے۔

تشریح: امام بخاری نے اس سے مقدار رفع کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں، اس میں علماء کے چار قول ہیں۔

(۱) حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ منکبین تک رفع یدین کرنا مستحب ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اذنین تک، امام الحرمین نے یہی امام شافعی سے نقل کر دیا لیکن امام نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ یہ نقل غریب ہے، پھر امام محمد نے تو کتاب الاصل میں صرف اتنا نقل کیا ہے **یرفع یدیه حذاء أذنیه**، مگر ان کے بعد حنفیہ میں سے سرخسی وغیرہ نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ آدمی ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ انگوٹھے کانوں کے لو کے اور انگلیاں کانوں کے اوپر کے حصے کے محاذی ہو جائیں، صاحب محیط نے یہ پوری تفصیل امام ابو حنیفہ سے نقل کر دی، امام نووی نے شرح مسلم میں کہہ دیا کہ امام شافعی سے جو حذاء المنکبین کا قول نقل کیا جاتا ہے اس کی یہی مراد ہے، لیکن امام نووی کو بظاہر وہم ہو گیا، امام شافعی کی نہ تو یہ مراد ہے اور نہ ہی امام نووی نے یہ بات شرح مہذب میں لکھی ہے۔

(۳) تیسرا قول امام مالک سے رفع یدین راسِ صدر کا نقل کیا جاتا ہے۔

(۴) چوتھا قول طاؤس سے منقول ہے کہ آدمی ہاتھوں کو اتنا اٹھادے کہ سر کے اوپر ہو جائے، لیکن اس قول کی کوئی دلیل نہیں اور اس کے علاوہ باقی سارے اقوال مدلل بالدلیل ہیں۔

منکبین کا تذکرہ کئی روایات میں ہے، ابن عمرؓ سے صحاح ستہ میں، ابو حمید ساعدیؓ سے بخاری اور سنن اربعہ میں، حضرت علیؓ سے ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں، اور اسی طرح دوسرے صحابہ سے منقول ہے۔

اور اذنین کا ذکر مالک بن حویرثؓ اور وائل بن حجرؓ سے صحیح مسلم میں اور حضرت براء بن عازبؓ سے مسند احمد میں منقول ہے۔

اب اس مقام پر تین رائے ہیں۔

(۱) بعض علماء احناف نے اذنین کی روایت کو اصل بنایا اور منکبین کی روایت کو عذر پر محمول کیا جیسے امام طحاوی، اور کہتے ہیں کہ سردی کے زمانہ میں کپڑوں میں لپٹے ہونے کی وجہ سے ہاتھ زیادہ اوپر نہیں اٹھتے تھے،

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن یہ بعید ہے۔

(۲) بعض علماء نے ان روایات میں جمع کیا، امام ابو ثور نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ آدمی ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ ظہر کفین منکبین کے محاذی ہو جائے اور انگلیاں کان کے لو کے قریب، قاضی باجی نے بھی اسی طرح جمع فرمایا ہے، اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے جو طریق اپنایا ہے اس میں بھی جمع بین الروایات بھی پایا جاتا ہے اس لئے کہ جب آدمی ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے گا کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے اور انگلیاں کانوں کے اوپر کے حصے کے محاذی ہو جائیں تو ایسی صورت میں اصل کف اور رسغ منکبین کے محاذی یا قریب ہو جائیں گے، لیکن ظاہر ہے کہ اس کو رفع الی المنکبین نہیں کہا جائے گا۔

(۳) تیسرا مسلک بعض علماء نے یہ اختیار کیا کہ ان سب پر محمول کرنا جائز ہے علی السواء، کوئی ترجیح نہیں، ابن منذر نے بعض اہل حدیث سے یہی نقل کیا ہے اور اسی کو مستحسن سمجھا ہے، علامہ عینی کا رجحان بھی اسی بات کی طرف ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ روایتی حیثیت سے یہی مسلک اقرب ہے اگرچہ منکبین تک اٹھانے کا مسلک روایتی حیثیت سے زیادہ اقرب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دونوں باب کی روایتیں صحیح ہیں اس لئے دونوں پر علی السواء عمل کرنا جائز ہے لیکن چونکہ منکبین کی روایت زیادہ اقوی ہے صحاح ستہ کی ہے اس لئے اس کو اذنین کی روایت پر ترجیح ہونی چاہیے۔

مگر انصاف یہی لگتا ہے کہ یہ اختیاری مسئلہ ہے إن شاء رفع إلى الأذنين وإن شاء رفع إلى المنكبين۔

لیکن بعض لوگ (عوام الناس) جو کان کو پکڑ کر کھینچتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بعض لوگوں کی عادت ہے کہ ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے کان کو چھوئیں گے نہیں، اسے پکڑ کر کھینچیں گے۔

(ص ۱۰۲) بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ

۷۳۷. حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى نَبِيِّ اللهِ

Maktaba Tul Ishaat.com

ﷺ. رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

وَرَوَاهُ ابْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ وَمُوسَى بْنِ عُقْبَةَ مُخْتَصَرًا.

ترجمہ: باب، دو رکعتیں پڑھ کر اٹھنے کے وقت ہاتھ اٹھانے کا بیان۔

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور رفع یدین کرتے، اور جب رکوع میں جاتے تو رفع یدین کرتے، اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو رفع یدین کرتے، اور جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے، اور حضرت ابن عمرؓ نے اس عمل کو حضور ﷺ کی طرف مرفوع کیا۔

اس روایت کو حماد بن سلمہ نے ایوب سے اور انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے اور حضرت ابن عمرؓ نے حضور ﷺ سے روایت کیا اور طہمانؒ نے اسی کو ایوب اور موسی بن عقبہ سے اختصار کے ساتھ روایت کیا۔

تشریح: جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑا ہو تو رفع یدین کرے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعی وامام احمد بن حنبل کا ایک قول تو یہ ہے کہ رفع یدین نہیں کرے گا، امام شافعی نے کتاب الام میں اسی کی تصریح فرمائی ہے، لیکن ایک بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ اس وقت رفع یدین کیا جائے گا، یہی ابن خویز منداد نے امام مالک سے روایت کیا ہے، اور ابن منذر، ابن خزیمہ، ابن حبان اور بہت سے علماء شافعیہ نے اس کو اختیار کیا ہے، ابو علی طبری، بیہقی، بغوی اور نووی وغیرہ کی یہی رائے ہے اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے، اور امام شافعی کے اصحاب میں سے ایک جماعت کا ایک ایک قول ہے، امام بخاری نے اسی کو اختیار کیا اور دلیل میں بطریق نافع عن ابن عمرؓ روایت پیش فرمائی۔

اس روایت کے بارے میں تقریر کر چکا ہوں کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مرفوع ہے یا موقوف؟ امام بخاری تو اس کے رفع کے قائل ہیں اسی لئے اس کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے، امام دار قطنی فرماتے ہیں الأشبه بالصواب قول عبدالأعلى، امام تقی الدین بن دقیق العید اور حافظ ابن حجر نے اسی کو ترجیح دی ہے، لیکن امام ابوداؤد کی رائے یہ ہے کہ یہ موقوف ہے مرفوع نہیں، جس نے اس کو مرفوع نقل کیا اس کو وہم ہو گیا، امام اسماعیلی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ نافع کے طریق میں رفعاً ووقفاً اختلاف ہے، اگر ایک جماعت اس کو موقوفاً نقل کرتی ہے تو بہت سے لوگ مرفوعاً بھی نقل کرتے ہیں اور رفع نقل کرنے والے ثقہ ہیں اس لئے اس میں کیا استبعاد

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کہ نافع سے دونوں طرح کی روایتیں منقول ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ: حماد بن سلمہ کی یہ روایت میں مسئلہ رفع یدین کے ذیل میں بتلا چکا کہ امام احمد، امام بخاری نے جزء رفع یدین میں اور بیہقی نے موصولاً تخریج کی ہے۔

امام ابوداؤد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حماد بن سلمہ یہ روایت مرفوعاً نقل کرنے میں منفرد ہے لیکن امام بخاری نے اس تفرد کے الزام کو دور کرنے کے لئے فرمادیا وَرَوَاهُ ابْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ وَمُوسَى بْنِ عُقْبَةَ مُخْتَصَرًا یعنی جیسے حماد بن سلمہ یہ روایت مرفوعاً نقل کرتے ہیں ابراہیم بن طہمان بھی مرفوعاً نقل کرتے ہیں، ابن طہمان کی تعلیق امام بیہقی نے موصولاً تخریج فرمائی ہے۔

لیکن یہاں پہنچ کر امام اسماعیلی نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حماد بن سلمہ اور ابن طہمان کی روایت ترجمۃ الباب کے موافق نہیں اس لئے کہ اس میں رفع من الرکعتین کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، فرماتے ہیں کہ شاید اس میں اشتباہ لگ گیا اور ایک باب کے بعد دوسرے باب میں منتقل ہوگئی یعنی یہ تعلیق سالم کی اس روایت کے مناسب ہے جو باب گزشتہ میں آچکی، یہاں بے محل نقل ہوگئی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ ثابت نہیں کیا کہ قیام من الرکعتین کے وقت رفع یدین کیا جائے گا، بلکہ اس تعلیق کو ذکر کرکے امام بخاری نے ان لوگوں پر رد کیا ہے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ نافع کی روایت موقوف ہے اور عبدالاعلیٰ عبیداللہ سے مرفوعاً نقل کرنے میں منفرد ہے، امام بخاری نے یہ اشارہ فرمادیا کہ عبدالاعلیٰ عبیداللہ سے یہ روایت نافع سے مرفوعاً نقل کرنے میں منفرد نہیں ہے بلکہ حماد بن سلمہ ایوب سے اور وہ نافع سے یہی روایت جب نقل کرتے ہیں تو مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

واللہ تعالی أعلم وعلمہ أتم وأحکم

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۱۰۲) بَاب وَضعِ الْيُمنَى عَلَى الْيُسرَى فِي الصَّلَاةِ

۷۳۸. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَ نَاسٌ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ.

وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا يَنْمِي ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ. قَالَ إِسْمَاعِيلُ: يُنْمَى ذَلِكَ وَلَمْ يَقُلْ يَنْمِي.

ترجمہ: باب، نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا بیان۔

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ ہر شخص نماز میں اپنے داہنے ہاتھ کو اپنی بائیں کلائی پر رکھے، ابوحازم نے کہا کہ میں نہیں جانتا مگر یہ کہ حضرت سہلؓ اس بات کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے، اسماعیل نے کہا یُنمیٰ ذٰلک بصیغۂ مجہول ہے اور انہوں نے یَنمِي نہیں کہا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اولاً رفع یدین عند التحریمہ کا ترجمہ منعقد کیا اور اسی کی مناسبت سے رفع یدین عند الرکوع والرفع عنہ کا ترجمہ اور پھر مقدارِ رفع بیان کے لئے باب إِلَى أَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ کا ترجمہ لائے اور پھر اسی کی مناسبت سے رفع یدین عند القیام من الرکعتین کا ترجمہ منعقد فرمادیا، جب رفع یدین کے تراجم سے فارغ ہو گئے تو اب یہ بتاتے ہیں کہ ہاتھ اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو باندھ لیا جائے گا۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آدمی ہاتھ اٹھانے کے بعد چھوڑ دے یا وضع یعنی ہاتھوں کو باندھ لے؟ امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ارسال کرے، جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو باندھ لے گا، یہی امام مالک کی ایک روایت ہے، مالکیہ کا تیسرا قول یہ ہے کہ فرض میں چھوڑ دے اور نفل میں ہاتھ باندھ لے۔

حضرت امام بخاری نے جمہور علماء کے قول کو اختیار کیا اور دلیل میں حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت پیش کی كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ، اور اسی مضمون کی روایت حضرت امام مسلم نے حضرت وائل بن حجرؓ سے تخریج فرمائی ہے، وضع کی روایات یقیناً مقدم ہیں اس لئے کہ وہ اثبات پر مشتمل ہے، اور جو لوگ ارسال کے قائل ہیں وہ روایاتِ مطلقہ سے استدلال کرتے ہیں۔

ہاتھ کہاں پر باندھنا اولیٰ ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے، یہی امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، اور امام شافعی کے نزدیک فوق السرّۃ وتحت الصدر، یہی امام احمد بن حنبل کی دوسری روایت ہے، امام احمد تیسری روایت میں اختیار دیتے ہیں یعنی کسی کو کسی پر ترجیح حاصل نہیں ہے۔

وضع تحت السرّۃ کے دلائل: وضع تحت السرۃ کے قائلین نے اس سلسلے میں دلیل کے طور پر ابو جحیفہؓ کی روایت پیش کی أَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ قَالَ: السُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ، رواه أحمد وابن أبي شيبة وأبو داود في رواية ابن داسة وابن الأعرابي والدار قطني والبيهقي، لیکن اسکی سند میں عبد الرحمن بن اسحاق واسطی ہے جو ضعیف ہے حتی کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ راوی متروک ہے۔

دوسری دلیل ان حضرات نے یہ پیش کی ہے کہ حضرت وائلؓ کہتے ہیں رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ، رواه ابن أبي شيبة قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ، علامہ قاسم بن قطلوبغا تخریج احادیث الاختیار میں لکھتے ہیں سندہ جید، علامہ ابو الطیب مدنی فرماتے ہیں سندہ قوی، علامہ عابد بن احمد سندی نے طوالع الانوار میں لکھا ہے رجالہ ثقات۔

لیکن علامہ حیات سندی نے فتح الغفور میں لکھا ہے کہ تَحْتَ السُّرَّةِ کی زیادتی اس روایت میں مشکل ہے منظور فیہ ہے، اس لئے کہ بعض نسخ صحیحہ میں اس کا کوئی وجود نہیں، علامہ قائم سندی نے فوز الکرام میں اس پر اعتراض کیا، کہتے ہیں کہ میں نے خود مصنف کے نسخہ میں یہ زیادتی دیکھی ہے جس پر صحت کی نشانیاں اور علامات تھیں اور علامہ قاسم نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کے کئی نسخے دیکھے، اس کا مخطوطہ سندھ کا نسخہ دیکھا، ملتان کا چھپا ہوا دیکھا، حیدر آباد کا چھپا ہوا دیکھا، اور اسی طرح سعودیہ میں جو نسخہ چھپا ہے کسی میں بھی زیادتی کا کوئی وجود نہیں ہے، یہ زیادتی میرے نزدیک غلط ہے اور اس کی سب سے بڑی ایک مزید دلیل یہ ہے کہ جس سند سے ابن ابی شیبہ نے یہ روایت نقل فرمائی ہے بعینہ اسی سند سے امام احمد بن حنبل نے المسند میں تخریج کی ہے اور اس میں یہ زیادتی موجود نہیں ہے۔

وضع علی الصدر کے دلائل: وضع علی الصدر کے قائل حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ، رواه ابن خزيمة

Maktaba Tul Ishaat.com

والبیھقی، لیکن اس کی سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے جو کثیر الخطأ والاختلاط ہے جیسا کہ ابوحاتم رازی، دار قطنی اور محمد بن نصر مروزی وغیرہ نے اس کی تصریح ہے اور وہ اس روایت میں عَلَى صَدْرِهِ کی زیادتی نقل کرنے میں منفرد ہے، اس لئے کہ ان کے رفیق عبداللہ بن ولید العدنی یہی روایت سفیان ثوری سے نقل کرتے ہیں اور اس میں عَلَى صَدْرِهِ کی زیادتی نقل نہیں کرتے ہیں أخرجه أحمد بن حنبل، لیکن اس کی ایک اور سند ہے جو امام بزار نے تخریج کی ہے اس میں عِنْدَ صَدْرِهِ کا لفظ وارد ہوا ہے، اس کی سند میں محمد بن حجر ہے جو ضعیف ہے۔

اسی طرح وضع علی الصدر کی ایک دوسری دلیل حضرت ہلب الطائیؓ کی حدیث ہے رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ وَرَأَيْتُهُ قَالَ يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ، رواه أحمد عن يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي سِمَاكٌ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ، لیکن یہی روایت امام احمد نے وکیع سے اور دار قطنی نے وکیع اور ابن مہدی کے طریق سے سفیان سے نقل کی ہے اس میں عَلَى صَدْرِهِ کی زیادتی نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ عَلَى صَدْرِهِ کی زیادتی یا عِنْدَ صَدْرِهِ کی زیادتی بھی کلام سے خالی نہیں ہے، اگر صحتِ سند کو دیکھا جائے تو نہ اِس طرف سند صحیح ہے اور نہ اُس طرف، لیکن اگر مقابلہ کیا جائے دونوں اسانید کا تو ایسی صورت میں عَلَى صَدْرِهِ و عِنْدَ صَدْرِهِ کی قوی اور تحت السرۃ کی روایت ضعیف ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام احمد سے منقول ہے کہ وہ سینہ پر ایک دم ہاتھ باندھنے کو ناپسند فرمایا کرتے تھے، اصل میں غالباً سینہ پر ہاتھ باندھنے سے مراد وہی طرز ہوگا جو غلاۃِ اہل حدیث نے آج کل اختیار کیا ہے، بلکہ اس وضع سے مراد بے تکلف وہ وضع ہے جو ہاتھ کو پوری طرح باندھ دینے کے بعد سینہ کے پاس مشاہد ہوتی ہے، والعلم عند اللہ۔

قَالَ إِسْمَاعِيلُ يُنْمَى ذَلِكَ وَلَمْ يَقُلْ يَنْمِي: یہ اسماعیل بن ابی اویس ہے، حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن مسلمہ جب یہ روایت مالک سے نقل کرتے ہیں تو يَنْمِي ذَلِكَ بصیغۂ معروف نقل کرتے ہیں اور اسماعیل ابن ابی اویس جب نقل کرتے ہیں تو يُنْمَى ذَلِكَ بصیغۂ مجہول نقل کرتے ہیں۔

(ص ۱۰۲) بَابُ الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ

۷۳۹. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَاهُنَا؟ وَاللهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلَا خُشُوعُكُمْ،

Maktaba Tul Ishaat.com

وَإِنِّي لَأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي.

۷۴۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَقِيمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي، وَرُبَّمَا قَالَ: مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي، إِذَا رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ.

ترجمہ: باب، نماز میں خشوع کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا رخ یہاں قبلہ کی طرف ہے، قسم خدا کی میرے اوپر تمہارا رکوع یا خشوع چھپا ہوا نہیں رہتا اور میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔

حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رکوع اور سجدہ کو ٹھیک طور پر ادا کرو اس لئے کہ بخدا میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور کبھی یہ فرمایا کہ جب تم رکوع یا سجود میں جاتے ہو تو میں تمہیں اپنی کمر کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

تشریح: خشوع افعالِ قلوب میں سے ہے جیسے خوف؛ یا افعالِ جوارح میں سے ہے جیسے سکون؟ اس میں اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ افعالِ قلوب میں سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ افعالِ جوارح میں سے ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ خشوع کا تعلق قلب اور جوارح دونوں سے ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج الحلبی نے حلبۃ المجلی میں لکھا ہے کہ قول اول ہی اشبہ ہے اور عارفین کا اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے، اور خشوعِ قلب کے لئے ذلت کا ظہور، آنکھوں کا نیچے رکھنا، آواز کا پست ہونا اور اطراف کا ساکن ہونا لازم ہے، امام قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ خشوع کا محل قلب ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی کو راجح قرار دیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں الخشوع فی القلب، رواہ الحاکم وصححہ وأقرہ الذھبی، سعید بن المسیب سے مرسلاً منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے فقَالَ: لَوْ خَشَعَ قَلْبُ هٰذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ، رواہ ابن أبی شیبۃ، یہ حدیث مرسلاً ہی ثابت ہے، حکیم ترمذی نے اسکو ابوہریرہؓ سے موصولاً نقل کر دیا لیکن اسکا وصل باطل ہے، کیوں کہ اس میں ابو داؤد اعمیٰ ہے جو کذّاب ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خشوع فی الصلوۃ کا حکم کیا ہے؟ خشوع فی الصلوۃ آیا فضائل و مستحبات میں سے ہے یا فرائض و واجبات میں سے؟

مالکیہ اور شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ فضائل و مستحبات میں سے ہے، یہی حنفیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے، امام نووی نے اس پر اتفاق نقل فرمایا ہے، لیکن مالکیہ میں سے ایک جماعت جیسے قاضی عیاض وغیرہ اور شافعیہ میں سے قاضی حسین وغیرہ اور ابوزید مروزی اور حنابلہ میں سے ابن ابی موسی اور ظاہریہ میں سے علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ یہ فرض ہے۔

محب طبری فرماتے ہیں کہ جو لوگ فرض ہونے کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ فی الجملہ نماز میں خشوع حاصل ہونا ضروری ہے، اگر بالکلیہ خشوع نہ پایا گیا تو قاضی حسین، ابوزید، ابن ابی موسی اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز باطل ہو جائے گی، لیکن علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ نماز باطل نہیں ہوگی، یعنی ہے تو یہ فرائض میں سے مگر وہ فرض نہیں جس کا ترک موجب بطلان ہو۔

امام بخاری نے یہ ترجمہ ابتداء کتاب الصلوۃ میں ترغیب فی اختیار الخشوع کے لئے ذکر فرمایا ہے اور بالکل صفۃ الصلوۃ کے آغاز میں لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ آدمی کو ابتداء ہی سے خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اور حضرت شیخ بطور نکتہ کے فرماتے تھے کہ ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس سے ان لوگوں کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہو جو ترکِ رفع کے قائل ہیں، گویا بخاری نے یہ کہہ دیا کہ ترک رفع اقرب الی الخشوع ہے۔

لیکن اسکو نکتہ تو کہا جاسکتا ہے مگر غیر علمی، امام بخاری بھلا ترکِ رفع کے کیا قائل ہوتے اور اس کی طرف کیا اشارہ کرتے، ان کی عادت تو یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ ان کے نزدیک دلائل کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے تو پھر وہ کسی اختلاف کرنے والے کے اختلاف کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور نہایت صاف صاف فیصلہ سنا دیتے ہیں، جب انہوں نے رفع یدین کے اثبات میں مستقل کتاب لکھی اور تارکین رفع کی تردید فرمائی تو پھر تارکین رفع کے قول کی طرف کیا اشارہ کرتے اور اس کو اقرب الی الخشوع کیا بتاتے۔

یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہنے لگے کہ بخاری نے رفع کے ابواب کے بعد یہ باب لا کر اشارہ فرما دیا کہ رفع

Maktaba Tul Ishaat.com

منافیٔ خشوع نہیں ہے، یا کوئی یہ کہنے لگے کہ امام بخاری نے وضع یمنی علی الیسری کے بعد یہ باب لاکر اشارہ فرما دیا کہ وضع اقرب الی الخشوع ہے، صحیح بات وہی ہے جو اولاً عرض کی گئی ہے کہ امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے بتانا چاہتے ہیں کہ آدمی کو نماز کے آغاز ہی سے خشوع کا اہتمام کرنا چاہئے جس پر اللہ کی طرف سے فلاح کی بشارت ہے ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾۔

امام بخاری نے اس باب میں دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی روایت تو ترجمۃ الباب کے مطابق ہے لیکن دوسری روایت میں خشوع کا کوئی تذکرہ نہیں ہے پھر مصنف نے یہ روایت اس باب میں کیوں ذکر فرمائی؟

علماء نے اس سوال کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

۱۔ ایک جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اس روایت میں ہے أَقِيمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ رکوع وسجود کو قائم کرو یعنی اطمینان سے کرو اور اطمینان سے رکوع و سجود کرنے کے لئے اعضاء کا سکون لازم ہے اور اعضاء کا سکون خشوع پیدا کرتا ہے اس لئے امام بخاری نے اس کو یہاں ذکر کیا ہے، ۲۔ دوسری تقریر یہ کی گئی ہے کہ سکونِ اعضاء علامت ہے خشوع فی القلب کی، لہٰذا مصنف نے سکونِ اعضاء کے حکم سے خشوع فی القلب کے حصول پر استدلال کیا ہے، ۳۔ تیسری تقریر یہ کی گئی ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی قضیہ سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا جب ایک روایت میں خشوع کا تذکرہ آگیا تو اب دوسری روایت میں اس کو تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(ص ۱۰۲) بَابُ مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ

۷٤۱. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِـ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾.

۷٤۲. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً - قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ: هُنَيَّةً - فَقُلْتُ: بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ، إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ؟ قَالَ: أَقُولُ اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ

Maktaba Tul Ishaat.com

كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ.

ترجمہ: باب، تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نماز کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے شروع کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأۃ کے درمیان باقاعدہ سکوت اختیار فرماتے تھے، ابوزرعہ کہتے ہیں میں یہ خیال کرتا ہوں کہ ابو ہریرۃؓ نے هُنَيَّةً (تھوڑی دیر) کہا تھا تو میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ جو تکبیر اور قرأۃ کے درمیان سکوت کرتے ہیں تو اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے یہ فرمایا میں یہ دعاء پڑھتا ہوں اللھم باعد، الخ اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا بُعد پیدا کر دے جتنا بُعد مشرق اور مغرب کے درمیان ہے، اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسا پاک وصاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے، اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے دھو دے۔

تشریح: اس ترجمہ کی غرض میں تین رائے ہیں۔

(۱) علامہ سندی تو فرماتے ہیں کہ ثناء کے عدم الوجوب کو بیان کیا ہے۔

(۲) حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے دونوں طرح کی روایات پیش کر کے یہ اشارہ فرمادیا کہ اس مسئلہ میں توسیع ہے گنجائش ہے چاہے آدمی ثناء پڑھے اور چاہے نہ پڑھے۔

(۳) حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ امام بخاری نے فریقین کے دلائل کیطرف اشارہ فرمایا ہے۔

ہمارے نزدیک علامہ سندی کی رائے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے اور ہم نے دونوں روایتوں کے متعلق یہ بتا دیا کہ باہم کوئی منافات نہیں ہے۔

مستملی اور ابن عساکر کے نسخے میں مَا یَقْرَأُ وارد ہوا ہے، اور حموی کے نسخے میں باب مایقول واقع ہوا ہے، اس دوسرے نسخہ پر تو کوئی اشکال نہیں، قول اپنے عموم کی وجہ سے قرأۃ اور ثناء دونوں کو شامل ہے، لیکن پہلے نسخہ مَا یَقْرَأُ پر یہ اشکال ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں ایک حضرت انسؓ کی جس میں فاتحہ کی قرأۃ کا ذکر ہے اور دوسری ابو ہریرۃؓ کی جس میں ثناء پڑھنے کا ذکر ہے، حضرت انسؓ کی روایت تو ترجمہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کے مطابق ہے لیکن ابو ہریرہؓ کی روایت باب کے مطابق نہیں ہے، یہ اشکال امام اسماعیلی نے پیش کیا ہے۔

علامہ زین بن منیر نے اس کے دو جواب دیئے ہیں، ایک تو یہ کہ امام بخاری نے یقرأ میں تضمین کرلی ہے معنیٰ یقول کی، دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ثناء اور فاتحہ دونوں تبرک الی اللہ کے قصد میں مشترک ہے، لہٰذا امام بخاری نے قرأۃ کے عموم میں ثناء کو بھی داخل فرمالیا۔

علامہ ابن رُشید فرماتے ہیں کہ دونوں کا مقصد مناجاۃ الرب ہے، لہٰذا جب ایک لفظ ایک کے لئے استعمال کیا گیا تو مقصد میں وحدت کی وجہ سے دوسرے کے لئے بھی وہی لفظ استعمال کرلیا گیا۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام مالک انکار کرتے ہیں اور جمہور علماء اس کا اقرار کرتے ہیں۔

منکرین حضرت انس بن مالکؓ کی روایت أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے استدلال کرتے ہیں اور مثبتین حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ قَالَ أَقُولُ اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ، الخ سے استدلال کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ثناء کے ذکر سے ساکت ہے اور ابو ہریرہؓ کی روایت صحیحین میں، علیؓ کی روایت صحیح مسلم میں اور ابو سعید خدریؓ وغیرہ کی روایتیں سنن میں ناطق ہیں والناطق حجة علی الساکت۔

پھر اس کے بعد جو لوگ ثناء کے قائل ہیں ان میں یہ اختلاف ہے کہ آیا ثناء واجب ہے یا سنت؟

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سنت ہے، اور حنابلہ کا ایک قول وجوب کا ہے جس کو امام ابن بطہ اصبہانی نے اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہی امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے۔

حضرت امام بخاری ثناء کے تو قائل ہیں لیکن بظاہر اس کے وجوب کے قائل نہیں، اس لئے انہوں نے اسی باب کے آغاز میں ایسی روایت پیش کی ہے جس سے عدم الثناء پر استدلال کیا جاتا ہے کیوں کہ اس میں صراحۃً وارد ہے كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کی اس روایت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ بسملہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بسملہ فاتحہ کا جزء ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ بسملہ فاتحہ کا جزء ہے؛ یا فاتحہ اور باقی سورتوں کا جزء ہے؛ یا کسی کا جزء نہیں؟

(۱) امام مالک فرماتے ہیں کہ سورۂ نمل کے علاوہ اور کسی جگہ بھی بسملہ قرآن کا جزء نہیں ہے، یہی حنفیہ کی ایک جماعت کا قول ہے اور حنابلہ میں سے بعض اسی کے قائل ہیں، اور بعضوں نے امام احمد سے یہ نقل کر دیا کہ ان کا یہی مذہب ہے یا ان کی ایک روایت ہے۔

(۲) اس کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ بسملہ فاتحہ کی ایک آیت ہے، ابن منذر، خطابی وغیرہ نے یہی امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور ابو عبید سے نقل فرمایا ہے۔

حضرت امام شافعی فاتحہ کے بارے میں تو یہی کہتے ہیں کہ بسملہ اس کی آیت تامہ ہے، اس کے علاوہ باقی اور سورتوں کے بارے میں امام شافعی کے تینوں قول ہیں، ایک قول یہ ہے آیة تامة منها، اور دوسرا قول ہے بعض آیة، اور تیسرا قول ہے لیست آیة ولا بعض آیة۔

(۳) عبد اللہ بن مبارک اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ یہ قرآن پاک کی ایک آیت ہے، فصل اور تبرک کے لئے لکھی گئی ہے، نہ سورت کا جزء ہے نہ فاتحہ کا جزء، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہی امام احمد سے منصوص ہے، علامہ موفق بن قدامہ فرماتے ہیں وهي المنصورة عند أصحابنا یعنی حنابلہ نے اسی روایت کو مدلل کیا ہے، اور ابو بکر جصاص رازی حنفی کہتے ہیں وهو مقتضى مذهب أبي حنيفة۔

دوسری جگہ امام ابو بکر جصاص رازی حنفی کہتے ہیں کہ حنفیہ سے اس سلسلے میں کوئی تصریح وارد نہیں ہے اور ہمارے شیخ ابو الحسن کرخی فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بسملہ صلوات جہریہ میں سرّاً پڑھی جاتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسملہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے، شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ تسمیہ نہ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ اوائل سور کا جزء ہے۔

(۴) حنفیہ میں سے علامہ اسبیجابی اور شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں أكثر مشائخنا على أنها آية من الفاتحة، یہ حنفیہ کا ایک قول ہے اور شمس الائمہ حلوائی جیسے انسان کا بیانؒ ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ یعنی احناف اس کو فاتحہ کا جزء سمجھتے ہیں اس لئے احتیاط کرنی چاہئے اور فاتحہ کے ساتھ بسملہ بالضرور پڑھنی چاہئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دلائل عدم جزئیتِ بسملہ: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بسملہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے انہوں نے متعدد دلائل سے استدلال کیا ہے۔

(۱) حضرت انس بن مالکؓ کی روایتِ مذکورہ سے استدلال کیا ہے۔

لیکن خطیب بغدادی وغیرہ کہتے ہیں کہ انس بن مالکؓ کی روایت مختلف الفاظ سے نقل کی جاتی ہے۔

۱۔ ایک لفظ ہے فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، رواہ مسلم۔

۲۔ دوسرا لفظ فَلَمْ يَكُونُوا يَقْرَءُونَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، رواہ الطحاوی والبیهقی۔

۳۔ تیسرا لفظ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، رواہ النسائی والطحاوی۔

۴۔ چوتھا لفظ فَكَانُوا لَا يَجْهَرُونَ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، رواہ أحمد وابن حبان وابن الجارود والطحاوی۔

۵۔ پانچواں لفظ وَأَنَّهُمْ كَانُوا يُسِرُّونَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، رواہ ابن خزیمة والطحاوی۔

۶۔ چھٹا لفظ فَكَانُوا لَا يَسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، رواہ أحمد۔

۷۔ ساتواں لفظ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، رواہ البخاری۔

۸۔ آٹھواں لفظ فَكَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَلَا فِي آخِرِهَا، رواہ مسلم۔

۹۔ نواں لفظ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الْقُرْآنَ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، رواہ أحمد۔

خطیب فرماتے ہیں کہ ان الفاظ میں یہی آخری لفظ محکم ہے اور باقی الفاظ روایت بالمعنی ہیں اور اس کا مقصد استفتاح بالفاتحہ کا بیان ہے اور معنی یہ ہے کہ قراۃ کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوا کرتا تھا، اور جب سورۂ فاتحہ سے آغاز مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی پہلی آیت بھی پڑھی جائے گی تو یہ لفظ فاتحہ میں بسملہ کی نفی نہیں کرتا ہے۔

لیکن حافظ ابن عبد الہادی حنبلی فرماتے ہیں کہ ان روایات میں منافات نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ لفظ محکم اور یہ غیر محکم ہے، بلکہ مجموعی طور پر سب کے معنی یہ ہے کہ قراۃ کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے ہوتا تھا اسی کو جہراً پڑھا جاتا تھا اور بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کو سرّاً پڑھا جاتا تھا، اور نماز کا آغاز اور قرآن کا آغاز

Maktaba Tul Ishaat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے ہوتا تھا، بات بالکل صاف اور واضح ہے۔

(۲) بعض علماء نے دوسری دلیل پیش کی کہ حضرت ابو سعید معلّیؓ فرماتے ہیں كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَلَمْ أُجِبْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي فَقَالَ: أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ثُمَّ قَالَ لِي: لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهُ أَلَمْ تَقُلْ لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ، رواه البخاری۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سورت کا نام ہے، ابن عبد الہادی کہتے ہیں کہ سورت کا نام ام القرآن اور فاتحۃ الکتاب ہے یا سورۃ الحمد ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین یا ان اسلاف سے جن کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے یہ نقل نہیں کیا گیا کہ اس کا نام اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ہے، مگر حافظ ابن حجر کا استدلال ابو سعید بن معلّیؓ کی روایت سے ظاہر ہے، میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حضور کے کہنے کا مطلب ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ إلى آخر السورة۔

(۳) تیسری دلیل ابو ہریرہؓ کی روایت ہے فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى حَمِدَنِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي وَإِذَا قَالَ ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ قَالَ مَجَّدَنِي عَبْدِي وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي فَإِذَا قَالَ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ قَالَ هٰذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، رواه مسلم۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نص قاطع ہے تاویل کا کوئی احتمال نہیں رکھتی، آگے فرماتے ہیں ولا أعلم حديثا في سكوت البسملة أبين منه، قاضی فرماتے ہیں هذا الحديث أبين شيئ في الباب، اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس کا راوی علاء بن عبد الرحمن ہے، یحیٰ بن معین فرماتے ہیں ليس بذاك، مضطرب الحديث ضعيف۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد، ترمذی وغیرہ اکابر نے ان کی توثیق کی ہے اور امام یحیٰ بن معین نے علی

Maktaba Tul Ishaat.com

الاطلاق ان کی تضعیف نہیں فرمائی ہے بلکہ بعض رجال کے مقابل میں تضعیف فرمائی ہے، خود امام یحی بن معین سے ان کے بارے میں منقول ہے لیس به بأس، راوی نے پوچھا هو أحب إلیک أو سعید المقبری؟ تو اس پر انہوں نے فرمایا سعید أوثق و العلاء ضعیف، مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے فرمایا سعید أوثق تو ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ اس وصف میں علاء بھی شریک ہے تو یحی بن معین نے اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمادیا العلاء ضعیف، یعنی بنسبت سعید کے ضعیف ہے، علی الاطلاق ضعیف نہیں کہا گیا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ علاء بن عبد الرحمن یہ روایت جب نقل کرتے ہیں تو کبھی کہتے ہیں عَنْ أَبِیهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ اور کبھی کہتے ہیں عَنْ أَبِي السَّائِبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، اس کا جواب ابن عبد الهادی نے یہ دیا ہے کہ انہوں نے دونوں سے سنا ہے اس لئے کبھی ان کا نام لیتے ہیں کبھی ان کا اور کبھی دونوں کو جمع کر دیتے ہیں۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ دار قطنی نے بھی یہی روایت تخریج فرمائی ہے اس میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کی زیادتی موجود ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں عبد اللہ بن زیاد بن سمعان متروک ہے جس کی ائمہ نے تکذیب کی ہے، علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ زیاد کے کذب پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

(۴) چوتھی دلیل یہ پیش کی گئی قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَمْ يَسْكُتْ، رواه مسلم تعليقًا ووصله أبو عوانة والبیهقی والطحاوی والحاکم وغیرهم، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فاتحہ کا جزء نہیں ہے، اگر فاتحہ کا جزء ہوتی تو حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب رکعتِ ثانیہ کے لئے کھڑے ہوتے تو فاتحہ کا آغاز بسملہ سے کرتے۔

(۵) پانچویں دلیل عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَكَانَ يَخْتِمُهَا بِالتَّسْلِيمِ، رواه مسلم والطحاوی هذا حديث مختصر۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حافظ ابن عبد البر سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، ابو الجوزاء نے یہ روایت حضرت عائشہؓ سے نہیں سنی، علامہ جمال الدین زیلعی فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں ودیعت کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ امام مسلم تصحیح و تضعیف کے ماہرین میں سے ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب مسمّٰی با لصحیح میں اس حدیث کو درج فرمایا ان کے نزدیک صحیح ہے تو بس کافی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

میں کہتا ہوں کہ ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں تصریح کی ہے کہ ابوالجوزاء نے حضرت عائشہؓ سے سنا ہے اور مجھے ان کے سماع کی تصریح بھی مل گئی لیکن تردد بھی ہے عن أبي الجوزاء قال سمعت عائشة تقول كان رسول الله ﷺ يفتتح صلاته بالتكبير ويختمها بالتسليم، رواه عبدالرزاق في مصنفه، اس میں صاف صاف سمعت عائشة کی تصریح وارد ہوئی ہے، مگر تردد اس لئے ہے کہ یہ حدیث بہت سے مسائل پر مشتمل ہے اور امام عبدالرزاق نے اس کے ٹکڑے مختلف جگہوں پر ذکر فرمائے ہیں لیکن سوائے ایک مقام کے کہیں اور سمعت عائشة کی تصریح مجھ کو نہیں ملی اس لئے مجھ کو اس میں تأمل ہے۔

مگر یہ بات سمجھ لیجئے کہ امام نووی نے مقدمۂ شرح مسلم میں تصریح فرمائی ہے وإن كنا لا نحكم على مسلم بعمله في صحيحه بهذا المذهب، یعنی انہوں نے امکان لقاء پر اکتفاء کرلیا ہو، اس مذہب پر انہوں نے عمل نہیں کیا، ہم اس کا فیصلہ نہیں کرسکتے، کیوں کہ وہ اتنے طرق کثیرہ جمع کر دیتے ہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے یہ حکم لگانا کہ امام مسلم نے صرف لقاء کے اوپر اعتماد کیا ہو اور اسی کی بنیاد پر حدیث کو صحیح کہہ دیا بعید ہے۔

(۶) چھٹی روایت عَنْ أَبِي نعامة قَيْسِ بْنِ عَبَايَةَ عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ سَمِعَنِي أَبِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ أَقُولُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَقَالَ لِي أَيْ بُنَيَّ إِيَّاكَ وَالْحَدَثَ قَالَ وَلَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَانَ أَبْغَضَ إِلَيْهِ الْحَدَثُ فِي الْإِسْلَامِ يَعْنِي مِنْهُ قَالَ وَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُولُهَا فَلَا تَقُلْهَا إِذَا أَنْتَ صَلَّيْتَ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه وقال الترمذي: حسن۔

امام نووی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ابن عبداللہ بن مغفل مجہول ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ یزید بن عبداللہ بن مغفل ہیں، مسند احمد میں بطریق ابی نعامۃ اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار میں اور طبرانی کی معجم میں بطریق ابی سفیان طریف بن شہاب ان سے ان کے نام کی تصریح وارد ہوئی ہے اور یہ روایت عبداللہ بن بریدہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں وحديثه أخرجه الطبراني۔

امام بیہقی نے ایک اور اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کو ابو نعامہ نقل کرتے ہیں اور ان سے ابن عبداللہ بن مغفل نقل کرتے ہیں ولم يحتج بهما صاحبا الصحيح۔

Maktaba Tul Ishaat.com

علامہ جمال الدین زیلعی نے اس کی تردید کی کہ ابونعامہ کے تفرد کا الزام غلط ہے، اور یہ کہنا لم یحتج به ولا بابن عبداللہ بن مغفل صاحبا الصحیح کچھ مضر نہیں، اس لئے کہ کسی حدیث کی سند کی صحت کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ شیخین اس کے راوی سے احتجاج واستدلال فرمائیں، علامہ جمال الدین زیلعی تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ترک الجہر بالبسملة مسلمانوں کو بطور میراث کے حضرت نبی اکرم ﷺ سے ملا تھا۔

(۷) اور اس کی ایک دلیل بدء الوحی میں بھی گزر چکی یعنی حضرت عائشہؓ کی حدیث۔

اب تک ہم نے جو روایتیں پیش کی ہیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ بسملہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے۔

(۸) ایک روایت خاص طور سے ایسی بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسملہ باقی سورتوں کا بھی جزء نہیں ہے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتَّى غُفِرَ لَهُ وَهِيَ سُورَةُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ، رواه أحمد وأبو داود والترمذی والنسائی وابن ماجه وقال الترمذی: حدیث حسن وصححه ابن حبان والحاکم۔

امام بخاری نے اپنی عادت کے موافق اس پر یہ اعتراض کیا کہ اس کا راوی عباس جُشَمی ہے ولا یعرف سماعه عن أبی هریرة، لیکن یہ امام بخاری نے اپنے طرز پر اعتراض کیا ہے، اگر ان کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس میں احتمالِ انقطاع ہے، انقطاع نہیں، اور یہی مضمون امام طبرانی نے معجم کبیر میں بطریق ثابت بن انس نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص الحبیر میں لکھا ہے إسناده صحیح۔

دلائلِ جزئیتِ بسملہ: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بسملہ فاتحہ کا جزء ہے وہ ایک روایت پیش کرتے ہیں، نعیم مُجمر کہتے ہیں صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ حَتَّى إِذَا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ، اور اس کے آخر میں ہے وَإِذَا سَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، رواه النسائی، امام نسائی نے اس پر باب الجهر ببسم اللہ الرحمن الرحیم کا ترجمہ منعقد کیا ہے، وکذا رواه ابن خزیمة وابن حبان والحاکم والدارقطنی والبیهقی وصححوه وکذا رواه الطحاوی وابن الجارود۔

لیکن امام ابن عبد الہادی نے اس حدیث سے استدلال کرنے کو تسلیم نہیں کیا، اور انہوں نے اس استدلال

Maktaba Tul Ishaat.com

کے تین جوابات دیئے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ امام بخاری کی تصریح کے مطابق ابوہریرہؓ کے آٹھ سو تلامذہ ہیں جن میں بہت سے صحابہ اور بہت سے تابعین ہیں ان میں سے کوئی بھی جہر بالبسملہ نقل نہیں کرتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں اتنا ہی تو ہے فَقَرَأَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ قرأۃ کے لئے جہر لازم نہیں ہے اور اگر تسلیم کرلیا جائے تو پھر

تیسرا جواب یہ ہے کہ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللهِ ﷺ سے مراد صرف اصل الصلوۃ میں مشابہت ہے، ہر ہر جزء میں مشابہت مراد نہیں ہے اور اس کا قرینہ دوسری روایات ہیں۔

یہ گفتگو تو صرف اس بات پر تھی کہ بسملہ فاتحہ اور سورت کا جزء ہے یا نہیں۔

نماز میں بسملہ کا حکم: یہاں ایک مسئلہ اور ہے کہ نماز میں بسملہ کی قرأۃ کا حکم کیا ہے؟ امام مالک کہتے ہیں کہ مکروہ ہے، امام شافعی اور محدثین کی ایک جماعت واجب کہتی ہے، امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور اکثر اہل حدیث فرماتے ہیں کہ مستحب ہے۔

اسی طرح سے قائلین بالقراءۃ میں یہ اختلاف ہے کہ اس کو جہراً پڑھا جائے گا یا سرًا؟ امام شافعی کہتے ہیں جہر مسنون ہے، امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور جمہور اہل حدیث فرماتے ہیں کہ اخفاء مسنون ہے، اور اسحاق بن راہویہ اور ابن حزم ظاہری ارشاد فرماتے ہیں کہ اختیار ہے چاہے جہر کرے اور چاہے اخفاء۔

إِسْكَاتَةً: یہ اسکات مصدر ہے باب افعال کا اور دوسری تاء تاءِ وحدت ہے، سکوت (سکتہ) کرتے تھے نبی کریم ﷺ تکبیر و قرأۃ کے بیچ میں ایک گونا سکوت۔

آیا نماز میں سکتہ ہے یا نہیں؟ بعض لوگ حنفیہ سے نقل کرتے ہیں کہ صرف ایک سکتہ ہے ثناء کے لئے، اور حضرات حنابلہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ دو سکتے ہیں ایک ثناء کے لئے اور دوسرا سکتہ ہوگا ختم قرأۃ پر فصل بین الرکوع والقراءۃ کے لئے، اور بعضوں نے ایک تیسرا سکتہ بھی ذکر کیا ہے کہ فاتحہ کے ختم پر مقتدیوں کی فاتحہ کے لئے تیسرا سکتہ ہوگا، لیکن علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے اس کو رد کیا ہے کہ حدیث سے صرف دو سکتے کا ثبوت ہوتا ہے، ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے كَانَ يَسْكُتُ سَكْتَتَيْنِ حضور ﷺ دو سکتہ کرتے تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

هُنَيَّةً: تھوڑی دیر۔

إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَاتَقُولُ: حضور! یہ جو آپ کا سکوت ہے تکبیر و قراۃ کے مابین اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ حضور ﷺ خاموشی سے آہستہ دعا پڑھتے تھے اور دعا کرتے تھے اے اللہ میرے اور میری خطاؤں کے درمیان مشرق و مغرب جیسا فاصلہ فرما، یہ عبدیت کا ظہور ہے، حضور باوصفِ نبوت بندے تھے اور آپ عام معاصی وذنوب سے محفوظ تھے لیکن آپ کے مقام رفیع کے اعتبار سے یہ ممکن ہے کہ کوئی چیز عام انسانوں کے حق میں تو گناہ نہ ہو لیکن آپ کے حق میں گناہ ہو اور وہ آپ سے صادر ہو جائے اسی سے آپ بُعد کے طالب تھے۔

اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا: اے اللہ مجھے خطاؤں سے ایسے پاک فرما جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے، یعنی جیسے اس کا میل کچیل صاف ہو کر چمکنے لگتا ہے اسی طرح سے میرے باطن کو منقی ومطہر فرمادے۔

بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ: ماء یعنی پانی، ثلج بمعنی برف، اور برد کہتے ہیں اولہ کو، اوپر سے جو برف گرتا ہے۔

یہاں ایک سوال ہے، وہ یہ کہ دھونے کا قاعدہ یہ ہے کہ گرم پانی سے میل کچیل جلدی دھلتا ہے اور اچھی طرح دھلتا ہے تو یہاں حضور اکرم ﷺ نے ماءِ ثلج اور برد یعنی ٹھنڈے پانی کا تذکرہ کیوں فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کو دھونا ہوتا ہے اسی کے مناسب دھونے کے لئے اسباب اور چیزیں اختیار کی جاتی ہیں، سوتی کپڑوں میں جو میل لگ جاتا ہے اس کے دھونے کے لئے تو اس کو گرم پانی میں ڈالنا بہت مفید ہوتا ہے، لیکن اگر ریشمی قسم کے کپڑوں میں میل کچیل لگ جائے اور کوئی اس کو گرم پانی میں ڈالے تو خراب ہو جائیں گے، ان کو تو ٹھنڈے پانی سے اور سرف (surf) سے دھویا جاتا ہے یا پھر پٹرول سے دھو دیا جاتا ہے، یا مشین میں دھوتے ہیں اور کبھی ہاتھ سے دھوتے ہیں۔

اب سمجھئے کہ خطائیں اور معاصی انسان کے باطن میں ایک اجنبی حرارت داخل کر دیتی ہیں، کچھ بے چینی پیدا کر دیتی ہیں، تو مقصد یہ ہے کہ اے اللہ خطاؤں کے اثرات کو کلی طور پر کاٹ کر نکال دے کہ ان کی وجہ سے جو اجنبی حرارت باطن میں داخل ہو جاتی ہے وہ کلیۃً زائل ہو جائے اور قلب کے اندر ایمان کی سکینت و ٹھنڈک پیدا ہو جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

سورۂ فاتحہ سے پہلے کیا پڑھا جائے: ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے ثناء کا ثبوت ہوتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ ثناء یا کوئی دعا پڑھنی چاہئے؟

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي، الخ پڑھے جو صحیحین میں ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے، یا إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ، الخ پڑھے جو حضرت علیؓ کی روایت میں مسلم شریف میں وارد ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے یہاں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، الخ پڑھے جو سنن کی روایات میں وارد ہوا ہے اور حضرت عمرؓ نے جس کو بر سر منبر پڑھا تھا جیسا کہ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے۔

قاضی ابو یوسف، اسحاق بن راہویہ اور ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ تسبیح و توجیہ دونوں کو جمع کرے، یہی زکریا ساجی نے حضرت امام شافعی سے نقل کیا ہے اور ابو اسحاق مروزی وغیرہ بہت سے شافعیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، علامہ عون الدین ابو المظفر ابن ہبیرۃ الوزیر الحنبلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی شیخ الاسلام امام الانام علامہ ابن تیمیہ کی رائے ہے۔

میرا خیال تو یہ ہے کہ جتنی چیزیں نبی پاک ﷺ سے ثابت ہیں ان کو عمل میں لانا چاہئے کبھی یہ پڑھے کبھی وہ، کسی ایک چیز کو لازم نہ پکڑ لے، اور ظاہر یہ ہے کہ جس نے اختیار کیا ہے کسی ایک کو وہ علی وجہ الوجوب نہیں بلکہ علی وجہ الندب والاستحباب اختیار کیا ہے۔

جو لوگ جمع بین التسبیح والتوجیہ کے قائل ہیں انہیں دلیل کی ضرورت ہے، اسحاق بن راہویہ نے حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں تسبیح و توجیہ کا جمع کرنا وارد ہوا ہے، مگر امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ وہ حدیث باطل ہے، اور امام طبرانی نے حضرت ابن عمرؓ سے اور بیہقی نے حضرت جابرؓ سے بعض روایتیں جمع کی نقل کی ہیں، حافظ ابن حجر کہتے ہیں إسنادہ جید یا قوی، لیکن حافظ بیہقی کہتے ہیں لیس بالقوی، حقیقت یہ ہے کہ راوی کو اختلاف ہو گیا کبھی اس نے عن ابن عمر کہہ دیا اور کبھی عن جابر کہہ دیا ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

(ص ۱۰۳) باب

۷۴۳۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَسْمَاءَ

Maktaba Tul Ishaat.com

بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى صَلَاةَ الْكُسُوفِ، فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: قَدْ دَنَتْ مِنِّي الْجَنَّةُ حَتَّى لَوِ اجْتَرَأْتُ عَلَيْهَا لَجِئْتُكُمْ بِقِطَافٍ مِنْ قِطَافِهَا، وَدَنَتْ مِنِّي النَّارُ حَتَّى قُلْتُ: أَيْ رَبِّ وَأَنَا مَعَهُمْ، فَإِذَا امْرَأَةٌ - حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: - تَخْدِشُهَا هِرَّةٌ، قُلْتُ: مَا شَأْنُ هَذِهِ؟ قَالُوا: حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا لَا أَطْعَمَتْهَا وَلَا أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ. قَالَ نَافِعٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: مِنْ خَشِيشِ الْأَرْضِ أَوْ خَشَاشِ.

ترجمہ: باب، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صلوۃ کسوف پڑھائی، چنانچہ آپ نے قیام کیا تو بہت دیر تک کھڑے رہے، پھر رکوع میں گئے تو دیر تک رکوع میں رہے، پھر قیام کیا اور دیر تک کھڑے رہے، پھر رکوع میں گئے اور دیر تک کھڑے رہے، پھر سر اٹھایا، پھر سجدے میں گئے اور دیر تک سجدے میں رہے، پھر سر اٹھایا، پھر سجدے میں گئے اور دیر تک سجدے میں رہے، پھر کھڑے ہوئے اور دیر تک قیام کیا، پھر رکوع میں گئے اور دیر تک رکوع میں رہے، پھر سر اٹھایا اور طویل قیام کیا، پھر رکوع میں گئے اور دیر تک رکوع میں رہے، پھر سر اٹھایا اور سجدے میں گئے اور دیر تک سجدے میں رہے، پھر سر اٹھایا اور پھر سجدے میں گئے اور دیر تک سجدے میں رہے۔

پھر نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا کہ جنت مجھ سے بہت قریب ہوگئی تھی حتی کہ میں اگر جرأت کرتا تو اس کے خوشوں میں سے ایک خوشہ تم کو لا دیتا، اور دوزخ مجھ سے نزدیک آگئی تھی حتی کہ میں نے کہا کہ اے پروردگار! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عورت ہے، نافع نے کہا میں یہ سمجھتا ہوں کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا جس کو بلی نوچ رہی ہے، میں نے کہا کہ اس عورت کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس عورت نے بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ اس کو کھلاتی تھی اور نہ اس کو آزاد چھوڑتی تھی کہ وہ خود کھالے، نافع کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ زمین کے کیڑے اور جانور کھالے۔

تشریح: یہ باب بلا ترجمہ اسی طرح کریمہ بنت احمد مروزیہ اور ابو محمد اصیلی کے نسخہ میں واقع ہوا ہے، اور بعض نسخوں میں سے ساقط ہوگیا ہے لیکن یہاں پر باب ہونا چاہئے۔

اس لئے کہ حضرت امام بخاری نے یہاں جو روایت ذکر کی ہے وہ صلوۃ الکسوف والی روایت ہے اس میں نہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ثناء کا ذکر ہے نہ فاتحہ کا، البتہ طول قیام کا ذکر ہے جس سے طول قراۃ سمجھ میں آتا ہے، تو نفس قراۃ میں اتحاد ہو گیا اور مایقول بعد التکبیر کے ساتھ مناسبت ہو گئی، لیکن چونکہ فاتحہ کی تصریح نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا طول فاتحہ اور ضم سورت دونوں پر مبنی تھا اس لئے فرمایا گیا فَأَطَالَ الْقِيَامَ، تو اس تصریح کے ساتھ یہ ثابت ہوا کہ تکبیر کے بعد آپ کیا پڑھتے تھے؟ لیکن حضرت انسؓ کی روایت سابقہ ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ پڑھتے تھے اور اس کے بعد کچھ اور بھی پڑھتے تھے، اور بہت ممکن ہے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت کو بھی ملا لیا جائے اور کہا جائے کہ اس طول کا مبنی ثناء، فاتحہ اور کچھ پڑھنا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب یہ کہ ترجمہ کیا ہو؟ صاحب تیسیر نے العمل فی الصلوۃ کا ترجمہ نقل کیا ہے لیکن پھر اس کو بعید قرار دیا ہے اور ہے بھی بعید، ابواب العمل فی الصلوۃ تو آئندہ اختتام کتاب الصلوۃ پر آئیں گے یہ بے محل بیان یہاں کیوں آگیا؟ لہٰذا یہ باب بلا ترجمہ ہے، اب اس ترجمہ کو باب مَايَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ علماء نے اس کی مختلف تقریریں کی ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ سے ترجمہ ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ ظاہر یہ ہے کہ اس اطالت کا منشا ثناء اور قراۃ تھا، اس پر علامہ سندی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مَايَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ کا مقصد تو یہ بتانا ہے کہ تکبیر کے بعد کیا پڑھا جائے گا اور علامہ عینی کی تقریر سے یہ ثابت نہیں ہوا۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ اعتراض اپنی جگہ وارد ہوتا ہے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ مَايَقُولُ کے معنی یہ ہے کہ تکبیر کے بعد کیا چیز آئے گی، آیا از جنس قرآن ہو گی یا از جنس غیر قرآن؟ حضرت انسؓ کی روایت نے بتا دیا کہ از جنس قرآن ہو گی اور ابو ہریرہؓ کی روایت نے بتا دیا کہ از جنس ثناء بھی جائز ہے، جب یہ تعیین ہو گئی تو اسکے بعد حضرت اسماءؓ کی روایت سے خود بخود یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ وہاں اطالت ثناء اور قراۃ کی وجہ سے ہوئی۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ یہاں فَأَطَالَ کی مناسبت سے یہ روایت ذکر کی ہے، کیوں کہ ثناء سے طول پیدا ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ قُلْتُ أَيْ رَبِّ وَأَنَا مَعَهُمْ سے روایت ترجمۃ الباب کے مطابق ہو جاتی ہے، اس لئے کہ یہ کلمہ استعطاف اور اللہ کی توجہ کو اپنی طرف کرنے کے لئے کہا گیا ہے، تو گو اس میں یہ تصریح نہیں کہ تکبیر کے بعد کیا پڑھا جائے گا لیکن اس کلمہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ نماز میں اس طرح کا کلمہ ہو گا جس میں بندہ اللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کی نظر عنایت کو اپنی طرف متوجہ کرے گا۔

علامہ سندی نے اس پر یہ اعتراض کر دیا کہ اس سے مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ کا ثبوت نہیں ہوتا کیوں کہ یہ کلمہ تو وصف صلوۃ میں کہا گیا ہے، الا یہ کہ مَا يَقْرَأُ کو عام مان لیا جائے خواہ تکبیر کے بعد متصلاً ہو یا کچھ فاصلے سے ہو، میں کہتا ہوں کہ اگر بالکل متصلاً ثابت ہو جائے تو پھر تو باب بلاترجمہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ کے بعد ثناء اور سورۃ فاتحہ کی روایتیں پیش کی اور فاتحہ کی روایت پہلے اس لئے لائے کہ وہ فرض ہے یا حنفیہ کے اصول پر واجب ہے، اور ثناء کی روایت کو دوسرے نمبر پر رکھا اس لئے کہ وہ سنت ہے، اب اس کے بعد تیسری چیز ضم سورت رہ جاتی تھی امام بخاری نے اس کی طرف حضرت اسماءؓ کی روایت لاکر اشارہ کیا ہے، واللہ اعلم۔

تَخْدِشُهَا: خراش لگا رہی تھی یعنی پنجے مار رہی تھی۔

فَإِذَا امْرَأَةٌ: یہ عورت بنی اسرائیل سے تھی اور ایک روایت میں ہے امْرَأَةٌ سوداء وارد ہوا ہے۔

یہ مسلمہ تھی یا کافرہ؟ دونوں رائے ہیں، صحیح یہ ہے کہ کافرہ تھی، مسند طیالسی میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے، کفر پر تو عذاب ہوا ہی، بلی کو باندھے رکھنے پر عذاب میں اضافہ ہو گیا۔

(ص ۱۰۳) بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى الْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ

وقالت عائشة: قال النبي ﷺ في صلاة الكسوف: فرأيت جهنم يحطم بعضها بعضا حين رأيتموني تأخرت.

٧٤٤. حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: قُلْنَا لِخَبَّابٍ: أَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْنَا: بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ ذَاكَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ.

٧٤٥. حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ يَخْطُبُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ، وَكَانَ غَيْرَ كَذُوبٍ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ

Maktaba Tul Ishaat.com

فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامُوا قِيَامًا حَتَّى يَرَوْهُ قَدْ سَجَدَ.

٧٤٦. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَصَلَّى قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا، وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا.

٧٤٧. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ رَقَا الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ الْآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلَاةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قِبْلَةِ هَذَا الْجِدَارِ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ ثَلَاثًا.

ترجمہ: باب، نماز میں امام کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے کسوف کی نماز کے بارے میں فرمایا کہ جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا ہوں تو اس وقت میں نے جہنم کو دیکھا تھا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر ٹوٹا پڑا ہے۔

ابو معمر سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت خبابؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں قرأۃ کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں کرتے تھے، ہم نے پوچھا کہ آپ اس کو کیسے پہچانتے تھے؟ تو فرمایا کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک کے ہلنے سے۔

حضرت براءؓ نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹ بیان کرنے والے نہیں تھے کہ وہ لوگ (صحابہ) جب حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے اور آپ اپنے سر کو رکوع سے اٹھا لیتے تو سب کھڑے رہتے حتی کہ وہ یہ دیکھ لیتے کہ آپ سجدہ میں چلے گئے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے نماز پڑھائی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ اپنی جگہ رہتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کچھ لینا چاہتے تھے پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے جنت کو دیکھا تھا تو میں اس کا ایک خوشہ لے لینا چاہتا تھا، اور اگر میں اس کو لے لیتا تو جب تک دنیا باقی رہتی تم اس کو کھاتے رہتے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی پھر آپ منبر پر چڑھے پھر آپ نے اپنے

Maktaba Tul Ishaat.com

دونوں ہاتھوں سے مسجد کے قبلہ کی جانب اشارہ کیا پھر فرمایا کہ ابھی جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی ہے تو میں نے جنت اور دوزخ دونوں کو دیکھا کہ اس دیوار کے قبلہ میں میرے سامنے متمثل کر دی گئیں اور یہ کہ میں نے آج کی طرح خیر و شر کا منظر نہیں دیکھا، یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلۂ خلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں آدمی کی نگاہ کہاں ہونی چاہئے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ قبلہ کی طرف، اور علامہ زین بن منیر نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ نظر الی الامام مقاصدِ ائتمام میں سے ہے، مقتدی کے ذمہ امام کی اقتداء ہے لہذا امام کی اقتداء اسی وقت ہو گی جب کہ امام کے احوال پر اطلاع ہو اور یہ اطلاع نظر کے ذریعہ ہو سکتی ہے، امام بخاری اسی قول کی طرف مائل ہیں۔

لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سجدے کے مقام پر نظر ہونی چاہئے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ شریک بن عبد اللہ، امام طحاوی، ابوالحسن کرخی وغیرہ کہتے ہیں کہ قیام کے وقت موضع سجود پر، رکوع کے وقت ظہر قدم پر، سجود میں ناک پر اور قعود میں گود پر نظر ہونی چاہئے۔

حدیث پاک سے صرف موضعِ سجود پر نظر کا ثبوت ہوتا ہے، ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور نے ابن سیرین سے ایک مرسل روایت نقل کی ہے جس میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے، حاکم نے اس روایت کو عن ابن سیرین عن ابی ہریرۃ موصولاً نقل کیا ہے، لیکن امام بیہقی فرماتے ہیں کہ مرسل ہی محفوظ ہے۔

اسی طرح سے امام حاکم نے علوم الحدیث میں اور بیہقی نے بسند ضعیف حضرت انس بن مالکؓ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے، نیز علیلۃ بن بدر ہے جس کا نام ربیع ہے وہ متروک راوی ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور امام مالک کے مذہب کو غالبًا اختیار کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہو کہ نماز میں موضع سجود پر نظر رکھنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وقت سجدے کی جگہ ہی پر نظر ہو بلکہ ضرورت کے وقت اپنی نظر کو اٹھایا بھی جاسکتا ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ اگر بخاری کی کسی روایت سے موضع سجود پر نظر کرنے کا ثبوت ہوتا تو اس کے بعد یہ کہنا صحیح ہوتا کہ امام بخاری نے یہ باب لا کر یہ بتا دیا کہ موضع سجود

Maktaba Tul Ishaat.com

پر لزوماً نظر ڈالنا ضروری نہیں ہے بلکہ ضرورت کے وقت سامنے بھی نظر ڈال سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ: معلوم ہوا کہ صحابہ حضور ﷺ کو دیکھتے تھے۔

عُنْقُودًا: خوشہ۔

امام بخاری نے اس باب میں پانچ روایتیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی چاروں کی تو مناسبت ظاہر ہے اور اس پانچویں روایت کے بارے میں امام اسماعیلی کہتے ہیں کہ اس میں نظر المصلی الی اِمامہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس میں یہ وارد ہے کہ حضور ﷺ نے قبلہ کی طرف نگاہ ڈالی تھی جبھی تو آپ کو دیوار میں جنت و جہنم ممثل نظر آئیں، اور جب امام قبلہ کی طرف نظر ڈال سکتا ہے تو مقتدی امام کی اقتداء کا مامور ہے وہ بھی نظر ڈال سکتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایتیں ایک ہی واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں اور جب ایک میں ذکر آگیا تو دوسرے میں بھی آگیا، اور ابن عباسؓ کی روایت میں ہے رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ لہٰذا روایت کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت ظاہر ہوگئی۔

مُمَثَّلَتَيْنِ: أی مصوَّرتین، میں نے دیوار کے قبلے میں ان دونوں کی شکل دیکھی، آج جیسا خیر وشر کا اجتماع نظر نہیں آیا۔

(ص ۱۰۳) بَاب رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ

۷۴۸. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ، فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذَلِكَ حَتَّى قَالَ: لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذَلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ.

ترجمہ: باب، نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نماز میں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں، یہ فرماتے ہوئے آپ کے لہجہ میں سختی پیدا ہوگئی اور فرمایا کہ یا تو یہ لوگ اس چیز سے باز آجائیں ورنہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ان کی نگاہوں کو اچک لیا جائے گا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ متفق علیہا ہے اور امام ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ آسمان کی طرف نماز کی حالت میں نظر کرنا مکروہ ہے، علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ آسمان کی طرف نظر کرنا حرام ہے اور اگر کسی شخص نے نگاہ ڈال دی تو علامہ ابن حزم کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی۔

اور آیا نماز سے باہر دعا میں آسمان کی طرف نگاہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ علامہ ابن حزم تو کہتے ہیں کہ یہ بھی حلال نہیں ہے، قاضی شریح اور حنابلہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مکروہ ہے، اسی کو علامہ ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے اور ان کا تو خیال یہ ہے ماعلمت أحدا استحبه میرے علم میں کوئی اس کے استحباب کا قائل نہیں ہے، لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نماز کے باہر آسمان کی طرف نگاہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے فإن السماء قبلة الدعاء کما أن الکعبة قبلة الصلوة۔

فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ: حضور ﷺ کی بات سخت ہو گئی اس سلسلے میں۔

آپ نے اس پر سخت انداز اختیار فرمایا کہ یا تو لوگ اس سے باز آئیں ورنہ ان کی ابصار کو اچک لیا جائے گا یعنی نگاہیں زائل ہو جائیں گی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ آسمان سے فرشتے اترتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان کے اترنے کے وقت انوار کا ازدحام ہو اور انسان کی آنکھ جب انوار سے ٹکرائے تو تحمل نہ کر سکنے کی وجہ سے روشنی کو کھو دے۔

(ص ۱۰۴) بَابُ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ

۷۴۹. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ: هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ.

۷۵۰. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ

Maktaba Tul Ishaat.com

صَلَّى فِي خَمِيصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ فَقَالَ: شَغَلَتْنِي أَعْلَامُ هَذِهِ، اذْهَبُوا بِهَا إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةٍ.

ترجمہ: باب، نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک اچک لینا ہوا کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک منقش چادر میں نماز پڑھی تو فرمایا کہ اس چادر کے نقوش نے مجھے مشغول کر دیا اس کو ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور انبجانی چادر مجھے لا کر دے دو۔

تشریح: امام بخاری نے اس سے پہلے باب میں جو روایت ذکر کی ہے اس میں رفع البصر الی السماء پر نکیر ہے جو ایک قسم کا التفات ہے، اسی مناسبت سے مصنف نے یہ باب اس کے بعد ذکر فرمایا۔

التفات کے معنی لغت میں ہے صرف الوجہ، اور یہاں پر التفات کے معنی صرف الوجہ من القبلۃ ہے، کہا جاتا ہے التفت فلان إلی فلان جب آدمی اپنے چہرے سے کسی اور طرف مڑ جائے، حضرت ابوذرؓ کی ایک روایت ہے لَا يَزَالُ اللهُ مُقْبِلاً عَلَى الْعَبْدِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ فَإِذَا صَرَفَ وَجْهَهُ انْصَرَفَ عَنْهُ، أخرجه أحمد والنسائی وابن خزیمة۔

امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے التفات فی الصلوۃ کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں لیکن امام نے حدیث الباب پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں اس کی کوئی صراحت نہیں فرمائی۔

امام نے اس باب میں حضرت عائشہؓ کی دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی حدیث میں التفات کو اختلاس الشیطان؛ شیطان کا اچک لینا؛ چھین لینا بتایا ہے، اور دوسری حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ شاغل عن الصلوۃ ہے لہٰذا یہ خشوع کے منافی ہے جو نماز میں مطلوب ہے تو مکروہ ہوگا۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ التفات کی کئی صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ آدمی قبلہ سے مڑ کر پیٹھ قبلہ کی طرف کرلے، یہ استدبار بالاجماع مبطل ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سینہ قبلہ کی طرف سے مڑ جائے اس میں اختلاف ہے، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ نماز باطل ہو جائے گی، لیکن ابو الوفاء بن عقیل حنبلی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ اس صورت میں نماز باطل نہیں ہوگی، مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کا سینہ قبلہ سے مڑ جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ قدمین روبہ قبلہ ہیں یا نہیں؟ اگر قدمین روبہ قبلہ نہیں ہیں تو نماز باطل ہوگئی، اور اگر قدمین قبلہ کی طرف ہیں تو گو اس کا سینہ قبلہ کی طرف سے مڑ گیا نماز باطل نہیں ہوگی۔

تیسری صورت التفات بمعنی لیّ العنق کے ہیں یعنی صرف گردن موڑ لی جائے، یہ التفات جمہور علماء کے یہاں مکروہ ہے تحریمًا یا تنزیہًا جس کی تفصیل ابھی آچکی، لیکن علامہ ابن حزم ظاہری اس کو مبطلِ صلوۃ قرار دیتے ہیں اور حکم بن عتیبہ سے جو لاصلوۃ لملتفت نقل کیا گیا ہے انہوں نے غالبًا یہی التفات مراد لیا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ آدمی صرف نگاہ سے ادھر ادھر دیکھ لے، اس کو لحظ العین کہا جاتا ہے، آنکھ سے دیکھ لینا، اس میں اختلاف ہے، ابن خزیمہ، ابن منذر اور شافعیہ اور اکثر حنفیہ اور مالکیہ میں سے علامہ جلّاب وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں لیکن بلاضرورت خلاف اولیٰ ہے، صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ نگاہ کو ادھر ادھر بلاضرورت ڈالنا مکروہ تنزیہی ہے اس لئے کہ یہ شاغل عن الصلوۃ ہے، اور یقینی بات ہے کہ جب آدمی کی نگاہ قبلہ سے ہٹ گئی تو شیطان کو توجہ الی اللہ میں کمی کرانے کا موقع مل گیا، یہ بھی ایک طرح کا اختلاس ہے اس لئے بلاضرورت ادھر ادھر نگاہ ڈالنا بالارادہ ناپسندیدہ اور خلاف اولی یا مکروہ تنزیہی ہوگا۔

امام بخاری نے اس باب میں حضرت عائشہؓ کی جو دوسری حدیث یعنی اعلامِ خمیصہ پر نظر پڑنے والی ذکر فرمائی ہے ممکن ہے اس کو لاکر مصنف نے یہ بتایا ہو کہ التفات بالنظر بھی ناپسندیدہ ہے، اس لئے کہ حدیث میں اس کو شاغل عن الصلوۃ کہا گیا، شَغَلَتْنِي أَعْلَامُ هٰذِهِ اس کے نقش و نگار نے مجھ کو مشغول کر دیا یعنی نماز کی طرف پوری توجہ کرنے سے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علتِ کراہت کی طرف اشارہ فرمایا ہو یعنی التفات کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نماز سے اعراض کی سی کیفیت ہو جاتی ہے اور خشوع میں کمی آجاتی ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو لاکر اشارہ فرمایا ہو کہ جو نظر بے اختیار ہو وہ معفوعنہ ہے، نگاہ کا ادھر ادھر پڑ جانا بسا اوقات بلا اختیار بھی ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کا حاصل تو یہ نکلا کہ نگاہ سے ادھر ادھر دیکھنا بھی التفات اور ناپسندیدہ اور مکروہ ہے شاغل عن الصلوۃ ہے، حالانکہ ابن عباسؓ حضور ﷺ کے متعلق نقل کرتے ہیں كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ يَمِينًا وَشِمَالاً وَلَا يَلْوِي عُنُقَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ، أخرجه الترمذی و صححه ابن خزيمة و ابن حبان

Maktaba Tul Ishaat.com

والحاکم وابن القطان، اس سے معلوم ہوا کہ اِدھر اُدھر نظر ڈالنا بلکہ لَیِّ عنق بھی مکروہ نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد نے اس روایت پر شدید انکار کیا ہے، علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ ثابت ہی نہیں ہے، لیکن ترمذی تخریج کر رہے ہیں اور ابن خزیمہ، ابن حبان تصحیح کر رہے ہیں اسلئے اسکے رد کرنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ ضرورت پر محمول ہے، چنانچہ ابن حبان نے حدیث کا یہی محمل بتایا کہ بالضرورۃ اِدھر اُدھر نگاہ ڈالنا بلکہ بعض وقت گردن کا موڑ لینا جائز ہے کوئی حرج نہیں ہے، بلاضرورت نظر ڈالنا مکروہ تنزیہی ہے اور گردن پھرانا اس سے زیادہ مکروہ ہے، وقس علی ذلک مازادفحکمه أشد۔

هُوَ اخْتِلَاسٌ: وہ چھین لینا ہے، شیطان اتنا حصہ چھین لیتا ہے آدمی کی نماز سے۔

اختلاس شیطان سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ التفات مبطل نہیں مکروہ ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے التفات کو اختلاس اور خلسہ چھین لینا قرار دیا، مبطل قرار نہیں دیا اور نہ ہی التفات کرنے والے کو اعادہ کا امر فرمایا، نیز بحالت اختلاس نماز پڑھنے والے کو آپ نے مصلی قرار دیا اور اس کی نماز کو نماز قرار دیا۔

(ص ۱۰۴) بَاب هَلْ يَلْتَفِتُ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ أَوْ يَرَى شَيْئًا أَوْ بُصَاقًا فِي الْقِبْلَةِ

وقال سهل: التفت أبو بكر فرأى النبي ﷺ.

٧٥١. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ: رَأَى رَسُولُ اللهِ ﷺ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّي بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ حِينَ انْصَرَفَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ اللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ أَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهِ فِي الصَّلَاةِ.

٧٥٢. رَوَاهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ وَابْنُ أَبِي رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ.

٧٥٣. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: بَيْنَمَا الْمُسْلِمُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ لَمْ يَفْجَأْهُمْ إِلَّا رَسُولُ اللهِ ﷺ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوفٌ، فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ، وَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ

Maktaba Tul Ishaat.com

لِيَصِلَ لَهُ الصَّفَّ، فَظَنَّ أَنَّهُ يُرِيدُ الْخُرُوجَ، وَهَمَّ الْمُسْلِمُونَ أَنْ يَفْتَتِنُوا فِي صَلَاتِهِمْ، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ: أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ، وَأَرْخَى السِّتْرَ وَتُوُفِّيَ مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ.

ترجمہ: باب، اگر کوئی بات پیش آجائے یا نمازی کو کوئی چیز نظر آجائے یا وہ قبلہ کی جانب تھوک پڑا ہوا دیکھے تو کیا ان صورتوں میں التفات کر سکتا ہے، سہلؓ کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے نماز میں التفات کیا اور حضور اکرم ﷺ کو دیکھا۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں قبلہ کی جانب کھنکار (سینہ سے نکلا ہوا بلغم) کو دیکھا اور آپ لوگوں کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے اس کو کھرچ دیا، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی نماز میں ہوتا ہے تو بیشک اللہ اس کے سامنے کی جانب ہوتا ہے تو نماز میں کوئی اپنے سامنے کھنکار نہ ڈالے۔

اس حدیث کو موسیٰ بن عقبہ اور عبد العزیز بن رواد نے نافع سے روایت کیا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مسلمان فجر کی نماز کی حالت میں تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کا سامنا ہو گیا، آپ نے حضرت عائشہؓ کے حجرے کا پردہ اٹھایا اور مسلمانوں کو دیکھا، مسلمان نماز میں صف بنا چکے تھے، آپ ہنستے ہوئے مسکرائے اور حضرت ابو بکرؓ الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے تا کہ وہ آپ کے لئے جگہ چھوڑ کر پیچھے صف میں پہنچ جائیں اور حضرت ابو بکرؓ کا گمان یہ تھا کہ آپ باہر تشریف لانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو فرطِ مسرت میں یہ خیال ہو رہا تھا کہ وہ نماز میں مبتلائے فتنہ ہو جائیں گے پھر آپ نے ارشاد فرمادیا کہ تم اپنی نماز کو پورا کر لو اور پردہ گرادیا، اور اسی دن کے آخر میں آپ کی وفات ہو گئی۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے جب یہ بیان فرمادیا کہ التفات فی الصلوۃ اختلاسِ شیطان اور شاغل عن الصلوۃ ہے تو اب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کیا کسی ضرورت کی وجہ سے التفات کی گنجائش ہے اور اگر نماز پڑھتے ہوئے انسان کی نگاہ قبلہ کی طرف یا بصاق وغیرہ کی طرف پڑ جائے تو کیا حکم ہے؟

امام بخاری نے اس سلسلے میں کوئی تصریح نہیں کی اس لئے کہ روایت میں کوئی صاف بات وارد نہیں ہوئی البتہ لفظ ھل لا کر اشارہ کیا کہ اگر ضرورت شدیدہ پیش آجائے کہ التفات کے بغیر چارہ نہ ہو تو پھر گنجائش ہے، جیسے حضور ﷺ قباء صلح کرانے تشریف لے گئے، واپس آئے تو نماز کھڑی ہو چکی تھی، صحابہ تالیاں بجانے لگے جب زیادہ ہی تالیاں بجیں تو ابو بکر صدیقؓ نے التفات کیا، اسی طرح سے اگر کوئی بے اختیار حالت پیش آجائے تو بھی گنجائش ہے، جیسے حضور ﷺ بیمار تھے اور صحابہ منتظر تھے، بے اختیار آپ کے حجرۂ مبارک کی طرف نظر پڑتی تھی کہ شاید تشریف لائیں، اور اسی طرح سے بلا ارادہ اگر قبلہ کی دیوار پر نظر پڑی، تھوک نظر پڑ گیا تو اس

Maktaba Tul Ishaat.com

میں کوئی حرج نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اگر ضرورت شدیدہ ہو یا بلاارادہ نگاہ پڑ جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں اور اگر ضرورت شدیدہ نہ ہو کہ التفات کے بغیر کام چل جاتا ہو تو پھر نگاہ نہ ڈالنی چاہئے۔

فَحتّھا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر حضور ﷺ نے نماز ہی میں نخامہ کو کھرچ دیا، لیکن بطریق مالک یہی روایت ابواب قبلہ میں آچکی ہے اس میں صلوۃ کی قید نہیں ہے، اور حضرت ابوسعیدؓ، ابوہریرہؓ، عائشہؓ اور انسؓ وغیرہ کی احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد حضور ﷺ سے کھرچنا پایا گیا۔

فَتَبَسَّمَ یَضحَکُ: دوشنبہ کے دن حضور ﷺ نے فجر کی نماز کے وقت پردۂ مبارکہ ہٹایا اور صحابہ پر ایک نگاہ ڈالی اور تبسم کیا، تبسم اس بات پر کہ اے اللہ! آپ نے مجھ کو جس کام کے لئے بھیجا تھا آپ کی زندگی میں وہ کام پوری طرح سے پھیل گیا لوگ دین اسلام پر عامل ہو گئے۔

وَنَکَصَ أَبُو بَکرٍ عَلَی عَقِبَیہِ: ابوبکرؓ نے بھی نگاہ ڈال لی کہ حضور ﷺ پردہ اٹھا رہے ہیں تو یہ خیال ہوا کہ حضور نکلنا چاہتے ہیں اس لئے پیچھے ہٹنا چاہا تاکہ آپ ﷺ آگے آجائیں اور وہ صف میں آجائیں، اور مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی کہ ابھی نماز میں فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے یعنی بے قابو ہو کر نماز توڑ دیں گے۔

فَأَشَارَ إِلَیهِم أَتِمُّوا صَلَاتَکُم: آپ ﷺ نے اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ ڈال لیا۔

وَتُوُفِّيَ مِن آخِرِ ذَلِکَ الیَومِ: اس دن کے آخر میں وفات ہوگئی، حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ لفظ غریب ہے، محفوظ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا انتقال دوشنبہ کے دن اوائل نہار میں ظہر سے پہلے ہوا ہے، میں کہتا ہوں کہ ابن سعد نے عبید بن عمیر کی مرسل روایت نقل کی ہے اس میں ہے فما انتصف النھار حتی قبضہ اللہ تعالی اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ضحیٰ کے وقت حضور ﷺ کی وفات ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے ان دونوں روایتوں میں جمع کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ جس نے مِن آخِرِ ذَلِکَ الیَومِ کہا ہے اس کی مراد ابتداءِ آخر ذلک الیوم یعنی زوال کا وقت ہے اور عین زوال کے وقت اشتداد ضحیٰ ہو جاتا ہے، اور موسی بن عقبہ وغیرہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا انتقال زوال کے وقت ہوا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۱۰۴) بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ

٧٥٤. حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: شَكَا أَهْلُ الْكُوفَةِ سَعْدًا إِلَى عُمَرَ، فَعَزَلَهُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا، فَشَكَوْا حَتَّى ذَكَرُوا أَنَّهُ لاَ يُحْسِنُ يُصَلِّي، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ، إِنَّ هَؤُلاَءِ يَزْعُمُونَ أَنَّكَ لاَ تُحْسِنُ تُصَلِّي؟ قَالَ: أَمَّا أَنَا وَاللهِ، فَإِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلاَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، مَا أَخْرِمُ عَنْهَا، أُصَلِّي صَلاَةَ الْعِشَاءِ فَأَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأُخِفُّ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، قَالَ: كَذَا الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ، فَأَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلاً أَوْ رِجَالاً إِلَى الْكُوفَةِ يَسْأَلُ عَنْهُ أَهْلَ الْكُوفَةِ، وَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا إِلاَّ سَأَلَ عَنْهُ، وَيُثْنُونَ عَلَيْهِ مَعْرُوفًا حَتَّى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِي عَبْسٍ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ: أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ يُكْنَى أَبَا سَعْدَةَ، فَقَالَ: أَمَّا إِذْ نَشَدْتَنَا فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لاَ يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ، وَلاَ يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ، وَلاَ يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ، قَالَ سَعْدٌ: أَمَا وَاللهِ لَأَدْعُوَنَّ بِثَلاَثٍ: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هَذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَأَطِلْ عُمْرَهُ، وَأَطِلْ فَقْرَهُ، وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ، وَكَانَ بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ: شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ، أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ، قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ: فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ، وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ.

٧٥٥. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

٧٥٦. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي

Maktaba Tul Ishaat.com

سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَرَدَّ، وَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَرَجَعَ فَصَلَّى كَمَا صَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، ثَلَاثًا، وَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي، فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، وَافْعَلْ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا.

ترجمہ: باب، امام اور مقتدی پر تمام نمازوں میں قراۃ قرآن کے واجب ہونے کا بیان حضر کی نماز ہو یا سفر کی اور وہ نماز جس میں جہر کیا جاتا ہے یا وہ نماز جس میں سرًا پڑھا جاتا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ اہل کوفہ نے حضرت عمرؓ سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے انہیں معزول کر دیا اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو ان کا حاکم مقرر کر دیا، اہل کوفہ نے شکایت میں یہاں تک کہا کہ حضرت سعدؓ نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھاتے، حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو بلایا اور کہا کہ اے ابو اسحاق! یہ اہل کوفہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھاتے؟ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میں خدا کی قسم! ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھاتا رہا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی، (مثلاً) عشاء کی نماز اس طرح سے پڑھاتا تھا کہ پہلی دو رکعتوں میں دیر تک ٹھہر تا تھا اور آخر دونوں رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابو اسحاق! آپ کے بارے میں گمان غالب یہی ہے۔

پھر حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ ایک آدمی کو یا کئی آدمیوں کو کوفہ روانہ کیا جو اہل کوفہ سے حضرت سعدؓ کے بارے میں سوالات کر کے تحقیق کریں، انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر حضرت سعدؓ کے بارے میں تحقیق کی اور اہل کوفہ حضرت سعدؓ کے اچھے کاموں کی تعریف کرتے رہے، یہاں تک کہ جب بنو عبس کی مسجد میں گئے تو ایک شخص جس کو اسامہ بن قتادہ کہتے تھے اور جس کی کنیت ابو سعدہ تھی کھڑا ہوا اور کہا کہ جب آپ قسم دے کر پوچھتے ہیں تو بات یہ ہے کہ سعدؓ جہاد کے لشکر کے ساتھ نہیں جاتے، اور مال کی تقسیم میں برابری نہیں کرتے، اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے، (یہ سن کر) حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میں بخدا ضرور تین بد دعائیں کروں گا کہ اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور ریاکاری اور شہرت کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر کو دراز فرما دے اور اس کے فقر کو طویل کر دے اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا دے، اس کے بعد جب اس شخص سے حال پوچھا جاتا تو وہ کہتا تھا کہ میں ایک عمر رسیدہ مبتلائے فتنہ بوڑھا ہوں، مجھے سعدؓ کی بد دعا لگ گئی، عبد الملک نے کہا کہ میں نے اس کو بعد میں دیکھا، بڑھاپے کی وجہ سے اس کی دونوں پلکیں اس کی آنکھوں پر آ گری تھیں اور راستہ میں لڑکیوں کا پیچھا کرتا تھا یعنی ان

Maktaba Tul Ishaat.com

کو چھیڑتا تھا۔

عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اسکی نماز نہیں ہوئی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے نماز پڑھی، پھر آکر حضور ﷺ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ لوٹ کر جاؤ پھر نماز پڑھو اس لئے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، چنانچہ وہ شخص لوٹ کر گیا اور اس نے بعینہ اسی طرح نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھی تھی، پھر آیا اور حضور ﷺ کو سلام کیا، پھر آپ نے یہی فرمایا کہ لوٹ کر جاؤ پھر نماز پڑھو اس لئے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، یہ بات تین مرتبہ پیش آئی تو اس شخص نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا آپ مجھے سکھلا دیں، تو آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اللہ أکبر کہو پھر جو قرآن کریم آسانی سے پڑھ سکتے ہو جتنی یاد ہے اس کی قرأۃ کرو پھر رکوع میں جاؤ یہاں تک کہ رکوع کی حالت میں اطمینان ہو جائے پھر رکوع سے سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ میں جاؤ یہاں تک کہ سجدہ کی حالت میں اطمینان ہو جائے پھر سجدے سے سر اٹھاؤ یہاں تک کہ بیٹھنے کی حالت میں اطمینان ہو جائے پھر اپنی پوری نماز میں اسی طرح عمل کرتے رہو۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ قرأۃِ قرآن امام و مقتدی پر ساری نمازوں میں سری ہو یا جہری، حضری ہو یا سفری واجب ہے۔

یہ ترجمۃ الباب کئی مسائل پر مشتمل ہے (۱) نماز میں قرأۃِ قرآن واجب ہے (۲) امام پر واجب ہے (۳) مقتدی پر واجب ہے (۴) تمام نمازوں میں واجب ہے، خواہ سری ہوں یا جہری، حضری ہوں یا سفری۔

یہاں پر ترتیب وار چھ مسائل ذکر کروں گا۔

(۱) قرأۃ کا حکم کیا ہے؟ (۲) نماز میں کیا پڑھنا واجب ہے؟ (۳) فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے کا حکم (۴) نماز کی کتنی رکعات میں قراءۃ فرض ہے؟ (۵) ہر نماز میں قراءۃ واجب ہے یا سرّی و جہری کا فرق ہے؟ (۶) کن لوگوں (امام، منفرد، مقتدی) پر قراءۃ واجب ہے؟

المسئلۃ الأولی: قرأۃ کا حکم کیا ہے؟

جمہور علماء کے نزدیک نماز میں قرآن کا پڑھنا واجب ہے، حافظ ابن کثیر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، قاضی ابو الطیب طبری نے حسن بن صالح اور ابو بکر بن کیسان الاصم سے نقل کیا ہے کہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، صاحب البدائع، صاحب الکفایہ اور صاحب فتح

Maktaba Tul Ishaat.com

القدیر وغیرہ نے ابن عیینہ سے عدم الوجوب کا قول نقل کیا ہے، مگر میری رائے ہے کہ ابن عیینہ کی طرف یہ نسبت وہم ہے وہ تو حدیث لاصلوۃ إلا بفاتحۃ الکتاب کے راوی ہیں پھر فرضیت قرأۃ کا انکار کیسے کرسکتے ہیں، اصل میں ابن علیہ باللام تھا تصحیف ہو کر ابن عیینہ ہو گیا، ناقلین نے مصحّف صورت کو دیکھا اور ابن عیینہ نقل کر دیا، اس کے بعد علامہ ابن ہمام وغیرہ نے سفیان بن عیینہ سے نقل کر دیا۔

علامہ عینی نے عدم الوجوب کا قول ایک جماعت سے نقل کیا ہے جس میں ابن علیہ اور ابو بکر بن کیسان الاصم بھی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے جمہور کی مخالفت کے لئے کمر کس لی اور یہ طے کر لیا ہے کہ جمہور کی مخالفت کرتے رہیں گے، امام مالک سے ایک روایت عدم الوجوب کی نقل کی گئی ہے، قاضی ابو الولید باجی اور قاضی عیاض نے اس روایت کو شاذ قرار دیا ہے، امام بیہقی نے امام شافعی کا ایک قول قدیم ذکر کیا ہے کہ اگر نسیاناً نماز میں قرأۃ چھوٹ جائے تو نماز درست ہو جائے گی۔

وجوب قرأت کے دلائل

الدلیل الأول: قرآن پاک کی آیت ہے ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾۔

الدلیل الثانی: حدیث المسیئ فی الصلوۃ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، رواہ الشیخان۔

الدلیل الثالث: حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے لاصلوۃ إلا بقراءۃ، الخ، رواہ مسلم۔

الدلیل الرابع: عن أبی ہریرۃ فی کل صلوۃ قراءۃ فما أسمعنا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أسمعناکم وما أخفی منا أخفیناہ منکم، رواہ الشیخان، اسکے علاوہ اور روایات انشاء اللہ آئندہ آتی رہیں گی۔

عدم وجوب قرأت کے دلائل

جو حضرات نماز میں قرأۃ کے عدم وجوب کے قائل ہیں انہوں نے چند آثار سے استدلال کیا ہے۔

(۱) ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے مروی ہے أن عمر بن الخطاب صلّی المغرب ولم یقرأ فقیل له فقال کیف کان الرکوع والسجود؟ قالوا: حسنا قال: فلا بأس، رواہ ابن أبی شیبۃ والشافعی وصالح بن أحمد فی مسائلہ والبیہقی والطحاوی وغیرہم، وکذا رواہ الشافعی من طریق محمد بن علی عن عمر۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۲) عن الحارث الأعور أن رجلا قال لعلی بن أبی طالب إنی صلّیت ولم أقرأ قال: أتممت الرکوع والسجود؟ قال: نعم، قال: تمت صلوتک، رواه الشافعی وابن أبی شیبة۔

(۳) عن زید بن ثابت قال: القرأة سنة، رواه البیهقی۔

(۴) عن جابر قال کنا نصلّی التطوع ندعو قیاما وقعودا ونسبح رکوعا وسجودا، رواه أبو داود۔

دلائل عدم وجوب کے جوابات

ان کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت معلول ہے، امام احمد، امام بخاری اور طحاوی کہتے ہیں کہ اس میں انقطاع ہے یعنی ابو سلمہ نے حضرت عمرؓ سے نہیں سنا ہے، حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، امام مالک نے ابتداءً اس کو موطا میں درج کیا تھا بعد میں نکال دیا، اسی طرح سے محمد بن علی نے بھی حضرت عمرؓ سے نہیں سنا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت عمرؓ نے قرأۃ سری کی ہو۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز کا اعادہ کیا، صالح بن احمد نے کتاب المسائل میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور قرأۃ نہیں کی، فراغت کے بعد ابو موسی اشعریؓ نے کہا یا أمیر المؤمنین! إنک لم تقرأ، حضرت عمرؓ نے عبد الرحمن بن عوفؓ سے پوچھا، انہوں نے ابو موسی اشعریؓ کی تصدیق کی، حضرت عمرؓ نے دوبارہ اقامت کہلوائی اذان نہیں کہلوائی اور نماز کا اعادہ کیا اور فرمایا لا صلوۃ لیست فیها قرأۃ، إنما شغلنی عن الصلوۃ عِیر جهزتها إلی الشام فجعلت أفکر فی أحلاسها وأقتابها ونحوه، رواه ابن أبی شیبة وغیرہ۔

امام احمد کہتے ہیں ذلک أثبت (مسائل صالح ۲ / ۲۰۱)، حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ روایت موصول ہے اور ان روایات کے موافق ہے جن سے نماز میں قرأۃ کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز قیاس کے بھی موافق ہے اس لئے کہ ارکان نسیان سے ساقط نہیں ہوتے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ اثر بدو وجہ ضعیف ہے، اول: اس کا راوی حارث الأعور ہے جو ضعیف ہے حتی کہ عامر شعبی نے اس کی تکذیب کی ہے، دوم: یہ اثر حارث سے ابو اسحاق سبیعی نقل کرتا ہے، امام بخاری نے جزء القرأۃ میں لکھا ہے قال شعبة: لم یسمع أبو إسحاق عن الحارث إلا أربعة أحادیث، ولیس هذا فیه

Maktaba Tul Ishaat.com

ولاتقوم به الحجة، اور اگر ثابت بھی مان لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ اثر قرآن واحادیث کے خلاف ہے اور حضرت علیؓ کا اجتہاد ہے۔

تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ زید بن ثابتؓ کا اثر ثابت ہے، لیکن قرأۃ کے سنت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنے کے اندر قاری نقل کا مکلف ہے جیسا منقول ہوا ایسا ہی پڑھے گا چاہے قواعد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اور اگر قواعد کے موافق کوئی چیز ہو لیکن منقول نہیں ہے تو اس کے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، امام بغوی کی روایت میں ہے القرأۃ سنة متبعة، یہ لفظ صاف طور پر مرادِ اثر کو متعین کرتا ہے۔

چوتھی دلیل کے جوابات: (۱) حضرت جابرؓ کی روایت اول تو منقطع ہے، حسن بصری کا حضرت جابرؓ سے سماع ثابت نہیں، (۲) ممکن ہے یہ ابتداء کا قصہ ہو جب تک قرأۃ فرض نہیں تھی، لیکن یہ جواب غلط ہے اس لئے کہ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ مکہ میں نازل ہوئی ہے، (۳) کنا ندعو میں دعا کے عموم میں قرأۃ بھی داخل ہے، اس لئے کہ قرآن کا پڑھنا اللہ کی حمد وثنا کرنا ہے اور اللہ کی حمد وثنا اس کی تعریف اور اس سے سوال کے مرادف ہے، (۴) اگر یہ روایت ثابت بھی ہو تو دیگر روایاتِ ثابتہ کثیرہ کے معارض ہونے کی وجہ سے متروک اور غیر معمول بہا ہوگی، واللہ اعلم۔

المسئلة الثانية: نماز میں کیا پڑھنا واجب ہے؟

اس میں علماء کے چار قول ہیں، امام ابو حنیفہ کی تین روایات ہیں اور ایک جمہور علماء کا مسلک ہے۔

(۱) امام ابو حنیفہ کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک آیت واجب ہے، یہ صاحب ہدایہ اور قدوری نے ذکر کیا ہے، اس قول پر تھوڑی سی تفصیل سنئے۔

صاحب نہایہ نے قاضی خاں کی جامع صغیر سے نقل کیا ہے کہ آیت صغیرہ پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے، قال السرخسي في أصوله (۱/۲۸۰) وأبو حنيفة قال: الواجب بالنص قرأة ماتيسر من القرآن وبالآية القصيرة يحصل ذلك فيتأدى فرض القرأة وإن كان يكره الاكتفاء بذلك۔

محقق ابن ہمام فرماتے ہیں اگر ایسی آیت پڑھی جو دو کلمات یا اس سے زائد ہو جیسے ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ یا جیسے ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ تو اس قول پر ایسی نماز بلا اختلاف فیما بین المشائخ جائز ہے، اور اگر ایک کلمہ ہو جیسے

Maktaba Tul Ishaat.com

﴿مُدْهَامَّتَانِ﴾ یا ﴿صٓ﴾ یا ﴿قٓ﴾ بعض قراء کے نزدیک یہ آیات ہیں، امام صاحب کے قول پر اس میں اختلاف ہے، اصح قول یہ ہے کہ نماز نہیں ہوگی۔

(۲) دوسری روایت امام ابوحنیفہ سے یہ ہے کہ الفرض مایطلق علیه اسم القرآن ولم یشبه خطاب أحد، امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں هذا هو الصحیح عندنا، امام قدوری فرماتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ کا صحیح مذہب ہے، علامہ فخر الدین زیلعی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے لأن المطلق ینصرف إلی الأدنی، مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کی مطلق آیت کی قرأت کا مطالبہ کیا گیا ہے اور جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے ادنی درجہ مراد ہوا کرتا ہے لأن المطلق یجری علی إطلاقه۔

صاحب بحر نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ المطلق ینصرف إلی الکامل لأن المطلق إذا أطلق یراد به الفرد الکامل، علامہ شامی نے اس کا جواب دیا وهو مدفوع بأن براءة الذمة لاتتوقف علی الکامل وإلا لزم فرضیة الطمانینة فی الرکوع والسجود، حاصل یہ ہے کہ فرضیت کی ادائیگی اصلِ قرأۃ سے حاصل ہو جائے گی اس لئے کہ اصل قرأۃ فرض ہے کمال فرض نہیں ہے جیسے سجدہ فرض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وضع الجبهة علی الأرض ہو نہ کہ طمانینت فرض ہے، شارح منیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے پیش نظر ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ کافی نہیں ہے اس لئے کہ یہ خطاب کے مشابہ ہے۔

(۳) تیسری روایت ہے الواجب ثلاث آیات قصار أو آیة طویلة، یہی حضرات صاحبین کا مسلک ہے۔

(۴) چوتھا مذہب امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد ظاہری وغیرہ کا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، قاضی ابوالولید الباجی فرماتے ہیں وهو قول أکثر الفقهاء، امام نووی (۳/۷ ۳۲) فرماتے ہیں کہ یہی جمہور علماء صحابہ وتابعین کا قول ہے۔

جو لوگ نماز میں نفس قرأۃ کو فرض کہتے ہیں ان میں امام ابوحنیفہ منفرد نہیں بلکہ قاضی باجی کے قول کے مطابق اوزاعی، سفیان ثوری کا مذہب یہی ہے، اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے۔

مطلق قراءۃِ قرآن کی فرضیت کے دلائل

ان حضرات کی پہلی دلیل تو آیت قرآنیہ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دوسری دلیل حدیث المسیئ فی الصلوۃ ہے، حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا إذا قمتَ إلی الصَّلاۃِ فکبِّر ثُمَّ اقرَأ مَا تَیسَّرَ مَعَکَ مِنَ القُرآنِ، یہ جملہ اپنے عموم کی وجہ سے ایک آیت کو بھی شامل ہے۔

تیسری دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے لاصلوۃ إلا بقراءۃ، رواہ مسلم (۱/۱۷۰)، یہ بھی اپنے عموم کی وجہ سے ایک آیت کو شامل ہے۔

چوتھی دلیل ابوہریرہؓ کی روایت ہے، قَالَ لِی رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اخرُج فَنادِ فِی الْمَدِینَۃِ أنَّہُ لاَ صَلاۃَ إلاّ بِقُرآنٍ وَلَو بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَمَا زَادَ، رواہ أبو داود (۲/۴۸) والبخاری فی جزئہ وابن حبان والبیھقی فی سننہ من طریق عیسی بن یونس عن جعفر بن میمون عن أبی عثمان النھدی عن أبی ھریرۃ۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ اس حدیث کا راوی جعفر بن میمون متکلم فیہ ہے، امام احمد ونسائی فرماتے ہیں لیس بالقوی، یحی بن معین فرماتے ہیں لیس بذاک، ابن عدی فرماتے ہیں یکتب حدیثہ فی الضعفاء۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی توثیق بھی کی گئی ہے، امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں صالح، یہی امام ابن معین سے ایک دوسری روایت ہے، اور امام حاکم (۱/۲۳۹) کہتے ہیں ھو من ثقات البصریین، ویحی بن سعید القطان لایحدث إلا عن الثقات، یہ روایت بطریق یحی القطان عن جعفر مروی ہے اس کے الفاظ اور ہیں جو آگے آرہے ہیں، یحی بن سعید القطان ثقات سے روایت لیتے ہیں اور یہ روایت یحی القطان نے جعفر سے لی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جعفر ثقات میں سے ہیں، امام ابن حبان اور ابن شاہین نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی تقریب التھذیب میں فرماتے ہیں صدوق یخطئ۔

ابو جعفر عقیلی فرماتے ہیں کہ جعفر اس روایت کے نقل کرنے میں متفرد ہے انکا متابع موجود نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عبد الکریم جزری نے ان کی متابعت کی ہے و حدیثہ أخرجہ الطبرانی فی معجمہ الأوسط ولکن الراوی عنہ الحجاج بن أرطاۃ وھو مختلف فیہ، قال ابن حجر فی التقریب: صدوق کثیر الخطأ والتدلیس۔

اس کا ایک اور طریق ہے، ابن عدی نے الکامل میں اور ابو محمد الحارثی نے جامع المسانید میں بطریق اللجلاج عن نعیم بن حماد عن ابن المبارک عن أبی حنیفۃ عن عطاء بن أبی رباح عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے، لیکن لجلاج ضعیف ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جعفر بن میمون کے اکثر تلامذہ یحی القطان، سفیان ثوری، وہیب بن خالد یہی روایت جب نقل کرتے ہیں تو ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں أَمَرَنِی رَسُولُ اللہِ ﷺ أَنْ أُنَادِیَ أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ، رواه أبو داود وابن الجارود والدار قطنی والحاكم من طريق القطان، والبخاری فی جزء القراءة من طريق القطان، وسفيان الثوری والبيهقی من طريق سفيان ووهيب بن خالد، ولكن لفظ حديث سفيان عند البيهقی قريب من لفظ عيسى، ونصه أمرنی رسول الله ﷺ أن أنادی أنه لا صلوة إلا بقرآن بفاتحة الكتاب فما زاد۔

یحی القطان وغیرہ نے جس لفظ سے نقل کیا اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاتحۃ الکتاب واجب ہے۔

بعض علماء متاخرین نے یہ لکھا ہے کہ لفظ اول یعنی لا صلوة إلا بقرآن بفاتحة الكتاب فما زاد کے روایت کردہ لفظ سے اصل صلوۃ کی نفی مقصود ہے، اور لفظ ثانی یعنی یحی القطان وغیرہ کے روایت کردہ لفظ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ سے کمال صلوۃ کی۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ ایک ہی حدیث ہے اور مخرج بھی ایک، صرف رواۃ کا اختلاف ہے، ایک راوی ایک لفظ لاتا ہے دوسرا راوی دوسرا لفظ، ایسی صورت میں ہر ایک لفظ کو الگ الگ محمل پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے؟

اور لا صلوة إلا بقراءة فاتحة الكتاب کو نفی کمال پر محمول کرنے میں مزید یہ اشکال ہے کہ یہ خبر واحد ہے، اور خبر واحد قطعی الثبوت نہیں ہوتی ہے بلکہ ظنی الثبوت ہوتی ہے، اور جب لا سے نفی کمال مراد ہوگئی تو حدیث ظنی الدلالۃ بھی ہوگئی، اور جب دلیل میں دونوں جانب ظنیت آجاتی ہے تو اس دلیل سے سنیت سے ثابت ہوتی ہے، حالانکہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ اصل قرآۃ فرض ہے اور ام الکتاب کا پڑھنا واجب ہے، کیوں کہ حدیثِ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت ہے لیکن قطعی الدلالۃ ہے۔

تو حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہ ہوگی، اس لئے کہ جب مجرور کا متعلق خبر واقع ہو تو استغراز عام ہوگا، اور حاصل یہ ہوگا لا صلوة كائنة اور مراد وجودِ شرعی کی نفی ہے اور وجودِ شرعی سے مراد صحت ہے تو وجود شرعی کی نفی سے صحت کی نفی ہوگئی، لہٰذا اس کا حاصل یہ نکلا کہ شریعت کے دائرہ میں وہی نماز معتبر ہے جس میں فاتحۃ الکتاب ہو مگر چونکہ ثبوت میں ظنیت آگئی اس لئے احناف فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خلاصہ یہ ہے کہ فاتحۃ الکتاب واجب ہے اور اس کی دلیل ظنی الثبوت ہے مگر قطعی الدلالۃ ہے، لیکن اگر اس کو نفی کمال پر محمول کر لیا جائے تو دلیل ظنی الدلالۃ بھی ہو جائے گی اور اب مُثبِتِ وجوب نہیں ہو سکے گی۔

اور مجھے حدیثِ لاصلوۃ إلا بفاتحۃ الکتاب کے خبر واحد ہونے میں شدید قسم کا تردد ہے، بعد میں دیکھا تو امام بخاری نے جزء القراۃ (ص ۸ و ۱۰) میں اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے ان کے الفاظ ہیں تواتر الخبر عن رسول اللہ ﷺ لاصلوۃ إلا بقراءۃ أم القرآن۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث دوسری احادیث صریحہ صحیحہ کے معارض ہے جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فاتحۃ الکتاب پڑھنا نماز میں فرض ہے۔

اور وہ احادیث صریحہ صحیحہ یہ ہیں۔

پہلی حدیث: حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ہے أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: لَا صَلَاۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ، متفق علیہ بل اتفق علیہ الأئمۃ الستۃ وغیرھم۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن اول تو اس کی صراحت میں بعض علماء کو کلام ہے جیسے اشارۃً معلوم ہو چکا، اور اگر ہم اس کی صراحت کو تسلیم کر لیں تو بھی یہ ہمارے مدعی کے منافی نہیں ہے فإنہ من أخبار الآحاد و أخبار الآحاد لاتفید إلا الوجوب، ولکن کونہ خبر واحد محل نظر کما تقدم۔

بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ اس کو غیر صریح کہنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس روایت کے بعض طرق میں لاتجزئ صلوۃ لایقرأ الرجل فیھا بفاتحۃ الکتاب وارد ہوا ہے رواہ الدار قطنی (۱/ ۳۲۲) وقال إسنادہ صحیح و صححہ ابن القطان أیضا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ شاذ ہے، اس لفظ کے نقل کرنے میں زیاد بن ایوب منفرد ہے سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں کما قالہ ابن عبد الھادی وقال ورواہ جماعۃ لاصلوۃ لمن لم یقرأ وھو الصحیح و کأن زیادا رواہ بالمعنی، علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ عباس بن الولید النرسی اس کا متابع ہے و حدیثہ أخرجہ الاسماعیلی۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ یہ حدیث سفیان بن عیینہ سے تقریباً دو درجن آدمی روایت کرتے ہیں جن سے یہ دو تو لاتجزئ کے لفظ سے روایت کرتے ہیں اور باقی بیس سے زائد حضرات جن کی روایات میری نظر سے گزری ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

جن میں اکابر ائمہ امام شافعی، احمد بن حنبل، حمیدی، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، ابن ابی شیبہ اور عمر وناقد ہیں یہ سارے حضرات جب یہ روایت سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں تو لاتجزئ کے بجائے لاصلوۃ کا لفظ لاتے ہیں، لہذا یہ لفظ شاذ ہے مرجوح ہے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری حدیث: امام احمد (۷۸/۵) نے اپنی مسند میں عبد اللہ بن سوادۃ القشیری سے نقل کیا ہے انہوں نے ایک رجل سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا آپ نے فرمایا لاتقبل صلوۃ لایقرأ فیھا بأم القرآن۔

یہ قرأۃ فاتحہ کی صریح دلیل ہے جس سے جمہور کا مسلک اور ان کا مذہب بالکل واضح طور پر نکھر جاتا ہے، اس سے صاف یہ معلوم ہو گیا کہ ام الکتاب کا پڑھنا نماز میں ضروری ہے بغیر اس کے نماز ہی مقبول نہیں ہوتی، جیسے لاتقبل صلوۃ بغیر طھور و لاصدقۃ من غلول سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے وضو ضروری ہے بغیر اس کے نماز قبول ہی نہ ہوگی، واقعہ یہ ہے کہ اس روایت کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

لیکن اس روایت کی سند میں ایک رجل مبہم ہے اس کا پتہ نہیں ہے، اگر وہ رجل متعین ہو جائے تو پھر فرضیت کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے، اور جمہور فرضیت کے قائل ہیں اور احناف وجوب کے، دونوں کی حدود ملی ہوئی ہیں اور عملی طور پر تو گویا ایک ہی ہے اس لئے آدمی کو بہت ہی محتاط رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

تیسری حدیث: ابوہریرہؓ فرماتے ہیں أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ أُنَادِيَ أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ، قال الحاکم: هذا صحيح لاغبار عليه وأقره الإمام الذهبي في تلخيص المستدرک، یہ حضرت ابوہریرہؓ کی وہ روایت بالا ہے جو ابھی ہم بحوالہ ابوداؤد وجزء القرأۃ للبخاری والحاکم (۲۳۹/۱) والدارقطنی والبیہقی وابن الجارود نقل کر آئے ہیں۔

احناف کی روایات کا محمل:

(۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جن آیات وروایات سے احناف نے استدلال کیا ہے ان کا مخصوص محمل ہے، ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ اور حدیث المسیئ فی الصلوۃ کا محمل وہ آدمی ہے جو فاتحہ پڑھنے سے عاجز ہو، اچھی طرح نہ پڑھ سکتا ہو، هكذا ذكر هذا الجواب الإمام الموفق في المغني (۵۲۰/۱) احتمالا، لیکن اس میں

Maktaba Tul Ishaat.com

اشکال یہ ہے کہ یہ سارا جھگڑا اسی پر مبنی ہے کہ فاتحہ کی فرضیت متعین ہو اب تک متعین ہی نہیں ہوئی، تو جن دلائل سے مطلقاً قراۃ کی فرضیت مستفاد ہوتی ہے اس کو آپ غیر حافظِ فاتحہ پر کیسے محمول کر سکتے ہیں۔

محمل (۲): علامہ موفق نے دوسرا جواب یہ دیا کہ آیت ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ سورۂ فاتحہ سے پہلے نازل ہوئی یعنی حضرت عبادہؓ کی حدیث مدنی الورود ہے اور حدیثِ عبادہؓ آیت کے لئے ناسخ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ام القرآن مکی النزول ہے کما ذکرہ السیوطی فی الإتقان نقله عن البیهقی أنه حكاه عن الأكثر، بلکہ بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت اول منزل ہے، اگرچہ یہ قول مرجوح ہے لیکن اس سے بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کا نزول بالکل ابتداء میں ہوا ہے۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے اول منزل ہونے سے یہ اشکال نہیں پڑتا کہ اس کا پڑھنا فرض نہیں ہے، کیوں کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ اول منزل ہے لیکن عبادہؓ جو انصاری صحابی ہیں وہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد لا صلوۃ لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب نقل کرتے ہیں اور بہر حال یہ ارشاد مدینہ کا ہے تو یہ ارشاد ناسخ ہوگا اس عموم کے لئے جو ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ سے سمجھ میں آتا ہے۔

اس کا جواب احناف کی طرف سے یہ ہے کہ یہ نسخ بالاحتمال ہے، اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ سورۂ فاتحہ بھی بعد میں نازل ہوئی اور حضور پاک ﷺ کا ارشاد بہر حال بعد کا ہے تب بھی نسخ ثابت نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ دونوں دلیلوں کا الگ الگ محمل ہے، قرآنی دلیل قطعی ہے، حدیثی دلیل ظنی ہے، لہٰذا ہر ایک کو اس کے درجہ میں رکھا جائے گا، بھلا حدیث پاک کو قرآن پاک کے لئے ناسخ ہونے کا دعوی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ حدیث کو دوسرے محمل پر محمول کیا جائے اور آیت کو دوسرے محمل پر، آیت کو فرضیت پر اور حدیث کو وجوب پر، واللہ اعلم۔

محمل (۳): تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ ماتیسّر سے مراد فاتحہ ہے، كذا أجاب البيهقي والبغوی وغیرهما۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ تو مجادلہ اور ہٹ دھرمی ہے، یہ کیسے معلوم ہوا کہ ماتیسّر سے مراد سورۂ فاتحہ ہے؟ ایک دوسرے شخص کے لئے ماتیسّر، قل هو الله أحد ہے، تیسرے کے لئے سورۂ کوثر ہے، اور ایک آدمی

Maktaba Tul Ishaat.com

ایسا ہے جس کے حق میں ماتیسّر صرف ایک ہی آیت ہے الحمدللہ رب العالمین، وہ آگے پڑھ ہی نہیں سکتا تو آپ کا یہ کہنا کہ ماتیسّر کا مصداق سورۂ فاتحہ ہے دعوی بلا برہان ہے۔

محمل (۴): امام دارقطنی اور انہی کے اتباع میں امام بیہقی نے چوتھا جواب دیا کہ ماتیسّر سے مراد مازاد علی الفاتحہ ہے، اور اس کی دلیل میں قیس بن ابی حازم کی یہ روایت پیش کی صلّیتُ وراء ابن عباس بالبصرة فقرأ في أول ركعة بالحمد و أول آية من البقرة ثم قام في الثانية فقرأ بالحمد و الآية الثانية من البقرة فلما فرغ قال: قال الله تعالى ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ قال الدارقطني (۱/۳۳۸): إسناده حسن۔

لیکن اس حدیث سے ان حضرات کا یہ استدلال کرنا کہ ماتیسّر سے مراد مافوق الفاتحہ ہے صحیح نہیں ہے، اولا تو اس وجہ سے کہ اس کی سند متکلم فیہ ہے، اس کی سند میں سہل بن عامر بجلی ہے اگرچہ ابن عدی نے یہ کہہ دیا ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو ترک کر دیا جائے اور ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں درج کیا ہے لیکن امام بخاری فرماتے ہیں منکر الحدیث، اور امام ابوحاتم رازی فرماتے ہیں ضعیف الحدیث روی لنا أحادیث بواطیل، أدرکته بالکوفة و کان یفتعل الحدیث، جس کے بارے میں ابوحاتم رازی کان یفتعل الحدیث (یعنی حدیث گڑھتا تھا) اور بخاری منکر الحدیث کہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بخاری کے نزدیک اس سے روایت لینی جائز نہیں ہے کما حکاہ ابن القطان، تو بھلا اس کی روایت سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے، اور اسی سے یہ معلوم ہو گیا کہ دارقطنی کا اس سند کے بارے میں حسن ہونے کا حکم لگانا اور بیہقی کا ان کا اتباع کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ماتیسّر من القرآن ایک کلی مشکک ہے، ایک شخص کے حق میں ماتیسّر ایک آیت ہے اور دوسرے کے حق میں دو آیات ہیں تیسرے کے حق میں سورۂ فاتحہ اور اس پر مزید ہے، تو ابن عباسؓ سے اگر یہ روایت ثابت بھی ہو تو اس کا مطلب صرف یہ ہو گا کہ اللہ پاک نے ماتیسّر کا مطالبہ کیا ہے اس وقت میرے لئے ماتیسّر یہ ہے کہ میں فاتحہ کے ساتھ ایک آیت مزید ملالوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مازاد علی الفاتحہ پر محمول کرنے کی تائید میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث پیش کی قال أمرنا نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن نقرأ بفاتحة الکتاب و ماتیسّر، رواه أحمد (۳/۳) و البخاری فی جزء القرأة (ص ۵) و أبویعلی و ابن حبان (۲۱۱/۳)، و رواه أبوداود (۴۸/۲) بلفظ أُمِرنا (مجهولا) أن نقرأ بفاتحة الکتاب و ماتیسّر، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ فاتحۃ الکتاب کے

Maktaba Tul Ishaat.com

ساتھ مزید کچھ اور ملانا ضروری ہے جتنا بھی انسان کے لئے آسان ہو، تو یہاں ماتیسّر کا مطلب یہ ہے کہ اَفرادِ مازاد میں اختیار ہے آدمی جس چیز کو چاہے ملالے، لیکن بہرحال اس سے ملانے کا مطالبہ ہے، اور ضم سورت کا مسئلہ ان شاء اللہ میں آگے بیان کروں گا۔

حدیث المسیئ فی الصلوۃ کے مازاد علی الفاتحہ پر محمول کرنے کی ایک دوسری دلیل یہ پیش کی گئی کہ سنن ابوداؤد میں مسیئ فی الصلوۃ کی روایت بطریق رفاعہ بن رافع نقل کی گئی ہے اس کے الفاظ ہیں إذا قُمتَ فتَوَجَّهتَ إلَى القِبلَةِ فكَبِّرْ ثُمَّ اقرَأْ بأُمِّ القُرآنِ وبِمَا شَاءَ اللهُ أنْ تَقرَأَ۔

لیکن اس روایت سے یہ تعیین ضعیف معلوم ہوتی ہے، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ انسان سے ایک مخصوص مقدارِ قراۃ مطلوب ہے فاتحہ ہو یا فاتحہ کے اوپر مزید کچھ ہو، اور اگر یہ حدیث فاتحہ کے وجوب کیلئے دلیل بن سکتی ہے تو مازاد کے وجوب کی بھی دلیل بن جائے گی، اسلئے کہ فاتحہ کے ساتھ مازاد کو بیان کیا گیا ہے۔

البتہ ایک دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ حدیثِ عبادہؓ نص ہے اور حدیث المسیئ فی الصلوۃ محتمل ہے، لہذا حدیثِ عبادہؓ حدیث المسیئ فی الصلوۃ پر مقدم ہوگی، لیکن حدیثِ عبادہؓ کو نص قرار دینا صحیح نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں تفصیل سے بیان کیا جاچکا، عبادہؓ کی حدیث سے زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوتا ہے والوجوب عین مذھب الأحناف، فرضیت ثابت نہیں ہوتی ہے کیوں کہ فرضیت کے لئے دلیل کا قطعی الدلالۃ ہونے کے ساتھ قطعی الثبوت ہونا بھی ضروری ہے ولیس ھذا الحدیث بقطعی الثبوت وإن کان قطعی الدلالۃ۔

لیکن عبادہؓ کی حدیث کا مضمون قطعی الثبوت ہے، امام بخاری اس کے تواتر کا دعوی کرتے ہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

المسئلۃ الثالثۃ: تیسرا مسئلہ ضم سورت یعنی فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا واجب ہے یا نہیں؟

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مسنون ہے واجب نہیں، اور حافظ ابو حاتم بن حبان بستی اور ابو العباس قرطبی نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، عثمان بن ابی العاص الثقفیؓ صحابی سے وجوب نقل کیا گیا ہے۔ مالکیہ میں سے ابن کنانہ کی یہی رائے ہے، قاضی ابو یعلی بن الفراء حنبلی نے نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کی یہ ایک روایت ہے اور حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔

جو لوگ عدم الوجوب کے قائل ہیں وہ کئی دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پہلی دلیل: عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ جاء فصلّی رکعتین لم یقرأ فیهما إلا بأم الکتاب، رواه أحمد وابن خزیمة والحارث بن أبی أسامة والبیهقی من طریق حنظلة السدوسی عن عکرمة عن ابن عباس۔

دوسری دلیل: عن أبی هریرة قال: فِي كُلِّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ، فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَسْمَعْنَاكُمْ وَمَا أَخْفَى عَنَّا أَخْفَيْنَا عَنْكُمْ وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلَى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ، رواه الشیخان۔

تیسری دلیل: حضرت معاذؓ کے نماز طویل کرنے کے قصہ میں یہ وارد ہوا ہے کہ اس جوان سے جو الگ ہو گیا تھا اور اس نے الگ ہو کر نماز ادا کی تھی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا كَيْفَ تَصْنَعُ يَا ابْنَ أَخِي إِذَا صَلَّيْتَ؟ قَالَ: أَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَأَسْأَلُ اللهَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِهِ مِنَ النَّارِ وَإِنِّي لَا أَدْرِي مَا دَنْدَنَتُكَ وَلَا دَنْدَنَةُ مُعَاذٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنِّي وَمُعَاذٌ حَوْلَ هَاتَيْنِ أَوْ نَحْوَ هَذَا، رواه أبو داود وابن خزیمة والبیهقی وغیرهم۔

جو حضرات فرماتے ہیں کہ ضم سورت واجب ہے وہ کئی دلائل پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: عبادہؓ کی مشہور حدیثِ لاصلوۃ لمن لایقرأ بأم القرآن یا بفاتحة الکتاب کے آگے فصاعدًا کا اضافہ بھی منقول ہے، یہ زیادتی عبد الرزاق، امام احمد، مسلم، نسائی، ابن حبان اور بخاری نے جزء القرأة میں اور کتاب خلق افعال العباد میں بطریق معمر عن الزہری عن محمود بن الربیع عن عبادۃ تخریج کی ہے۔

امام ابن حبان اور ان سے پیش تر امام بخاری نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ فصاعدًا کی زیادتی نقل کرنے میں معمر منفرد ہیں امام زہری کے باقی تلامذہ یہ زیادتی نقل نہیں کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے ایک دوسرے تلمیذ سفیان بن عیینہ ہیں ان کی روایت میں بھی یہ زیادتی موجود ہے أخرجه أبو داود عن قتیبة وأبی الطاهر بن السرح عن سفیان بن عیینة۔

لیکن اس میں مجھے تأمل یہ ہے کہ سفیان بن عیینہ سے یہ روایت ان کے دو درجن تلامذہ میری معلومات میں نقل کرتے ہیں جن میں یہ دو تو صرف فصاعدًا کی زیادتی نقل کرتے ہیں اور باقی بائیس تلامذہ جن میں اکابر ائمہ امام شافعی، حمیدی، احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ، علی بن مدینی، عمرو ناقد، علی بن حجر، ابن ابی عمر العدنی، حسن بن محمد زعفرانی وغیرہم ہیں ان میں سے کوئی بھی اس زیادتی کو نقل نہیں کرتا، لہذا ان کی یہ زیادتی ایسے ہی شاذ ہوگی

Maktaba Tul Ishaat.com

جیسے زیاد بن ایوب اور عباس بن الولید کا لاتجزئ صلوۃ لایقرأ الرجل فیھا بأم الکتاب شاذ ہے، اس لئے کہ ابن عیینہ سے یہ دونوں جیسے لاتجزئ نقل کرنے میں منفرد ہیں ایسے ہی قتیبہ اور ابوالطاہر بن السرح ان سے فصاعدًا کی زیادتی نقل کرنے میں منفرد ہیں۔

لیکن معمر کے اور بھی بعض متابعین ہیں، عبد الرحمن بن اسحاق مدنی ایک راوی ہے انہوں نے یہ زیادتی نقل کی ہے، امام بخاری نے جزء القرأۃ میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد اس کی تعلیل شروع کردی اور یہ فرمایا کہ عبدالرحمن بن اسحاق کبھی اپنے اور زہری کے درمیان ایک رجل کا واسطہ داخل کردیتے ہیں، یہ نہیں معلوم کہ یہ ان کی صحیح حدیث ہے یا نہیں ہے۔

لیکن بات یہ ہے کہ جب آدمی کسی بات کا قائل نہیں ہوتا ہے تو اس آدمی کی دلیل کی تاویل وتوجیہ کرتا ہی ہے، بہرحال بیہقی کی کتاب القرأۃ میں شعیب بن ابی حمزہ اور اوزاعی نے متابعت کی ہے، اس زیادتی کو نقل کرنے والے یہ پانچ حضرات ہوگئے، اور ابن عیینہ کی روایت میں زیادتی شاذ تسلیم کرلی جائے تو چار ناقل ہوگئے، بہرحال ان چار کی جماعت ہوتے ہوئے اس کے شذوذ کا فیصلہ دشوار ہے، دوسرا قرینہ یہ ہے کہ یہ مضمون دوسری روایات میں بھی وارد ہوا ہے۔

دوسری دلیل: عن أبی ہریرة قال: أَمَرَنِی رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ أَنْ أُنَادِیَ أَنَّہُ لَا صَلَاۃَ إِلَّا بِقِرَاءَۃِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَمَا زَادَ، رواہ أبوداود والبخاری فی جزء القرأۃ وابن الجارود والحاکم والدارقطنی والبیہقی وصححہ الحاکم وأقرہ الذہبی۔

اس کی سند میں جعفر بن میمون ہے اس کے متعلق کلام گزر چکا ہے اس کے متعلق ناقدین فن کا کلام دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صحیح تو نہیں ہے لیکن ضعیف بھی نہیں بلکہ حسن ہونی چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسری دلیل: عن جابر قال کنا نحدّث أنہ لاصلوۃ إلا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب فما فوق ذلک، رواہ ابن أبی شیبۃ والطحاوی والبیہقی فی کتاب القرأۃ۔

چوتھی دلیل: عن أبی سعید الخدری قال: أمرنا نبینا ﷺ أن نقرأ بفاتحۃ الکتاب وماتیسّر، رواہ أحمد والبخاری فی جزء القرأۃ وأبویعلی وابن حبان ورواہ أبوداود بلفظ أُمِرْنا (بالمجہول) أن نقرأ بفاتحۃ الکتاب وماتیسّر۔

Maktaba Tul Ishaat.com

امام بخاری نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا کہ اس کا دارو مدار قتادہ پر ہے جو نقل کرتے ہیں عن أبی نضرة عن أبی سعید، اور قتادہ ابونضرہ سے اپنے سماع کا تذکرہ نہیں کرتے ہیں اور قتادہ مدلس ہے مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں ہے لہذا یہ روایت مقبول نہیں ہوگی۔

حضرت امام بخاری کی تعلیل ان کے مسلک پر صحیح ہے لیکن یہ سند یعنی قتادة عن أبی نضرة عن أبی سعید الخدری علی شرط مسلم ہے، حضرت امام مسلم نے اس سند سے چھ روایات اپنی کتاب میں لی ہیں اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، ابن سید الناس بھی کہتے ہیں إسنادہ صحیح رجالہ ثقات، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص حبیر (۱/ ۲۳۲) میں إسنادہ صحیح کہا ہے اور فتح الباری میں لکھا ہے سندہ قوی۔

امام بخاری نے ضعفائے صغیر اور اسی طرح تاریخ میں اس روایت پر کلام کرتے ہوئے ایک بات اور لکھی ہے وہ یہ ہے کہ ابوسعید خدریؓ کے تلمیذ ابونضرہ سے یہی روایت ابوسفیان طریف بن شہاب السعدی نقل کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں لاصلوة إلا بفاتحة الکتاب وقرآن معها سورة، اور بعض الفاظ میں ہے وسورة فی فریضة، رواہ ابن أبی شیبة والترمذی والبخاری فی کتاب الضعفاء وغیرہ، امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ ابوسفیان کے لفظ سے ابونضرہ کا لفظ راجح ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری نے ابوسفیان کے لفظ سے ضم سورت کا وجوب سمجھا اور ابونضرہ کے لفظ سے وجوب نہیں سمجھا کیوں کہ اس میں وماتیسر ہے جس سے بظاہر تخییر معلوم ہوتی ہے اور نمازی کے لئے گنجائش نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو اس کے لئے آسان ہو اگر پڑھ سکتا ہے تو پڑھے گا اور اگر آسان نہ ہو تو نہ پڑھے۔

مگر یہ بات نہیں ہے، دونوں روایتیں اگرچہ لفظاً مختلف ہیں لیکن معنیً متفق ہیں، ابوسفیان کی روایت میں جو قرآن معها سورة یا سورة فی فریضة آیا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اس سے کوئی مخصوص سورت مراد نہیں ہے بلکہ کوئی سی سورت مراد ہے یا سورت کا کوئی فرد ہو اور جو بھی آیت ہو یہی وماتیسر کا بھی حاصل ہے، مقصد یہ ہے کہ فاتحہ کے بعد کچھ پڑھنا ہے لیکن اس کی کوئی تعیین و تحدید نہیں ہے، چاہے یہ پڑھو چاہے وہ پڑھو۔

علامہ ابن رشید نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ تخییر فی آحاد الشیئ وجوب کے منافی نہیں ہے کیوں کہ اگر کسی شیئ کے آحاد میں اختیار ہو تو اس سے اصل شیئ کا مخیر فیہ ہونا لازم نہیں آتا ہے، دیکھو ایک آدمی کسی کا مقروض ہے اور سو روپئے اسے دینا ہے تو بہر حال سو روپئے دینا واجب ہے لیکن اس کی ادائیگی میں ضروری نہیں ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

نوٹ ایک ایک کے ہوں یا دس دس کے یا بیس بیس کے یا پچاس پچاس کے ہوں یا سو کا نوٹ ہو، آحاد میں تو اختیار ہے چاہے کوئی سا نوٹ دے دے لیکن بہر حال دینا پڑے گا، تو اختیار و تیسیر آحاد و افراد میں ہے اصل شئ میں تخییر و تیسیر نہیں ہے، واللہ اعلم۔

حضرت امام بخاری نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث پر ایک اور اعتراض کیا، وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر لفظ فصاعدًا ثابت ہو تو اس سے مازاد علی الفاتحہ کا وجوب نہیں نکلتا، اس لئے کہ یہی لفظ حدیث میں دوسری جگہ آیا ہے اور اس میں مازاد تخییر کے لئے استعمال ہوا ہے، حدیث میں ہے تقطع الید فی ربع دینار فصاعدًا، یہ یقینی بات ہے کہ ربع دینار پر قطع ید واجب ہے اس سے کم پر نہیں، اور اس سے زائد ہو تو اس پر قطع ید ہے، معلوم ہوا کہ اصل معیار اور دار و مدار ربع ہوا اور جو اس سے زائد ہے تو اس پر قطع ید ہے لیکن وہ دار و مدار نہیں ہے۔

مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لفظ صاعدًا فاء کے ماقبل حکم کو مابعد فاء کی طرف پہونچانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اگر صاعدًا کے ماقبل کا حکم ایجابی ہو تو مابعد صاعدًا کا حکم بھی ایجابی ہوگا، اور ماقبل صاعدًا استحبابی ہو تو مابعد صاعدًا بھی استحبابی ہوگا، اور اگر اباحت اور تخییر ہو تو وہ ہوگا، ہاں البتہ اگر دلائل خاصہ سے کہیں صاعدًا کے مابعد میں تخییر نکل آئے تو امر آخر ہے، جیسے اخریین میں یا رکعت ثالثہ میں صرف فاتحہ پر اکتفاء کیا جائے گا ضم سورت واجب نہیں، کیوں کہ خاص طور سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتفاء بالفاتحہ منقول ہے، ورنہ اصل میں یہ لفظ پیچھے کے حکم کو آگے لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

دیکھو نحاۃ کہتے ہیں بعتہ بدرھم فصاعدًا أو ثم زائدا میں صاعدًا اور زائدًا یہ حال واقع ہوا ہے، اسی طرح سے قرأت کل یوم جزء من القرآن فصاعدًا أو ثم زائدًا یہاں پر بھی حال واقع ہوا ہے، دونوں جگہ پر بیع اور قرأۃ کا تعلق درہم و مافوق الدرہم اور جزء من القرآن و مافوق الجزء کا علی التساوی ہے، یہ نہیں کہ ایک درہم تو حتمی ہے اور اس کے آگے تخییر، ایک جزء تو حتمی اس کے آگے تخییر، اگر یہی بات ہوتی تو نحاۃ علامہ رضی وغیرہ اس کو لکھے ہوتے۔

لیکن بعض علماء نے ایک بات لکھی ہے وہ یہ ہے کہ فصاعدًا میں فاء کا مابعد اگر اس کے ماقبل کی جنس سے ہو تو مابعد کا حکم استحبابی و اختیاری ہوگا اور اگر غیر جنس سے ہو تو ایجابی ہوگا، یہ فرق میں نے اسی طرح اپنے استاذ حضرت مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے سنا تھا، معلوم نہیں اس کی نوعیت کیا ہے حضرت کا حافظہ بہت

Maktaba Tul Ishaat.com

قوی تھا کہیں سے نقل کیا ہو گا، بہر حال یہ تو انہوں نے اپنے مسلک کی تائید میں نقل کیا تھا واقع میں یہ مسلک کے خلاف پر دال ہے، اس لئے کہ فاء کا ماقبل بھی قراۃ ہے اور مابعد بھی قراۃ ہے، لہذا اس سے یہ نکلا کہ ماقبل فاء تو واجب ہے اور مابعد مستحب ہے، الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ فاء کا ماقبل سورۂ فاتحہ ہے اور مابعد دوسری سورت ہے، لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیوں کہ جنس میں اتحاد ہے دونوں جنس مقروء کی ہیں، واللہ تعالیٰ أعلم۔

جوابات دلائلِ وجوبِ قراءت

ان کی پہلی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں حنظلۃ السدوسی ہے جو ضعیف راوی اور مختلف فیہ ہے، امام بخاری نے یحیٰ بن سعید القطان سے نقل کیا ہے رأیتہ وترکتہ عن عمد و کان قد اختلط۔ یحیٰ بن معین نے اس کی تضعیف کی ہے اگرچہ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سند اور متن میں اضطراب ہے۔

سند میں اضطراب یہ ہے کہ حنظلۃ السدوسی کبھی تو کہتا ہے عن عکرمۃ عن ابن عباس اور کبھی کہتا ہے عن شھر بن حوشب عن ابن عباس، کذا أخرجہ أحمد۔

اور متن میں اضطراب یہ ہے کہ کبھی تو کہتا ہے فصلّی رکعتین قرأ فیھما بأم الکتاب اور کبھی تو کہتا ہے جاء فصلّی العید رکعتین قرأ فیھما بأم الکتاب لم یزد علی ذلک شیئا، حالانکہ عید کی قراۃ کے بارے میں روایت موجود ہے، حضرت عمرؓ نے ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے کیا پڑھا؟ تو انہوں نے یہ بتلا دیا کہ اقتربت اور ق والقرآن المجید آپ نے پڑھی، رواہ مسلم (۱/۱۹۱)، نیز یہ روایت حنظلہ کبھی تو مرفوعًا نقل کرتے ہیں اور کبھی موقوفا کماذکرہ البیھقی۔

دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ لم یزد علیھا کے معنیٰ یہ ہو کہ سورت کاملہ کا اضافہ نہ کیا ہو۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ لیلۃ المبیت کا قصہ ہے راوی نے اس کو اختصار سے نقل کر دیا ہے اور اس میں قراۃ طویل ہوئی تھی جیسا کہ صلوۃ اللیل میں حضور کا معمول تھا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ آپ نے گاہے بیانا للجواز ایسا کیا ہو گا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ سہوًا چھوڑ دیا ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

چھٹا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ آخرین کا قصہ ہو، لیکن یہ جوابات صرف احتمالات ہیں، میرے نزدیک سب سے اچھا جواب پہلا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے مضطرب الاسناد والمتن ہے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلَى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ ابوہریرہؓ کا قول ہے جیسا کہ امام بخاری نے تاریخ کبیر اور ضعفاء صغیر میں ذکر کیا ہے، بعض علماء نے علامہ شوکانی سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ مرفوع نہیں ہے اور نہ مرفوع کے حکم میں ہے، مگر امام بخاری نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ضم سورت واجب نہیں ہے کذا قال فی التاریخ الکبیر و الضعفاء الصغیر، اور اس کے ساتھ مزید یہ بھی لکھا ہے کہ دوسری روایات میں صرف فاتحۃ الکتاب کا ذکر ہے۔

تیسری روایت سے میری معلومات میں سب سے پہلے دور حاضر کے ایک عالم نے استدلال کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن صرف فاتحہ کے ذکر سے اس سے زائد کی نفی لازم نہیں آتی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ روایت ساکت ہے مازاد سے، اور دوسری روایت مازاد کی ناطق ہے اور الناطق حجة علی الساکت، واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أحکم۔

المسئلة الرابعة: کتنی رکعات میں قرأۃ فرض ہے، اس میں علماء کے چار قول ہیں۔

(۱) ابن منذر (۳/۱۱۵) نے حسن بصری سے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ ایک رکعت میں، یہی زفر بن ہذیل اور مغیرہ بن عبد الرحمٰن مخزومی کی رائے ہے اور علامہ اُبّی نے امام مالک سے ایک روایت نقل کی ہے۔

(۲) ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دو رکعات میں واجب ہے، علامہ اُبّی (۲/۱۴۹) نے اوزاعی سے یہی نقل کیا ہے، امام احمد کی یہ ایک روایت ہے جیسا کہ علامہ موفق الدین بن قدامہ (۱/۵۲۵) نے ذکر کیا ہے اور امام مالک کی بھی ایک روایت ہے جیسا کہ ابن رشد نے نقل کیا ہے۔

(۳) اکثر رکعات میں واجب ہے یہی اسحاق بن راہویہ سے منقول ہے، علامہ اُبّی نے امام مالک سے نقل کیا ہے، اسی طرح شمس الائمہ سرخسی، صاحب ہدایہ، علامہ ابن ہمام، صاحب العنایۃ، علامہ موفق بن قدامہ نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ رباعیہ کی تین رکعات میں قرأۃ واجب ہے، ونقلہ الباجی (۱/۱۵۶) عن محمد بن مسلمة، اور اگر ایک رکعت میں قرأۃ چھوڑ دے تو امام مالک کی مختلف روایتیں ہیں جو قاضی باجی نے نقل کی ہیں، امام مالک سے مدونہ میں منقول ہے کہ اگر فجر کی ایک رکعت میں قرأۃ چھوڑ دی تو نماز نہ ہوگی اور غیر فجر میں

Maktaba Tul Ishaat.com

ایک رکعت میں قرأۃ چھوڑ دے تو نماز ہو جائے گی اور سجدہ سہو کر لے و کذا نقله ابن المنذر۔

(۴) امام مالک فی المشہور، امام شافعی، امام احمد اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ چاروں رکعات میں بلکہ یوں کہئے کہ ہر رکعت میں فرض ہے، حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی اخریین میں قرأۃ چھوڑدے تو سجدہ سہو واجب ہو گا، اس روایت کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک ہر رکعت میں قرأۃ واجب ہے، علامہ عینی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، علامہ محقق ابن ہمام کہتے ہیں وھو أولی۔

لیکن یہ اچھی طرح سمجھو کہ احناف کا واجب جمہور کے واجب سے الگ ہے، ان کے یہاں واجب بمعنیٰ فرض ہے اور احناف واجب کو فرض کے بعد اس کے نیچے ایک دوسرا درجہ مانتے ہیں، اگرچہ یہ درجہ حنابلہ ومالکیہ کے یہاں بھی پایا جاتا ہے مگر عامۃً وہ لوگ واجب کو فرض ہی کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں۔

ایک رکعت میں فرضیت قراءۃ کی دلیل: ایک رکعت میں قرأۃ کی فرضیت کے قائلین کا استدلال ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ اور حدیثِ لاصلوۃ إلا بقرأۃ اور ایسے ہی دیگر دلائل سے ہے، اور حاصل یہ ہے کہ الأمر لایقتضی التکرار۔

لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ امر تکرار کو چاہتا ہے یا نہیں، اس میں مختلف اقوال ہیں، علامہ ابن تیمیہ نے تین قول نقل کئے ہیں اور یہ تینوں قول حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں پائے جاتے ہیں، ۱ الأمر لایقتضی التکرار یہ حنفیہ کا مشہور قول ہے، ۲ یقتضی التکرار، ۳ اگر مقید بالشرط ہو تو تکرار کو مقتضی ہے یہی حنفیہ کا ایک قول ہے، بہر حال مسئلہ مختلف فیہا ہے اس لئے اس سے استدلال مخدوش ہے۔

دو رکعت میں قرأۃ کی فرضیت کی دلیل: جو لوگ دو رکعت میں فرض ہونے کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اصل قاعدہ تو یہ ہے کہ الأمر لایقتضی التکرار مگر چونکہ رکعت ثانیہ رکعت اول کے مماثل ہے نفس قرأۃ (ثنا اور تعوذ کا اعتبار نہیں ہے وہ تو افتتاح کے لئے ہے) اور صفتِ قرأۃ اور سقوط میں، چنانچہ سفر میں دو رہ جاتی ہے اور دو ساقط ہو جاتی ہے تو اس لئے ثانیہ فی حکم الأولیٰ ہے، لہذا جس طرح اولیٰ میں قرأۃ واجب ہے ثانیہ میں بھی واجب ہو گی۔

مزید یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ اخریین میں آدمی اگر چاہے تو

Maktaba Tul Ishaat.com

تسبیح پڑھ سکتا ہے، امام ابن ابی شیبہ نے ابو اسحاق سبیعی سے اور وہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں قالا أقرأ في الأولیین وأسبح في الأخریین، ولکنه منقطع، ابن ابی شیبہ نے یہ روایت بطریق ابی اسحاق السبیعی عن الحارث عن علی نقل کی ہے، اولا تو حارث ضعیف ہے، اور دوسرے ابو اسحاق نے حارث سے کل چار روایات سنی ہیں جیسا کہ بخاری نے شعبہ سے نقل کیا ہے اور یہ روایت ان چاروں میں شامل نہیں ہے۔

لیکن عبد الرزاق (۲/۱۰۰) نے اپنی مصنف میں حضرت علیؓ کا اثر نقل کیا ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اولیین میں قراۃ کی اور اخریین میں قراۃ نہیں کی، اور حضرت علیؓ ہی سے ابن ابی شیبہ نے بعض آثار نقل کئے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ امام چاروں رکعت میں قراۃ کرے۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے اگر ترک قراۃ منقول ہو تو کیا ہوا یہ ان کا اپنا عمل ہے اور بہت سے صحابہ عمر بن خطابؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابو سعید خدریؓ، عمران بن حصینؓ سے ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق وغیرہ نے تمام رکعات میں قراۃ نقل کی ہے اور یہ روایات بظاہر انہیں کی مؤید ہیں اس لئے علیؓ اور ابن مسعودؓ کے قول اور ان کے اثر پر روایات مرفوعہ اور دوسرے صحابہ کے آثار موقوفہ ترجیح پائیں گے، لیکن علیؓ اور ابن مسعودؓ کا اخریین میں ترک قراۃ کی گنجائش دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اگرچہ ان حضرات سے اخریین میں قراۃ نقل کی جاتی ہے لیکن یہ علی وجہ الوجوب نہ ہوگی بلکہ علی وجہ الجواز ہوگی، اور صحابہ خصوصاً علیؓ اور ابن مسعودؓ کا اثر عدم وجوب کے لئے حجت ہوگا۔

بعض لوگوں نے صرف اولیین میں وجوب قراۃ کے قول پر اور بعض دلائل پیش کئے ہیں۔

مثلاً امام نووی نے حنفیہ کی طرف سے ایک دلیل پیش کی عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس کہتے ہیں دَخَلتُ عَلَی ابنِ عَبَّاسٍ فِي شَبَابٍ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ فَقُلْنَا لِشَابٍّ مِنَّا سَلِ ابْنَ عَبَّاسٍ أَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ فَقَالَ: لَا، فَقِيلَ لَهُ فَلَعَلَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ خَمْشًا هٰذِهِ شَرٌّ مِنَ الْأُولَى كَانَ عَبْدًا مَأْمُورًا بَلَّغَ مَا أُرْسِلَ بِهِ وَمَا اخْتَصَّنَا دُونَ النَّاسِ بِشَيْءٍ إِلَّا بِثَلَاثِ خِصَالٍ أَمَرَنَا أَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوءَ وَأَنْ لَا نَأْكُلَ الصَّدَقَةَ وَأَنْ لَا نُنْزِيَ الْحِمَارَ عَلَى الْفَرَسِ، رواه أبو داود (۲/۴۵) وكذا رواه النسائي۔

لیکن میں اس سے استدلال نہیں کرتا، اس روایت میں تو سریہ میں مطلقا قراۃ کی نفی مذکور ہے اور حنفیہ کسی نماز میں مطلقا عدم وجوب قراۃ کے قائل نہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اسی طرح سے بعض علماء احناف علامہ عینی وغیرہ نے حضرت جابر بن سمرہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو بخاری و مسلم وغیرہما نے نقل کی ہے کہ حضرت سعدؓ نے فرمایا كُنْتُ أَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ فَقَالَ عُمَرُ ذَلِكَ الظَّنُّ بِكَ، اس سے استدلال کیا ہے حذف القراۃ پر، لیکن یہ استدلال غلط ہے بلکہ اس کے معنیٰ حذف الرکودای الطول ہیں، اسی حدیث میں بخاری میں فَأَمُدُّ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ وارد ہوا ہے، اور بخاری کی ایک روایت میں فَأَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأُخِفُّ فِي الْأُخْرَيَيْنِ آیا ہے، أُخِفُّ بمعنیٰ میں تخفیف کرتا ہوں، معلوم ہوا کہ نفس قراۃ کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ تطویل کا حذف مقصود ہے۔

اور بعض دیگر علماء نے بعض اور روایات سے مثلاً ابو قتادہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو بخاری میں آ رہی ہے اس میں اولیین میں قراۃ کا تذکرہ ہے اخریین کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن وہ استدلال بھی غلط ہے اس لئے کہ وہ روایت تو مختصر ہے جہاں آئے گی ان شاء اللہ تنبیہ کروں گا۔

اور علامہ جلال الدین خوارزمی نے الکفایہ اور علامہ اکمل الدین البابرتی نے عنایہ شرح ہدایہ میں ایک عجیب وغریب دلیل پیش کی ہے کہتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے القرأة في الأولیین قرأة في الأخریین۔

قلت: هذا حدیث باطل لا أصل له، اس حدیث کا دنیائے حدیث میں کہیں وجود نہیں ہے سوائے کفایہ اور عنایہ کے، اس طرح کے مہمل استدلالات سے حضرات احناف کو پریشانی اٹھانی پڑی ہے۔

دو سے زیادہ رکعات میں فرضیت قراۃ کی دلیل: جو لوگ تینوں رکعتوں میں قراۃ کو واجب قرار دیتے ہیں کہتے ہیں الثلاث أكثر وللأكثر حكم الكل۔

اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ چاروں رکعتوں میں قراۃ واجب ہے انہوں نے حدیث المسیئ فی الصلوۃ سے استدلال کیا ہے، صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں وارد ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مسیئ فی الصلوۃ سے ارشاد فرمایا إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ اور پھر آخر میں ارشاد فرمایا ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا، اسحاق بن راہویہ کی روایت میں اسی حدیث میں ہے ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، یہی حدیث امام احمد اور ابن حبان نے رفاعہ بن رافع سے نقل کی ہے اس میں ہے ثم اصنع ذلك في كل ركعة وسجدة، امام ابن حبان نے اس لفظ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ہر رکعت

Maktaba Tul Ishaat.com

میں قرأۃ واجب ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ صحیحین میں ابو قتادہؓ اور جابر بن سمرہؓ کی روایت میں چاروں رکعات میں قرأۃ مذکور ہے وقد قال رسول اللہ ﷺ: صلّوا کما رأیتمونی أصلّی، نیز حضور کا ارشاد ہے لا صلوۃ إلا بقرأۃ، اور جیسے اولیین صلوۃ ہے اخریین بھی صلوۃ ہے، اور جب اولیین میں قرأۃ واجب ہے اخریین میں بھی واجب ہو گی فثبت ماذہب إلیہ الجمھور وھو مقتضی روایۃ الحسن عن الإمام أبی حنیفۃ وقد صححہ العینی ورجحہ ابن الھمام وھو الراجح، والعلم عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

المسئلۃ الخامسۃ: ہر نماز میں قرأۃ واجب ہے یا سریہ اور جہریہ میں کوئی فرق ہے؟

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ہر نماز میں قرأۃ مطلقا واجب ہے۔

سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ جہریہ میں واجب ہے سریہ میں نہیں ہے، اور ان کا استدلال اسی عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس کی روایت سے ہے جس میں ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ ظہر و عصر میں پڑھتے تھے تو انہوں نے انکار کر دیا اور جب تلامذہ نے یہ کہا کہ شاید چپکے سے پڑھتے ہوں تو فرمایا خَمْشًا هٰذِهِ شَرٌّ مِنَ الأُولٰی، رواہ أبو داود۔

لیکن یہ استدلال ضعیف ہے اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ تنہا تو نفی کر رہے ہیں اور اکثر کبار صحابہ اثبات کرتے ہیں، ابو قتادہؓ اور جابر بن سمرہؓ کی روایات صحیحین میں، خبابؓ کی بخاری شریف میں، ابو سعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ اور عمران بن حصینؓ کی روایات مسلم میں اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے بخاری جزء القرأۃ میں اور اسی طرح سے دیگر کتب حدیث میں دوسرے صحابہ کرام سے سری نماز میں قرأۃ منقول ہے لہٰذا ان حضرات کی روایات ابن عباسؓ کی روایت پر ترجیح پائیں گی، امام خطابی نے تو یہ کہہ دیا کہ ابن عباسؓ کی نفی وہم ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں ابن عباسؓ صغار صحابہ میں سے ہیں، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی صحبت چند ہی سال سال یا دو سال یا اس سے کچھ زائد پائی ہے، فتح مکہ کے بعد اپنے والد کے ساتھ آئے ہیں اور وفات نبوی کے وقت ان کی عمر مشہور قول پر کل تیرہ سال تھی، ہو سکتا ہے نو عمری اور قلت صحبت کی بنا پر پوری سنت نبویہ سے واقفیت نہ ہوئی ہو، چنانچہ اس مسئلہ میں ابن عباسؓ سے تین طرح کی روایات منقول ہیں، ایک روایت تو معلوم ہو چکی، دوسری روایت ابن عباسؓ ہی کی ہے جو امام ابو داؤد اور ابن جریر طبری نے نقل کی ہے فرماتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

لا أَدْرِي أَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ أَمْ لَا؟ اور ان کی تیسری ایک روایت جو ابن ابی شیبہ نے المصنف میں نقل کی ہے فرماتے ہیں مَا أَدْرِي أَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَلٰكِنَّا نَقْرَأُ یعنی ہم پڑھتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ نے سکوت سے عدم پر استدلال کیا ہے، واللہ اعلم۔

المسئلة السادسة: کن لوگوں پر قرأۃ سورۂ فاتحہ واجب ہے؟

حنفیہ فرماتے ہیں امام و منفرد پر واجب ہے مقتدی پر واجب نہیں ہے، یہی ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، سفیان ابن عیینہ سے منقول ہے (اوسط ۱۰۳/۳، معالم ۲۰۷/۱)۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ مقتدی کیلئے سریہ میں مستحب ہے جہریہ میں مستحب نہیں ہے (دسوقی ۲۳۷/۱)۔

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ سریہ میں اور اس جہریہ میں جس میں امام کی قرأۃ مسموع نہ ہوتی ہو قرأۃ مقتدی کے لئے مستحب ہے۔

امام شافعی سے اس مسئلہ میں تین روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) ان کی سب سے مشہور روایت جو ان کے اصحاب کے یہاں مختار اور معمول بہا ہے یہ ہے کہ مقتدی کے لئے قرأۃ خلف الامام واجب ہے خواہ نماز جہری ہو یا سری، اسی کو امام بخاری، ابن خزیمہ، خطابی (۲۰۵/۱) اور بیہقی نے اختیار کیا ہے، اور متاخرین شافعیہ نے اسی کو اپنا مذہب بنایا ہے، امام شافعی سے یہ قول امام مزنی نے اپنی مختصر (۱۰۸/۵) میں روى أصحابنا عن الشافعي کہہ کر نقل کیا ہے، ابن منذر (۱۰۶/۳) اور ابو اسحاق شیرازی نے بویطی کی روایت سے یہی نقل کیا ہے، اور ابو اسحاق شیرازی نے المہذب میں کتاب الام کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن اس وقت کتاب الام کے دو مطبوعہ نسخے جو الگ الگ مطابع میں چھپے ہیں پائے جاتے ہیں اس میں یہ مذہب موجود نہیں ہے۔

(۲) بلکہ الامّ میں ایک اور قول مذکور ہے اور وہ دوسرا قول ہے جو امام شافعی کی ایک کتاب اختلاف علی وابن مسعود میں ذکر کیا ہے کہ سریہ میں واجب ہے جہریہ میں واجب نہیں ہے، یہی مزنی نے اپنی مختصر میں اپنی روایت سے نقل کیا ہے اور بظاہر کتاب الام کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

ابن المنذر نے علی بن ابی طالبؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، عبداللہ بن عمروؓ، ابوہریرہؓ اور عائشہؓ سے سریہ میں قرأۃ نقل کی ہے، ابن المنذر کا مذہب یہ ہے کہ سریہ اور ان جہری نمازوں میں قرأۃ واجب ہے جس میں امام کی

Maktaba Tul Ishaat.com

قرأۃ مسموع نہ ہو، اور جہری میں امام کے ساتھ قرأۃ نہ کرے ہاں اگر سکتات ہوں تو سکتات ووقفات میں اور امام کے رکوع میں جانے کے وقت قرأۃ فاتحہ پوری کرلے، دیکھو الاوسط (۱۱۱/۳)۔

(۳) امام شافعی کا تیسرا قول امام مالک کے موافق ہے جو انہوں نے اپنی کتاب اختلاف مالک والشافعی میں درج کیا ہے۔

بہر حال امام شافعی کا مشہور قول وجوب کا ہے اور اگر غور کیا جائے تو ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام شافعی تنہا اپنے اس قول میں علی الاطلاق مقتدی پر قرأۃ خلف الامام کو واجب قرار دیتے ہیں اور باقی ائمہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو علی الاطلاق قرأۃ کو واجب قرار دیتا ہو۔

(قَالَ المُوَفَّقُ (۶۰۴/۱): اَلْقِرَاءَةُ غَيْرُ وَاجِبَةٍ عَلَى الْمَأْمُومِ فِيمَا جَهَرَ بِهِ الْإِمَامُ وَلَا فِيمَا أَسَرَّ بِهِ، نَصَّ عَلَيْهِ أَحْمَدُ فِي رِوَايَةِ الْجَمَاعَةِ وَبِذٰلِكَ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَالثَّوْرِيُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَمَالِكٌ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَإِسْحَاقُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَدَاوُد: يَجِبُ، وكذا في الشافي (۱۱/۲) وحكاه ابن المنذر عن ابن عون والأوزاعي وأبي ثور)۔

امام مالک سریہ میں مستحب کہتے ہیں، اور امام احمد سریہ میں اور اسی طرح اس جہریہ میں جہاں امام کی قرأۃ مسموع نہ ہوتی ہو مستحب کہتے ہیں، امام محمد بن حسن سے بھی امام مالک کے موافق قول نقل کیا گیا ہے، اسی کو ان کے تلمیذ ابو حفص کبیر نے اختیار کیا ہے اور ان شاء اللہ یہی قول راجح بھی ہے۔

مسلک حنفی جو متاخرین اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں وہ تو یہ ہے کہ قرأۃ خلف الامام مکروہ تحریمی ہے یا ناجائز، مگر اس طرح کی کوئی تصریح امام محمد بن الحسن کی کتابوں میں نہیں ہے، بلکہ محدث کبیر ابو حاتم بن حبان البستی کتاب الضعفاء (۵/۲) میں لکھتے ہیں وإنما اختار أهل الكوفة ترك القرأة خلف الإمام فقط، لأنهم لم يجيزوه، علامہ زیلعی نے نصب الرایہ (۱۳/۲) میں یہ پوری عبارت نقل کی ہے اور اس پر سکوت کیا ہے کوئی نکیر نہیں کی۔

لیکن علامہ ابن ہمام نے اس نقل کی مخالفت کی ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب تو اس کو مکروہ کہتے ہیں، اور احناف کے یہاں مکروہ کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے، اور بعضوں نے تو لکھا ہے کہ حلال نہیں ہے، لیکن چودھویں صدی کے فرد یگانہ علامہ انور شاہ کشمیری کی تحقیق یہ ہے کہ اختلاف صرف

Maktaba Tul Ishaat.com

اس بات میں ہے کہ قرأۃ فاتحہ للمقتدی اولیٰ ہے یا ترک قرأۃ، حرمت اور حلت کا اختلاف نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب اختلاف پیدا ہوتا ہے تو تعبیر میں مبالغہ کیا جاتا ہے اور بعض وقت تعبیر شدید ہو جاتی ہے، میرے نزدیک بھی یہی راجح ہے، اور چونکہ مسلکاً مجھے دلیل سے سریہ میں قرأۃ کا افضل ہونا ہی معلوم ہوتا ہے اسی لئے ان شاء اللہ تقریر اسی پر ہوگی اور یہی آخر الامر ثابت ہوگا اگر اللہ کی تائید شامل حال رہی۔

دلائل وجوب قرأۃ خلف الامام

جو حضرات قرأۃ خلف الامام کو واجب قرار دیتے ہیں وہ لوگ دو طرح کے دلائل سے استدلال کرتے ہیں، ایک دلائل عامہ، دوم دلائل خاصہ، دلائل عامہ میں وہ قرآن وحدیث دونوں کو پیش کرتے ہیں۔

دلائل عامہ: قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾، اس کے عموم میں جس طرح امام ومنفرد داخل ہے مقتدی بھی داخل ہے، اور اسی طرح سے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، رواه الأئمة الستة فی کتبهم، اس کے عموم میں بھی تینوں داخل ہیں، عبادہ بن صامتؓ کی حدیث کے مضمون کی روایت اور بھی بعض صحابہ کرام سے نقل کی گئی ہے۔

جوابات: احناف کی طرف سے آیت مذکورہ کے چار جوابات دیئے جاتے ہیں۔

(۱) پہلا جواب تو یہ ہے کہ قرأۃ کی دو قسمیں ہیں، قرأۃ حقیقیہ، قرأۃ حکمیہ، اس آیت کی بنا پر امام اور منفرد سے قرأۃ حقیقیہ مطلوب ہے اور مقتدی سے قرأۃ حکمیہ مطلوب ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ، یہ حدیث آئندہ آئے گی اور اس کے طرق پر کلام آرہا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت گنگوہی نے لکھا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے، اصل میں ابتداء میں صلوۃ اللیل فرض ہوئی تھی کیوں کہ سورۂ مزمل مکہ میں بالکل ابتداء بعثت میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ ابوبکر محمد بن حارث بن ابیض نے اپنے جزء میں جابر بن زید بن ابوالشعثاء بصری سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرأ پھر سورۂ نون پھر مزمل پھر مدثر پھر فاتحہ نازل ہوئیں، اس وقت امام ومقتدی سبھی قرأۃ کرتے تھے، اس کے ایک سال بعد یہ قیامِ طویل ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ سے منسوخ ہو گیا جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں تصریح ہے۔ اس کے بعد صلوات خمسہ فرض ہوئی اور اس میں بھی امام ومقتدی قرأۃ

Maktaba Tul Ishaat.com

کرتے رہے حتی کہ ایک زمانہ آیا اور اس قرأۃ کو منسوخ کر دیا گیا۔

سعید بن منصور، ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کان رسول اللہ ﷺ إذا قرأ في الصلوة أجابه من ورائه حتى إذا قال بسم الله الرحمٰن الرحيم قالوا مثل ذلك حتى تنقضي الفاتحة والسورة فلبث ماشاء الله أن يلبث ثم نزلت وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا۔

صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ یہ آیت قرأۃ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، آگے اس پر مزید کلام آئے گا ان شاء اللہ۔

لیکن اس پر ایک اشکال ہے کہ آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ مکیۃ النزول ہے اور عبادہ بن صامت انصاری صحابی ہے اور بظاہر ان کی حدیث مدنی ہے اور ان کی روایت مفصلہ مطولہ میں قرأۃ خلف الامام کی اجازت ہے جیسا کہ بعض متاخرین احناف کی رائے ہے یا اس سے وجوب نکلتا ہے جیسا کہ قائلین وجوب قرأۃ کی رائے ہے، تو اب اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ کی وجہ سے تو مطلقاً قرأۃ واجب ہوئی اور اس کے بعد مکہ ہی میں ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ کی وجہ سے حکم منسوخ ہو گیا اور پھر اس کے بعد مدینہ منورہ میں قرأۃ کی اجازت ہوئی تو نسخ مرتین لازم آئے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت شریفہ مخصوص ہے، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی رکوع میں آکر شریک ہو تو اس پر قرأۃ واجب نہیں، بخاری شریف باب إِذَا رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ میں ابو بکرہؓ کی حدیث آرہی ہے أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ یعنی ابو بکرہؓ مسجد پہنچے اور نبی کریم ﷺ رکوع میں تھے تو یہ صف شروع ہونے سے پہلے رکوع میں چلے گئے، فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو فرمایا زادک اللہ حرصا ولا تعد۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو رکوع میں شریک ہوا اسکو رکعت مل گئی اور اسپر قرأۃ فرض نہیں خواہ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورت، صالح بن احمد نے مسائل (۱۳۰/۲) میں امام احمد سے نقل کیا ہے وهو إن أدرك الإمام راكعا أجزأه قرأة الإمام، اور عبد اللہ بن احمد کی روایت میں یہاں تک فرماتے ہیں لم يعلم الناس اختلفوا أنه إذا ركع مع الإمام أن الركعة تجزئه وإن لم يقرأ، اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں أجمع الخلق أن كل من أدرك الإمام راكعا فركع معه أدرك تلك الركعة وقراءتها كذا نقله ابن المنذر (۱۱۵/۳)، اسی طرح امام

Maktaba Tul Ishaat.com

طحاوی نے مشکل الآثار (۲/۲۸) میں فریقین کا اتفاق نقل کیا ہے کہ مدرک الرکوع مدرک الرکعۃ ہے۔

کیا مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے؟ لیکن امام بخاری نے دعویٰ اجماع کو تسلیم نہیں کیا اور حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے لاتجزیہ حتی یدرک الإمام قائما، فرماتے ہیں قال أبو سعید وعائشة: لا یرکع أحدکم حتی یقرأ بأم القرآن، بلکہ امام بخاری نے اپنے جزء القراءۃ خلف الامام (ص۶) میں ان تمام لوگوں کا یہ مسلک بتایا ہے جو قراءۃ خلف الامام کو واجب قرار دیتے ہیں اور اسی کو ابوبکر صبغی شافعیؒ نے اختیار کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۲/۱۱۹) میں ابن خزیمہ کی طرف یہی منسوب کیا ہے لیکن یہ نسبت غلط ہے، خود حافظ صاحب نے تلخیص الحبیر (۲/۴۱) میں اس کے خلاف کی نسبت ابن خزیمہ کی طرف کی ہے۔

ابو القاسم رافعی نے ایک روایت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے مَنْ أَدْرَکَ فِي الرُّکُوعِ فَلْیَرْکَعْ مَعَهُ وَلْیُعِدِ الرَّکْعَةَ، حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر میں یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوعًا تو بے اصل ہے لیکن امام بخاری نے جزء القراءۃ میں خلف الامام میں ابوہریرہؓ کا قول إِذَا أَدْرَکْتَ الْقَوْمَ رُکُوعًا لَمْ یُعْتَدَّ بِتِلْکَ الرَّکْعَةِ نقل کیا ہے اور یہی معروف ہے، اور پھر لکھتے ہیں وَعَزَاهُ الرَّافِعِيُّ تَبَعًا لِلْإِمَامِ أَنَّ أَبَا عَاصِمٍ الْعَبَّادِيَّ حَکَی عَنِ ابْنِ خُزَیْمَةَ أَنَّهُ احْتَجَّ بِذَلِکَ، یعنی رافعی نے امام الحرمین کی اتباع میں نقل کیا ہے کہ ابوعاصم نے ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے یعنی اس مسئلہ پر کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں ملے گی۔

حافظ کہتے ہیں کہ میں نے صحیح ابن خزیمہ (۳/۴۵) کی مراجعت کی تو اس میں انہوں نے ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع نقل کی ہے مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَکَهَا قَبْلَ أَنْ یُقِیمَ الْإِمَامُ صُلْبَهُ اور اس پر ترجمہ منعقد کیا ذِکْرُ الْوَقْتِ الَّذِي یَکُونُ فِیهِ الْمَأْمُومُ مُدْرِکًا لِلرَّکْعَةِ إِذَا رَکَعَ إِمَامُهُ قَبْلُ، حافظ کہتے ہیں وَهَذَا مُغَایِرٌ لِمَا نَقَلُوهُ عَنْهُ، حافظ کہتے ہیں وَیُؤَیِّدُ ذَلِکَ أَنَّهُ تَرْجَمَ بَعْدَ ذَلِکَ بَابُ إِدْرَاکِ الْإِمَامِ سَاجِدًا وَالْأَمْرِ بِالْاِقْتِدَاءِ بِهِ فِي السجود وأن لا یُعْتَدَّ بِهِ إِذِ الْمُدْرِکُ لِلسَّجْدَةِ إِنَّمَا یَکُونُ بِإِدْرَاکِ الرُّکُوعِ قَبْلَهَا (۳/۵۷) وَأَخْرَجَ فِیهِ مِنْ حَدِیثِ أَبِي هُرَیْرَةَ أَیْضًا مَرْفُوعًا إِذَا جِئْتُمْ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا وَلَا تَعُدُّوهَا شَیْئًا، وَمَنْ أَدْرَکَ الرَّکْعَةَ فَقَدْ أَدْرَکَ الصَّلَاةَ، وَذَکَرَ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي الْعِلَلِ عَنْ مُعَاذٍ نَحْوَهُ وَهُوَ مُرْسَلٌ، انتهی، قلت: حدیث أبی هریرة أخرجه أبو داود والحاکم وصححه وأقره الذهبی۔

نیز صحیح ابن خزیمہ (۳/۳۲) میں ایک ترجمہ قائم کیا ہے الرُّخْصَةُ فِي رُکُوعِ الْمَأْمُومِ قَبْلَ اتِّصَالِهِ بِالصَّفِّ

Maktaba Tul Ishaat.com

وَدَبِيبِهِ رَاكِعًا حَتَّى يَتَّصِلَ بِالصَّفِّ فِي رُكُوعِهِ، پھر بطریق سعید بن ابی مریم عن ابن وہب عن ابن جریج عن عطاء روایت کی ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن زبیرؓ سے سنا وہ منبر پر لوگوں سے کہہ رہے ہیں إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ رُكُوعٌ فَلْيَرْكَعْ حِينَ يَدْخُلُ، ثُمَّ لِيَدُبَّ رَاكِعًا حَتَّى يَدْخُلَ فِي الصَّفِّ فَإِنَّ ذَلِكَ السُّنَّةَ، عطاء کہتے ہیں وَقَدْ رَأَيْتُهُ هُوَ يَفْعَلُ ذَلِكَ، ورواہ الحاکم (۲۱۴/۱) والبیهقی (۱۰۶/۳) والطبرانی فی الأوسط وزاد: وقال ابن جریج: وقد رأیت عطاء یصنع ذلک، قال الطبرانی: تفرد به ابن وهب ولم یروه عنه غیر حرملة ولا یروی عن ابن الزبیر إلا بهذا الإسناد، کذا نقله ابن حجر فی التلخیص (۲۸۵/۱) اور اسکے متعدد موقوف شواہد ہیں جو ابن مسعودؓ وزید بن ثابتؓ سے مؤطا، معانی الآثار اور بیہقی میں منقول ہیں۔

بہر حال جمہور علماء؛ ابو بکرۃؓ، ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ کی احادیث اور ابن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ کے آثار کی بنا پر مدرک رکوع کو مدرک رکعت قرار دیتے ہیں، اور ایسے شخص پر قرأۃ نہیں بلکہ امام طحاوی نے مشکل الآثار (۲۸/۱) میں فریقین کا اتفاق نقل کیا ہے کہ مدرک الرکوع مدرک الرکعۃ ہے اگرچہ فاتحہ نہ پڑھی ہو، تو معلوم ہوا کہ قرأۃ الفاتحۃ علی مدرک الرکوع واجب نہیں، اور آیت فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مخصوص ہے، اس سے یہ شخص خارج ہو گیا۔

اسی طرح سے اقتداء بالامامین کی صورت میں بھی قرأۃ فاتحہ نہیں ہے، دیکھو حضرت رسول کریم ﷺ کی بیماری میں صدیق اکبرؓ نے نماز شروع کرائی، حضور اکرم ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ تشریف لائے اور ابو بکرؓ کے بائیں طرف بیٹھ گئے اور نماز شروع کرادی کما هو فی الصحیحین وغیرهما، ابن ماجہ (ص۸۸) کی روایت میں ہے قال ابن عباس: وأخذ رسول الله ﷺ من القرأة من حیث کان بلغ أبو بکر یعنی حضور اکرم ﷺ نے وہیں سے قرأۃ شروع کی جہاں صدیق اکبرؓ پہونچے تھے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ آیت عام ہے اور دعوی خاص ہے، مطلب یہ ہے کہ آیت سے تو مطلقاً قرأۃ کا وجوب نکلتا ہے اور آپ کا دعوی ہے کہ قرأۃ فاتحہ واجب ہے تو دعوی اور دلیل میں مطابقت نہ رہی، لیکن امام بغوی کہتے ہیں کہ ماتیسر سے فاتحہ مراد ہے مگر دوسرا اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کما تقدم، اور امام بخاری کے طرز پر اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ اس کے عموم میں فاتحہ بھی داخل ہے تو حنفیہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم دوسری نصوص سے اس کی تخصیص کریں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیثِ عبادہؓ کے جوابات: حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیثِ مختصر کے کئی جوابات ہیں۔

(۱) پہلا جواب یہ ہے کہ یہ منفرد پر محمول ہے، امام ابوداؤد اور ابوبکر اسماعیلی فرماتے ہیں قال سفیان: هذا لمن يصلّي وحده یعنی یہ حدیث اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھتا ہو، امام ترمذی فرماتے ہیں قال أحمد: معنى قول النبي ﷺ لاصلوة لمن لايقرأ بفاتحة الكتاب إذا كان وحده۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ غیر مقتدی پر محمول ہے کما قال الموفق في المغني (۱/۶۰۲) کیوں کہ اللہ پاک نے مقتدی کو الگ حکم دیا اور ارشاد فرمایا ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ آیت مکیۃ النزول ہے اور حدیثِ عبادہؓ مدنی عام ہے تو عبادہؓ کی حدیث کی لئے یہ آیت کیسے مخصّص بن سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی خاص اپنے حکم کے ساتھ مذکور ہو اور اس کے بعد کوئی عام نص آئے تو خاص اس عام نص میں داخل نہیں ہوگا، جیسے اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو پہلے حرام کر دیا اور فرمایا ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (سورۂ مائدہ پارہ ۶ رکوع ۱)، اس کے بعد پھر اسی سورت کے رکوع ۵ میں فرمایا ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ تو اس میں خنزیر داخل نہیں ہوگی، اسی طرح یہاں ہے کہ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ سے مقتدی کو یہ بتلا دیا گیا کہ تمہارا وظیفہ ہے استماع وانصات، اب عبادہؓ کی حدیث لاصلوة لمن لايقرأ بفاتحة الكتاب کا خطاب مقتدی کی طرف نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کا حکم تو الگ ہے اور وہ معلوم ہو چکا۔

لیکن عبادہؓ کی طویل حدیث میں یہ جواب نہیں چل سکتا اس لئے کہ وہ تو مقتدی ہی کے متعلق ہے، لہٰذا یہ جواب صحیح نہیں۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد یہ لفظ اپنے عموم کی وجہ سے مطلقاً استماع وانصات کا مطالبہ کرتا ہے چاہے آدمی مکی زندگی میں رہا ہو اور چاہے مدنی زندگی میں آگیا ولکنہ جواب غیر صحیح۔

اسی طرح اس کے لئے مخصّص ابوموسیٰؓ اور ابوہریرہؓ کی احادیث وإذا قرأ (أي الإمام) فأنصتوا ہیں جو

Maktaba Tul Ishaat.com

آئندہ آرہی ہیں ان شاء اللہ۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ عبادہؓ کی حدیث میں فصاعدًا کی زیادتی ہے کمارواہ عبدالرزاق وأحمد بن حنبل ومسلم والنسائی وابن حبان والبخاری فی جزئہ وکتاب خلق افعال العباد من طریق معمر عن الزھری عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت، اور اس کے نقل کرنے میں معمر منفرد نہیں ہے جیسا کہ امام بخاری اور ابن حبان نے دعوی کیا ہے، بلکہ سفیان بن عیینہ نے ان کی متابعت کی ہے کما أخرجہ أبو داود، نیز ان کے متابع عبد الرحمٰن بن اسحاق المدنی ہے کماھو مذکور فی جزء القرأۃ للإمام البخاری، اور شعیب بن ابی حمزہ اور اوزاعی کماھو فی کتاب القرأۃ للبیھقی، اور ماقبل میں کلام تفصیل سے گزر چکا۔

نیز یہ مضمون اور دیگر صحابہ کرام سے منقول ہے۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں أَمَرَنِی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أُنَادِيَ أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ، رواہ أبو داود وابن الجارود والبخاری فی جزء القرأۃ والدارقطنی والحاکم والبیھقی وغیرھم، وقال الحاکم: صحیح لاغبار علیہ، وأقرہ الذھبی، اس کی سند میں جعفر بن میمون ہے اس کے متعلق بعض ائمہ فن نے کلام کیا ہے لیکن اس کا جواب ماقبل میں گزر چکا ہے۔

اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کنا نحدث أنہ لاصلوۃ إلا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب ومافوق ذلک، رواہ ابن أبی شیبۃ والطحاوی والبیھقی فی کتاب القرأۃ۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں أمرنا نبینا ﷺ أن نقرأ بفاتحۃ الکتاب وماتیسر، رواہ أحمد وعبد بن حمید والبخاری فی جزء القرأۃ وأبو یعلی وابن حبان، ورواہ أبو داود بلفظ أُمِرنا أن نقرأ بفاتحۃ الکتاب وماتیسر۔

حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ کی روایتوں کو فصاعدًا کی زیادتی کے لئے شاہد اور مؤید قرار دیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ فاتحہ کے ساتھ مازاد علی الفاتحہ بھی واجب ہے اور زائد علی الفاتحہ کسی کے نزدیک بھی مقتدی پر واجب نہیں تو معطوف کا جو حکم ہو گا وہی معطوف علیہ کا حکم ہو گا لہٰذا فاتحہ بھی مقتدی پر واجب نہ ہو گی۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام بیہقی نے کتاب القرأۃ (ص ۷۰) میں حضرت عبادہؓ کی یہی حدیث نقل کی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے اس کے الفاظ ہیں لا صلوة لمن لایقرأ بفاتحة الکتاب خلف الإمام اور لکھا إسناده صحیح، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأة فاتحہ واجب ہے اور اگر کوئی نہ کرے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت امام بیہقی نے کتاب القرأة میں بطریق محمد بن سلیمان بن فارس عن محمد بن یحی الصفار عن عثمان بن عمر عن یونس عن الزهری نقل کی ہے اور خلف الامام کی زیادتی نقل کرنے میں محمد بن یحی الصفار منفرد ہیں عثمان بن عمر سے، یہی روایت امام دارمی نے اپنی مسند میں عثمان بن عمر سے نقل کی اور اس میں اس زیادتی کا وجود نہیں ہے، اور عثمان بن عمر منفرد ہے یونس سے، یہی روایت ابن وہب اور لیث بن سعد نے یونس سے نقل کی ہے اور اس میں یہ زیادتی نہیں ہے حدیث ابن وهب أخرجه مسلم وحدیث لیث أخرجه البخاری فی جزئه۔

اور یہی روایت زہری کے دوسرے تلامذہ صالح بن کیسان، سفیان بن عیینہ، معمر بن راشد، مالک بن انس، قرہ بن عبد الرحمن، عقیل بن خالد، شعیب بن ابی حمزہ، اوزاعی اور موسی بن عقبہ نقل کرتے ہیں اور یہ زیادتی نقل نہیں کرتے۔

صالح بن کیسان کی روایت امام مسلم (۱۶۹/۱) نے اپنی صحیح میں اور بخاری نے جزء القرأة اور کتاب خلق افعال العباد (ص ۹۲) میں تخریج کی ہے، سفیان بن عیینہ کی روایت اصحاب کتب ستہ اور ابن خزیمہ، دارقطنی اور امام احمد وغیرہم نے تخریج کی ہے، معمر کی روایت ابھی معلوم ہو چکی کہ عبد الرزاق، احمد، بخاری نے جزء القرأة میں اور مسلم، نسائی، ابن حبان نے تخریج کی ہے، اور موسی بن عقبہ کی روایت طبرانی نے معجم صغیر (ص ۱۰۱) میں، اور باقی لوگوں کی بیہقی نے کتاب القرأة میں تخریج کی ہے۔

کتاب خلق افعال العباد سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لیث بن سعد بھی اسی طرح زہری سے نقل کرتے ہیں لیکن جزء القرأة میں لیث بن سعد یہ روایت یونس سے نقل کرتے ہیں، تو اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یونس سے خلف الامام کی زیادتی نقل کرنے میں عثمان بن عمر منفرد ہے، ابن وہب اور لیث یہ زیادتی نقل نہیں کرتے ہیں، بہر حال یہ زیادتی یا تو محمد بن یحی الصفار کا اپنا تفقہ اور ان کی رائے ہے اور یا ان کے تلمیذ محمد بن سلیمان بن فارس کا تفقہ ہے جو امام بخاری کے تلمیذ ہیں اور بظاہر ان کے اثر سے متاثر ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قرأۃ خلف الامام کی دلیل خاص:

(۲) حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے كُنَّا خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ هَذًّا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا، رواه أحمد بن حنبل والبخاري في جزء القرأة وأبو داود (۵۱/۲) والترمذي وابن خزيمة وابن حبان والحاكم والدارقطني والبيهقي من طريق محمد بن إسحاق عن مكحول عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت، قال الترمذي: هذا حديث حسن وصححه ابن خزيمة وابن حبان، وقال الحاكم: إسناده مستقيم وقال الخطابي: إسناده جيد لا مطعن فيه وقال البيهقي: صحيح۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قرأۃ خلف الامام واجب ہے، نبی اکرم ﷺ نے جب یہ احساس کیا کہ صحابہ کرام آپ کے پیچھے قرأۃ کرتے ہیں تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم لوگ قرأۃ کرتے ہو تو انہوں نے عرض کیا نعم هَذًّا یعنی ہاں ہم جلدی جلدی قرأۃ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ بس صرف سورۃ فاتحہ پڑھو فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا جو فاتحۃ الکتاب نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوگی، معلوم ہوا کہ فاتحۃ الکتاب خلف الامام واجب ہے۔

حنفیہ اور دیگر حضرات نے جو قرأۃ خلف الامام کے قائل نہیں ہیں اس کے مختلف انداز میں مختلف جوابات دیئے ہیں۔

جواب نمبر ۱: سب سے پہلا جواب یہ ہے کہ یہ روایت کئی طرح معلول ہے۔

۱۔ اولاً تو اس روایت کے نقل کرنے میں ابن اسحاقؒ منفرد ہے اس طرح ابن اسحاق کے علاوہ کوئی نقل نہیں کرتا ہے كما ذكره الإمام الموفق (۶۰۲/۱) عن الإمام أحمد بن حنبل، اور ابن اسحاق راوی مختلف فیہ ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں اس کے بارے میں اپنا قول فیصل یہ لکھا ہے کہ صدوق مدلس رمی بالتشیع والقدر، اور یہ روایت ابوداؤد وغیرہ میں معنعن ہے اور عنعنۃ المدلس غیر مقبول ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسی روایت میں مسند احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دار قطنی اور بیہقی کے طریقوں میں ابن اسحاق نے تحدیث کی تصریح کی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن اس کے باوجود ایک بات رہ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح سے نقل کرنے میں ابن اسحاق منفرد ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرایہ میں یہ لکھا ہے لا یحتج بما انفرد به من الأحكام فضلا عما إذا خالفه من هو أثبت منه۔

۲۔ دوسری علت یہ ہے کہ ابن اسحاق کا استاذ مکحول ہے جو اپنی جگہ ثقہ ہے لیکن کثیر الارسال ہے، ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ تدلیس بھی کرتا تھا اور یہ روایت وہ معنعنًا نقل کرتا ہے اور کسی کتاب میں اس کے سماع کی تصریح موجود نہیں ہے، لیکن ایک چیز اس کی مؤید ہے وہ یہ ہے کہ مکحول کا مذہب بھی اسی روایت کے موافق تھا، امام ابوداؤد (۲/۵۲) نے نقل کیا ہے قَالَ مَكْحُولٌ: اقْرَأْ فِيمَا جَهَرَ بِهِ الإِمَامُ إِذَا قَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسَكَتَ سِرًّا، فَإِنْ لَمْ يَسْكُتْ اقْرَأْ بِهَا قَبْلَهُ وَمَعَهُ وَبَعْدَهُ لَا تَتْرُكْهَا عَلَى حَالٍ، یہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ مکحول کو یہ روایت مستند طریقہ سے پہنچی ہے اگرچہ ان کے اور ان کے استاذ کے درمیان واسطہ ہو، اور ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے استاذ ہی سے یہ روایت لی ہے۔

۳۔ تیسری علت یہ ہے کہ یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے، امام احمد، بخاری فی القراۃ، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ حضرات نے اس کو نقل کیا ہے عن مكحول عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت، اور یہی روایت بعض دیگر رواۃ مکحول سے نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں عن نافع عن محمود عن عبادة بن الصامت، أخرجه أبو داود والنسائي والبخاري في جزء القرأة وخلق افعال العباد والدارقطني والبيهقي، قال الدارقطني: هذا إسناد حسن رجاله كلهم ثقات، اور بعض رواۃ کہتے ہیں عن مكحول عن عبادة بن الصامت، رواه أبو داود والدارقطني والبيهقي، اور بعض رواۃ کہتے ہیں عن مكحول عن محمود عن أبي نعيم عن عبادة بن الصامت۔

اسی طرح سے یہ دار قطنی کی روایت میں موجود ہے بطریق ولید بن مسلم وہ کہتے ہیں حدثني غير واحد منهم سعيد بن عبد العزيز عن مكحول، ابن صاعد کہتے ہیں کہ ابو نعیم تو مؤذن تھے وہ راوی حدیث نہیں ہے اور ولید بن مسلم جو نقل کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے وليس هو كما قال الوليد۔

لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں حدثني غير واحد منهم سعيد بن عبد العزيز، ولید مدلس ہے اور جب مدلس تحدیث واخبار کی تصریح کردے تو اس کی روایت معتبر ہو جاتی ہے جبکہ وہ ثقہ ہو اور یہاں یہی

Maktaba Tul Ishaat.com

صورت حال ہے، لیکن ثقہ سے سہو ہو جانا ممکن ہے اس لئے ظاہر ہے کہ ولید بن مسلم کو وہم ہو گیا، اسی طرح اوزاعی کہتے ہیں عن مکحول عن رجاء بن حیوۃ عن عبداللہ بن عمرو ذکرہ الحافظ ابن عبدالبر۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں اس اختلاف واضطراب کے رہتے ہوئے اہل علم بالحدیث کے نزدیک کوئی چیز ثابت نہیں ہو سکتی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ائمہ حدیث مثلاً امام احمد وغیرہ نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کی تضعیف پر دوسرے مقام پر مبسوطاً کلام کیا گیا ہے، فرماتے ہیں اصل صحیح حدیث تو حضور اکرم ﷺ کا ارشاد لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ہے جو بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں بطریق الزہری عن محمود عن عبادۃ روایت کی ہے، بعض شامیین کو اس میں غلطی واقع ہو گئی جس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عبادۃؓ بیت المقدس میں امامت کرتے تھے انہوں نے یہ حدیث سنائی اور لوگوں کو اشتباہ لگ گیا انہوں نے مرفوع اور موقوف کو ایک ہی ساتھ جوڑ کے سب کو مرفوع کر دیا ھذا حاصل ماقالہ الإمام ابن تیمیۃ۔

جواب نمبر ۲: دوسرا جواب بعض علماء نے دیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کے لئے ناسخ ابن اُکیمۃ اللیثی کی روایت ہے جو وہ ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ: هَلْ قَرَأَ مَعِي أَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا؟ فَقَالَ رَجُلٌ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: إِنِّي أَقُولُ مَالِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ، قَالَ: فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِينَ سَمِعُوا ذٰلِكَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ۔

أخرجه مالک فی الموطأ والشافعی وأبو داود والترمذی وغیرھم وسیأتی إن شاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن یہ نسخ بالاحتمال ہے کوئی تاریخ یہاں نہیں ہے الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ حضرت ابوہریرہؓ سن ۷ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں اور حضرت عبادۃؓ قدیم الاسلام ہیں حتیٰ کہ وہ لیلۃ العقبہ کی بیعت کے وقت مکہ میں موجود تھے، تو ہو سکتا ہے اس روایت کا تعلق مکی زندگی سے ہو لہٰذا ابوہریرہؓ کی یہ روایت اس کے لئے ناسخ ہو گی۔

لیکن اس جواب سے تسلی نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ عبادۃؓ کی حدیث بظاہر مدنی ہے جبھی تو عبادۃؓ نے لا صلوۃ کو بعد تک نقل کیا ہے۔

جواب نمبر ۳: تیسرا جواب ہمارے حضرت گنگوہی نے دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اصل میں عبادۃؓ

Maktaba Tul Ishaat.com

کی حدیثِ مختصر اسی حدیث مطول کا ٹکڑا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری اور ابو حاتم بن حبان بستی نے کتاب الثقات (۵/۴۷۰) میں اس کی تصریح کی ہے، وکما ذکرہ الحافظ ابن حجر فی تھذیب التھذیب، علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ بخاری، بیہقی اور ابن عبد البر کا طرز بھی اسی بات کو چاہتا ہے۔

اب اس صورت میں حدیث مختصر و مطول کے سارے الفاظ کو ملایا جائے گا کیوں کہ سب ایک ہی حدیث کے ٹکڑے ہیں تو حدیث اس طرح بنے گی لا تفعلوا إلا بفاتحة الکتاب فإنه لا صلوة لمن لم یقرأ بها فصاعدًا، کیوں کہ فصاعدًا بھی اس روایت میں ثابت ہے، اب اس صورت میں اگر اس حدیث کو مقتدی سے متعلق مانا جائے اور کہا جائے کہ مقتدی کے لئے قرآۃ خلف الامام واجب ہے تو حدیث کے اول وآخر میں تعارض ہو جائے گا، اس لئے کہ لا تفعلوا إلا بفاتحة الکتاب نفی واستثناء ہے، یوں کہئے کہ استثناء بعد الحظر ہے اور استثناء بعد الحظر والممانعۃ مفید اباحت ہوتا ہے کما ھو مقرر فی الأصول، تو معنٰی یہ ہوا کہ کسی اور چیز کی تو اجازت نہیں صرف فاتحۃ الکتاب پڑھنے کی اجازت ہے، اس جملہ سے ماسوی الفاتحہ کی حرمت اور فاتحہ کی اباحت معلوم ہوئی، آگے فرمایا گیا فإنه لا صلوة لمن لم یقرأ بها فصاعدًا، اگر اس جملہ کو وجوب پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ نکلا کہ فاتحہ اور مازاد علی الفاتحہ مقتدی پر واجب ہے، روایت کا پہلا حصہ تو یہ بتاتا ہے کہ فاتحہ مباح اور مازاد علی الفاتحہ حرام ہے اور دوسرا حصہ بتاتا ہے کہ فاتحہ اور مازاد علی الفاتحہ دونوں واجب ہیں اور شارع علیہ السلام کے کلام میں ایسا تعارض ناممکن ہے، لہٰذا اس روایت کو وجوب پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ فإنه لا صلوة لمن لم یقرأ بها اور لا صلوة إلا بفاتحة الکتاب فصاعدًا کے کیا معنٰی ہوں گے؟ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ علتِ اباحت ہے، جب یہ کہا گیا کہ کچھ اور تو مباح نہیں ہاں فاتحۃ الکتاب مباح ہے تو حضور اکرم ﷺ نے اس اباحت کی علت بیان کی فإنه لا صلوة إلا بفاتحة الکتاب فصاعدًا، یعنی کوئی نماز فاتحہ ومافوق الفاتحہ سے خالی نہیں ہوتی ہے، اور ممانعت منازعت کی خطرے کی وجہ سے کی گئی ہے اور فاتحہ چونکہ کثیر الدوران علی الالسنہ ہے بار بار پڑھی جاتی ہے ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کے پڑھنے سے امام سے منازعت نہ ہوگی، بخلاف مازاد علی الفاتحہ کے کہ اس کے افراد متعین نہیں ہیں لہٰذا اگر وہ امام کے ساتھ پڑھی جائے گی تو منازعت لازم آئے گی۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ اگرچہ بعض الفاظ میں لا صلوة إلا بفاتحة الکتاب وارد ہوا ہے لیکن اکثر الفاظ

Maktaba Tul Ishaat.com

میں لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب وارد ہوا ہے اور اس کے ساتھ یہ توجیہ نہیں چلتی بلکہ یہ توجیہ اس صورت میں درست ہی نہیں ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں ہم دوسرا جواب دیں گے کہ یہ تعلیل نہیں بلکہ تنظیر ہے اور مقصد وہی ہے جو حضرت گنگوہی نے بیان فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ فاتحۃ الکتاب اور مازاد علی الفاتحہ سے کوئی نماز خالی نہیں ہوتی ہے، لہذا فاتحہ سے کثرت استعمال اور کثرت قرأۃ کی وجہ سے زبانیں مانوس ہیں، اگر مقتدی قرأۃ کرے گا تو امام کے ساتھ منازعت کا خطرہ نہیں ہے بخلاف مازاد علی الفاتحہ کے کہ وہ غیر متعین ہے لہذا اس کے پڑھنے میں منازعت کا خطرہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

لیکن یہ سارے جوابات اسی وقت درست ہوسکتے ہیں جبکہ فصاعدًا کی زیادتی کو تسلیم کرلیا جائے جیسا کہ اصول کا تقاضا ہے کہ یہ زیادۃ الثقات کے قبیل سے ہے اور زیادتی ثقات معتبر ہوتی ہے۔

جبکہ امام بخاری اور ابن حبان وغیرہما فرماتے ہیں کہ معمراس کے نقل کرنے میں منفرد ہے اور زہری کے باقی تلامذہ اس کو نقل ہی نہیں کرتے جن میں صالح بن کیسان، امام مالک، قرۃ بن عبد الرحمن، یونس بن یزید ایلی، شعیب بن ابی حمزہ، عبد الرحمن بن عمرو الاوزاعی، موسی بن عقبہ وغیرہم ہیں، ابن عیینہ کے صرف دو تلمیذ قتیبہ اور ابو الطاہر بن السرح ان سے فصاعدًا نقل کرتے ہیں اور ان کے بیس سے زائد تلامذہ یہ زیادتی نقل نہیں کرتے، اس لئے بظاہر یہ زیادتی ابن عیینہ کی روایت میں شاذ ہے اور معمر کی زیادتی بھی شاذ ہے اور اس صورت میں یہ حدیث وجوبِ قرأۃ فاتحہ کی صریح دلیل ہوگی اس لئے کہ پوری حدیث بس یہی ہے لاتفعلوا إلا بفاتحۃ الکتاب فإنہ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بہا، فاتحۃ الکتاب کی اجازت اس لئے دی گئی کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوگی۔

مگر فصاعدًا کی زیادتی کا مؤید ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہم کی روایات ہیں جو ماقبل میں ذکر کی گئیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

عدمِ وجوب قرأۃ خلف الامام کے دلائل

قرأۃ خلف الامام کو واجب نہ ماننے والوں نے دلائل قرآنیہ اور دلائل حدیثیہ سے استدلال کیا ہے۔

(۱) پہلی دلیل: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾، امام ابن ابی حاتمؒ، امام بیہقی وغیرہما نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن مغفل، محمد بن کعب قرظی اسی طرح دیگر حضرات مجاہد، ابو العالیہ، زہری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت قرأۃ کے بارے میں نازل ہوئی، ابن ابی حاتم، عبد بن حمید نے نقل کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دن تلامذہ کو نماز پڑھائی پیچھے سے کچھ لوگوں کی قرأۃ کی آواز محسوس و مسموع ہوئی نماز سے فراغت پر ارشاد فرمایا أما آن لكم أن تفهموا أما آن لكم أن تعقلوا، إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا، اس سے استدلال کیا گیا کہ امام کے پیچھے قراءۃ نہ کرے۔

اعتراض اول: مگر اس پر اشکال یہ کیا گیا کہ اس آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں، (۱) ایک قول وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا، (۲) امام فخر الدین رازی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی، اس پر امام بغوی اور خازن نے یہ اعتراض کیا کہ آیت مکیۃ النزول ہے اور خطبہ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہوئی، اب چاہے یہ مان لیا جائے کہ مکہ میں جمعہ فرض ہو گیا تھا جیسا کہ حنفیہ، شیخ ابو حامد، جلال الدین سیوطی، شیخ ابن حجر مکی اور علامہ شوکانی کی رائے ہے اور چاہے یہ مان لیا جائے کہ جمعہ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہوئی تھی جیسا کہ حافظ ابن حجر کی رائے ہے، بہر حال خطبۂ جمعہ کی مشروعیت اور اس کا تاکد و وجوب مدینہ منورہ میں ہوا ہے تو یہ آیت خطبہ کے بارے میں کیسے نازل ہو سکتی ہے؟

الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ آیت کا عموم اس کو شامل ہے کیوں کہ خطبہ میں بھی قرآن پاک پڑھا جاتا ہے، اور اگر خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو کوئی اشکال نہیں ہے، اس لئے کہ جب خطبہ کا استماع اور اس کے لئے انصات ضروری ہے تو قرأۃ کے لئے استماع وانصات بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگا۔

(۳) ابن جریر طبری اور صاحب مدارک کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت قرأۃ اور خطبہ دونوں کے لئے نازل ہوئی ہے، علامہ سرخسی نے دونوں قول لکھنے کے بعد لکھا ہے ولا تنافي بينهما۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۴) حسن بصری، ظاہریہ اور علامہ یحیٰ بن عمر رومی الشہیر بمنقاری زادہ حنفی اور علامہ شوکانی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر سامع کے ذمہ استماع وانصات ضروری ہے، یہ قول بھی متدلینِ ترکِ قرأۃ کے اور موجبینِ استماع وانصات کے خلاف نہیں ہے۔

(۵) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت کلام خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(۶) بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عید الفطر وعید الاضحیٰ، صلوۃ جمعہ اور مایجہر فیہ الامام میں انصات کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۷) بعض کہتے ہیں کہ وعظ سے اس کا تعلق ہے۔

(۸) بعض فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب نزول قرآن کے وقت قرآن پڑھتے تھے اس کے متعلق نازل ہوئی۔

(۹) بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد عمل کی ترغیب دینا ہے۔

غرض مختلف اقوال حضرات مفسرین نے ذکر کئے ہیں لیکن ان میں راجح اول ہے، ابن عبد البر نے اسی کو ذکر کیا ہے، امام بغوی نے اس کو راجح کہا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول مستفیض یعنی مشہور ہے، اور علامہ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ امام احمد فرماتے تھے أجمعوا علی أن هذه الآية نزلت فی الصلوۃ۔

حضرت مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ہمیں امام بیہقی کی کتاب میں یہ کلام نہیں مل سکا لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ امام بیہقی کی ساری تالیفات اولاً تو چھپی نہیں اور جتنی چھپ گئی وہ بھی ساری کی ساری ایک کے پاس پہنچ جائے مشکل ہے، اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ امام بیہقی کی جتنی کتابیں چھپ گئی ہیں سب مولانا مرحوم کے پاس رہی ہوں گی اس کے باوجود بھی مولانا کا یہ انکار غلط ہے، یہ کلام جیسے امام احمد سے علامہ زیلعی نے نقل کیا ہے اسی طرح علامہ موفق الدین بن قدامہ اور علامہ ابن تیمیہ نے بھی نقل کیا ہے، ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ امام احمد نے امام ابوداؤد کی روایت میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ مسائل امام احمد بروایۃ ابی داؤد چھپ چکی ہے اس میں یہ کلام موجود ہے، حضرت امام

Maktaba Tul Ishaat.com

احمد سے سائل نے یہ پوچھا کہ قرأۃ خلف الامام کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ سورۃ فاتحہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا سے مستثنیٰ ہے تو حضرت امام احمد نے ارشاد فرمایا عمن یقول هذا أجمع الناس أن هذه (الآية) في الصلوة، یہ کتاب المسائل کے الفاظ ہیں۔

اعتراض دوم: دوسرا اعتراض امام بخاری کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت زیادہ سے زیادہ جہریہ سے متعلق ہے اس لئے کہ جہریہ ہی میں استماع ہوتا ہے اور اس کے لئے انصات ضروری ہے۔

اس کا جواب: علامہ ابن ہمام اور ان کے اتباع میں علامہ زین بن نجیم مصری نے دیا کہ اس آیت میں دو حکم ہے، ایک استماع کا دوم انصات کا، استماع کا حکم صلوۃ جہریہ سے اور انصات کا حکم صلوۃ سریہ سے ہے، مگر میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ انصات مطلقاً سکوت کا نام نہیں ہے بلکہ ایسے سکوت کا نام ہے جس کے ساتھ اصغاء واستماع پایا جاتا ہو، صاحب مجمل نے اس کی تصریح فرمائی ہے الإنصات السكوت للاستماع، لہذا یہ آیت جہریہ ہی سے متعلق ہے۔

علامہ ابن خزیمہ ایک مشہور محدث اور حافظ حدیث ہیں انہوں نے ایک عجیب وغریب توجیہ کی ہے، کہنے لگے أنصتوا کے معنی ہے أنصتوا عن كلام الناس، دور حاضر کے ایک مشہور اہل حدیث علامہ ناصر الدین البانی ہیں جو تشدد میں منفرد شخصیت ہیں اور اپنی مثال آپ ہیں لیکن انہوں نے یہاں پہنچ کر کہہ دیا کہ ابن خزیمہ کی یہ توجیہ بعید ہے۔

(۲) دوسری دلیل: عن أبي موسى الأشعري قال علمنا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الصلوة وقال أقيموا الصفوف وليؤمكم أحدكم فإذا كبر الإمام فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا۔

رواه أحمد بن حنبل (۴۰۵/۴) ومسلم (۱۷۴/۱) وأبو داود وابن ماجه وأبو عوانة (۱۶/۲) وابن المنذر (۱۰۵/۳) والدار قطني (۱/۳۳۱) من طريق سليمان التيمي عن قتادة عن أبي غلاب يونس بن جبير عن حطان بن عبد الله الرقاشي عن أبي موسى الأشعري۔

اس حدیث پر پہلا اعتراض امام ابوداؤد، ابو بکر بزار، ابو علی نیساپوری، حاکم، دار قطنی، بیہقی وغیرہم نے یہ کیا ہے کہ اس میں وإذا قرأ فأنصتوا کی زیادتی نقل کرنے میں سلیمان التیمی منفرد ہے۔

ابن منذر نے اس کا جواب یہ دیا کہ إذا زاد الحافظ في الحديث حرفا وجب قبوله وتكون زيادته

Maktaba Tul Ishaat.com

کحدیث ینفرد به وهذا مذهب کثیر من أهل العلم فی أبواب الشهادات وغیر ذلک ولما اختلف أسامة وبلال فی صلوة النبی ﷺ فی الکعبة حکم الناس لبلال لأنه یثبت أمرًا نفاه أسامة، کانت کذالک روایة التیمی لأنه أثبت شیئا لم یذکره غیره، انتهی۔

حاصل یہ ہے کہ تیمی ان ثقات اثبات میں سے ہے جن کا تفرد معتبر ہوتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کی سند میں یہی سلیمان تیمی واقع ہوا ہے اس کے بعد لکھا کہ ابن حبان کہتے ہیں کہ سلیمان تیمی اس کے نقل کرنے میں منفرد ہیں اور پھر حافظ ابن حجر نے اس پر اپنا نوٹ لکھا وهو من الثقات الأثبات، مطلب یہ ہے کہ یہ ثقہ ثبت ہے لہذا ان کا تفرد معتبر ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ منفرد بھی نہیں ہے بلکہ ان کے تین متابع ہیں، ۱۔ عمر بن عامر، ۲۔ سعید بن ابی عروبہ ۳۔ اور ابو عبیدہ مجاعۃ بن الزبیر العتکی۔

عمر بن عامر کی متابعت امام بخاری نے جزء القرأۃ میں تعلیقاً اور ابو بکر بزار نے اپنی مسند میں موصولاً ذکر کی ہے۔

اور عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ دونوں کی متابعت ابن عدی نے الکامل میں اور امام دار قطنی و بیہقی نے اپنی اپنی سنن میں روایت کی ہے بطریق سالم بن نوح العطار عن عمر بن عامر وسعید بن أبی عروبة عن قتادة بإسناده۔

دار قطنی کہتے ہیں سالم بن نوح العطار لیس بالقوی، امام بیہقی نے اپنے استاذ امام حاکم سے اور انہوں نے اپنے استاذ امام ابو علی نیشاپوری سے نقل کیا ہے کہ سالم بن نوح کو اس روایت میں وہم ہوا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التهذیب میں ان کے بارے میں لکھا ہے صدوق له أوهام۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ یہ سند پوری علی شرط مسلم ہے بلکہ گویا مسلم ہی کی سند ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس سند کے دو ٹکڑے ہیں، سالم بن نوح العطار عن عمر بن عامر عن قتادة اور دوسرا ٹکڑا ہے قتادة عن یونس بن جبیر عن حطان عن أبی موسی، امام مسلم نے جلد ثانی میں ایک جگہ کتاب الفضائل میں ایک روایت نقل کی ہے وہاں تو پہلا ٹکڑا سند کا موجود ہے اور دوسرا ٹکڑا کتاب الصلوة میں موجود ہے، اب اگر دونوں ٹکڑوں کو ملایا جائے تو یہ پوری سند مسلم کی ہوجاتی ہے لہذا اس کے علی شرط مسلم ہونے میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا ہے لیکن

Maktaba Tul Ishaat.com

وہم کا امکان پھر بھی ہے۔

اور تیسرے متابع ابو عبیدہ مجاعۃ بن الزبیر العتکی کی روایت امام ابو عوانہ نے اپنی مستخرج صحیح میں تخریج کی ہے، یہ اگرچہ ضعیف راوی ہے، امام دار قطنی اور عقیلی نے ان کی تضعیف کی ہے لیکن امام احمد فرماتے ہیں لیس به بأس، امام ابو حاتم بن حبان بستی کتاب الثقات میں ان کا نام درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں وھو مستقیم الحدیث عن الثقات، اور یہ حدیث وہ ثقات سے نقل کر رہے ہیں، قتادہ ان کے استاذ ہیں وہ ثقہ ہیں، بہر حال تفرد کا الزام بے حقیقت نکلا۔

امام بخاری نے جزء القراۃ میں یہ اعتراض کیا ہے کہ سلیمان تیمی نے اپنے سماع کی تصریح قتادہ سے اور قتادہ نے اپنے سماع کی تصریح ابو غلاب یونس بن جبیر سے نہیں کی، عبد ضعیف کہتا ہے کہ بخاری کی اس نفی میں بعض اہل حدیث مولانا عبد الرحمن مبارک پوری وغیرہ نے تحقیق الکلام میں ان کی تقلید کی ہے۔

مگر بخاری کا یہ اعتراض مبنی ہے باب تصحیح حدیث میں خود ان کے مسلک پر، اس لئے کہ ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ لقاء ثابت ہو اور مسلم کے نزدیک معاصرت کافی ہے، تو مسلم کے قول پر اعتراض نہیں اور اگر بخاری کا مسلک لیں تو پھر ہم کہیں گے کہ امام ابوداؤد (۲/۱۲۱) نے یہی روایت اسی زیادتی کے ساتھ بطریق معتمر عن سلیمان التیمی نقل کی ہے اور اس کے الفاظ ہیں قَالَ سَمِعْتُ أَبِي حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي غَلَّابٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الرَّقَاشِيِّ بِهَذَا الْحَدِيثِ۔

أبی سے مراد سلیمان تیمی ہے وہ کہتے ہیں حدثنا قتادۃ اور قتادہ ابو غلاب سے نقل کرتے ہیں، آگے روایت میں ہے یحدّثه، اسکی ضمیر مرفوع ابو غلاب کی طرف عائد ہے اور ہٗ ضمیر منصوب قتادہ کی طرف عائد ہے، اور یہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ قتادہ نے یہ حدیث ابو غلاب سے سنی ہو، لہذا اسی روایت سے سلیمان تیمی کا سماع قتادہ سے اور قتادہ کا سماع ابو غلاب سے ثابت ہو گیا، اور امام ابوداؤد ہی کے طریق سے ابو عوانہ نے یہ سند اپنی مستخرج صحیح میں درج کی ہے، دار قطنی کہتے ہیں ھذا إسناد حسن متصل، اور دار قطنی کی حدیث دانی اور علل کے امام ہونے پر اجماع ہے، اب کیا کہیں ولیس وراء عبادان قریة، اور

إذا قالت حزام فصدّقوھا فإن القول ما قالت حزام

لہذا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرت امام نووی نے ایک عجیب وغریب اعتراض کیا فرماتے ہیں کہ امام مسلم (۱/۱۷۵) نے یہ حدیث موصولاً ذکر نہیں کی ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ امام نووی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام مسلم نے اولاً ابو موسی اشعریؓ کی مفصل حدیث بروایۃ أبی عوانۃ عن قتادۃ عن یونس بن جبیر عن حطّان عن أبی موسی نقل کی ہے اور اس کے بعد یہی روایت بطریق جریر عن سلیمان التیمی عن قتادۃ نقل کی اور آگے اسناد کا سندِ سابق پر حوالہ ڈال دیا لہذا اس کو غیر موصول کہنا صحیح نہیں ہے، امام مسلم نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے۔

آگے نووی فرماتے ہیں کہ مضعفین کی ایک بڑی جماعت ہے لہذا انکی تضعیف مسلم کی تصحیح پر مقدم ہوگی۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ امام مسلم اس تصحیح میں منفرد نہیں ہیں بلکہ اسی طرح سے امام احمد، اسحاق بن راہویہ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تنوع العبادات میں نقل کیا ہے، اور اسی طرح سے ابو عوانہ، ابو بکر اثرم، ابن جریر طبری، ابن عبد البر، ابن حزم، منذری، ابن کثیر، ابن تیمیہ اور ابن حجر نے اس کی تصحیح کی ہے۔

امام مسلم (۱/۱۷۴) کے سامنے جب یہ روایت پڑھی گئی تو مسلم کے تلمیذ ابو اسحاق فرماتے ہیں قَالَ أَبُو بَكْرِ ابْنُ أُخْتِ أَبِي النَّضْرِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ (یعنی طعن فیه)، فَقَالَ مُسْلِمٌ: تُرِيدُ أَحْفَظَ مِنْ سُلَيْمَانَ؟ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: فَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ؟ فَقَالَ: هُوَ صَحِيحٌ يَعْنِي وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا، فَقَالَ: هُوَ عِنْدِي صَحِيحٌ فَقَالَ: لِمَ لَمْ تَضَعْهُ هَاهُنَا؟ قَالَ: لَيْسَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدِي صَحِيحٍ وَضَعْتُهُ هَاهُنَا إِنَّمَا وَضَعْتُ هَاهُنَا مَا أَجْمَعُوا عَلَيْهِ، صحت پر اجماع سے کیا مراد ہے؟ بلقینی نے بعض سے اور سیوطی اور طاہر جزائری نے نقل کیا ہے کہ اجماع سے مراد احمد بن حنبل، سعید بن منصور خراسانی، عثمان بن ابی شیبہ اور یحیٰ بن معین ہیں، ان چار محدثین کا اجماع ہے۔

اب ضرورت ہے کسی اور اعتراض کی۔

دوسرا اعتراض کیا کہ امام بخاری نے کہا کہ سکتات امام میں قراءۃ کرے، وغیرہ وغیرہ جس کا تذکرہ پہلی دلیل کے ضمن میں آچکا ہے۔

(۳) تیسری دلیل: ابو ہریرہؓ کی حدیث عن خالد الأحمر عن محمد بن عجلان عن زید بن أسلم عن أبی صالح عن أبی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال: إذا قرأ فأنصتوا، أخرجه أبو داود والنسائی وابن ماجه

Maktaba Tul Ishaat.com

وابن أبي شيبة۔

اس روایت پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے اس لئے کہ اس روایت کے موصولاً ذکر کرنے میں ابو خالد احمر منفرد ہے، امام بخاری نے جزء القراءۃ میں لکھا ہے لم یتابع أبو خالد ولا أعلم أهذا من صحيح حديثه أم لا، قال أحمد: أراه كان يدلس، اسی طرح دیگر حضرات نے کلام کیا ہے، ابوداؤد کا دعوی ہے کہ یہ ابو خالد کا وہم ہے فإنه قال الوهم عندنا من أبي خالد، لیکن ان کا دعوی صحیح نہیں ہے۔

ابو خالد؛ ابن عجلان سے نقل کرنے میں منفرد نہیں ہے بلکہ اس کے چار متابع ہیں، ۱۔ ابو سعید محمد بن سعد انصاری اشہلی نے اس کی متابعت کی ہے وحديثه أخرجه النسائي والدارقطني اور یہ راوی ثقہ ہے وثقه النسائي وابن معين اور انہوں نے ابن عجلان سے یہ روایت سنی ہے، نسائی اور دار قطنی میں ان کے سماع کی تصریح موجود ہے، ۲۔ نیز ان کے دوسرے متابع حسان بن ابراہیم الکرمانی ہیں كما ذكر روايته البيهقي في كتاب القرأة وهو من رجال الصحيحين، ۳۔ ان کے تیسرے متابع اسماعیل بن ابان الغنوی ہیں وحديثه عند الدارقطني ولكنه ضعيف، ۴۔ اور چوتھے متابع ابی سعد محمد بن میسر صغانی ہیں، امام احمد اور دار قطنی نے یہ روایت بطریق أبي سعد محمد بن ميسر صغاني عن ابن عجلان عن أبيه عن أبي هريرة روایت کی ہے، لیکن ابن عدی کہتے ہیں هذا باطل أخطأ فيه أبو سعد الصغاني۔

اخیر کے دونوں راوی اسماعیل بن ابان اور محمد بن میسر ضعیف ہیں لیکن ضعاف کی روایت باب متابعت میں لی جاتی ہے، خصوصاً محمد بن میسر کی روایت امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کی ہے اور خصائص مسند کے بارے میں ابو موسی مدینی نے لکھا ہے کہ جو روایت مسند میں نہ ملے اسے قبول نہ کرو تو گویا یہ مقبول ہے۔

اب ابو خالد پر الزام نہ چل سکا تو پینترا بدل کر کہا کہ ابن عجلان کے تخالیط میں ہے، امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں هو من تخاليط ابن عجلان، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابن عجلان کو وہم ہوا ہے۔

لیکن ابن عجلان پر اگرچہ بعض علماء نے کلام کیا ہے مگر امام احمد اور یحی بن معین نے ان کی توثیق کی ہے، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں ابن عجلان كان ثقة مأمونا عندنا في الحديث، ان کی جن روایات پر کلام کیا گیا ہے وہ صرف وہ روایات ہیں جن کو سعید مقبری سے نقل کرتے ہیں، امام ترمذی نے علل صغری میں لکھا ہے کہ یحی بن سعید القطان ان کی سعید مقبری سے نقل کردہ روایات پر کلام کرتے تھے کیوں کہ ان کی مسموع وغیر

Maktaba Tul Ishaat.com

مسموع روایات مختلط ہوگئی تھیں اور یہ روایت سعید مقبری کی مرویات میں سے نہیں ہے۔

اور کسی کا ابو خالد احمر پر الزام لگانا اور کسی کا ابن عجلان پر الزام لگانا یہ خود اس بات کی طرف مشیر ہے کہ ان حضرات کے یہاں کوئی قطعی بات نہیں ہے سب اپنا اپنا ظن ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب رواۃ ثقہ ہیں تو ان کی روایت کی تصحیح کی جائے، چنانچہ امام مسلم نے صراحۃً اس کی تصحیح کی ہے اور امام احمد بن حنبل نے بھی اور ابو محمد بن حزم ظاہری، ابن عبد البر، منذری وغیرہم نے بھی۔

علامہ عینی نے شرح بخاری وغیرہ میں لکھا ہے کہ محدث ابن خزیمہ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، مجھے ابن خزیمہ کی تصحیح ابھی تک ان کی صحیح میں جس کا ایک حصہ چھپ چکا ہے نہیں ملی ممکن ہے کہ میری نگاہ ہٹ گئی ہو مگر میرا غالب گمان یہ ہے کہ علامہ صاحب ہی کو وہم ہوگیا۔

پھر ان تینوں دلائل کے کئی جوابات دیئے گئے۔

اول جواب یہ ہے کہ سکتاتِ امام میں قرأۃ کرلی جائے لہٰذا **فاقرأوا ما تيسّر من القرآن** اور **فاستمعوا له وأنصتوا** کے حکم میں کوئی تعارض نہیں رہے گا، یہ جواب امام بخاری اور ان کے متبعین نے دیا۔

اس پر یہ اشکال ہے کہ اولاً تو نماز کے اندر سکتات اتنے طویل نہیں جس میں قرأۃ کی جائے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں سکتات کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا نبی کریم ﷺ سکوت فرماتے بھی تھے یا نہیں؟ عمرانؓ انکار کرتے تھے اور سمرۃؓ اثبات کرتے تھے، ابی بن کعبؓ نے سمرۃؓ کی تائید اور توثیق فرمائی۔

دوسری بات یہ ہے کہ احادیث سے دو سکتے ثابت ہیں، ایک بعد التکبیر ثناء کے لئے جس کی ابوہریرۃؓ کی روایت میں تصریح ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا **إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ فِيهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ؟** آپ نے فرمایا **أَقُولُ: اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ، الخ الحديث**، اور دوسرا سکتہ ہوتا تھا فاتحہ کے بعد یا اختتام قرأۃ پر، روایات مختلف ہیں، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں دونوں طرح کی روایات آئی ہیں، بعض نے سکتہ بعد القرأۃ ہونے کو راجح قرار دیا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ بعد الفاتحہ ہوتا تھا۔

لیکن ابو بکر جصاص رازی حنفی اور علامہ ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ خفیف سا سکتہ بعد القرأۃ ہوتا تھا سانس لینے اور قرأۃ اور تکبیرِ رکوع میں فصل کرنے کے لئے۔

اور پھر یہ سکتات واجب نہیں ہے کیوں کہ ان کا وجوب کسی نص سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ امام

Maktaba Tul Ishaat.com

سکتہ نہ کرے تو مقتدی کہاں قرأۃ کرے گا؟ اور اگر سکتہ کر بھی لے تو ہو سکتا ہے کہ مقتدی سکتہ امام میں فارغ نہ ہو پائے کیوں کہ بہت سے مقتدی بطیئ القرأۃ اور بہت سے سریع القرأۃ ہوتے ہیں، اور قرأۃ علی وجہ الھذرمہ تو مکروہ ہے، اب اگر مقتدی کی قرأۃ رہ گئی تو امام کے ساتھ منازعت پائی جائے گی۔

قاضی ابو بکر بن العربی المالکی فرماتے ہیں کہ اگر امام سے پہلے قرأۃ کرتا ہے تو حکمِ ائتمام کی مخالفت لازم آتی ہے اور اگر امام کے ساتھ قرأۃ کرتا ہے تو منازعت مع الامام لازم آتی ہے اور اگر امام کے بعد قرأۃ کرتا ہے تو لازم آئے گا کہ امام کسی حال وشان میں ہو اور مقتدی کسی حال وشان میں۔

(۲) دوسرا جواب امام بخاری نے دیا کہ سورۂ فاتحہ و أنصتوا کے امر سے مستثنیٰ ہے، لیکن اس جواب کی بنیاد یہ ہے کہ ان کے ذہن میں یہ متعین ہے کہ فاتحہ کی قرأۃ بہر حال ضروری ہے اور یہی محل نزاع ہے۔

(۳) امام بیہقی فرماتے ہیں ممکن ہے کہ انصات کا معنیٰ ترک الجہر ہو اور مطلب یہ ہو کہ جہراً قراءۃ نہ کرے بلکہ سرّاً قرأۃ کی جائے، اور دلیل میں انہوں نے ابوہریرہؓ کی روایت بالإسکاتک بَیْنَ التَّکْبِیرِ وَالْقِرَاءَةِ الخ پیش کی ہے۔

(۴) امام ابو بکر جصاص رازی فرماتے ہیں کہ اس پر سکوت کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے جیسا کہ کفار کو صُمٌّ وَبُکْمٌ قرآن میں کہا ہے۔

(۵) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے جواب دیا کہ اصل میں ماقبل کے لحاظ سے اس کو اسکات کہہ دیا گیا کہ پہلے تکبیر تحریمہ بالجہر ہوتی ہے اور اس کے بعد جہر نہیں ہوتا ہے اس پر سکوت کا اطلاق کر دیا گیا، اس جواب کا خلاصہ بھی وہی ہے جو امام جصاص نے دیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) چوتھی دلیل: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ، رواہ الشیخان۔

نبی کریم ﷺ نے امام و مقتدی کے وظیفے تقسیم کر دیئے امام تو غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہے گا اور مقتدی آمین کہے گا، اسی روایت کے بعض طرق جو بخاری کتاب الدعوات اور مسلم میں ہے إذا قال القارئ وارد ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل قاری امام ہے، بعض علماء نے اسی طرح سے اس روایت سے اس مسئلہ

Maktaba Tul Ishaat.com

پر استدلال کیا ہے، ولکنہ لیس بنص۔

(۵) پانچویں دلیل: ابن اکیمہ لیثی کی روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنْ صَلاةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ: هَلْ قَرَأَ مَعِي أَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا؟ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ، قَالَ: فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِينَ سَمِعُوا ذٰلِكَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ۔

أخرجه مالک وعبد الرزاق والشافعي وأحمد بن حنبل وابن أبي شيبة وأصحاب السنن الأربعة والبخاری فی جزء القرأة ویعقوب بن سفیان فی تاریخه والطحاوی من طریق ابن أکیمة اللیثی، قال الترمذی: هذا حدیث حسن۔

پہلا اعتراض: اس پر یہ کیا گیا ہے کہ ابن اکیمۃ اللیثی مجہول ہے، حضرت امام نووی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے کیوں کہ ابن اکیمۃ اللیثی مجہول ہے، عبد ضعیف کہتا ہے کہ حمیدی و بیہقی اور ابن حزم نے اسی طرح اس کو مجہول قرار دیا ہے۔

اس کا جواب: جہالت کی دو قسمیں ہیں، جہالۃ العین اور جہالۃ الوصف، جہالۃ العین دو یا دو سے زائد ثقات کی روایات کرنے سے مرتفع ہو جاتی ہے جیسا کہ محمد بن یحیٰ الذہلی اور دار قطنی وغیرہ نے تصریح کی ہے، اور جہالۃ الوصف کسی امام فن کی تخریج یا توثیق کرنے سے مرتفع ہو جاتی ہے، یہ شخص دونوں اعتبار سے مجہول نہیں ہے۔

امام مسلم اور بزار نے اگرچہ یہ دعوی کیا ہے کہ ابن شہاب زہری کے علاوہ کوئی اور ان سے روایت نہیں کرتا لیکن امام ابوحاتم بن حبان بستی نے ان کا نام کتاب الثقات میں درج کرنے کے بعد لکھا ہے روی عنه الزهری وسعيد بن أبي هلال اور یہ دونوں ثقہ راوی ہیں، ان کا نام بعض عمار اور بعض عُمارہ بتاتے ہیں کما هو مذکور فی کتب الرجال کتهذیب التهذیب وغیرہ، تہذیب التہذیب میں لکھا ہے قال الدوری عن یحی بن سعید ثقة وقال یعقوب بن سفیان وهو من مشاهیر التابعین بالمدینة وقال أبو حاتم هو صحیح الحدیث مقبول وقال ابن معین کفاک قول الزهری سمعت ابن أکیمة یحدث سعید بن المسیب، حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ ابن اکیمہ کے لئے بڑے فخر کی بات ہے کہ وہ ایسی مجلس میں حدیث بیان کریں

Maktaba Tul Ishaat.com

جہاں ابن مسیب جیسے لوگ موجود ہوں اور وہ ان کے کلام کی طرف ملتفت اور متوجہ ہوں۔

امام ابو حاتم بن حبان بستی نے یہ حدیث اسی سند سے اپنی کتاب الانواع والتقاسیم میں جس کو صحیح ابن حبان کہا جاتا ہے ذکر کی ہے اور اس کی تصحیح کی ہے، اور امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں امام ابو حاتم رازی سے بھی اس کی تصحیح نقل کی ہے، لہذا کہاں اس کے ضعف پر اتفاق رہا حالانکہ امام ترمذی نے اس کی تحسین بھی کی ہے۔

دوسرا اعتراض: امام بخاری، ابوداؤد، محمد بن یحی ذہلی، یعقوب بن سفیان، ابن حبان، ابو سلیمان خطابی وغیر ہم فرماتے ہیں کہ **فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ الْإِمَامُ** امام زہری کا قول ہے۔

اس کا جواب: یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے یہ روایت اپنے متعدد مشائخ سے نقل کی ہے اور پھر ان کے الفاظ کا اختلاف نقل کیا ہے **قَالَ مُسَدَّدٌ فِي حَدِيثِهِ قَالَ مَعْمَرٌ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِيمَا جَهَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وَقَالَ ابْنُ السَّرْحِ فِي حَدِيثِهِ قَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَانْتَهَى النَّاسُ، وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ مِنْ بَيْنِهِمْ قَالَ سُفْيَانُ وَتَكَلَّمَ الزُّهْرِيُّ بِكَلِمَةٍ لَمْ أَسْمَعْهَا فَقَالَ مَعْمَرٌ إِنَّهُ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ**، مسدد کی حدیث میں تو فَانْتَهَى النَّاسُ معمر کا قول ہے اور عبد اللہ بن محمد زہری کی حدیث میں ابن شہاب زہری کا قول ہے، لیکن ابو الطاہر بن السرح کی حدیث میں ابو ہریرہؓ کا قول قرار دیا گیا ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ ابن شہاب جیسے پوری روایت نقل کرتے ہیں حدیث کا بقیہ بھی بالسند صحابی سے نقل کیا، اور ایسا ہوتا بھی ہے۔

امام بخاری (۶۰۰/۲) نے ایک حدیث سفیان بن عیینہ کے طریق سے نقل کی انہوں نے ابن شہاب زہری سے اور آگے فرمایا **ثبتني معمر** معمر نے میری تثبیت کی ہے، مطلب یہ ہے کہ میں نے روایت تو استاذ سے سنی ہے لیکن میرے ساتھی معمر نے اس کو پوری طرح سے مجھے بتایا، یہاں بھی صورت حال بظاہر یہی ہوئی ہوگی کہ ابن شہاب زہری سے اصل روایت سنی لیکن تثبیت دوسرے نے کی ہے۔

اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ ابن شہاب زہری ہی کا قول ہے تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ابن شہاب زہری کا قول ہونا تو اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے اور صحابۂ کرام صلوات جہریہ میں قراۃ نہیں کرتے تھے اس لئے کہ ابن شہاب زہری سنت نبویہ علی صاحبہا افضل التحیہ کے سب سے بڑے واقف تھے **لأنه أعلم الناس بالسنة**، سنت کے سب سے بڑے عالم ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسرا اعتراض: بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ فَانْتَهَى النَّاسُ کے معنی یہ ہے کہ لوگوں نے

Maktaba Tul Ishaat.com

جہری نماز میں جہری قرأۃ چھوڑ دی، سرّی قرأۃ کرنے لگے۔

مگر یہ کس قدر رکیک توجیہ ہے، بھلا حضرات صحابہ کرام حضور ﷺ کے پیچھے جہری قرأۃ کر سکتے ہیں یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے؟ ہرگز نہیں، نیز اسی روایت کے بعض طرق میں واقع ہوا ہے **وقرأوا في أنفسهم سرًّا فيما لايجهر فيه الإمام كذافي جزء القرأة للبخاري** (ص ۱۸)، اس سے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ اس کے بعد انہوں نے مطلقاً قرأۃ چھوڑ دی تھی اور سریہ میں صرف سرًّا پڑھتے تھے۔

چوتھا اعتراض: اور بعضوں نے ایک توجیہ اور کی، حمیدی فرماتے ہیں کہ یہ مافوق الفاتحہ پر محمول ہے، امام بخاری نے جزء القرأۃ میں بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے، اس کی دلیل حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز پڑھی، ایک آدمی نے آپ کے پیچھے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ شروع کر دی، فراغت کے بعد آپ نے فرمایا أَيُّكُمْ قَرَأَ؟ صحابہ نے عرض کیا ایک آدمی نے، آپ نے فرمایا قَدْ عَرَفْتُ أَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيهَا۔

لیکن اس حدیث کو اس بات کا قرینہ بنانا کہ آنحضرت ﷺ کا جو قصہ ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں اس میں بھی زائد علی الفاتحہ پر نکیر کی گئی تھی بعید ہے، یہ دونوں واقعے بالکل الگ الگ ہیں، اصل میں ان حضرات کے ذہن میں یہ جم گیا ہے کہ بہرحال فاتحہ تو متعین ہے لہذا ہر وہ روایت جو اس کے خلاف ان کو نظر آتی ہے اس کی تاویل شروع کر دیتے ہیں چاہے کتنی ہی بعید ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور بیہقی کی کتاب القرأۃ کے بعض الفاظ میں وارد ہوا ہے **قرأنا مع رسول الله ﷺ في صلوة يجهر فيها بأم القرآن**، لوگوں نے آپ کے پیچھے ام القرآن زور سے پڑھ دیا تھا، معلوم ہوا کہ نکیر ام القرآن پڑھنے پر ہوئی تھی، مازاد علی ام القرآن پڑھنے پر نکیر نہیں کی گئی تھی۔

پانچواں اعتراض: امام حمیدی فرماتے ہیں کہ ابن اکیمۃ اللیثی کی حدیث منسوخ ہے اس کے لئے ناسخ ابوہریرہؓ کی وہ دوسری روایت ہے جو امام مسلم وغیرہ نے تخریج کی ہے جس میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ تلمیذ نے یہ کہہ دیا کہ میں بعض اوقات امام کے پیچھے ہوتا ہوں تو حضرت ابوہریرہؓ نے ارشاد فرمایا **اقرأ بها في نفسك** اپنے جی میں تم پڑھ لیا کرو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کا جواب: یہ ہے کہ نسخ کا دعوی اس وقت صحیح ہو سکتا تھا جبکہ جمع بین الروایات ممکن نہ ہو اور جہاں ممکن ہے مثلاً ابو ہریرۃؓ کی حدیث فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَأةِ جہریہ سے متعلق ہو جیسا کہ پورا سیاق دلالت کرتا ہے اور انہوں نے اقرأبها في نفسك کا حکم سری نماز میں دیا ہے اور بظاہر یہی ہے بھی وہاں دعوی نسخ کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ امام بیہقی نے حضرت عائشہؓ اور ابو ہریرۃؓ سے روایت کیا ہے کہ دونوں غیر جہری نماز میں قرأۃ خلف الامام کا حکم دیتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں یہ حکم نہیں دیتے تھے۔

(۶) چھٹی دلیل: حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے جو امام مسلم، ابوداؤد وغیرہما حضرات نے اپنی کتابوں میں درج کی ہے قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ فَقَالَ: أَيُّكُمْ قَرَأَ خَلْفِي بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى؟ فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا وَلَمْ أُرِدْ بِهَا إِلَّا الْخَيْرَ، قَالَ: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيهَا۔

بیہقی اور ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جہر پر نکیر کی تھی۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ حضور نے أيكم جهر نہیں فرمایا أيكم قرأ فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکیر نفس قرأۃ پر تھی، لیکن اس کے باوجود بیہقی اور ابن عبد البر کا جواب بعید نہیں ہے اس لئے کہ لفظ قرأ گاہے جهر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جہر ہی کی وجہ سے تو حضور کو قرأۃ کا علم ہوا تھا۔

(۷) ساتویں دلیل: وہ مشہور حدیث جس سے عام طور سے استدلال کیا جاتا ہے یعنی حدیث مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهُ۔

اس حدیث کے متعلق عام طور پر محدثین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ روایت بجمیع طرقہا معلول و متکلم فیہ ہے، قال البخاری فی جزء القرأة (ص ٦) هذا خبر لم يثبت عند أهل العلم من أهل الحجاز وأهل العراق لإرساله وانقطاعه، وقال ابن حجر فی التلخيص (١/٢٣٢) مَشْهُورٌ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ وَلَهُ طُرُقٌ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَكُلُّهَا مَعْلُولَةٌ، وقال ابن المنذر (١٠٣/٣) لاتثبت، وقال المجد بن تيمية فى المنتقى (١/٣٩١) وقد روى مسندا من طرق كلها ضعاف، والصحيح أنه مرسل۔

اس کا جواب: لیکن اس کے بعض طرق ایسے ہیں جن کی سند صحیح ہے اور اگر بالفرض کوئی صحیح نہ مانے تو تعدد طرق کے بعد اس کے تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

امام احمد بن منیع اپنی مسند میں فرماتے ہیں أخبرنا إسحاق الأزرق قال حدثنا سفیان و شریک عن موسی بن أبی عائشة عن عبد اللہ بن شداد عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ من کان له إمام فقرأة الإمام قرأة له، علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں یہ روایت اسی سند سے درج کرنے کے بعد یہ لکھا ہے هذا إسناد صحیح علی شرط الشیخین، کذا نقله الکشمیری فی فصل الخطاب، ویؤیده ما ذکره الحلبی فی الکبیر (ص ۵۲٦) ولم أجده فی فتح القدیر و الظاهر أن فیه سقوطا۔

یہی حدیث امام محمد نے مؤطا (ص۹۸) میں اپنی سند سے درج کی ہے فرماتے ہیں أخبرنا الإمام أبو حنیفة قال حدثنا أبو الحسن موسی بن أبی عائشة عن عبد اللہ بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبد اللہ عن النبی ﷺ أنه قال من صلّی خلف الإمام فإن قرأة الإمام له قرأة۔

امام دار قطنی نے یہ حدیث اپنی سند سے بطریق امام ابو حنیفہ والحسن بن عمارۃ روایت کی ہے اور پھر لکھا ہے کہ اس کو موصولاً سوائے ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ کے کوئی بھی نقل نہیں کرتا ہے وهما ضعیفان۔

دار قطنی نے ضعیف کا جو الزام حسن بن عمارہ پر لگایا ہے یہ تو ایک مشہور چیز ہے، لیکن امام ابو حنیفہ کو ضعیف کہنا امام دار قطنی کا تعنّت ہے، یحی بن معین، علی بن مدینی وغیر ہم نے امام ابو حنفیہ کی توثیق و تائید کی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ابو حنیفہ کے انفراد کا دعوی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ احمد بن منیع کی روایت میں سفیان اور شریک بھی جابر کا واسطہ ذکر کرتے ہیں جیسے امام ابو حنیفہ ذکر کرتے ہیں۔

لیکن میری تحقیق یہ ہے کہ اسحاق ازرق عام طور سے اسانید اور متون کو کچھ نہ کچھ انفرادی حیثیت سے ذکر کر دیا کرتے ہیں۔

یہی اسحاق ازرق ابوہریرہؓ کی اس روایت کی سند میں واقع ہوئے ہیں جس میں ولوغِ کلب سے تین مرتبہ دھونے کا تذکرہ مرفوعاً ہے حالانکہ محدثین اس کے رفع کو تسلیم نہیں کرتے، یہی اسحاق ازرق ایک دوسری سند میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں من أشرک باللہ فلیس بمحصن اس کو بھی محدثین موقوف کہتے ہیں۔

اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ یہی حدیث ابن ابی شیبہ نے شریک سے روایت کی لیکن عبد اللہ بن شداد کے بعد جابر کو ذکر نہیں کیا، فرماتے ہیں حدثنا شریک و جریر عن موسی بن أبی عائشة عن عبد اللہ بن شداد قال قال رسول اللہ ﷺ من کان له إمام فقرأته له قرأة، بہر حال عام رواۃ یہ روایت نقل کرتے ہیں تو جابر کا واسطہ نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

لاتے ہیں، امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے حضرات یہ واسطہ ذکر کرتے ہیں۔

اگر واسطہ ثابت ہو تب تو کوئی اشکال ہے ہی نہیں اور واسطہ ثابت نہ ہو تب بھی کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ عبد اللہ بن شداد صغارِ صحابہ میں ہیں، نبی کریم ﷺ کی رؤیت ان کو حاصل ہے اگرچہ روایت حاصل نہیں، روایت کے اعتبار سے یہ کبارِ تابعین میں سے ہیں، حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو مرسلاً روایت کرنے والے اکابر تابعین میں سے ہیں اور ایسی مرسل سے باتفاق ائمۂ اربعہ احتجاج کیا جاتا ہے اور امام شافعی نے اس جیسی مرسل روایت سے احتجاج کے جواز پر تصریح کی ہے۔

اور اس کی اور بھی بعض اسانید ہیں، امام احمد (۲/۳۳۹) **حدثنا أسود بن عامر قال حدثنا حسن بن صالح عن أبي الزبير عن جابر عن النبي ﷺ من كان له إمام فقرأته له قرأة۔**

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ ابو الزبیر سے حسن بن صالح کا سماع ثابت نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابو الزبیر کی وفات سن ۱۲۸ ہجری میں ہوئی ہے اور حسن بن صالح کی ولادت سن ۱۰۰ ہجری میں ہے اور وفات سن ۱۶۷ ہجری میں ہے ۶۷ سال کی عمر میں، تو ابو الزبیر کی زندگی کے اٹھائیس سال پائے ہیں لہٰذا ان کا ابو الزبیر سے سماع ممکن ہے۔

یہی حدیث ابن ابی شیبہ نے عن مالک بن اسماعیل عن حسن بن صالح روایت کی ہے، اور محقق ابن ہمام نے لکھا ہے کہ یہی حدیث عبد بن حمید نے عن ابی نعیم عن حسن بن صالح عن ابی الزبیر روایت کی ہے، لیکن عبد بن حمید کی اس سند کے متعلق ابن ہمام کے تلمیذ علامہ قاسم بن قطلوبغا ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ (ابن ہمام) کے نسخہ سے حسن بن صالح کے بعد جابر جعفی کا واسطہ ساقط ہو گیا ہے اسی لئے اس سند کو علی شرط مسلم قرار دے دیا، مگر محقق ابن ہمام سے جب اس مسئلہ میں مراجعت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو حافظ بوصیری کے خط سے اسی طرح نقل کیا ہے، ان کی کتاب سے جس میں مسانید کو جمع کیا ہے میں نے اس کے متعلق ان سے سوال کیا، اور حافظ بوصیری نے اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر سے مذاکرہ کیا اور جوں ہی سند بیان کی متن پڑھنے سے پہلے حافظ ابن حجر بول اٹھے **هذا رائحة حديث من كان له إمام فقرأة الإمام له قرأة**، حافظ بوصیری حافظ ابن حجر کی شدتِ ذکاوت سے تعجب کرنے لگے۔

عبد ضعیف کہتا ہے مسند عبد بن حمید کا ایک قلمی نسخہ پٹنہ میں ہے اور اس کی ایک نقل ندوۃ العلماء میں ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

اس نسخہ میں جابر جعفی کا واسطہ موجود ہے میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے، اور جابر جعفی متروک راوی ہے لہذا یہ سند غیر معتبر ہوگی۔

اصل بات یہ ہے کہ حسن بن صالح کے تلامذہ میں اختلاف ہے، اسود بن عامر اور مالک بن اسماعیل؛ حسن بن صالح اور ابوالزبیر کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے ہیں، لیکن ابونعیم، عبید اللہ بن موسیٰ، احمد بن یونس؛ جابر جعفی کا واسطہ ذکر کرتے ہیں، ابونعیم کی روایت مسند عبد بن حمید اور کتاب القرأۃ للبیہقی (ص ۱۵۵) میں ہے، عبید اللہ بن موسیٰ کی روایت سنن ابن ماجہ میں اور احمد بن یونس کی روایت معانی الآثار للطحاوی اور کتاب القرأۃ للبیہقی (ص ۱۸۲) میں ہے، اسحاق بن منصور السلولی، یحیی بن ابی بکیر؛ جابر جعفی اور لیث بن ابی سلیم دو کا واسطہ ذکر کرتے ہیں، اسحاق بن منصور سلولی کی روایت طحاوی اور دار قطنی اور بیہقی نے اور یحیی بن ابی بکیر کی روایت دار قطنی اور بیہقی نے نقل کی ہے۔

لیث بن ابی سلیم اگرچہ ضعیف راوی ہے لیکن اس کی روایات سے استشہاد کیا جاسکتا ہے، حضرت امام مسلم نے ان سے استشہاد کیا ہے اور طبقۂ ثانیہ میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے فَإِنَّ اسْمَ السَّتْرِ وَالصِّدْقِ وَتَعَاطِي الْعِلْمِ يَشْمَلُهُمْ كَعَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَيَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ وَلَيْثِ بْنِ أَبِي سُلَيْمٍ وَأَضْرَابِهِمْ مِنْ حُمَّالِ الْآثَارِ وَنُقَّالِ الْأَخْبَارِ، واللہ تعالی أعلم۔

بہر حال اس روایت سے عام احناف نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ سرّی اور جہری نمازوں میں مقتدی قرأۃ نہیں کرے گا اس لئے کہ امام کی قرأۃ اس کے حق میں قرأۃ ہے۔

لیکن حضرات حنابلہ فرماتے ہیں اس حدیث کا تعلق جہری نمازوں سے ہے کیوں کہ جہری میں امام کی آواز مقتدی تک پہنچتی ہے تو اس کا یہ استماع قرأۃ کے قائم مقام ہو جائے گا اور سرّی نماز میں امام کی آواز نہیں آتی لہذا اس میں امام کی قرأۃ مقتدی کی قرأۃ نہیں ہے اور نہ اس میں استماع وانصات کا حکم ہے، بلکہ اس میں تو اولیٰ واحوط یہ ہے کہ مقتدی قرأۃ کرلے۔

یہی بہت سے احناف کا مسلک ہے، حنفیہ میں امام محمد سے منقول ہے اور صاحب مقدمہ غزنویہ کہتے ہیں وھو قول أبي حنيفة الأول، علامہ شعرانی نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کا قول اخیر ہے جس کی طرف انہوں نے رجوع کیا ہے، اب اگر یہ ثابت ہو جاتا تو پھر اتنی لمبی چوڑی بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن

Maktaba Tul Ishaat.com

حنفیہ کی کتابوں میں کہیں یہ رجوع منقول نہیں ہے، علماء احناف میں سے ابو حفص کبیر، شیخ نظام الدین ہروی، مجدد الف ثانی، ملا علی قاری، علامہ ابوالحسن سندی، علامہ حسن بن علی العجیمی اور علامہ محمد رشید جونپوری صاحب رشیدیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے وھذا آخر المقال۔

واللہ تعالی أعلم وعلمہ أتم وأحکم

حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: اہل کوفہ نے حضرت سعدؓ کی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا امیر مقرر کیا تھا جب ان کا شکوہ کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر کے حضرت عمارؓ کو نماز کا ذمہ دار، ابن مسعودؓ کو بیت المال کا اور عثمان بن حنیفؓ کو مساحتِ ارض کا ذمہ دار بنا دیا، مگر چونکہ حدیث کا تعلق نماز سے ہے اس لئے روایت میں صرف عمارؓ کا تذکرہ کیا گیا۔

فَشَكَوْا حَتَّى ذَكَرُوا لَهُ: حضرت عمرؓ نے فوراً اس لئے معزول کر دیا تاکہ کہیں اور زیادہ اختلاف نہ پیدا ہو جائے اور فتنہ وسیع نہ ہو جائے یہ ان کی دور اندیشی تھی۔

فَشَكَوْا: یہ اسی شکوہ کا بیان ہے۔

ذَكَرُوا أَنَّهُ لَا يُحْسِنُ يُصَلِّي: یہاں تک کہہ ڈالا کہ وہ نماز بھی اچھی طرح پڑھنا نہیں جانتا ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو بلوایا اور پوچھا کہ یہ لوگ کہتے ہیں أَنَّكَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّي تم اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا پاتے ہو، تو اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا أَمَّا أَنَا فَوَاللَّهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا أَخْرِمُ عَنْهَا، میں ان کو حضور کی نماز پڑھاتا تھا اس میں کوئی نقص اور کمی نہ کرتا تھا۔

أُصَلِّي صَلَاةَ الْعِشَاءِ: اسی طرح تمام نسخ بخاری میں یہاں پر واقع ہوا ہے بالفتح والمد، اور جرجانی کی روایت میں عَشِيَّ کا لفظ واقع ہوا ہے۔

فَأَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأُخِفُّ فِي الْأُخْرَيَيْنِ: میں اولیین میں رکود کرتا تھا یعنی وقوف کرتا تھا قیام طویل ہوتا تھا اور اخریین میں خفیف قیام کرتا تھا، اس حدیث سے بعض حضرات نے اس بات پر استدلال کیا کہ قراۃ صرف اولیین میں ہوگی اخریین میں نہیں، لیکن اس کا حال معلوم ہو چکا۔

قَالَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ: فرمایا آپ کے ساتھ یہی گمان ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

یہ ابواسحاق: حضرت سعدؓ کی کنیت ہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اس اعتراض کی تحقیق کرائی، کوفہ کچھ آدمیوں کو روانہ کیا ہر مسجد میں انہوں نے تفتیش کی اور سب لوگ ثناخوانی کرتے تھے، بنو عبس کی ایک مسجد تھی اس میں ایک آدمی کھڑا ہوا جو ابوسعدہ اسامہ بن قتادہ کہلاتا تھا اس نے کہا جب تم قسم ہی دے کے پوچھ رہے ہو تو سنو! سعد میں تین خرابیاں ہیں، فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ یعنی یہ آدمی جہاد میں نہیں نکلتا ہے، غنائم کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتا ہے اور جب کوئی مقدمہ آجائے تو عدل نہیں کرتا ہے، حضرت سعدؓ بھی موجود تھے، فرمانے لگے اچھا تو میں تینوں کے مقابلہ میں تیرے حق میں تین دعائیں دیتا ہوں پھر تینوں دعا کی یا اللہ! اگر تیرا یہ بندہ ریا وسمعہ کے لئے کھڑا ہوا ہے اور جھوٹ کہہ رہا ہے تو اس کی عمر دراز کردے، اس کا فقر طویل کردے اور اس کو فتنوں میں مبتلا کردے، اور یہی ہوا بھی اور کہتا تھا کہ مجھے سعد کی بددعا لگ گئی۔

وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ: بچیاں راستوں میں سے گزرتیں ان کو چونٹی بھرا کرتا تھا۔

امام اسماعیلی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے، اس سے وجوبِ قراۃ ثابت نہیں ہوتا۔

ابن بطال، کرمانی وغیرہما فرماتے ہیں کہ أَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ سے ترجمہ ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ یہ رکود چاہتا ہے اس بات کو کہ قراۃ ہوتی ہو اور اس کے ساتھ اگر صلّوا کما رأیتمونی أصلّی ملایا جائے تو مدعی بالکل صاف ہوجاتا ہے، اور أَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَخِفُّ فِي الْأُخْرَيَيْنِ یہ جہریہ وسریہ دونوں کو شامل ہے اور حضر وسفر بھی اس کے عموم میں داخل ہے، نیز سارے ترجمہ کا ایک ہی روایت سے ثابت ہونا ضروری نہیں، بعض اجزاء اس سے ثابت ہوئے ہیں اور بعض اجزاء دیگر روایات مذکورہ فی الباب سے ثابت ہوں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ١٠٥) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ

٧٥٧. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَعْدٌ: كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلَاتَي الْعِشَاءِ لَا أَخْرِمُ عَنْهَا، كُنْتُ أَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، فَقَالَ عُمَرُ: ذَلِكَ الظَّنُّ بِكَ.

٧٥٨. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، يُطَوِّلُ فِي الْأُولَى وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ وَيُسْمِعُ الْآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الْأُولَى، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ.

٧٥٩. حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَارَةُ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: سَأَلْنَا خَبَّابًا أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ.

ترجمہ: باب، ظہر کی نماز میں قراءۃ کا بیان۔

حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو شام کی دونوں نمازیں، رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح پڑھاتا تھا، اس میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا، پہلی دونوں رکعتوں میں دیر تک ٹھہرتا تھا اور آخر کی دونوں رکعتوں میں تادیر ٹھہرنے کو چھوڑ دیتا تھا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمارا آپ کے بارے میں یہی حسن ظن ہے۔

حضرت ابو قتادہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھا کرتے تھے، پہلی رکعت کو طول دیتے تھے اور دوسری رکعت میں اختصار فرماتے تھے اور کبھی کبھی آیت سنا دیتے تھے اور عصر کی نماز میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور پہلی رکعت کو طول دیتے تھے اور فجر کی نماز میں پہلی رکعت کو طول دیتے تھے اور دوسری میں اختصار کرتے تھے۔

حضرت ابو معمرؒ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت خبابؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں قراۃ کرتے تھے؟

Maktaba Tul Ishaat.com

فرمایا! ہاں، ہم نے کہا کہ آپ لوگ کس چیز سے اس بات کو پہچانتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ لحیۂ مبارک کی مسلسل حرکت سے!

تشریح: حضرت امام بخاری نے اول تو قرأۃ کے متعلق ایک جامع باب ذکر کرکے یہ بتلادیا کہ نفس قرأۃ فی الصلوۃ واجب اور ہر مصلی پر واجب اور ہر نماز میں واجب ہے، اب اس کے بعد الگ الگ نمازوں میں قرأۃ کی تفصیلات اور اس کے متعلق تراجم منعقد کرتے ہیں۔

یہاں ایک ترجمہ منعقد کیا ہے بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ اور اس کے بعد دوسرا ترجمہ منعقد کیا ہے بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ، ان دونوں ترجموں کی غرض یا تو یہ بتلانا ہے کہ صلوۃ سریہ میں قرأۃ ہے اور سوید بن غفلہ کا رد کرنا ہے جو صلوۃ سریہ میں قرأۃ کا انکار کرتے ہیں، یا مقروء کی تقدیر یا اس کی تعیین بتلانا چاہتے ہیں یعنی صلوۃ ظہر وعصر میں کتنی قرأۃ ہوگی یا کیا چیز پڑھی جائے گی؟ یہ دو احتمال ہیں ان میں سے احتمال اول ہی راجح ہے۔

لَا أَخْرِمُ عَنْهَا: أی لا أنقص عنها۔

أَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ: یہ وہ لفظ آگیا اور أحذف سے مراد حذفِ تطویل ہے حذفِ اصل قرأۃ نہیں ہے، گویا مطلب یہ ہے أحذف الرکود یعنی میں رکود کو حذف کرتا ہوں۔

اور علامہ عینی وغیرہ نے جو اس سے استدلال کرلیا کہ اخریین میں قرأۃ واجب نہیں ہے یہ استدلال فی غیر محلہ اور غلط ہے، البتہ ہمارے فقہاء نے عدم وجوب قرأۃ فی الاخریین پر حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ان آثار سے استدلال کیا ہے جو امام ابی شیبہ نے نقل کئے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: بعض احناف نے ابو قتادہؓ کی اس روایت سے اس بات پر استدلال کرلیا کہ اخریین میں قرأۃ واجب نہیں ہے، لیکن عدم الذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے، یہی روایت آئندہ آنے والی ہے اس میں اخریین میں بھی قرأۃ کا تذکرہ ہے۔

قَالَ بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ: اس میں اشکال ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اضطراب لحیہ ذکر کی وجہ سے ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے محض لفظ پر اعتماد نہیں کیا بلکہ ابو قتادہؓ کی روایت بالا کو قرینہ بنایا ہے، گویا ابو قتادہؓ کی روایت ملانے کے بعد یہ بات نکلتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اضطراب لحیہ کا حضرت خبابؓ جو ذکر کررہے ہیں اس سے مراد وہ اضطراب قرأۃ ہی کی وجہ سے ہوتا تھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۱۰۵) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ

۷۶۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قُلْتُ لِخَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ قِرَاءَتَهُ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ.

۷۶۱. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ سُورَةٍ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا.

ترجمہ: باب، عصر کی نماز میں قراۃ کا بیان۔

(دونوں روایت کا ترجمہ اوپر گزر چکا)

تشریح: ابھی بتاچکا کہ عصر میں ظہر کی طرح قراۃ ہوگی اور سوید بن غفلہ کی تردید مقصود ہے۔

(ص ۱۰۵) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ

۷۶۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أُمَّ الْفَضْلِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا﴾ فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ، لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَاءَتِكَ هَذِهِ السُّورَةَ، إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ.

۷۶۳. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ: قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَا لَكَ تَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ؟ وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ بِطُولِ الطُّولَيَيْنِ.

ترجمہ: باب، نماز مغرب میں قراۃ کا بیان۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ام الفضلؓ نے ابن عباسؓ کو وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا بیٹا! تم نے اس سورت کی قرأۃ کر کے مجھے یاد دلا دیا، بے شک یہ وہ سورت ہے جسے میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مغرب کی نماز میں سب سے آخر میں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

مروان بن حکم سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کیا بات ہے کہ تم مغرب میں قصار مفصل پڑھتے ہو اور بے شک میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دو لمبی سورتوں میں سے زیادہ لمبی سورت کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے پہلے تو قرأۃ فی المغرب کا ترجمہ منعقد کیا ہے اور پھر جہر فی المغرب کا، اول کا تعلق ذاتِ قرأۃ سے ہے اور دوسرے کا صفتِ قرأۃ سے ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مقدار قرأۃ کو بیان کیا ہے نفس قرأۃ اس باب میں مقصود نہیں اس لئے کہ یہ تو جہری نماز ہے، لیکن اس میں کیا استعجاب ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے اس باب سے ذاتِ قرأۃ کو ثابت کیا ہو اور اگلے باب سے صفتِ قرأۃ کو ثابت کیا ہو، اور مقصد مصنف کا یہ ہے کہ جیسے ظہر و عصر میں قرأۃ ہوگی ایسے ہی مغرب میں بھی ہوگی اور بَابُ الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ کے ترجمہ سے یہ بتلا دیا کہ مغرب میں جہری قرأۃ ہوگی۔

إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسجد میں آخری نماز جو اپنی زندگی میں ادا کی ہے وہ مغرب کی نماز ہے، لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ظہر کی نماز مسجد میں ادا کرنے کے بعد دوسری نماز مسجد میں ادا کرنے کے لئے تشریف نہیں لائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ نماز مسجد میں نہیں بلکہ مکان میں ہوئی تھی جیسا کہ مسند احمد، نسائی اور طحاوی وغیرہ میں یہ تصریح ہے، اور یہ جو ترمذی شریف میں اسی حدیث میں وارد ہوا ہے خرج إلينا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وهو عاصب رأسه فی مرضه فصلى المغرب حافظ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خروج من موضع الرقود إلى موضع الصلوۃ ہے، علامہ انور شاہ کشمیری اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ یہ نماز مسجد میں ادا ہوئی ہے۔

قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مروان بن حکم سے زید بن ثابتؓ نے یوں فرمایا کہ مَا لَكَ تَقْرَأُ فِي

Maktaba Tul Ishaat.com

اَلْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ مغرب میں تم قصار مفصل کیوں پڑھتے ہو حالانکہ میں نے حضور پاک ﷺ کو مغرب میں طولی الطولیین پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

طولیٰ اطول کا مؤنث ہے اور طولیین طولیٰ کا تثنیہ ہے، طولی الطولیین سے مراد سورۂ اعراف ہے اور دوسرے طولیٰ کون سی سورت ہے اس میں تین قول ہیں، ۱۔ المٓمٓصٓ، ۲۔ مائدہ، ۳۔ أنعام۔

أنعام کی روایات محفوظ ہیں تو گویا طولیین کا مصداق اعراف اور أنعام ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ مغرب میں اتنی طویل سورتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

امام بخاری نے تین روایتیں ذکر کی ہیں، ایک ابن عباسؓ کی، دوسری زید بن ثابتؓ کی اور تیسری روایت آگے آرہی ہے جبیر بن مطعمؓ کی، ابن عباسؓ کی روایت میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مغرب میں والمرسلات پڑھی ہے، یہ روایت ابن عباسؓ اپنی والدہ ام الفضلؓ سے نقل کرتے ہیں، زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے مغرب میں سورۂ طور پڑھی ہے۔

اتنی طویل سورتیں مغرب میں پڑھی جائیں گی یا نہیں؟ اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے، ظاہریہ کہتے ہیں کہ جن سورتوں کا حضور اکرم ﷺ سے پڑھنا نماز میں ثابت ہے ان سورتوں کو نماز میں پڑھنا مستحسن ہے، علامہ عینی نے یہ قول عروہ بن زبیر، ہشام بن عروہ اور حمید سے نقل کیا ہے، امام ترمذی اور بغوی نے حضرت امام شافعی سے بھی نقل کیا ہے، لیکن شافعیہ حضرت امام شافعی کا جو مسلک نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نہ مستحب ہے اور نہ مکروہ بلکہ اس طرح کی طویل سورتوں کا پڑھنا مباح ہے، امام ترمذی نے امام مالک سے مغرب میں اتنی طویل سورتوں کے پڑھنے کی کراہت نقل کی ہے اور احناف کا مسلک بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ کے طور پر یہ سمجھو کہ ظاہریہ تو ان سورتوں کے پڑھنے کو مستحسن کہتے ہیں، شافعیہ اور حنابلہ مباح قرار دیتے ہیں، امام مالک مکروہ کہتے ہیں اور بظاہر حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

یہ روایتیں جو مصنف نے اس باب میں ذکر فرمائی ہیں ظاہریہ کی مؤید ہیں اور شافعیہ اور حنابلہ کے خلاف نہیں ہیں، جو لوگ کراہت کے قائل ہیں ان کو ان روایات کا جواب دینے کی ضرورت ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں مقصد یہ ہے کہ ان طویل سورتوں میں سے بعض حصہ پڑھا اور امام طحاوی نے بعض روایات سے استشہاد بھی کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ روایتیں امام طحاوی کے دعوی کے لئے مُثبِت نہیں ہیں،

Maktaba Tul Ishaat.com

اگر روایات کے طرق کو جمع کر کے دیکھا جائے تو ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورت پڑھی ہے، علامہ خطابی نے بھی بعض کا احتمال پیش کیا ہے، اسی طرح ابن جوزی نے بھی اس احتمال کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے باء 'مِنْ' کے معنی میں ہو، لیکن یہ احتمال خلافِ ظاہر سا معلوم ہوتا ہے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ روایت منسوخ ہوگئی ہے، مگر اس پر کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے صرف یہ نقل کیا ہے کہ عروہ بن زبیر مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے، غالباً ابوداؤد نے یہ سمجھا کہ راوی حدیث نے جب اپنی روایت کے خلاف عمل کیا ہے تو اس کی روایت منسوخ ہوگئی ہوگی جب ہی تو اپنی روایت کے خلاف کیا، مگر یہ کچھ ضروری نہیں ہے، اس واسطے کہ اگر کسی وقت قصار پڑھ لیا تو اس سے طوال کا پڑھنا منسوخ ہونا کیسے معلوم ہوا، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، مغرب میں جیسے طوال پڑھ سکتے ہیں قصار بھی پڑھ سکتے ہیں لہٰذا کسی وقت انہوں نے قصار پڑھ لیا لیکن عام اوقات میں حاضرین کی رعایت میں قصار پڑھتے تھے۔

امام تقی الدین بن دقیق العید ارشاد فرماتے ہیں کہ جن سورتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہے وہ تو ہیں مستحب اور جن پر آپ نے مواظبت نہیں کی ہے وہ بلا کراہت مباح ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہی اعدل الاقوال ہے، اور حنفیہ وغیرہ جو کراہت کے قائل ہیں غالباً وہ عارضی امر کی بناء پر قائل ہیں کہ نماز میں امام کو تخفیف کا حکم ہے، اور نماز میں شرکت والے لوگ مختلف ہوتے ہیں اب اگر مغرب میں طویل قراۃ کر دی گئی تو حاضرین کی بہت سی ضرورتیں رک جائیں گی، ان کو ضیق واقع ہوگی، ورنہ نفس قراۃ پر نظر کرتے ہوئے احناف اتنی طویل سورتوں کے پڑھنے کے مکروہ ہونے کے قائل نہیں ہو سکتے ہیں۔

(ص ۱۰۵) بَابُ الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ

۷٦٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ.

ترجمہ: باب، مغرب کی نماز میں جہری قراۃ کا بیان۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح: علامہ زین بن منیر نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ مغرب میں جہر ہو گا، اس پر امام بخاری کو ترجمہ کے ذریعہ سے اس پر تنبیہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ کوئی ذمہ داری نہیں لی ہے کہ جہاں مسئلہ اختلافی ہو گا یا جہاں کوئی غموض ہو گا وہیں ترجمہ منعقد کریں گے، بلکہ امام بخاری نے تو اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ساری شریعت جو ان کو بسند صحیح پہنچی ہے پیش فرمادیں، اور تراجم منعقد کر کے تنبیہ کر دی کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا اور اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا، یا یہ تنبیہ کر دی کہ اس مسئلہ کی یہ روایت ہے اور اس مسئلہ کی یہ روایت ہے۔

(ص ١٠٥) بَابُ الْجَهْرِ فِي الْعِشَاءِ

٧٦٥. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ بَكْرٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ ﴿إِذَا ٱلسَّمَآءُ ٱنشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ فَقُلْتُ لَهُ، قَالَ: سَجَدْتُ خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ، فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ.

٧٦٦. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي سَفَرٍ، فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِـ ﴿ٱلتِّينِ وَٱلزَّيْتُونِ﴾.

ترجمہ: باب، نماز عشاء میں جہر کا بیان۔

ابو رافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو انہوں نے ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ کی قرأۃ کی اور سجدۂ تلاوت کیا، میں نے کچھ عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے اس لئے میں برابر اس موقع پر سجدہ کا عمل جاری رکھوں گا یہاں تک کہ میں ان سے جا ملوں۔

حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت براءؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے اور آپ نے عشاء کی نماز میں دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورۂ ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ کی قرأۃ کی۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے مغرب اور عشاء کے لئے دو ترجمے منعقد کئے ہیں ایک قرأۃ کا اور دوسرے جہر کا، مغرب میں تو قرأۃ کا ترجمہ مقدم کیا ہے اور جہر کا مؤخر، اور عشاء میں اس کا عکس کر دیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ نسّاخ کی گڑبڑ ہے، عشاء میں بھی قراۃ کا ترجمہ جہر والے ترجمہ سے مقدم ہونا چاہئے، لیکن اگر امام بخاری ہی نے کیا ہو تو اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ چونکہ جہر فی المغرب کا ترجمہ ذکر فرمایا تھا اس لئے اس کی مناسبت سے جہر فی العشاء کا ترجمہ منعقد فرمادیا۔

فَسَجَدَ فَقُلْتُ لَهُ: اس سے معلوم ہوا کہ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ میں سجدہ ہے، یہی ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے، مالکیہ اس کا انکار کرتے ہیں اور دلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت پیش کرتے ہیں أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَسْجُدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ إِلَى الْمَدِينَةِ، لیکن بخاری کی یہ روایت اس روایت کے معارض ہے اور یہ روایت اس سے اقوی ہے لہٰذا اس پر مقدم ہوگی۔

فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ: اس روایت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کون سی رکعت میں سورۂ والتین پڑھی، لیکن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رکعت اولیٰ میں والتین پڑھی ہے، دوسری رکعت میں آپ نے کیا پڑھا؟ صحاح کی روایات میں کہیں کوئی تصریح وارد نہیں ہوئی ہے البتہ ابن السکن نے زرعہ بن خلیفہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے پہلی رکعت میں والتین اور دوسری رکعت میں ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ پڑھی ہے، لہٰذا اگر واقعہ متحد ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ دوسری رکعت میں آپ نے ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ پڑھی ہوگی۔

(ص ۱۰۵) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ بِالسَّجْدَةِ

۷۶۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثنا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا التَّيْمِيُّ عَنْ بَكْرٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ، فَقُلْتُ: مَا هَذِهِ؟ قَالَ: سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ، فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ فِيهَا حَتَّى أَلْقَاهُ.

ترجمہ: باب، عشاء کی نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کا بیان۔

(ترجمہ پہلے باب میں گزر چکا)

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ صلوۃ مفروضہ میں ایسی سورت پڑھی جاسکتی ہے جس میں سجدہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہو؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں، امام مالک مشہور قول میں کراہت کے قائل ہیں۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور کی تائید فرمائی ہے یا تردید؟ ابن منیر فرماتے ہیں کہ مصنف کا روایت الباب کے ذریعہ سے مالکیہ کی تردید کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں حضور ﷺ کا فعل تھوڑے مذکور ہے بلکہ روایت میں ابوہریرہؓ کا فعل مذکور ہے اور یہ موقوف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہی روایت ابن خزیمہ اور علامہ جوزقی نے اپنی صحاح میں تخریج کی ہے اور اس میں حضور ﷺ کا نماز میں ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ کا پڑھنا وارد ہوا ہے۔

(ص ۱۰۶) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

۷۶۸۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى ثَنَا مِسْعَرٌ ثَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَاءَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِـ ﴿ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ﴾، وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ أَوْ قِرَاءَةً.

ترجمہ: باب، عشاء کی نماز میں قرأۃ کا بیان۔

حضرت براءؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۂ والتین و الزیتون پڑھتے ہوئے سنا ہے اور میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے اچھی آواز یا اچھی قرأۃ والا نہیں سنا۔

تشریح: اس کی تفصیل اوپر باب میں گزر چکی۔

(ص ۱۰۶) بَابُ يُطَوِّلُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَيَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ

۷۶۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عَوْنٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ: لَقَدْ شَكَوْكَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلَاةِ، قَالَ: أَمَّا أَنَا فَأَمُدُّ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، وَلَا آلُو مَا اقْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: صَدَقْتَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ أَوْ ظَنِّي بِكَ.

Maktaba Tul Ishaat.com

ترجمہ: باب، پہلی دو رکعتوں میں طول اور آخری دو رکعتوں میں اختصار کرنا چاہئے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ بیشک لوگوں نے ہر چیز میں حتی کہ نماز کے بارے میں بھی آپ کی شکایت کی، تو حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ بہر حال میں پہلی دو رکعتوں کو طول دیتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں اختصار کرتا ہوں اور میں نے نماز میں حضور پاک ﷺ کی جس طرح اقتداء کی ہے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ نے بالکل سچ کہا، آپ کے بارے میں گمان، یا میرا گمان یہی ہے۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ رباعیہ میں پہلی دو رکعت تو طویل ہوں گی اور اخیر کی دونوں رکعتیں قصیر، یہ مسئلہ متفق علیہا ہے، البتہ ایک اور مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اخریین میں ضم سورت ہوگا یا نہیں؟ جمہور علماء ضم سورت کا انکار کرتے ہیں، امام شافعی سے اس مسئلہ میں دو روایتیں مروی ہیں، ایک روایت میں وہ جمہور کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت میں یہ فرماتے ہیں کہ ضم سورت کرنا چاہئے، ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے یَحذِفُ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہو اور جمہور کی تردید کی ہو، 'ہوسکتا ہے' میں نے اس لئے کہہ دیا کہ روایت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آنحضور ﷺ نے صرف سورۂ فاتحہ پر اخریین میں اکتفاء فرمایا ہو۔

ضم سورۃ فی الاخریین کا حکم: زرقانی نے امام مالک اور جمہور علماء سے کراہت نقل کی ہے، علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ خلاف اولی ہے۔

(ص ۱۰۶) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

وقالت أم سلمة: قرأ النبي ﷺ بالطور.

۷۷۰. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارُ بْنُ سَلَامَةَ قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَوَاتِ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ وَيَرْجِعُ الرَّجُلُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَلَا الْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ فَيَعْرِفُ جَلِيسَهُ، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَوْ

Maktaba Tul Ishaat.com

إِحْدَاهُمَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِئَةِ.

٧٧١. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ: فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَسْمَعْنَاكُمْ وَمَا أَخْفَى عَنَّا أَخْفَيْنَا عَنْكُمْ، وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلَى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ.

ترجمہ: باب، فجر میں قرأۃ کا بیان، اور ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ طور کی قرأۃ کی۔

سیار بن سلامہ نے کہا کہ میں اور میرے والد حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے نمازوں کے اوقات کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے جب زوال آفتاب شروع ہو جاتا تھا اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے کہ انسان نماز کے بعد مدینہ کے آخری کنارے پر پہنچ جاتا اور ابھی آفتاب زندہ ہوتا، سیار کہتے ہیں کہ میں بھول گیا حضرت ابو برزہؓ نے مغرب کے بارے میں کیا فرمایا تھا، اور حضور ﷺ عشاء کی نماز کو ثلث لیل تک مؤخر کرنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور آپ فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ انسان نماز سے فارغ ہوتا تو اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا، اور یہ کہ آپ نماز سے پہلے سونے کو اور نماز کے بعد بات چیت کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اور آپ دونوں رکعتوں میں یا یہ فرمایا کہ دونوں رکعتوں میں سے ایک رکعت میں ساٹھ سے لیکر سو آیات تک کی قرأۃ کرتے تھے۔

عطاء فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نماز میں قرأۃ کی جائے گی، پھر جس نماز میں رسول اللہ ﷺ نے ہم کو قرأۃ سنائی ہم بھی تم کو سناتے ہیں اور جس نماز میں آپ نے ہم سے قرأۃ کو چھپایا ہم بھی تم سے قرأۃ کو چھپاتے ہیں، اور اگر تم قرأۃ میں سورۂ فاتحہ سے زیادہ نہ پڑھو تو یہ کافی ہے اور اگر زیادہ پڑھتے ہو تو یہ بہتر ہے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کا مقصد بھی اصل قرأۃ کو اور اس کے بعد جو باب آرہا ہے اس سے صفتِ قرأۃ کو ثابت کرنا ہے، اور حافظ ابن حجر کے اصول پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مقدار قرأۃ کو بیان کیا ہے اور ابو برزہؓ کی روایت سے معلوم ہو گیا کہ فجر کی نماز میں ساٹھ آیات سے سو آیات تک پڑھنا چاہئے۔

وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ: سورج زندہ تھا، امام ابو داؤد نے حیات شمس کی تفسیر خیثمہ تابعی سے نقل کی ہے أی أَنْ تَجِدَ حَرَّهَا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فِي كُلِّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ: ہر نماز میں قراۃ قرآن ہوتی تھی اور اس میں فجر بھی داخل ہو گئی لہذا ترجمہ ثابت ہو گیا۔

فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَسْمَعْنَاكُمْ: حضور نے ہم کو جو سنایا ہے وہ ہم سنائیں گے تم کو اور جس میں آپ نے ہم سے اخفاء کیا یعنی سرّی قراۃ کی ہم بھی تم سے اخفاء کریں گے یعنی سرّی قراۃ کریں گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول پہنچا کہ وہ صلوات سریہ میں قراۃ کا انکار کرتے ہیں تب انہوں نے یہ بیان فرمایا۔

وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلَى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ: یہ حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے جیسا کہ امام بخاری نے ضعفاء صغیر اور تاریخ کبیر وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے، اور علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ حکماً بھی مرفوع نہیں ہے، بہر حال اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے نزدیک ضم سورت ضروری نہیں ہے، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ضم سورت ضروری نہیں ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ ضم سورت واجب ہے، یہی ابن کنانہ مالکی کی رائے ہے اور قاضی فراء حنبلی نے امام احمد سے یہی ایک روایت نقل کی ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ عثمان بن ابی العاص ثقفی صحابی اسی کے قائل ہیں، اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محدث ابن حبان وغیرہ نے یہ جو ذکر کر دیا ہے کہ سلف کا عدم وجوب قراۃ پر اجماع ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

(ص ۱۰۶) بَابُ الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلَاةِ الْفَجْرِ

وقالت أم سلمة: طفت وراء الناس، والنبي ﷺ يصلي يقرأ بالطور.

۷۷۲. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: انْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ، وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ إِلَى قَوْمِهِمْ فَقَالُوا: مَا لَكُمْ؟ فَقَالُوا: حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ، قَالُوا: مَا حَالَ بَيْنَكُمْ

Maktaba Tul Ishaat.com

وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا شَيْءٌ حَدَثَ فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا، فَانْظُرُوا مَا هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، فَانْصَرَفَ أُولَئِكَ الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ اسْتَمَعُوا لَهُ فَقَالُوا: هَذَا وَاللَّهِ الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، فَهُنَالِكَ حِينَ رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ قَالُوا: يَا قَوْمَنَا، ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْءَانًا عَجَبًا ۝ يَهْدِيٓ إِلَى ٱلرُّشْدِ فَـَٔامَنَّا بِهِۦ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ أَحَدًا﴾ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ ﴿قُلْ أُوحِىَ إِلَيَّ﴾ وَإِنَّمَا أُوحِيَ إِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ.

٧٧٣. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ فِيمَا أُمِرَ وَسَكَتَ فِيمَا أُمِرَ، ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ و — ﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

ترجمہ: باب، نماز فجر میں قراۃ کے جہر کا بیان، اور ام سلمہؓ نے فرمایا کہ میں نے لوگوں سے پیچھے ہٹ کر طواف کیا اور نبی کریم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے سورۂ طور کی قراۃ کر رہے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بازار عکاظ میں جانے کے ارادہ سے نکلے اور اس وقت شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی اور ان پر شہاب ثاقب برسنے لگے تھے تو اس وقت شیاطین اپنی قوم میں لوٹ کر آئے اور کہا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ ہو رہی ہے اور ہم پر شہاب ثاقب مارے جا رہے ہیں، پھر انہوں نے کہا کہ تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان جو رکاوٹ ہوئی ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے، اس لئے تمہیں زمین کے مشرق و مغرب میں گھومنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ نئی بات کیا ہے جو تمہارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے، تو ان میں سے جو جنات تہامہ کی طرف نکلے تھے وہ حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور آپ اس وقت مقام نخلہ میں تھے اور اپنے صحابہ کے ساتھ بازار عکاظ جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور آپ وہاں صحابۂ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، جب ان جنات نے قرآن کریم سنا تو اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور کہا کہ قسم خدا کی یہی وہ چیز ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے، چنانچہ اس موقع پر جب وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آئے تو انہوں نے کہا اے ہماری قوم! ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک

Maktaba Tul Ishaat.com

طریقے کی رہنمائی کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بتلائیں گے، پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پر وحی نازل فرمائی ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ﴾ اور جو وحی آپ پر نازل کی گئی تھی وہ جنات کا یہی قول تھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن نمازوں میں حکم ہوا ان میں آپ نے قرأۃ کی اور جن نمازوں میں حکم ہوا ان میں آپ نے سکوت فرمایا اور تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں، اور بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں قابل تقلید نمونہ ہے۔

تشریح: یہ آگیا وہ باب جس کا تعلق صفت قرأۃ سے ہے۔

والنبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي يَقْرَأُ بِالطُّورِ: یہ کونسی نماز تھی؟ اس روایت معلقہ میں تو کوئی بیان نہیں ہے لیکن کتاب الحج میں یہی روایت آرہی ہے اس میں تصریح ہے کہ صلوۃ الصبح تھی، ابن خزیمہ کی ایک روایت میں واقع ہوا ہے کہ صلوۃ عشاء آخرہ تھی لیکن یہ روایت شاذ ہے اس لئے کہ امام ابن خزیمہ نے مالک اور ابن لہیعہ کے طریق سے نقل کی ہے اور سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ الفاظ ابن لہیعہ کے نقل کئے ہیں اور ابن لہیعہ ضعیف ہے خصوصاً جبکہ روایت میں متفرد ہو۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ اس روایت سے جہر کا ثبوت نہیں ہوتا ہے تو پھر مصنف کا دعوی الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلَاةِ الْفَجْرِ کیسے ثابت ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس روایت سے استدلالی طور پر ترجمہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ حضرت ام سلمہؓ یوں فرماتی ہیں کہ میں نے لوگوں سے الگ ہو کر طواف کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ طور پڑھ رہے تھے، اور طواف کرتے ہوئے وہ سورۂ طور اسی وقت سن سکتی ہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہراً قرأۃ فرمارہے ہوں۔

انْطَلَقَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ: یہ واقعہ کب پیش آیا؟ ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ نے لکھا ہے کہ ذی قعدہ سن ١٠ نبوی کا ہے یا یوں کہہ دو کہ نبوت کے دسویں سال کا ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے تھے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ صرف آپ کے مولیٰ حضرت زید بن حارثہؓ تھے اور اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم صرف زید بن حارثہؓ کے ساتھ طائف تشریف لے

Maktaba Tul Ishaat.com

گئے ہوں لیکن جب واپس ہوئے تو بعض صحابۂ کرام راستہ میں مل گئے اور آپ ان کو لیکر سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے ہوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق یہ ہے کہ طائف جانے والا واقعہ اور ہے اور اس حدیث پاک میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ اور ہے، طائف جانے کا قصہ تو سن ۱۰ نبوی میں پیش آیا ہے لیکن اِس حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بالکل ابتداء نبوت کا قصہ ہے، اس لئے کہ روایات میں یہ تصریح ہے وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ شیاطین اور خبر سماء کے درمیان حیلولت واقع کر دی گئی تھی اور شیاطین پر شہب بھیجے گئے تھے، شیاطین نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا بات ایسی پیش آگئی ہے اس کی تحقیق کرو، ظاہر ہے کہ وہ دس سال تھوڑا انتظار کرتے تو جس وقت ارسال شہب کا قصہ پیش آیا ہے اس کے ابتدائی زمانہ ہی میں تحقیق کے لئے نکلے ہوں گے۔

وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ: شُہب شہاب کی جمع ہے بمعنی ستارہ، ان کے اوپر شہب بھیجے گئے۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارسالِ شہب کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی ابتداء سے شروع ہوا، لیکن عرب کے اشعار میں ارسالِ شہب کا ذکر ملتا ہے اور وہ قدیم اشعار جن کے قائل حضور ﷺ سے پہلے وفات پاچکے ہیں ان میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی ارسالِ شہب ہوتا تھا لیکن اس میں کثرت نہیں تھی اور جب آنحضور ﷺ کی بعثت ہوئی تو اس میں کثرت ہوگئی، یا یہ کہا جائے کہ شہاب پھینکے تو جاتے تھے لیکن ہر شہاب کے لئے ضروری نہیں تھا کہ نشانہ پر پڑ جائے اور شیطان کو ضرور مارے، بعض وقت شیطان زد میں آتا تھا اور بعض وقت نہیں آتا تھا، لیکن بعثت محمدیہ کے قریب جو ارسال شہب کا سلسلہ شروع ہوا اس میں ہر ایک نشانہ پر لگ جایا کرتا تھا، یا یہ کہا جائے کہ ابتداءً ارسال تو ہوتا تھا لیکن بعثت محمدیہ کے قریب یہ سلسلہ موقوف کر دیا گیا اور پھر جب حضور پاک ﷺ کی بعثت ہوئی تو پھر ارسال کا سلسلہ شروع ہوا تاکہ آپ کی بعثت کے لئے ایک علامت کا کام دے۔

وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ: آپ اپنے اصحاب کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، حافظ کی رائے پر یہ بالکل ابتدائی زمانہ کا قصہ ہے، اس کا مطلب یہ نکلا کہ حضور اکرم ﷺ جماعت کی نماز ابتدائی زمانہ ہی سے

Maktaba Tul Ishaat.com

پڑھتے تھے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ مکہ میں دو نمازیں آپ پر اسراء سے پہلے فرض تھیں، ایک طلوع شمس سے پہلے اور ایک غروب شمس سے پہلے، بہر حال مکہ میں جماعت سے نماز پڑھنا اس روایت سے صاف طور سے ثابت ہوتا ہے اور فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ سے مصنف کا ترجمہ ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ جہری قرأۃ کرتے تھے۔

﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ﴾: اس حدیث پاک میں یہ ایک لطیفہ ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل سے سنا اور جبرئیل نے اللہ سے اور اللہ نے اپنے بندوں سے، اس لئے کہ یہ تو جنات کا مقولہ ہے ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾، حق تعالیٰ نے اس مقولہ کو جبرئیل سے نقل فرمایا اور جبرئیل نے آکر رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمایا اور رسول پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کے سامنے اس کو نقل فرمایا۔

قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ فِيمَا أُمِرَ وَسَكَتَ فِيمَا أُمِرَ: امام اسماعیلی نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ابن عباسؓ کی یہ حدیث ترجمہ کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ ابن عباسؓ کا مسلک تو قرأۃ سریہ میں ترکِ قرأۃ کا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے جو الفاظ ذکر کئے ہیں اس سے ترکِ قرأۃ ثابت نہیں ہوتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے قَرَأَ کو جہر کے معنی میں مراد لیا ہے، اگرچہ لفظِ قَرَأَ سے صراحۃً جہر ثابت نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ تو اپنے عموم کی وجہ سے جہر وسر دونوں کو شامل ہے، چنانچہ حافظ ابن عبد الهادی حنبلی نے نعیم بن عبد اللہ مجمر کی اس روایت کا جو وہ ابو ہریرہؓ سے جہر بالبسملہ کے سلسلہ میں نقل کرتے ہیں اور اس میں قَرَأَ کا لفظ ذکر کرتے ہیں یہی ایک جواب دیا ہے، بہر حال بخاری نے یہی سمجھا کہ قَرَأَ بمعنی جَهَرَ ہے اور سَكَتَ بمعنی أَسَرَّ ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾: حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے قرأۃ کے تراجم کو اس حدیث پر ختم کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ قرأۃ فی الصلوات میں حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا اتباع کرنا چاہئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ١٠٦) بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ السُّورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ وَالْقِرَاءَةِ بِالْخَوَاتِيمِ وَبِسُورَةٍ قَبْلَ سُورَةٍ وَبِأَوَّلِ سُورَةٍ

ويذكر عن عبد الله بن السائب: قرأ النبي ﷺ "المؤمنون" في الصبح حتى إذا جاء ذكر موسى وهارون أو ذكر عيسى أخذته سعلة فركع. وقرأ عمر في الركعة الأولى بمائة وعشرين آية من البقرة وفي الثانية بسورة من المثاني. وقرأ الأحنف بالكهف في الأولى وفي الثانية بيوسف أو يونس وذكر أنه صلى مع عمر الصبح بهما. وقرأ ابن مسعود بأربعين آية من الأنفال وفي الثانية بسورة من المفصل. وقال قتادة فيمن يقرأ بسورة واحدة في ركعتين أو يردّد سورة واحدة في ركعتين: كلّ كتاب الله عز وجل

وقال عبيد الله عن ثابت عن أنس: كان رجل من الأنصار يؤمّهم في مسجد قباء وكان كلّما افتتح سورة يقرأ بها لهم في الصلاة مما يقرأ به افتتح بـ﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴾ حتى يفرغ منها، ثم يقرأ بسورة أخرى معها وكان يصنع ذلك في كل ركعة، فكلّمه أصحابه وقالوا: إنك تفتتح بهذه السورة ثم لا نرى أنها تجزئك حتى تقرأ بأخرى، فإما أن تقرأ بها وإما أن تَدَعها وتقرأ بأخرى، فقال: ما أنا بتاركها، إن أحببتم أن أؤمّكم بذلك فعلت وإن كرهتم تركتكم، وكانوا يرون أنه من أفضلهم، وكرهوا أن يؤمّهم غيره، فلما أتاهم النبي ﷺ أخبروه الخبر، فقال: يا فلان ما يمنعك أن تفعل ما يأمرك به أصحابك وما يحملك على لزوم هذه السورة في كل ركعة؟ فقال: إني أحبّها، فقال: حبّك إياها أدخلك الجنة.

٧٧٤. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ: قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ اللَّيْلَةَ فِي رَكْعَةٍ فَقَالَ: هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ، لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرِنُ بَيْنَهُنَّ، فَذَكَرَ عِشْرِينَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ سُورَتَيْنِ

Maktaba Tul Ishaat.com

فِي كُلِّ رَكْعَةٍ.

ترجمہ: باب، دو سورتوں کو ایک رکعت میں جمع کرنے، سورتوں کی آخری آیات پڑھنے، خلاف ترتیب سورتیں پڑھنے، اور سورت کی ابتدائی آیات پڑھنے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن سائبؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز میں سورۂ مؤمنون کی قرأۃ شروع کی یہاں تک کہ جب موسیٰ وہارون یا عیسیٰ کے ذکر پر پہنچے تو کھانسی شروع ہوگئی اور آپ رکوع میں چلے گئے۔

اور حضرت عمرؓ نے فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی ایک سو بیس آیات پڑھیں اور دوسری رکعت میں مثانی کی ایک سورت پڑھی، اور حضرت احنف بن قیسؓ نے فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری رکعت میں سورۂ یوسف یا سورۂ یونس پڑھی اور یہ ذکر کیا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز انہی دو سورتوں سے پڑھی، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ انفال کی چالیس آیات اور دوسری رکعت میں مفصلات میں سے ایک سورت پڑھی، اور حضرت قتادہؓ اس شخص کے بارے میں جو دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کو (تقسیم کرکے) پڑھے یا ایک ہی سورت کو دونوں رکعتوں میں دہرائے، فرماتے ہیں کہ یہ سب اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔

اور حضرت عبیداللہ عمری بواسطۂ ثابت حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ قبیلۂ انصار کے ایک شخص مسجد قباء میں امام تھے اور جب بھی نماز میں پڑھی جانے والی کسی سورت کو پڑھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے سورۂ قل ھو اللہ أحد سے قرأۃ کا آغاز کرتے یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوجاتے تو اس کے ساتھ ملاکر دوسری سورت پڑھتے اور ہر رکعت میں ان کا یہی معمول تھا، تو ان کے رفقاء نے ان سے اس سلسلے میں گفتگو کی اور کہا کہ آپ اسی سورت سے نماز شروع کرتے ہیں پھر آپ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سورت آپ کے لئے کافی ہے یہاں تک کہ پھر آپ دوسری سورت پڑھتے ہیں، اس لئے آپ آئندہ یا تو اسی سورت کو پڑھا کریں اور یا اس کو چھوڑدیں اور کوئی دوسری سورت پڑھیں، اس پر انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں قل ھو اللہ أحد کو نہ چھوڑوں گا، اگر تمہیں پسند ہو کہ میں اسی طرح امامت کرتا رہوں تو ٹھیک ہے اور اگر تمہیں ناپسند ہو تو میں امامت چھوڑدوں گا، اور مقتدیوں کا ان کے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ ان افضل لوگوں میں سے ہیں اور کسی دوسرے کو امام بنانا انہیں گوارا نہ تھا، اس لئے جب حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپ سے پوری بات بیان کی تو آپ نے فرمایا، اے فلاں! تمہارے اصحاب تم سے جو بات کہتے ہیں اس کے کرنے سے کیا چیز مانع ہے اور ہر رکعت میں اسی سورت کی پابندی کرنے پر تمہیں کیا چیز آمادہ کرتی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! مجھے اس سورت سے محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس سورت کی محبت تمہیں جنت میں داخل کردے گی۔

حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ رات میں

Maktaba Tul Ishaat.com

نے ایک رکعت میں سب مفصل سورتوں کی قرأۃ کی، تو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا، میں ان سورتوں کو جانتا ہوں جو ایک دوسرے کی نظیر ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ ایک رکعت میں ملا کر پڑھتے تھے، پھر انہوں نے مفصلات میں سے بیس سورتوں کا ذکر کیا، فرمایا کہ ہر رکعت میں آپ دو دو سورتیں پڑھتے تھے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب میں چار مسائل ذکر فرمائے ہیں۔

پہلا مسئلہ جمع بین السورتین فی رکعۃٍ کا ہے، دوسرا مسئلہ ہے خواتیم سورت کے پڑھنے کا، تیسرا مسئلہ ہے مصحف امام کی ترتیب کے خلاف پڑھنے کا، چوتھا مسئلہ ہے اوائل سورت کے پڑھنے کا۔

حضرت امام بخاری نے اس باب میں جو احادیث وآثار ذکر فرمائے ہیں ان کے مجموعہ سے یہ چاروں اجزاء ثابت ہوتے ہیں، جمع بین السورتین تو ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کی حدیث سے، اور قرأۃ بالخواتیم کو حضرت امام بخاری نے استدلالی طور پر ثابت کیا ہے قرأۃ بالاوائل سے، اس لئے کہ دونوں اجزاءِ سورت ہونے میں متحد اور متفق ہیں، نیز حضرت عمرؓ کے اثر میں ہے وَقَرَأَ عُمَرُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِمِائَةٍ وَعِشْرِينَ آيَةً مِنَ الْبَقَرَةِ، یہ اوائل واواخر اور اوسط سب کو شامل ہے، قتادہؒ کہتے ہیں کُلٌّ كِتَابُ اللهِ یہ اپنے عموم کی وجہ سے دونوں کو شامل ہے۔

اسی طرح سے اولِ سورت کا پڑھنا امام بخاری نے عبد اللہ بن سائبؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے اخذ فرمایا ہے، اور ترتیب مصحف امام کے خلاف پڑھنے کو حضرت انسؓ کی روایت سے ثابت کیا ہے اور اس پر میں تنبیہ کروں گا۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ ایک رکعت میں دو سورتوں کا جمع کرنا ائمۂ اربعہ کے یہاں ہے تو جائز لیکن اولیٰ یہ ہے کہ فریضہ میں صرف ایک سورت پر اکتفاء کیا جائے، یہی امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد کا مسلک ہے، امام احمد سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ فریضہ میں جمع بین السورتین مکروہ ہے۔

وَالْقِرَاءَةِ بِالْخَوَاتِيمِ: یہ دوسرا مسئلہ ہے، سورت کے اواخر کا پڑھنا ائمۂ اربعہ کے یہاں ہے تو جائز لیکن حضرت امام احمد سے ایک روایت میں منقول ہے کہ مکروہ ہے، علامہ موفق کی رائے ہے کہ مداومت کو انہوں نے مکروہ سمجھا ہے، چنانچہ علامہ موفق نے نقل کیا ہے کہ ایک امام تھے جو حضرت امام کی امامت کیا کرتے تھے وہ روزانہ سورت کا آخر پڑھتے تھے، ایک دن حضرت امام نے اپنے کسی اور شاگرد سے فرمایا کہ تم نماز پڑھاؤ، اور روزانہ اواخر سورت پڑھنے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اصل میں امام احمد کو اتباع سنت ملحوظ تھا وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

چاہتے تھے کہ قراءۃ میں بھی اتباعِ سنت کیا جائے، یہ کیا کہ روزانہ اواخرِ سورت پر اکتفاء کرے اور پڑھتا رہے، جیسے آج کل گاؤں کی مساجد میں ہوتا ہے اور اسی طرح شہر کی مساجد میں بھی ہو رہا ہے، پڑھنا تو جائز ہے لیکن اکثر پوری سورت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، الخیر کله فی الاتّباع والشّر کله فی الابتداع۔

وَبِسُورَةٍ قَبْلَ سُورَةٍ: یہ ہے تیسرا مسئلہ، یعنی مصحف امام کی ترتیب کے خلاف پڑھنا۔

قرآن پاک کی ترتیب کے خلاف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی رائے میں خلاف اولیٰ ہے، ترتیب مصحف کے مطابق پڑھنا چاہئے، حنفیہ کہتے ہیں کہ مکروہ ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کراہت کا قول امام احمد سے بھی ذکر کیا ہے۔

وَبِأَوَّلِ سُورَةٍ: یہ چوتھا مسئلہ ہے یعنی اوائل سورت کا پڑھنا۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے چاہے عذر ہو اور چاہے بلا عذر، عذر کا مطلب یہ ہے کہ پڑھتے پڑھتے اٹک گیا، اور بلا عذر کا مطلب ہے کہ شروع کی چند آیات ہی پڑھے، امام مالک سے عذر کی صورت میں تو جواز منقول ہے اور اگر بلا عذر کرتا ہے تو امام مالک کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور ایک روایت میں وہ خلاف اولیٰ قرار دیتے ہیں، یہی حضرت امام شافعی کا مسلک ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ: یہ روایت امام مسلم، نسائی وغیرہ نے موصولاً تخریج کی ہے۔

قَرَأَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمُؤْمِنُونَ فِي الصُّبْحِ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اوائل سورت کو پڑھا جاسکتا ہے یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا ہے جیسا کہ مسلم میں وارد ہے، یا فتح مکہ کے وقت کا قصہ ہے جیسا کہ نسائی میں وارد ہے۔

ذِكْرُ مُوسَى وَهَارُونَ أَوْ ذِكْرُ عِيسَى: یہ أَوْ شک راوی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المومنون پڑھی تھی، اب یہ نہیں معلوم کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی کہاں آئی؟ موسی وہارون کے ذکر پر یا حضرت عیسیٰ کے ذکر پر، موسی وہارون کے ذکر سے مراد آیت کریمہ ﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَى وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ﴾ ہے اور حضرت عیسی کے ذکر سے آیت کریمہ ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً﴾ مراد ہے۔

أَخَذَتْهُ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ: کھانسی آگئی، آپ نے رکوع کر دیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

وَقَرَأَعُمَرُفِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِمِائَةٍ وَعِشْرِينَ آيَةً مِنَ الْبَقَرَةِ: امام بخاری نے حضرت عمرؓ کے اس اثر سے قرأۃ باوائل السور واواخر السور دونوں کو ثابت کیا ہے، اس واسطے کہ ایک سو بیس آیتوں میں دونوں احتمال ہیں، ہو سکتا ہے کہ اوائل سورت سے پڑھی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ اواخر سورت سے پڑھی ہوں۔

وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُورَةٍ مِنَ الْمَثَانِي: اور دوسری رکعت میں آپ نے مثانی کی ایک سورت پڑھی، قرآن پاک میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں، ان سورتوں کو تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصہ کا ایک مستقل نام رکھا گیا ہے، بہر حال مثانی کا اطلاق سورۂ فاتحہ پر بھی ہوتا ہے، لأنها تثني على الله عز وجل یعنی اس کے ذریعہ اللہ کی حمد وثنا کی جاتی ہے وقیل غیر ذلک، اور پورے قرآن پاک کو مثانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے مضامین ایک دوسرے کے ساتھ مقرون ہیں، آیتِ رحمت آیتِ عذاب کے ساتھ مقرون ہے وغیر ذالک، اور یا ان کو مثانی کہتے ہیں اس لئے کہ وہ مئین کے بعد آتی ہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ قرآن پاک کی سورتوں کے چار حصے کئے گئے ہیں اور ان کے الگ الگ چار نام رکھے گئے ہیں، ابتداء کی سات سورتوں کو سبع طوال کہا جاتا ہے، اور اس کے بعد پھر گیارہ سورتیں مئین کہلاتی ہیں اس لئے کہ اس کی آیات سو یا اس کے قریب ہیں، اور پھر اس کے بعد بیس سورتیں مثانی کہلاتی ہیں اس لئے کہ وہ مئین کے بعد واقع ہوئی ہیں، اور اس کے بعد کی باقی سورتیں مفصل کہلاتی ہیں اس لئے کہ ان میں جلدی جلدی فصل آیا ہے۔

پھر ان مفصلات کی تین قسمیں ہیں، طوالِ مفصل، اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل۔

مفصلات کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے اس میں بہت سے اقوال ہیں، کسی نے آٹھ قول، کسی نے دس قول اور کسی نے بارہ قول ذکر کئے ہیں، (۱) سورۂ ق، (۲) سورۂ حجرات، (۳) سورۂ فتح، (۴) سورۂ جاثیہ، (۵) سورۂ صافات، (۶) سورۂ صف، (۷) سورۂ قتال، (۸) سورۂ محمد، (۹) سورۂ رحمن، (۱۰) سورۂ انسان، (۱۱) سورۂ اعلی، (۱۲) والضحیٰ، یہ مختلف اقوال ہیں، اب تم کہیں پڑھو گے سورۂ قتال سے، سورۂ قتال سورۂ محمد کا نام ہے۔

اس میں مشہور یہ ہے کہ سورۂ حجرات سے ابتداء ہوتی ہے، اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ سورۂ ق سے ابتداء ہوتی ہے اور اس کی دلیل حضرت اوس بن ابی اوس الثقفیؓ کی وہ روایت ہے جو امام احمد، ابوداؤد، طحاوی اور ابن ماجہ وغیرہ نے تخریج کی ہے اور تم ابوداؤد میں فضائل قرآن میں پڑھو گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پھران مفصلات کی جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ تین قسمیں کی گئی ہیں، طوال، قصار اور اوساط، ان کی ابتداء وانتہاء متاخرین احناف نے بیان کی ہے، طوال کی ابتداء حجرات سے ہے اور انتہاء سورۂ بروج پر ہے، اور پھر اس کے بعد سے لیکر لم یکن تک اوساط ہے، اور لم یکن سے آخر تک قصار ہے، یہ صرف عوام کی سہولت کے لئے ذکر کر دیا ہے ورنہ حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔

میری تحقیق یہ ہے کہ یہ سور تین مقدار کے اعتبار سے طوال وقصار اور اوساط ہیں، مثال کے طور پر یہ سمجھئے کہ کوّرت، انفطرت، سبح اسم یہ سب اوساط ہیں، اور والضحیٰ، والتین، الم نشرح اور انا أعطینا یہ سب قصار میں داخل ہیں، علامہ طحاوی کے کلام سے یہی مستفاد ہوتا ہے اور یہی مجھ کو اقرب الی التحقیق معلوم ہوتا ہے۔

وَقَرَأَ الْأَحْنَفُ بِالْكَهْفِ فِي الْأُولَى: احنف نے پہلی رکعت میں سورۂ کہف پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ یوسف یا یونس پڑھی، بہرحال جو بھی پڑھا ہو اس میں قرأۃ علی خلاف ترتیب المصحف کا ذکر ہے، میں بتلا چکا کہ ترتیب مصحف کے خلاف قرأۃ کرنا نماز میں کیا حکم رکھتا ہے؟ ائمۂ ثلاثہ خلاف اولیٰ کے قائل ہیں اور حنفیہ کراہت کے قائل ہیں اور غالباً کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہوگی اور یہ بھی اس وقت ہے جب آدمی اس کی عادت نہ ڈالے۔

وَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ بِأَرْبَعِينَ آيَةً مِنَ الْأَنْفَالِ: یہ اثر بھی اپنے عموم کی وجہ سے اوائل اور اواخر سورت دونوں کو شامل ہے، لیکن سعید بن منصور نے یہ اثر مفصلاً نقل کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ سورۂ انفال کی ابتداء سے، معلوم ہوا کہ اوائل سے پڑھی تھیں۔

وَقَالَ قَتَادَةُ فِيمَنْ يَقْرَأُ سُورَةً وَاحِدَةً فِي رَكْعَتَيْنِ: ایک ہی سورت آدمی دونوں رکعت میں پڑھے آدھی اس میں اور آدھی اس میں، تو فرماتے ہیں کُلٌّ کِتَابُ اللّٰہِ اس سے اوائل واواخر کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

أَوْ يُرَدِّدُ سُورَةً وَاحِدَةً فِي رَكْعَتَيْنِ: اس سے ایک ہی سورت کا دو رکعت میں تکرار ثابت ہوتا ہے، امام بخاری نے اس پر کوئی تنبیہ نہیں کی ہے، ابوداؤد شریف میں ایک روایت وارد ہوئی ہے جس میں سورہ إذا زلزلت کا دونوں رکعتوں میں پڑھنا وارد ہوا ہے، اور علامہ موفق وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس طرح کرنا جائز ہے، لیکن اگر آج کل کوئی امام ایسا کرے تو کہیں گے کچھ بھی یاد نہیں ہے۔

وَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: اس روایت سے جمع بین السورتین فی رکعۃ کا ثبوت

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتا ہے اس طرح کہ جب وہ قرأۃ شروع کرتے تو پہلے قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ اور پھر کوئی دوسری سورت پڑھا کرتے، دوسری سورت کی تعیین نہیں، ہو سکتا ہے کہ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ سے پہلے کی ہو اور ہو سکتا ہے کہ بعد کی ہو، لہٰذا اس سے خلاف ترتیب مصحف پڑھنے کا بھی ثبوت نکل آیا جس کی طرف میں نے ابتداء باب میں اشارہ کیا تھا۔

آپ ﷺ نے جب یہ پوچھا کہ کیوں تم نے یہ سورت لازم کرلی؟ انہوں نے جواباً عرض کیا إِنِّي أُحِبُّهَا یارسول اللہ! مجھ کو اس سے محبت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مقاصد سے احکام بدل جاتے ہیں، اگر وہ یہ کہہ دیتے کہ حضور! مجھے یہی یاد ہے تو ممکن ہے آپ یہ فرمادیتے کہ اس کے بجائے دوسری سورت یاد کرلو تاکہ تم اسے پڑھا کرو، لیکن انہوں نے جب علت یہ پیش کی کہ یارسول اللہ مجھ کو اس سے محبت ہے تو آپ نے کچھ نہیں فرمایا اور ارشاد ہوا حُبُّکَ إِيَّاهَا أَدْخَلَکَ الْجَنَّةَ، تمہارا اس سے محبت کرنا تمہیں جنت میں داخل کردے گا اس لئے کہ یہ سورت اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے اور اللہ کی صفت سے محبت اللہ سے محبت ہے، اور محبت کا قاعدہ یہی ہے جس سے محبت ہوتی ہے وہ اپنے محب کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کھینچتے کھینچتے وہیں پہونچا دیتا ہے جہاں خود ہوتا ہے، لہٰذا حق تعالیٰ شانہ دارجنت میں داخل فرمائیں گے۔

سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ: ایک آدمی آیا، یہ حضرت نہیک بن سنان بجلی ہیں، کہنے لگے قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ اللَّيْلَةَ فِي رَكْعَةٍ آج میں نے ساری مفصل سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھ ڈالیں، فرمایا هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ ایسے کاٹ کر رکھ دیا جیسے شعر کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔

اس پر ہمارے حضرت شیخ کو اشکال ہے کہ شعر جلدی جلدی تھوڑے پڑھا جاتا ہے وہ تو بڑے ترنم و تغنی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، اس لئے صحیح الشَّعر ہے بال کے معنی میں، ایسے کاٹ کر رکھ دیا جیسے بال کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے، میرے نزدیک پہلا ہی مطلب راجح ہے اور یہی دوسرے شراح نے بیان کیا ہے، اول تو اس لئے کہ عرب میں بال کاٹنے کا دستور نہیں تھا اور دوسرے اس لئے کہ بال کاٹنے کے ساتھ کیا مناسبت؟ کلام کو کلام ہی سے مناسبت ہوا کرتی ہے، لہٰذا مطلب یہ ہے کہ جیسے شعر جلدی جلدی پڑھا جاتا ہے ایسے ہی تم نے مفصل کا سارا حصہ جلدی جلدی پڑھ ڈالا۔

اب یہاں ایک اشکال رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اشعار تو ترنم کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اشعار دو انداز سے پڑھے جاتے ہیں، کبھی انشادِ شعر یعنی شعر سنانا مقصود ہوتا ہے اور کبھی آدمی اپنے آپ

Maktaba Tul Ishaat.com

کو تسلی دیتا ہے لذت حاصل کرتا ہے، جب انشاد مقصود ہوتا ہے تب تو شاعر دمادم پڑھتا چلا جاتا ہے، اور جب مقصود اپنے آپ کو تسلی دینی ہوتی ہے ذوق حاصل کرنا ہوتا ہے تب وہ ترنم کے ساتھ پڑھتا ہے۔

لَقَدْعَرَفْتُ النَّظَائِرَ: میں ان نظائر کو پہچانتا ہوں جن کو نبی پاک ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے، نظائر سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ایک دوسرے کی نظیر ہیں اور وہ بیس سورتیں ہیں جو بخاری میں تو مجمل مذکور ہیں اور ابوداؤد میں مفصل مذکور ہیں، اور وہیں سے محشی نے تفصیل سے نقل کر دیا ہے فلینظر ھناک۔

باقی اس مماثلت سے کیا مراد ہے، مماثلت فی عدد الآیات یا مماثلت فی المعانی؟ علامہ عینی کہتے ہیں کہ مماثلت فی عدد الآیات مراد ہیں لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس سے مماثلت فی المعانی مراد ہے جیسے موعظت و قصص وغیرہ، مماثلت فی عدد الآیات مراد نہیں ہے، علامہ عینی نے اس پر تنقید کی ہے اور طحاوی کی ضعیف روایت سے اپنی تائید کی ہے اور واقعۃً اس روایت سے بظاہر علامہ موصوف ہی کی بات قوی معلوم ہوتی ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرِنُ بَيْنَهُنَّ: حضور ﷺ ان کو ملا کر پڑھتے تھے۔

فَذَكَرَ عِشْرِينَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ سُورَتَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ: بیس سورتیں مفصلات کی ذکر کیں ہر دو سورتیں مفصلات کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی تھیں۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم نے یہاں پہنچ کر ارشاد فرمایا کہ جب حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ ابوداؤد کی شرح بذل المجہود میں اس حدیث پر پہونچے تو حضرت نے حضرت شیخ دامت برکاتہم سے فرمایا کہ زکریا! ایک پرچہ پر یہ سورتیں نقل کر کے دے دینا، آج تہجد میں اسی ترتیب سے پڑھیں گے، یہ ترتیب ابن مسعودؓ کی ہے جو مصحف ابن مسعودؓ کے مطابق ہے مصحف عثمانی کے خلاف ہے، لیکن محبت کا معاملہ اور ہی ہوتا ہے۔

(ص ۱۰۷) بَابٌ يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

۷۷۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ

Maktaba Tul Ishaat.com

الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ، وَيُسْمِعُنَا الآيَةَ، وَيُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى مَا لاَ يُطِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، وَهَكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهَكَذَا فِي الصُّبْحِ.

ترجمہ: باب، نماز کی آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحۃ الکتاب کی قرأۃ کا بیان۔

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ہر رکعت میں ایک سورت پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کوئی آیت سنا دیتے تھے، اور پہلی رکعت کو اتنا طول دیتے تھے جتنا دوسری رکعت کو نہیں دیتے تھے، عصر میں اور فجر میں بھی اسی طرح کرتے تھے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے وہ مسئلہ جس کی طرف میں نے بَاب يُطَوِّلُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَيَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ میں اشارہ کیا تھا یہاں پر بیان کیا ہے، وہاں تو امام بخاری کا مقصود صرف یہ تھا کہ اولیین کی طویل ہوں گی اور اخرین قصیر ہوں گی، اور یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ اخرین میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی۔

حضرت امام بخاری نے اِس ترجمۃ الباب سے دو مسئلوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اول تو یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کیا جائے گا اس پر اضافہ نہیں کیا جائے گا، یہ مسئلہ جیسا کہ میں بتلا چکا ہوں کہ مختلف فیہا ہے، جمہور علماء تو اخرین میں ضم سورت کے قائل نہیں ہیں اور یہ امام شافعی کی ایک روایت اور ان کا قول قدیم ہے جو ان کے اصحاب کے یہاں مفتی بہ ہے لیکن قول جدید میں وہ ضم سورت کو مستحب قرار دیتے ہیں، حضرت امام بخاری نے بظاہر جمہور کی تائید کی ہے اور امام شافعی کی تردید کی ہے، یہ تو ہے شراح کی رائے۔

دوسرا مسئلہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس سے اس بات پر تنبیہ کی ہو کہ جیسے اولیین میں قرأۃ ہے اخرین میں بھی قرأۃ ہوگی، اس صورت میں امام بخاری نے جمہور کی تائید کی ہے اور امام ابو حنیفہ کی تردید کی ہے کیوں کہ وہ اخرین میں قرأۃ کے قائل نہیں ہیں، لیکن حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ اگر اخرین میں کوئی ترک قرأۃ کر دے تو سجدۂ سہو واجب ہو گا، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اخرین میں ان کے یہاں قرأۃ واجب ہے اسی کو علامہ عینی نے صحیح قرار دیا اور ابن ہمام نے اسی کو احوط قرار دیا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(ص ۱۰۷) بَاب مَنْ خَافَتَ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

۷۷۶. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: قُلْنَا لِخَبَّابٍ: أَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کی دلیل کا بیان جو ظہر اور عصر میں سری قراۃ کے قائل ہیں۔

ابو معمر نے کہا کہ ہم نے حضرت خبابؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں قراۃ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں، ہم نے عرض کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ تو فرمایا آپ کی ریش مبارک کی مسلسل حرکت سے۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ صلوۃ ظہر و عصر میں قراۃ سریہ ہوگی۔

اس مسئلہ میں تو سب کا اتفاق ہے کہ جہری نمازوں میں جہر مطلوب ہے اور سرّی نمازوں میں اسرار مطلوب ہے، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر سرّی میں جہر کر دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ جمہور علماء امام شافعی واحمد فی الأصح ارشاد فرماتے ہیں کہ مکروہ کا ارتکاب ہوا باقی کچھ بھی نہیں، امام مالک اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سریہ میں اسرار اور جہریہ میں جہر واجب ہے، لہذا اس کے خلاف کرنے کی صورت میں سجدۂ سہو آئے گا، بہت ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس سے جمہور کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہو۔

مَنْ خَافَتَ: جو اخفاء کرے، معلوم ہوا کہ یہ مطلوب ہے مگر درجۂ واجب نہیں۔

(ص ۱۰۷) بَاب إِذَا أَسْمَعَ الإِمَامُ الآيَةَ

۷۷۷. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ مَعَهَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُولَيَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ وَيُسْمِعُنَا الآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يُطِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى.

ترجمہ: باب، اگر امام (سری نماز) میں کوئی آیت سنادے (تو مضائقہ نہیں)۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک اور سورت پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی کوئی آیت سنا دیتے تھے اور آپ پہلی رکعت کو طول دیتے تھے۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر امام ایک آدھ آیت سنا دے تو یہ مسنون اسرار کے خلاف نہیں ہے۔

اگر صلاۃ سریہ میں امام نے کچھ قراۃ جہراً پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟ حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ مطلقاً سجدۂ سہو واجب ہو گا، لیکن صاحب ہدایہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ ماتجوز بہ الصلوۃ کے بقدر جہر کر دیا تب تو سجدہ سہو واجب ہو گا ورنہ واجب نہیں ہو گا۔

جہر بعض وقت بے اختیار بھی ہو جایا کرتا ہے اور یہ جو بعض لوگوں کی عادت ہے کہ قصداً سرّی نمازوں میں جہر کرتے ہیں یہ بالکل مناسب نہیں ہے، اور اگر یونس جہر کرتا ہے بلا قصد تو اس کا اتباع مشروع نہیں ہے۔

وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا: یا تو حضور پاک ﷺ اسماعِ آیت کا قصد کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ پڑھ رہے ہیں، یا یہ کہ معلوم ہو جائے کہ آپ قراۃ کر رہے ہیں لیکن وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قصداً ایسا کرتے تھے۔

(ص ۱۰۷) بَابُ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى

۷۷۸. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ وَيَفْعَلُ ذَلِكَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ.

ترجمہ: باب، پہلی رکعت کو طول دینے کا بیان۔

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کی پہلی رکعت کو طول دیتے تھے اور دوسری رکعت لو اس سے کم کرتے تھے اور فجر کی نماز میں بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد ظاہر ہے یعنی پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل ہو گی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس مسئلہ میں تھوڑا اختلاف ہے، علماء کے اس میں تین چار قول ہیں، سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل، محمد بن الحسن شیبانی اور مالکیہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ہر نماز میں رکعتِ اولیٰ رکعتِ ثانیہ سے طویل ہوگی، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صرف فجر کی رکعتِ اولیٰ ثانیہ سے طویل ہوگی، امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں رکعتوں میں تسویہ کیا جائے گا، اس کے بعد پھر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ تطویل الثانیۃ علی الاولیٰ مکروہ ہے، امام مالک سے منقول ہے لا بأس بہ یعنی اگر ثانیہ کو اولیٰ سے طویل کر دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر اس کو مستقل قول بنایا جائے تو یہ چوتھا قول بن جائے گا، محققین نے پہلے ہی قول کو اختیار کیا ہے، شافعیہ میں سے امام بیہقی ونووی اور مالکیہ میں سے قاضی عیاض اور حنفیہ میں سے محقق ابن ہمام کی یہی رائے ہے کہ اولیٰ ثانیہ سے طویل ہونی چاہیے۔

(ص ۱۰۷) بَاب جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ

ترجمہ: باب، امام کے اٰمین کو جہراً کہنے کا بیان۔

عطاء نے کہا کہ اٰمین دعا ہے، ابن زبیرؓ نے آمین کہی اور انکے پیچھے لوگوں نے آمین کہی حتی کہ مسجد میں گونج پیدا ہوگئی، اور حضرت ابوہریرہؓ امام کو آواز دے کر یہ کہتے کہ یہ خیال رکھنا کہ میری آمین نہ رہ جائے، نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ آمین نہیں چھوڑتے تھے اور لوگوں کو بھی آمین کہنے پر آمادہ کرتے تھے اور میں نے ان سے اس سلسلے میں ایک روایت بھی سنی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کیوں کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے گی اس کے تمام گزشتہ گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی، ابن شہاب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ آمین کہتے تھے۔

تشریح: امام کے آمین جہر سے کہنے کے بیان میں، آمین میں دو لغات مشہور ہیں۔

آمین بالمد، یہی اکثر اہل لغت وعلماء غریب الحدیث نے ذکر کیا ہے اور تمام قراء نے اسی طرح نقل کیا ہے، امام نووی کہتے ہیں کہ روایات حدیث میں اسی طرح آیا ہے، قاضی ابو الولید باجی فرماتے ہیں کہ کسی نے بھی آمین بالمد کے علاوہ حضور اکرم ﷺ سے اور کوئی لغت نقل نہیں کی، علماء نے لکھا ہے کہ یہی افصح واشہر ہے۔

دوسری لغت امین بالقصر کی ہے، یہ لغت ثعلب نے نقل کی ہے، قاضی ابن عربی فرماتے ہیں والقصر أفصح وأخصر وعلیھا من الخلق الأکثر، لیکن قاضی صاحب کی یہ بات مسلم نہیں ہے، اکثر علماء پہلے قول کے

Maktaba Tul Ishaat.com

قائل ہیں، دوسری لغت اگرچہ ثعلب نے نقل کی ہے لیکن ابن درستویہ نے اس پر اعتراض کیا اور علماء کی رائے یہ ہے کہ قصر صرف ضرورت شعری میں ثابت ہے، جبیر بن اضبط کہتا ہے

تباعدعنی فطحل إذ دعوته　　　أمین فزاد اللہ مابیننا بعدا

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ شعر فاسد ہے، قاضی ابو الولید باجی فرماتے ہیں اس میں ایک دوسری روایت فآمین زاد اللہ مابیننا بعدا بھی ہے، یعنی اس شعر کو اَمین بالقصر کے استشہاد میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے، ابو العباس احمد بن محمد فیومی نے لکھا ہے کہ بالقصر لغت حجاز ہے اور بالمد لغت بنی عامر ہے، اور یہ مدِ الف اشباع کی وجہ سے آیا ہے کیوں کہ کلام عرب میں فاعیل کا وزن نہیں ملتا ہے، اور بعضوں کا خیال یہ ہے کہ یہ معرب کلمہ ہے سریانی یا عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کی تعریب کر کے آمین کر لیا گیا۔

ابو الحسن واحدی نے حمزہ اور کسائی سے امالہ کے ساتھ نقل کیا ہے، علامہ شامیؒ نے علامہ سید احمد طحطاوی سے نقل کیا ہے کہ صرف انہیں تینوں طرح کہنے سے سنتِ آمین ادا ہو گی۔

حضرت حسن بصری اور حسین ابی الفضل بلخی سے آمین بالمد والتشدید منقول ہے اور حضرت جعفر صادق سے اس کی شرح نقل کی گئی ہے قاصدین إلیک أنت الکریم من أن تخیب قاصدا، لیکن یہ وزن لغوی حیثیت سے صحیح نہیں ہے، ابو العباس احمد بن یحیٰ ثعلب الفصیح میں لکھتے ہیں و التشدید خطأ، علامہ عینی فرماتے ہیں وھو خطأ فی المذاھب الأربعة۔

اس میں تو مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ آمین بالمد والتشدید کہنا جائز نہیں، لیکن اگر کسی نے کہہ دیا تو نماز بھی فاسد ہو گی یا نہیں؟ حنفیہ اور شافعیہ کے دونوں قول ہیں، امام ابو حنیفہ فساد کے قائل ہیں اور صاحبین صحت کے، حضرات شافعیہ میں صاحب التتمہ عمداً تشدید کی صورت میں فساد کے قائل ہیں، ابو محمد الجوینی اور شیخ نصر المقدسی کی رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہو گی، امام نووی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، اور عدم الفساد کا قول احناف کے یہاں مفتی بہ ہے کما قالہ العینی و صاحب البحر۔

اس کے علاوہ علامہ شامی نے پانچ لغات یا احتمالات اور بھی نقل کئے ہیں ۱۔ اَمِنَ بفتح الھمزة و کسر المیم، ۲۔ أمِنْ فاعل کے وزن پر، ۳۔ اَمِّن بفتح الھمزة و تشدید المیم المکسورة علی وزن الأمر من التفعیل، ۴۔ اَمِّینْ بالقصر و التشدید، ۵۔ اٰمِّن بالمد و التشدید، پہلے دو سے نماز ہو جائے گی اس لئے کہ یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

قرآن کی لغت ہے اور قرآن میں وارد ہے اور اخیر کے تینوں سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

آمین کے معنیٰ میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ اس کے معنی ۱ اللھم استجب ہیں، امام نووی نے یہی معنی حضرات جمہور سے نقل کئے ہیں، ۲ وقیل افعل، ۳ وقیل لاتخیّب رجاءنا، ۴ وقیل لایقدر علی ھذا غیرک، ۵ وقیل اللھم أمِنّا بخیر، ۶ وقیل درجۃ فی الجنۃ تجب لقائلھا، ۷ وقیل لمن استجیبت لہ، ۸ وقیل کنز من کنوز العرش لایعلم تاویلہ إلا اللہ، ۹ وقیل طابع اللہ علی عبادہ یدفع بہ عنھم الأفات، ۱۰ وقیل ھو اسم من أسماء اللہ، وھذا ضعیف واہ۔

صاحب کافی نے لکھاہے کہ یہ ھمین کا معرب ہے، بعض کہتے ہیں کلمۂ عبرانی اور بعض کہتے ہیں سریانی ہے، بعض کہتے ہیں اگر بالقصر والتشدید ہو تو عبرانی یا سریانی لفظ ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ روافض کہتے ہیں کہ اس کا کہنا بدعت ہے اور اگر کوئی کہے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اس لئے کہ نہ یہ قرآن میں ہے اور نہ ذکر ہے، جمہور علماء اس کی مشروعیت کی قائل ہیں باوجودیکہ یہ قرآن میں نہیں ہے، اور صاحب تیسیر نے جو ابن مجاہد سے یہ نقل کیاہے کہ یہ فاتحہ کا جزء ہے یہ نقل غلط ہے اور اگر ابن مجاہد اس کے قائل ہوں تو یہ قول غلط ہے۔

جمہور علماء یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور دعا کا ثبوت قرآن پاک سے ہے، اس کے بعد جمہور کے مابین اس کے درجہ میں اختلاف ہے، اکثر حضرات جن میں ائمۂ اربعہ بھی ہیں یہ فرماتے ہیں کہ اس کا کہنا درست ہے، اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ واجب ہے، ابن حزم فرماتے ہیں کہ امام کے لئے سنت اور مقتدی کے لئے واجب ہے، کیوں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے إذا أمّن الإمام فأمّنوا، أمّنوا امر کا صیغہ ہے لہذا مقتدی کے لئے واجب ہے امام کے لئے نہیں، ظاہریہ کہتے ہیں کہ إذا أمّن میں إذا تحقیق کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور واقعی تحقیق وجوب ہی کی صورت میں ہو گی، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آمین کہنا واجب نہیں ہے اس لئے کہ مسیئ فی الصلوۃ کو آپ نے اس کی تعلیم نہیں فرمائی تھی۔

پھر اس مسئلہ میں تو اتفاق ہے کہ منفرد اور مقتدی آمین کہے گا، صرف امام کے مسئلہ میں اختلاف ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ امام بھی آمین کہے گا، یہی احناف ومالکیہ کا ایک قول ہے، امام مالک سے ایک قول حافظ نے نقل کیاہے کہ امام کسی نماز میں آمین نہیں کہے گا، یہی امام محمد بن الحسن نے مؤطا میں اور حسن بن زیاد نے امام

Maktaba Tul Ishaat.com

ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے، اور امام مالک سے ایک قول یہ منقول ہے کہ امام صلوۃ جہریہ میں آمین نہیں کہے گا اور سریہ میں کہے گا، اکابر مالکیہ میں قاضی ابو الولید باجی فرماتے ہیں کہ اس میں اتفاق ہے مالکیہ کا کہ امام سری نماز میں آمین کہے گا، معلوم ہوا کہ مالکیہ کی طرف امام کے مطلقاً آمین نہ کہنے کا قول منسوب کرنا محل تامل ہے۔

بہر حال جو لوگ کہتے ہیں کہ امام آمین نہیں کہے گا ان کا استدلال إذا قالَ الْإِمامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقولُوا آمِينَ سے ہے، حاصل استدلال یہ ہے کہ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے امام اور مقتدی کا وظیفہ تقسیم کر دیا ہے، امام وَلَا الضَّالِّينَ کہے گا اور مقتدی آمین کہے گا۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ دوسری روایت میں إذا أمّن الإمام فأمّنوا بھی وارد ہوا ہے۔

مالکیہ کی طرف سے اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱) اس لفظ کو اس طرح نقل کرنے میں امام ابن شہاب زہری منفرد ہیں، یہ جواب امام مالک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ابن شهاب إمام لا یضره التفرد وہ تو اتنے بڑے امام حدیث ہیں کہ اگر وہ کوئی لفظ تنہا نقل کرتے ہوں تو اس سے اس روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس کے اعتماد میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ إذا أمّن قضیہ شرطیہ ہے وهو لا یقتضی الوقوع۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ إذا تحقق پر دلالت کرتا ہے اور وقوع کے لئے آتا ہے، نیز إذا قالَ الْإِمامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ بھی قضیہ شرطیہ ہے حالانکہ امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہتا ہے تو یہاں پر بھی یہی مراد ہوگا، یعنی اگر چہ یہ قضیہ شرطیہ ہے لیکن امام آمین کہے گا، اور اس سے آمین نہ کہنا ثابت نہیں ہوتا ہے جبکہ بعض دیگر طرق میں ہے وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ آمِينَ۔

نیز اشکال یہ ہے کہ یہ مرسل ہے اور ابن شہاب زہری کے مراسیل ضعیف ہیں، ابو قدامہ سرخسی فرماتے ہیں یحیی بن سعید فرمایا کرتے تھے مراسیل الزهری شر من مراسیل غیره، لأنه إمام حافظ وكلما قدر أن يسمّي سمّي وإنما يترك من لا يستجيز أن يسمّيه، مطلب یہ ہے کہ زہری بڑے عالم ہیں حافظ حدیث ہیں جس کا نام لے سکتے ہیں کوئی مانع نہیں ہوتا لے لیتے ہیں، جہاں نام لینے سے کوئی مانع ہوتا ہے وہیں چپ ہوتے ہیں، لیکن بخاری کا اس مرسل روایت کو نقل کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ بات ثابت ہے، اور امام عبد الرزاق، احمد

Maktaba Tul Ishaat.com

بن حنبل، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابو العباس سراج بطریق معمر عن الزهری یہی روایت نقل کرتے ہیں اس میں ہے إِذَا قَالَ الإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُولُ آمِينَ وَإِنَّ الإِمَامَ يَقُولُ آمِينَ۔

(۳) تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ إذا أمّن الإمام کے معنی إذا دعا الإمام اور اس سے مراد اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہے، قرآنِ پاک میں ہے قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا یہ خطاب حضرت موسیٰ وہارون کو ہے، حارث بن اسامہ (ابن خزیمہ (۳/۳۹)) اور ابن مردویہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ دعا کر رہے تھے اور حضرت ہارون آمین کہہ رہے تھے، تو آمین کہنے والے کو قرآن پاک میں داعی قرار دیا ہے لہذا دعا کرنے والے کو مومّن بھی کہا جاسکتا ہے، حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی تلازم نہیں ہے یعنی اگر آمین کہنے والے کو داعی کہا جاسکتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ داعی کو مومّن بھی کہا جاسکے، نیز انسؓ کی روایت مذکورہ ضعیف بھی ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ إذا أمّن کے معنی بلغ موضع التامین ہیں، قاضی ابن عربی نے اس کو بعید قرار دیا ہے، اور امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ یہ مجاز ہے، اگر کوئی قرینہ مجاز پر دلالت کرے گا تو اختیار کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

آمین جہرًا کہی جائے گی یا سرًا؟ پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آمین کس طرح کہی جائے؟ مالکیہ واحناف فرماتے ہیں کہ امام و مقتدی سب ہی اخفاء کریں گے اور اخفاء ہی مسنون ہے، امام شافعی قول قدیم میں اور امام احمد بن حنبل مسائل عبد اللہ بن احمد میں فرماتے ہیں کہ امام و مقتدی جہر سے آمین کہیں گے، امام شافعی نے کتاب اختلاف مالک والشافعی میں اس کی تصریح کی ہے، امام شافعی کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ امام تو بالجہر کہے گا اور مقتدی بالسر، یہ روایت کتاب الأم میں مذکور ہے، تو اب اس مسئلہ میں تین قول ہو گئے۔

(۱) سارے بالجہر کہیں گے (۲) سارے بالسّر کہیں گے (۳) امام بالجہر اور مقتدی بالسّر کہے گا۔

امام بخاری اس مسئلہ میں شافعی واحمد کے ہم خیال ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ امام و مقتدی سبھی جہر کے ساتھ آمین کہیں گے، چنانچہ امام بخاری نے یہ ترجمہ بَابُ جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ اور آئندہ بَابُ جَهْرِ الْمَأْمُومِ بِالتَّأْمِينِ

Maktaba Tul Ishaat.com

منعقد فرمایا ہے۔

حضرت امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا مقتدیوں کے آمین کو امام کے آمین پر معلق کیا گیا ہے اور مقتدی امام کے ساتھ اسی وقت آمین کہہ سکتے ہیں جب وہ امام کی آمین سنیں، اور اگر نہ سنیں گے تو امام کے ساتھ آمین کیسے کہہ سکتے ہیں؟

امام بخاری نے جس طرح یہ استدلال کیا ہے اسی طرح امام شافعی اور محدث ابن خزیمہ نے بھی استدلال کیا ہے، لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آمین کا محل معلوم ہے، لہذا جب آمین کا محل آئے گا جس میں امام آمین کہتا ہے مقتدی بھی وہاں آمین کہیں گے، اور إذا أَمَّنَ کے معنی إذا بلغ موضع التأمین ہے، جب آمین کی جگہ پہنچ جائے یا إذا أراد آمین جب وہ آمین کا ارادہ کرے تم بھی ارادہ کرو، اور آمین کا ارادہ کرے گا وَلَا الضَّالِّينَ کے اختتام پر، لہذا تم بھی وَلَا الضَّالِّينَ کے اختتام پر آمین کہو، چنانچہ دوسری روایت میں وارد ہوا ہے إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ، جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہو، معلوم ہوا کہ مقتدیوں کے آمین کہنے کی جگہ امام کے وَلَا الضَّالِّينَ کے بعد ہے، اور یہ جو فرمایا گیا ہے إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا یہ بظاہر جہر پر دلالت کرتا ہے لیکن إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ اقرب إلى الإخفاء ہے۔

ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دار قطنی اور بیہقی نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ أُمِّ الْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ آمِينَ، قال الحاكم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي وقال الدارقطني والبيهقي إسناده حسن ووافقهما العلامة قاسم بن قطلوبغا الحنفي۔

لیکن بعض متاخرین احناف فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو صحیح یا حسن کہنا صحیح نہیں ہے، یہ بدو وجہ معلول ہے، اولاً تو اس لئے کہ اس کی سند میں اسحاق بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی الشہیر بابن زبریق ہے جو روایت کرتا ہے عن عمرو بن الحارث عن عبداللہ بن سالم عن الزبیدی عن الزہری عن أبی سلمة وسعید المقبری عن أبی ہریرة، اور یہ مختلف فیہ ہے، ابوحاتم رازی فرماتے ہیں لا بأس به، سمعت ابن معین یثنی علیه، وقال النسائی لیس بثقة، وقال أبو داود لیس بشیئ، اور حافظ حمص محمد بن عوف الطائی فرماتے ہیں لا أشک أن ابن زبریق یکذب، مگر ابوحاتم رازی اور ان کے استاذ ابن معین کی ثناخوانی اور تقویت کے بعد ابن عوف طائی کا کلام

Maktaba Tul Ishaat.com

محل تامل بن جائے گا۔

ظن غالب یہ ہے کہ وہ بالقصد دروغ گوئی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو کثرت سے اوہام لاحق ہوتے تھے اسی لئے ان کی روایات اور بیانات میں غلطیاں واقع ہوتی تھیں، ابن عوف نے یہ خیال کیا کہ یہ دروغ گوئی اور غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اس لئے حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں یہ فیصلہ کیا ہے صدوق یھم کثیرا، صدوق ہے لیکن اس کو کثرت سے وہم واقع ہوتا ہے۔

دوسری علت یہ ہے کہ زبیدی کے تلامذہ میں اختلاف ہے، عبد اللہ بن سالم زبیدی سے الفاظ بالا إذا فرغ الخ نقل کرتے ہیں، لیکن بقیہ یہی روایت زبیدی سے نقل کرتے ہیں تو صرف سند میں ابو سلمہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور متن إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا نقل کرتے ہیں، امام دار قطنی کتاب العلل میں فرماتے ہیں ھذا ھو المحفوظ یعنی اس روایت میں یہی إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا ہی محفوظ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے دوسری روایت بھی منقول ہے، امام ابو داؤد، ابو یعلی، ابن ماجہ نے بطریق بشر بن رافع عن أبی عبد اللہ ابن عمّ أبی ھریرۃ عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا تَلَا غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ اور ابن ماجہ کی روایت میں اس کے آگے فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ کا اضافہ ہے۔

لیکن یہ روایت ضعیف ہے بدو وجہ، اولاً تو اس میں بشر بن رافع ابو الاسباط نجرانی ہے جو ضعیف ہے، امام احمد فرماتے ہیں ضعیف، وقال ابن معین حدث بمناکیر، وقال البخاری لا یتابع فی حدیثہ، وقال الترمذی والنسائی لیس بالقوی، وقال ابن حبان روی اشیاء موضوعۃ کأنہ المعتمد لھا، ابن عبد البر کتاب الکنی میں لکھتے ہیں ضعیف عندھم منکر الحدیث، اور کتاب الانصاف میں لکھتے ہیں اتفقوا علی إنکار حدیثہ وطرح مارواہ وترک الاحتجاج بہ لا یختلف علماء الحدیث فی ذلک۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ابو عبد اللہ بن عمّ ابی ہریرہ مجہول راوی ہے، علامہ ابو الحسن بن القطان الفاسی نے دونوں علتوں کی بنا پر روایت کے ضعف کا حکم لگایا ہے، اسی طرح علامہ ابن قیم بھی اس کی تضعیف کے قائل ہیں، حافظ ابن حجر پر تعجب ہے کہ انہوں نے یہ روایت فتح الباری میں درج کر دی اور اس پر نقد نہیں کیا حالانکہ انہوں نے تقریب التہذیب میں ابو الاسباط نجرانی کی تضعیف فرمائی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن اس حدیث کی ایک صحیح سند بھی ہے، امام حمیدی فرماتے ہیں حدثنا سفیان قال حدثنا سعید المقبری عن أبی هریرة قال كان رسول الله ﷺ إذا قال ولا الضالين رفع صوته وقال آمين حتى يسمع من يليه من الصف الأول، یہ سند صحیح ہے اور مسند حمیدی کے مطبوعہ نسخوں میں یہ روایت نہیں ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے مختصر طور پر اس کا ایک حصہ فتح الباری میں نقل کیا ہے اور بعض دوسرے علماء نے پوری روایت ذکر فرمائی ہے، ابو ہریرہؓ کی تمام روایات کو اگر ملایا جائے تو یہ بات بالکل صاف طور سے واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا مبنی جہر بالتامین پر ہے اور خود ابو ہریرہؓ کا معمول بھی یہی تھا جیسا کہ آئندہ آرہا ہے، اور وائل بن حجرؓ کی روایت ابو داؤد (۲/۱۰۰)، ترمذی اور صحیح ابن حبان میں ہے اس میں بھی فقال آمین ورفع بها صوته وارد ہوا ہے، امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے، دار قطنی نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

اخفاءِ آمین کے دلائل: جو حضرات اخفاء کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اول تو آمین دعا ہے جیسے عطاء فرماتے ہیں اور دعا کا ادب اخفاء ہے، قال تعالیٰ ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اکابر صحابہ سے اخفاء نقل کیا جاتا ہے، امام طحاوی، ابن جریر طبری نے حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت علیؓ سے اخفاء نقل کیا ہے اور اس کی سند میں اگرچہ ابو سعد بقال ہے لیکن اس کی روایت لا بأس به کے درجہ میں ہے، اور بہت سے تابعین سے یہی قول نقل کیا جاتا ہے۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا إذا قال الإمام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فقولوا آمين اس سے علی التبادر اخفائے آمین ہی مستفاد ہوتا ہے، اسی طرح حدیثِ سکتتین کے بعض طرق میں سکتة عند ختم الفاتحة منقول ہے یہ سکتہ بظاہر تامین ہی کا تھا، لیکن یہ دلیل غیر ناہض ہے اس لئے کہ سکتۂ ثانیہ کے محل میں روایات میں اختلاف ہے، نیز حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں خفض بها صوته بھی وارد ہوا ہے رواه أحمد والترمذي والطيالسي والدارقطني والحاكم، اور بعض الفاظ میں أخفى بها صوته ہے۔

لیکن اس پر امام بخاری وغیرہ نے کلام کیا اور کہتے ہیں کہ شعبہ کو اس روایت میں غلطی واقع ہو گئی، انہوں نے عن حجر بن عنبس کے بجائے عن حجر أبي العنبس کہہ دیا، حالانکہ یہ حجر بن عنبس ابو السکن کوفی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی دونوں کنیتیں ہیں جیسا کہ ابن حبان نے تصریح کی ہے، اور حجر ابو العنبس کہنے میں شعبہ منفرد نہیں ہے بلکہ ثوری نے ان کی متابعت کی ہے، ثوری کی روایت ابو داؤد شریف میں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

امام بخاری نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ شعبہ نے سند میں علقمہ کا اضافہ کر دیا حالانکہ یہ روایت حجر بن عنبس؛ وائلؓ سے براہ راست نقل کرتے ہیں جیسا کہ سفیان کے طریق میں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علقمہ کا اضافہ من قبیل المزید فی متصل الاسانید ہے، اسی روایت میں طیالسی کی مسند میں حجر بن عنبس کے متعلق یہ منقول ہے وقد سمعت من وائل یعنی علقمہ سے بھی سنا اور وائلؓ سے بھی سنا ہے، ابو مسلم الکجی کی سنن میں بھی اسی طرح سے واقع ہوا ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ شعبہ نے خفض بھا صوتہ کہہ دیا حالانکہ روایت کے الفاظ رفع بھا صوتہ یا مدّ بھا صوتہ ہے جیسا کہ سفیان فرماتے ہیں، لیکن ان دونوں لفظوں میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے، رفع بھا صوتہ کے معنی تو یہ ہے کہ آواز کے ساتھ کہا اور خفض بھا صوتہ کے معنی یہ ہے کہ بہت زیادہ بلند آواز سے قرأۃ کے انداز میں نہیں کہا بلکہ پست آواز سے کہا، اگر آواز نہ ہوتی تو وائلؓ کو پتہ کیسے چلتا کہ حضور اکرم ﷺ نے آمین کہی ہے، لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ شعبہ اور سفیان کی روایتوں میں بالکل کوئی تعارض نہیں ہے، نہ معلوم کیسے ان حضرات نے تعارض تصور فرمالیا۔

چوتھا اعتراض امام ترمذی نے العلل الکبری میں امام بخاری سے یہ نقل کیا کہ علقمہ نے اپنے باپ وائلؓ سے نہیں سنا۔

یہ بالکل غلط اعتراض ہے، اگر امام بخاری نے کہا تو ان کو وہم ہو گیا اور اگر ترمذی نے بے سوچے نقل کر دیا تو ان کو بھی وہم ہو گیا، علقمہ کا وائلؓ سے سننا مسلم، بخاری کی جزء القرأۃ اور اسی طرح سے نسائی وغیرہ میں مصرح ہے بلکہ امام ترمذی نے کتاب الحدود میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ علقمہ نے وائلؓ سے سنا ہے۔

ایک اہم اعتراض: ان اعتراضات کے بعد ایک اعتراض بہت زوردار ہے، وہ یہ ہے کہ سفیان ثوری کی روایت میں رواۃ کا کوئی اختلاف نہیں اور شعبہ کی روایت میں اختلاف ہے، ابو الولید طیالسی یہی روایت شعبہ سے نقل کرتے ہیں تو خفض بھا صوتہ کے بجائے رفع بھا صوتہ نقل کرتے ہیں کما ذکرہ البیہقی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں ابو الولید کی روایت شاذ ہے، کیوں کہ شعبہ کے عام تلامذہ ابو داؤد طیالسی، محمد بن جعفر غندر، عبد الرحمن مہدی، یزید بن زریع، عمرو بن مرزوق اس روایت میں خفض بھا صوتہ نقل

Maktaba Tul Ishaat.com

کرتے ہیں، ابوداؤد طیالسی کی روایت ان کی مسند میں ہے، محمد بن جعفر غندر اور عبد الرحمن بن مہدی کی مسند احمد میں ہے، یزید بن زریع کی روایت ترمذی میں ہے، عمرو بن مرزوق کی روایت ابو مسلم کجی نے تخریج کی ہے، پھر ابو الولید طیالسی کا تلمیذ ابراہیم بن مرزوق ہے اور یہ اخیر میں نابینا ہو گیا تھا اور اس کو خطا واقع ہوتی تھی، تنبیہ کرنے پر اپنی خطا سے رجوع نہیں کیا کرتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ علت ضعیف ہے اور شعبہ کی روایت میں خفض بھا صوته یا أخفی بھا صوته ہی ثابت ہے، بعض لوگوں نے سفیان کی روایت کو شعبہ پر ترجیح دیتے ہوئے یہ کہا کہ ائمۂ فن یحیٰ القطان، یحیٰ بن معین وغیرہ فرماتے ہیں کہ شعبہ اور ثوری میں جب اختلاف ہو گا تو ہم ثوری کے قول کو لیں گے، لیکن دوسرے حضرات اس کے عکس کے قائل ہیں، امام احمد سے پوچھا گیا کہ شعبہ اثبت ہے یا سفیان؟ انہوں نے فرمایا کہ سفیان ثوری حافظ تھے صالح تھے و کان شعبة أثبت منه، علی بن مدینی نے یحیٰ القطان سے پوچھا أیھما کان أمرّ شعبة أو الثوری؟ تو فرمایا کان شعبة أمرّ فی الأحادیث الطوال، أو کما قال، اسی کے قریب عبارت ہے، اور شعبہ کی روایت کی ایک ترجیح یہ ہے کہ ثوری مدلس ہے، اور شعبہ کہتے ہیں لأن أخرّ من السماء فأتقطع أحب إلیّ أن أدلس۔

اور بعض علماء نے جمع کیا ہے اور کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے پست آواز سے آمین کہا تھا جو قرأۃ کی آواز سے کم تھی اور قرأۃ کے انداز میں جہر نہیں تھا، اس لئے جس نے روایت میں رفع بھا صوته یا مدّ بھا صوته ذکر کیا ہے اس کی بات بھی صحیح ہے اور جس نے أخفی بھا صوته یا خفض بھا صوته نقل کیا ہے اس کی بات بھی درست ہے، محقق ابن ہمام نے اسی طرح جمع فرمایا ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے تعلیماً ایسا کیا تھا، ابو بشر دولابی نے کتاب الکنی میں بسند ضعیف روایت کیا ہے اس میں تصریح ہے کأنه یعلمنا، قال آمین یمدّ بھا صوته، گویا کہ حضور اکرم ﷺ ہمیں سکھا رہے ہیں۔

اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ ہو سکتا ہے بعض اوقات جہر کیا ہو اور بعض اوقات اخفاء کیا ہو، امام ابو جعفر بن جریر طبری فرماتے ہیں کہ رفع صوت اور خفض صوت کی دونوں روایتیں ثابت ہیں اور میرے نزدیک مختار خفض صوت ہے اس لئے کہ یہی اکثر صحابہ وغیرہ سے منقول ہے، انتھی کلام الطبری بمعناہ، نقله صاحب

Maktaba Tul Ishaat.com

الجوهر النقی وعنه صاحب معارف السنن (۲/۳۹۸)۔

وَقَالَ عَطَاءٌ آمِينَ دُعَاءٌ: وصله عبد الرزاق۔

أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً: لجة صوتِ مرتفع، ابن زبیرؓ کے آمین کہنے کو امام شافعی نے اختلاف مالک والشافعی میں، عبد الرزاق نے مصنف میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں موصولاً روایت کیا ہے۔

وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُنَادِي الْإِمَامَ لَا تَفُتْنِي بِآمِينَ: أخرجه ابن أبی شیبة وغیره۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ بحرین میں علاء بن حضرمیؓ کے لئے اذان دیتے تھے، امام بیہقی نے ایک مفصل روایت نقل کی ہے کہ مدینہ میں مروان کے لئے اذان دیتے تھے اور مروان سے یہ شرط لگائی تھی کہ جب تک وہ صف میں داخل نہ ہو جائیں مروان ولا الضالین نہ کہے، مقصد یہ تھا کہ اس کے آمین کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ بھی آمین کہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اذان کے بعد صفیں درست کرنے لگ جاتے تھے اور ان کو یہ خطرہ ہوتا تھا کہ مروان پہلے آمین کہہ لے گا اس لئے اس سے شرط لگائی تھی۔

وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَدَعُهُ الخ: هذا وصله عبد الرزاق فی مصنفه۔

وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِي ذَلِكَ خَبَرًا: بائے موحدہ کے ساتھ یعنی حدیثا مرفوعا، یا خیرًا بالیاء یعنی اس کی فضیلت سنی ہے۔

فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ: اس موافقت کی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موافقت فی الوقت ہے، اور امام ابو حاتم بن حبان بستی فرماتے ہیں اس سے مراد موافقت فی الإخلاص ہے۔

(ص ۱۰۸) بَابُ فَضْلِ التَّأْمِينِ

۷۷۹. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ: آمِينَ وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ: آمِينَ،

Maktaba Tul Ishaat.com

فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: باب، آمین کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں اور ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے موافقت کر جاتی ہے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(ص ۱۰۸) بَاب جَهْرِ الْمَأْمُومِ بِالتَّأْمِينِ

۷۸۰. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ فَقُولُوا: آمِينَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَنُعَيْمٌ الْمُجْمِرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، مقتدی کے آمین کو جہراً کہنے کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو اس لئے کہ جس کے آمین کہنے کی فرشتوں کے آمین کہنے سے موافقت ہو جائے گی تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اس روایت میں سُمیّ مولیٰ ابی بکر کی محمد بن عمرو نے بہ سند ابو سلمہ عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ متابعت کی ہے اور نعیم المجمر نے بہ سند ابو ہریرہ عن النبی ﷺ متابعت کی ہے۔

تشریح: بعض نسخوں میں **جهر الإمام** کا لفظ واقع ہوا ہے، یہ غلط ہے کیوں کہ **جهر الإمام** تو گزر چکا اب اس کو دوبارہ لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس سے امام بخاری نے مقتدی کے آمین بالجہر کہنے کا مسئلہ بیان کیا ہے، یہی امام شافعی کا قول قدیم ہے، امام احمد کا مذہب ہے، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے یہاں مقتدی جہر کے ساتھ آمین نہیں کہے گا، یہی امام شافعی کی ایک روایت ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ: امام بخاری نے فقولوا سے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے، علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں اس لئے کہ لفظ قول سے خطاب کیا جاتا ہے بالاطلاق تو اس سے جہر مراد ہوتا ہے، کیوں کہ اس سے اسرار و اخفاء یا حدیث نفس مراد ہوتا تو اس کی قید لگائی جاتی ہے۔

لیکن یہ استدلال ضعیف ہے اس لئے کہ خطاب بالقول التحیات اور الصلوۃ علی النبی ﷺ اور ربنا لک الحمد میں وارد ہوا ہر ایک میں قولوا فقولوا کا لفظ وارد ہوا ہے، حالانکہ کوئی بھی ان کے جہر کا قائل نہیں ہے، بہرحال امام بخاری کا طرز استدلال وہی ہے جو زین بن منیر نے ذکر کیا ہے۔

بعض علماء محققین کی رائے یہ ہے کہ ابوہریرہؓ کی دو حدیثیں ہیں، ایک حدیث إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ ہے، اور دوسری حدیث ہے إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا، دونوں کا ایک دوسرے سے التقاء نہیں ہوتا ہے، حدیث إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا کا مقصد تو صرف آمین کی فضیلت بیان کرنا ہے اور حدیث إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ سے مقتدی کو اتمام سکھلانا ہے، اور اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا کے جتنے طرق ہیں اس میں بس جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اتنا ہی مذکور ہے آگے کوئی اضافہ نہیں ہے، اور اس حدیث میں اور بھی مضامین ہیں جیسے إذا کبر فکبروا و إذا قرأ فأنصتوا و إذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد وغیرہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث تو اصل میں وظائف مقتدی کو بیان کرنے کے لئے ذکر کی گئی ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ مقتدی کا وظیفہ قراۃ نہیں ہے کیوں کہ قراۃ کو تو امام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور فرمایا گیا إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ الخ، بخلاف مقتدی کے کہ اس کو کہا گیا فَقُولُوا آمِينَ تم آمین کہو، نیز یہ لفظ اقرب إلی الإخفاء ہے کما ذکرت۔

غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ: اس سے مراد گناہ صغیرہ ہے، اور اگر نیت خالصہ شامل ہو جائے تو کبائر بھی دریائے رحمت میں لاشئ محض ہے۔

واللہ تعالی أعلم وعلمہ أتم وأحکم

Maktaba Tul Ishaat.com

الفیض الجاری کی جلد چہارم پوری ہوئی

والحمدللہ رب العالمین

اگلی جلد باب إذا رکع دون الصف سے شروع ہوگی انشاء اللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

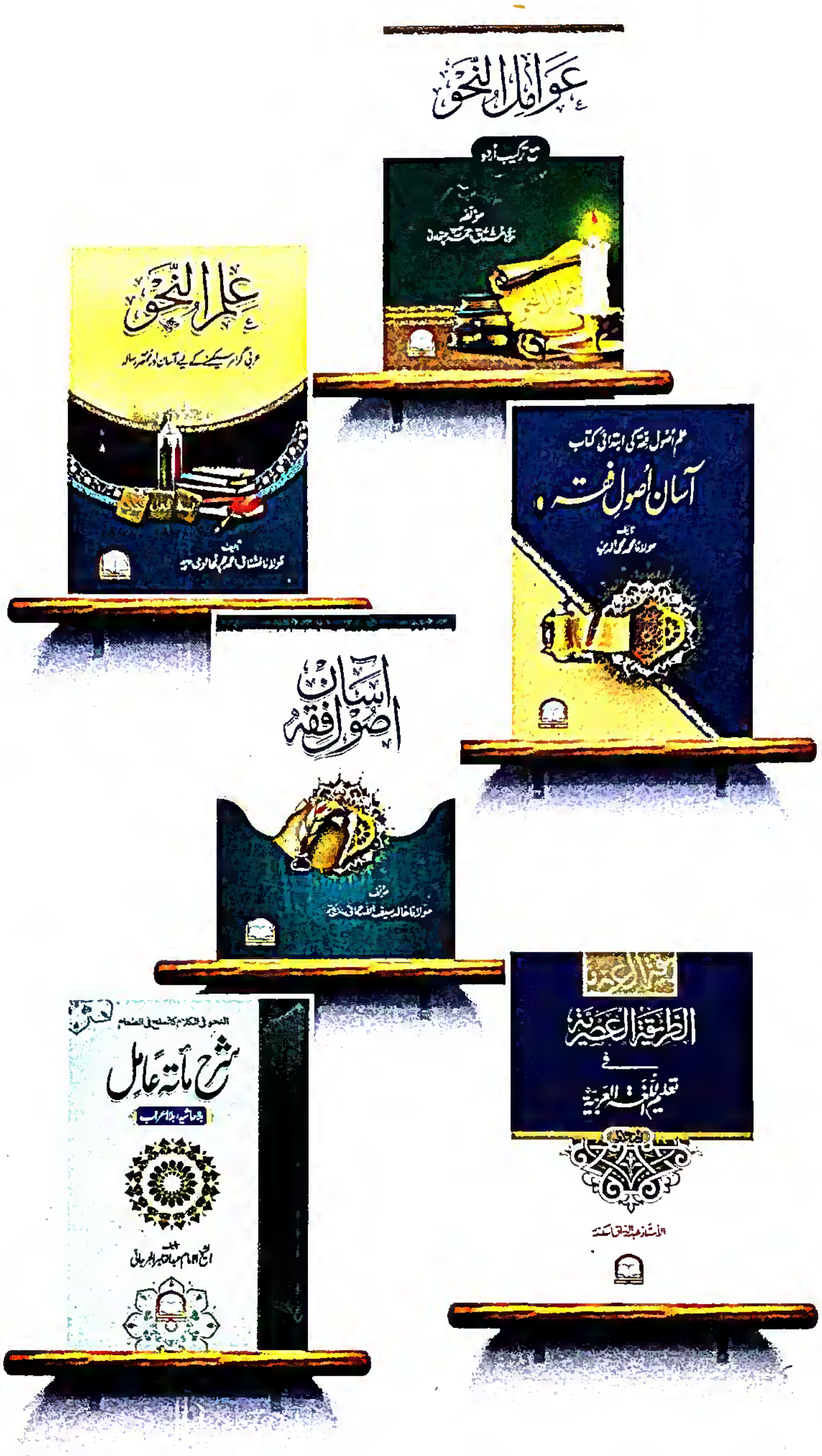

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
فون: 042-7224228-7355743
MAKTABA-E-REHMANIA